مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

شمارہ ۱ جنوری سنہ ۱۹۸۰ء جلد ۳

مکتبہ وصیۃ العلوم حسینی بازار الہ آباد

حاملِ مضامین تصوف و احسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

چندہ سالانہ ۱۸ اٹھارہ روپئے

چندہ ششماہی ۹ نو روپئے

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ڈیڑھ روپیہ

مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۱	صفر ۱۴۰۰ھ مطابق جنوری سنہ ۱۹۸۰ء	جلد ۳

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱-۷ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

"مکرّر یاد دہانی"

ناظرین عرفان کو یاد ہوگا کہ گذشتہ شمارہ میں آئندہ سال یعنی سنہ ۸۰ء کے لئے وصیۃ العرفان کا سالانہ چندہ بجائے پندرہ (۱۵) روپیہ کے انھارہ (۱۸) روپیہ ارسال کئے جانے کا اعلان کیا گیا تھا اس شمارہ میں اسی کی مزید یاددہانی مقصود ہے۔ چونکہ ہم نے بدرجۂ مجبوری ہی یہ اقدام گوارا کیا ہے امید ہے کہ آپ نہایت ہی فراخ دلی اور مضامین عرفان نیز بانیٔ رسالہ مرشدی ومولائی حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنے قلبی وروحانی محبت اور لگاؤ کا ثبوت دیتے ہوئے کامل مسرت کے ساتھ اسکا خیر مقدم فرمائیں گے۔

حالات حاضرہ سے مجبور ہوکر ہمارے سامنے صرف دو ہی صورتیں تھیں یا تو ہم رسالہ کے صفحات اور کاغذ کو الٹی کم کرکے صورت حال کا مقابلہ کرتے اور یا نہیں تو پھر اس کے چندہ ہی میں کچھ اضافہ کیا جاتا۔ چنانچہ پہلی صورت کو ہمارے قلب نے کسی طرح سے گوارا نہیں کیا کہ جلد سے جلد حضرت مصلح الامۃ کے ارشادات کو منظر عام پر لانا چاہتے ہیں اور طالبین کیلئے اس سے نفع رسانی کا سامان بہم پہونچانا منظور ہے اسکے لئے موجودہ صفحات بھی کم تھے چہ جائیکہ اس میں بھی مزید کسی کمی کا تصور کیا جائے نیز ان دینی اور اصلاحی، عرفانی اور روحانی مضامین کا جو رسالہ میں ہوتے ہیں تقاضا تو یہ تھا کہ ان کو لوح سیمیں پہ آب زر سے لکھا جاتا نہ کہ انکے موجودہ کاغذی حیثیت کو بھی اور گھٹا دیا جائے۔ اسلئے اس صورت پر توجہ ہی نہ کرکے بہت معمولی سا اضافہ ہی کر دینا گوارا کیا گیا یعنی چندہ جو پہلے آٹھ (۸) روپیہ ششماہی تھا وہ اب نو (۹) روپیہ ششماہی کر دیا گیا ہے جو حقیقت میں تو ایک معمولی ہی سا اضافہ ہے لیکن انسانی مزاج ہی کچھ اس

ساخت کا واقع ہوا ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا خسارہ بھی اسکو گوارا ہے مگر دین کیلئے ادنیٰ مشقت بھی اسکو بار خاطر ہوجاتا ہے پھر کچھ شیطان بھی ایسے مواقع پر اپنا داؤں چلاتا ہے کہ ایک بھیانک خواب بناکر اسکے سامنے معاملہ کو لے آتا ہے حالانکہ حقیقت اسکی کچھ نہیں ہوتی جسکو حق تعالیٰ نے بھی قرآن حکیم میں ان لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا شیطان تم کو فقر سے ڈراتا ہے اور برائیوں کا حکم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ مغفرۃ اور فضل کا تم سے وعدہ فرماتے ہیں۔ لہٰذا اس قسم کے مواقع پر ہمارے لئے ان مضامین کو تصور کرنا ضروری ہے ورنہ ہوسکتا ہے کہ ابلیس اپنی تدبیر میں کامیاب ہوجائے کیونکہ وہ ان حالات میں یہی انسان کے سامنے لاتا ہے کہ تمھاری آمدنی کم ہے اور خرچ بڑھتا ہی چلا جارہا ہے دیکھو رسالہ کا چندہ بھی تین روپیہ زیادہ ہوگیا ہے لہٰذا اب اسکو حذف ہی کردو ایسی صورت میں اسکا مقابلہ کرنا اور دنیوی وہمی خسارہ کے مقابلہ میں دینی واقعی نفع کو پیش کرکے اسکو عاجز و مجبور کرنا ہر انسان کے لئے آسان بھی نہیں ہے ہاں جسکو اللہ تعالیٰ ہی توفیق بخش دیں وہی اسکی مقاومت اور ان حالات میں استقامت برت سکتا ہے۔ اسلئے ذہن سے یہ بات بھی اوجھل نہ ہونی چاہئے کہ ایسے مواقع مزلۃ الاقدام ہوا کرتے ہیں ان موقعوں پر بہت سنبھل کر چلنا چاہیئے اور نفس و شیطان سے مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیئے۔

صحیح معنوں میں حضرت مصلح الامتؒ کی یادگار یہی رسالہ ہے۔ اسکے مطالعہ ہی سے آپ کو اندازہ ہوتا ہوگا کہ گویا حضرت اقدسؒ کی مجالس میں آپ حاضر ہوں۔ لہٰذا حضرتؒ کی اس یادگار کا تحفظ اور اس سے استفادہ ہر محب کے لئے لازم اور ضروری ہے ورنہ تو بدون اس کے محبت کا دعویٰ بس اس سے زیادہ نہ ہوگا کہ ؎

وجائزۃ دعویٰ المحبۃ فی الھوی   لکن لا یخفی کلام المنافق

یوں خواہشات نفسانی کی رو میں محبت کا دعویدار ہوجانا کچھ مشکل چیز نہیں ہے مگر صحیح یہ ہے کہ منافق کی بات کبھی چھپی نہیں رہ جاتی بالآخر آشکارا ہو ہی جاتی ہے۔ اللّٰھم طہر قلبی من النفاق۔

چندہ کی پیشگی رقم جلد سے جلد ارسال فرمادیں آپ کا اسقدر تعاون بھی ہمارے لئے بہت سی مشکلات کے رفع کرسکنے کا ذریعہ بنجاتا ہے۔

اپنا پتہ چاہے اردو میں لکھیں یا انگریزی میں مگر ذرا صاف لکھیں اور پوسٹ آفس کی تصریح ضرور فرمادیں۔

آپ کے تعاون کی ضرورت امسال بھی بدستور ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی ہو گئی ہے کم از کم اپنے حلقۂ احباب میں سے ایک جدید خریدار کا اضافہ تو ہر محب اپنے ذمہ لازم ہی کرلے یہ مطالبہ رسالہ کا آپ پر اسکا ایک حق ہے جو آپ کو مستحق تشکر کے علاوہ موجب اجر بھی بنائیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

جن حضرات کے ذمہ ابھی سابق ادائیگی باقی ہے وہ ازراہ کرم توجہ فرمائیں اور جلد سے جلد گذشتہ حساب بیباق فرمانے کی سعی کریں۔

اطـــلاع

رسالہ ہذا کے سرپرست اور حضرت مصلح الامۃؒ کے جانشین مخدومی مولانا حافظ قاری محمد مبین صاحب دام مجدہٗ ابتداء شوال ہی سے بمبئی تشریف لے گئے ہیں کچھ تو اپنا علاج بھی کرانا اور کچھ عزیزہ چھوٹی ہمشیرہ صاحبہ (یعنی حضرت والاؒ کی چھوٹی صاحبزادی سلمہا جو کہ برادرم مولوی ارشاد احمد سلمہٗ سے منسوب ہیں) انکا بھی علاج کرانا مقصود تھا۔ ہر دو موصوف کو مختلف حیثیت سے پتھری کی شکایت ہے ڈاکٹروں نے اسکا آخری علاج آپریشن ہی تجویز کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں بمبئی کا قیام طویل ہوتا جارہا ہے۔ اس اطلاع سے آپ حضرات سے دعاء کی درخواست کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں مخدومین کو صحت عاجلہ کاملہ مستمرہ سے نوازے اور بعافیت تامہ ان حضرات کا سایہ ہم سب خدام کے سروں پر علی الدوام قائم رکھے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کا پتہ وہاں کا یہ ہے :-

(مبین منزل۔ کمرہ ۱۱ دوسرا مالا (سکنڈ فلور) آگرہ روڈ۔ کرلا۔ بمبئی ۷۰)

ہمارے محترم جامی صاحب بھی بہرحال ضعف و ناتوانی کے ساتھ ساتھ چلے چل رہے ہیں انکی بھی اپنے رفقاء رسالہ اور قارئین عرفان سے اپنے لئے دعاء کی خصوصی درخواست ہے۔ والسلام

(ادارہ)

طریق کی ایک گمراہی اور اسکا ازالہ

فرمایا کہ ——— اسوقت ایک بہت ضروری بات کیطرف توجہ دلانا چاہتا ہوں یوں تو اس مضمون کو پہلے بھی کئی بار بیان کیا ہے اور ادھر چند دنوں سے تو مسلسل ہی بیان کر رہا ہوں لیکن اسوقت اسکی ایک ترتیب خاص اور ذرا واضح عنوان سمجھ میں آیا ہے۔ مسئلہ جب مشکل ہوتا ہے تو جب تک مخاطب کی استعداد اور اسکے فہم کی رعایت کرکے اسی کے مناسب اسکو نہیں بیان کیا جائیگا لوگوں کو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوگا اسلئے کہ سمجھ میں نہیں آئیگا۔ مگر جب وضاحت کے ساتھ کوئی بات عوام الناس کو بھی سمجھا دی جائے تو وہ بھی اتنا محسوس کرتے ہیں کہ جیسے اندھیرے سے روشنی میں آگئے اور قلب میں ایک نور سا آگیا۔ اب وہ بات سنئے :۔

علامہ شعرانی اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں شیخ محی الدین ابن عربی کا کلام نقل فرماتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ :۔

اعلم ان ورثۃ الانبیاء هم العلماء والاولیاء فالاولیاء حفاظ الاحوال والاحکام الباطنه التی تدق عن الافهام۔ والعلماء حفاظ الاحکام الظاهرة التی تفهم ببادی الرأی۔

جانو کہ حضرات انبیاء علیہم کے وارث علماء بھی ہیں اور مشائخ بھی مشائخ تو انکے احوال اور ان احکام باطنہ کی حفاظت کرنے والے ہیں جن کے سمجھنے سے افہام قاصر رہتی ہیں اور حضرات علماء احکام ظاہرہ کی حفاظت کرتے ہیں جو کہ ظاہر کلام سے بھی سمجھ میں آجاتے ہیں۔

پھر اس تقسیم کے بعد آگے جامعیت کو بیان فرماتے ہیں کہ :۔

وقد یرث هولاء ایضاً الانبیاء فی الاحوال الباطنة کما کان علیه السلف الصالح فکانوا اولیاء علماء فلما تخلف الناس عن العمل بکلما یعلمون سمو علماء فقط و

اور کبھی یہ لوگ یعنی علماء ظاہر احوال باطنی میں بھی انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ علمائے سلف کا عام حال یہی تھا کہ وہ احکام ظاہرہ اور احوال باطنہ دونوں ہی وارث ہوتے تھے۔ اور عالم ولی ہوتے تھے لیکن جب یہ لوگ اپنے علم پر عمل

سلبوهم اسم الولی والا فالعلماء حقیقة هم الاولیاء فعلی ما علیه الناس الیوم کل ولی عالم عامل بلا شك ولیس کل عالم ولیاً لانه قد یتخلف عن مقام العمل بما علم فالفقهاء علی الحقیقة هم الاولیاء لزیادتهم بعلم الاحوال علی علم المقال

ترک کردیں تو یہ صرف عالم کہلائیں گے ولی کا اطلاق انپر نہ ہوگا انکی اسی بے عملی کیوجہ سے ورنہ تو علماء ہی حقیقت میں ولی ہونے کے اہل ہیں۔ پس آجکل کے رواج کیمطابق جو ولی ہوگا وہ بلاشبہ عالم بھی ہوگا عامل بھی ہوگا لیکن ہر عالم کیلئے ولی ہونا ضروری نہیں ہے اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے علم پر عامل نہو۔ رہے فقہاء تو در اصل وہی اولیاء اللہ ہیں اسلئے کہ اقوال کے علم (وعمل) کے ساتھ ساتھ انہیں احوال کا بھی علم (وعمل) ہوتا ہے (اسلئے انکی ولایت میں کیا کلام ہوسکتا ہے)۔

(ص ۱۱ ج ۲ الیواقیت والجواہر)۔

دیکھئے یہاں فرما رہے ہیں کہ الیوم کل ولی عالمٌ عاملٌ یعنی ولی کیلئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کا علم بھی رکھتا ہو اور اسکے احکام پر عامل بھی ہو۔ بس اسوقت مجھے کلام بالا کے اسی جزو پر گفتگو کرنی ہے اور جس طرح سے کہ یہ بزرگ فرما رہے ہیں کہ ولایت کا جزو ہے تمسک بالسنۃ اور عمل بالشریعۃ اسی طرح سے صاحب رسالہ قشیریہ یہ بھی لکھتے ہیں۔ سنئے فرماتے ہیں کہ:-

فان القوم فی مکابدۃ اخلاء خواطرهم ومعالجة اخلاقهم ونفی الغفلة عن قلوبهم

قوم (صوفیہ) کا مجاہدہ بس یہ ہے کہ اپنے قلب سے وساوس دور کرے اپنے اخلاق رذیلہ کا علاج کرے اور اپنے قلب سے غفلت زائل کرے

یعنی قوم صوفیہ کا وظیفہ ہی بس تین چیزیں ہیں، ایک تو ان میں سے عدمی ہے یعنی اپنے قلب سے وساوس ردیہ کو دور کرنا۔ اور دو وجودی ہیں یعنی اخلاق کی درستگی اور کثرت ذکر جو کہ سبب اور ذریعہ ہے نفی غفلت کا۔ پس نفی غفلت اور دوام ذکر ایک ہی معنون کے دو مختلف عنوان ہیں۔ اور سنئے علامہ شعرانی ہی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں

ولا یخفی ان الارث کله یرجع الی نوعین معنوی و محسوس فالمحسوس هو الاخبار المتعلقه بافعاله صلی الله علیه وسلم

مخفی نہیں ہے کہ تمام میراثوں کا مرجع دو شے کیجانب ہے یا تو وہ معنوی ہوگی یعنی غیر ظاہر یا محسوس ہوگی۔ محسوس میراث وہ اخبار ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال اور احوال سے متعلق ہمارے پاس تک پہونچی ہیں اور معنوی وہ چیزیں ہیں جو اخلاق ذمیمہ سے نفس کو پاک کرنے

واقواله واحواله واما المعنوی فهو ۔ اور مکارم اخلاق سے اسکو سنوارنے اور متصف کرنے اور اللہ تعالیٰ
تطهیر النفس من ذم الاخلاق وتحلیتها ۔ کو حضور قلب کیساتھ بکثرت یاد رکھنے اور ہر حال میں اسکا مراقبہ حاصل
بمکارمها وکثرة ذکرہ ذکر الله عزوجل علی کل حال بحضور ومراقبة ۔ کرنیکے سلسلہ میں آپ سے منقول ہو کر مشائخ حقانی کو موصول ہوئی ہے۔

اکابر کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ سالک راہِ ولایت کیلئے ان دونوں ہی چیزوں کی ضرورت ہے یعنی ایک طرف تو ذکر و اشغال کے ذریعہ قلب سے غفلت کی نفی بھی اسکے لئے لازم ہے اور دوسری جانب اخلاق رذیلہ سے قلب کو پاک کرنا اور اخلاق محمودہ سے خود کو آراستہ کرنا جسکا طریقہ تمسک بالسنۃ ہے، یہ بھی اسکے لئے ضروری ہے جیسا کہ ایک عالم کامل متبع سنت صراطِ مستقیم میں تحریر فرماتے ہیں :۔

پس مناسب حال ابنائے روزگار اینست کہ چنانکہ اشغال و مراقبات بنا بر وصول معرفت الٰہی مینمایند ہمچنیں مراقبہ برائے ایں امور ہم پیش گیرند و بدون آں وصول را ببارگاہ قبولیت غیر ممکن انگارند

لہٰذا اہل زمانہ کے حال کے مناسب یہ ہے کہ جسطرح سے یہ لوگ اشغال و مراقبات کو اس خیال سے اختیار کرتے ہیں کہ یہ معرفت الٰہی تک وصول کا ذریعہ ہیں اسطرح سے انکو مذکورہ بالا امور (یعنی رذائل نفس کے ازالہ) وغیرہ کے مراقبہ کا بھی اہتمام کرنا چاہئے اور بدون اسکے بارگاہ قبولیت میں وصولیابی کو ناممکن سمجھنا چاہیئے۔

دیکھئے فرما رہے ہیں کہ ذکر اذکار۔ وظیفہ وظائف ، اشغال و مراقبات اگر یہ سب نفی غفلت اور حصول یکسوئی کیلئے سالک کرنا چاہتا ہے تو کرے اسکی ممانعت نہیں ہے اور نہ اس میں کچھ قباحت ہے۔ البتہ قباحت اس میں ہے کہ آدمی اصلاح اخلاق اور اتباع شرع سے ہی بے نیاز ہو جائے اور وصول الی اللہ کیلئے صرف ذکر و شغل ہی کو کافی سمجھنے لگے چنانچہ شیطان کی رہزنی سے اہل طریق میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنھوں نے وصول کے لئے عبادات مفروضہ اور اوامر شرعیہ کی ضرورت ہی سے انکار کر دیا ہے اسطرح سے کہ بعضوں کے تو پیش نظر رضا جوئی حق تعالیٰ اصلا ہوتی ہی نہیں بلکہ انکا مطمح نظر خود اپنے اندر کسی کمال کا پیدا کرنا ہوتا ہے (حالانکہ وہ کمال کیا ہوگا اسکو تو نقصان ہی کہنا چاہیئے) تاہم جب حصول رضا ان کا مقصود ہی نہیں ہوتا تو عبادات اور اوامر سے انکو کیا واسطہ رہ جاتا ہے ظاہر ہے کہ پھر شریعت نبویہ سے انکا رشتہ بالکل کٹ جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انکا تعلق ہی ختم ہو جاتا

ہے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انکا مقصود تو رضا جوئی حق تعالیٰ ہوتا ہے مگر وہ اسکا طریق اوامر شرع کے امتثال کو نہیں سمجھتے بلکہ اپنے زعم فاسد میں اسکا جو ذریعہ سمجھتے ہیں اسی کو اختیار کرتے ہیں جسکی وجہ سے اس سالک نامقبول کا یہ حال ہوجاتا ہے کہ

آں اہتمامے کہ در اوراد اوراد مشائخ می نمایند عشر عشیر آں در اہتمام اداے صلواۃ مفروضہ نمی کنند بلکہ ہرگاہ شیطان لعین برایں جماعت چیرہ دست می شود بمقتضاے واخوانھم یمدونھم فی الغی ثم لایقصرون آنہا را از راہ حق دور تر می برد نماز را مثل بیگار سرکار حاکم وقت میدانند وایں قدر وقت را کہ در نماز و وضو میگذرد رائگاں می انگارند و کار آمدنی خود نمی دانند معاذ اللہ من ذلک ۔

جو اہتمام اور جس درجہ اہتمام کہ اپنے مشائخ کے بتلائے ہوئے اوراد و وظائف کا یہ لوگ کرتے ہیں اسکا سواں حصہ بھی فرض نماز کی ادائگی کا نہیں کرتے بلکہ جب شیطان لعین اس جماعت پر غالب آجاتا ہے اور بمقتضائے ارشاد خداوندی (کہ انکے بھائی شیاطین الانس انکو گمراہی میں دور کھینچ لیجاتے ہیں اور اس میں کمی نہیں کرتے) جب ان لوگوں کو بھی شیطان راہ حق سے بہت زیادہ دور کردیتا ہے تو انکا یہ حال ہوجاتا ہے کہ نماز کو سرکار حاکم وقت کی بیگار سمجھنے لگتے ہیں اور جبراً و قہراً اسکو ادا کرتے ہیں اور جتنا وقت کہ انکا نماز اور وضو میں صرف ہوتا ہے اسکو بے کار اور ضائع تصور کرتے ہیں اور اپنے کسی کام آنیوالا نہیں سمجھتے ۔ معاذ اللہ تعالیٰ من ذلک ۔

وایں حال جماعتے است کہ متسم باسلام اند و آنانکہ خارج از دائرۂ اسلام اند با حال آنہا دریں مقام گفتگو نیست ۔

اور یہ حال اس جماعت کا ہے جو اسلام کے اسم سے موسوم ہے ، باقی رہے وہ لوگ جو کہ دائرۂ اسلام ہی سے خارج ہیں ان کے حالات زیر بحث ہی نہیں ہیں ۔

(ص ۱۴۴ صراط مستقیم)

اب ظاہر ہے کہ جب کوئی جاہل ذکر و اشغال کو اسقدر بڑھا دے اور ایسا درجہ دیدے کہ اسکے مقابلہ میں فرائض تک کی اہمیت باقی نہ رہ جائے تو یہ صریح گمراہی اور کھلا ہوا زیغ و ضلال ہے ۔

اور لوگوں کے حالات اور تجربات بتلاتے ہیں کہ آج بھی اس قسم کے بہت سے

لوگ موجود ہیں اور یہ سلسلہ بہت دنوں سے چلا آرہا ہے یعنی ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوئے ہیں اور علمائے حقانی نے اس خیال کی اپنے وقت میں شدت سے تردید فرمائی ہے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دکھایا ہے۔ سنئے محبوب سبحانی عالم ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے فتوح الغیب کا ایک پورا مقالہ ہی اس بحث کے لئے قائم فرمایا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ:۔

ینبغی للمؤمن ان یشتغل اولاً بالفرائض فاذا فرغ منها اشتغل بالسنن ثم یشتغل بالنوافل والفضائل فما لم یفرغ من الفرائض فالاشتغال بالسنن حمق ورعونة فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منه واهین۔	مؤمن کیلئے لازم ہے کہ سب سے پہلے فرائض میں مشغول ہو اور اسکو ادا کرے اور جب اس سے فارغ ہو جائے تو سنن میں مشغول ہو پھر اسکے بعد نوافل اور فضائل میں۔ اور اگر ابھی فرائض سے فارغ نہیں ہوا تو پھر سنن میں مشغول ہونا حماقت اور رعونت ہے۔ اور اگر سنن یا نوافل میں فرائض سے پہلے مشغول ہو گیا تو وہ مقبول نہوں گی اور اسکی اہانت کی جائے۔

اسی طرح سے مثال وغیرہ کے ذریعہ مسئلہ کو سمجھاتے چلے گئے ہیں چند سطور کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

ومثل المصلی کمثل التاجر لا یحصل ربحه حتی یاخذ رأس ماله فکذلک المصلی بالنوافل لا یقبل له نافلة حتی یؤدی الفریضة (فتوح الغیب ص۲۷)	بکثرت نفل نماز پڑھنے والے کی مثال اس تاجر کی سی ہے جسے کچھ نفع نہ ہوتا ہو اور وہ اپنی اصل پونجی ہی میں سے خرچ کرنے لگ جائے۔ اسی طرح سے نفل پڑھنے والے کی نفل عبادت قبول ہی نہیں ہوگی جبتک وہ فرائض کو نہ ادا کرے (یعنی نفع در اصل وہ کہلاتا ہے جو اصل کے تحفظ کے بعد ہو اور جبکہ اصل ہی غائب ہو جائے تو وہ نفع کیا خسارہ ہے)۔

دیکھئے حضرت کیسا تیز فرما رہے ہیں یہ اسی لئے تاکہ لوگوں کو اس صریح گمراہی سے نکالیں اور انمیں اس بدعقیدگی کو جگہ نہ پکڑنے دیں کہ نوافل کا درجہ معاذ اللہ فرائض سے بڑھا ہوا ہے۔

اور سنئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے ایک رسالہ الکشف والتبیین میں فرماتے ہیں کہ

(و فرقۃ اخری) حرصت علی النوافل ولم یعظم اعتدادھا بالفرائض فتری احدھم یفرح بصلوٰۃ الضحی وصلوٰۃ اللیل وامثال ھذہ النوافل ولایجد لصلوٰۃ الفرض لذۃ ولا خیراً من اللہ تعالیٰ (ص۵۶)

اور ایک دوسرا فرقہ ہے جو کہ نوافل کا حریص ہے حالانکہ فرائض کا اہتمام اسکو کامل طور پر نہیں ہے چنانچہ تم ان میں کے ایک شخص کو دیکھو گے کہ چاشت اشراق اور اوابین اور اسی جیسی نفل نمازوں کو پڑھکر تو خوب خوش ہوتا ہے اور فرض نماز کی ادائیگی میں نہ تو اسکو کچھ لذت ہی ملتی ہے اور نہ حق تعالیٰ کی جانب سے کسی خیر ہی کو وہ پاتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ نفس نوافل کی جانب امیل ہے اسکو اسکے ادا کرنے میں زیادہ لذت ملتی ہے اسلئے یہ موقع مزلۃ الاقدام کا تھا کہ امیل ہونے کے سبب انسان اسکو اپنی جہالت سے افضل بھی سمجھ لیتا، اس منشاء کو سمجھکر ان حضرات نے علم کی روشنی پہونچائی تاکہ جہالت کی تاریکی کافور ہو جائے۔

النفس للنوافل امیل من جھۃ انھا تعمل ما تعمل بتصرفھا ورأیھا فلھا فی ذلک لذۃ التصرف والاطلاق وفی الفرائض ھی مقھورۃ تحت حکم التکلیف ومن ھنا واللہ اعلم کانت الفرائض اعظم ثواباً لمشقتھا علی النفس من حیث انھا لاحظ لھا فیھا (ترصیع ص۲۸)

نفس نوافل کی جانب زیادہ مائل ہوا کرتا ہے اسلئے کہ وہ جو کچھ بیاں کرتا ہے وہ اپنے تصرف اور اپنے اختیار سے کرتا ہے تو اسکو اس میں خودمختاری کی اور آزادی کی لذت ملتی ہے رہے فرائض تو انمیں تو وہ تکالیف شرعیہ کی قید و بند میں جکڑا ہوتا ہے یہی بات ہے (واللہ تعالیٰ اعلم) کہ فرائض کا ثواب بھی زیادہ ہے کیونکہ حظ اور لذت نہ ملنے کی وجہ سے نفس کو انکی ادائیگی میں مشقت زیادہ ہوتی ہے (اور جب مشقت زیادہ تو اجر بھی زیادہ)۔

دیکھئے یہاں وجہ بیان فرما دی کہ نفس نوافل کی جانب امیل ہوتا کیوں ہے؟ اور اس میں شک نہیں کہ بالکل صحیح فرمایا۔ آزادی سب ہی کو طبعاً پسند ہے اور جس کام کی نسبت اپنی جانب ہو اسکے انجام دینے میں مسرت بھی ہوتی ہے اور نفل کے اندر یہ دونوں باتیں ہیں۔ کرنے نہ کرنے کی آزادی بھی ہے اور ہماری ہی جانب وہ منسوب بھی ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا فریضہ ناقصین کی نظروں میں حاکم وقت کی بیگار معلوم ہوتا ہے اور نوافل کا اہتمام اس سے کہیں بڑھکر کیا جاتا ہے یہ بات صحیح ہے۔ لیکن صاحب ترصیع نے آگے یہ جو فرمایا کہ فرض میں ثواب زیادہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ نفس پر شاق ہوتا ہے اور فرائض میں مشقت زیادہ ہے تو انھیں بزرگوں کی برکت سے کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے، فرائض میں مشقت نہیں ہے۔ مشقت نوافل ہی میں زیادہ ہے پھر جو نفس اسکی جانب امیل ہے تو یہ اغوار شیطان کیوجہ سے ہے کہ وہ اس طرح سے اغوا کر کے ایک غیر اہم کو اہم اور اہم کو غیر اہم دکھانا چاہتا ہے اور افضل سے ہٹاکر مفضول کی جانب تو یہ مبذول کرانا چاہتا ہے۔ فرض کو تو اللہ تعالےٰ نے سب پر فرض کر کے نفس پر سہل اور آسان فرما دیا جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر بھی فرض کیا جا چکا ہے) اور عقلی قاعدہ ہے کہ البلیة اذا عمت طابت. مصیبت جب عام ہو جاتی ہے تو خوشگوار بنجاتی ہے اسلئے فرض میں مشقت نہیں ہے مشقت نوافل ہی میں ہے کہ تنہا کرنا پڑتا ہے باقی اجر جو اسکا زیادہ ہے تو اسلئے کہ وہ فرض ہے۔ کسی عبادت کو جو فرض ہو فرض سمجھکر اور حکم حاکم کے امتثال کی نیت سے ادا کرنا خود ایک مستقل فضل ہے اور موجب ازدیاد اجر ہے۔ صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ

ولاشك ان من قام بالفرائض وترك النوافل افضل ممن قام بالنوافل وترك الفرائض واكثر الناس مبتلون بهذ البلاء ولذا قال بعض العارفين انما حرموا الوصول بتضييعهم الاصول

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص فرائض کو اہتمام کے ساتھ ادا کرے اور نوافل کو ترک کردے وہ اس شخص سے کہیں افضل اور بہتر ہے جو کہ نوافل کا اہتمام تو کرے اور فرائض کو ترک کردے مگر اکثر و بیشتر لوگ اسی مرض میں مبتلا ہیں اسی لئے عارفین نے کہا ہے کہ لوگ وصول الی اللہ سے اصول کے ضائع کرنے کیوجہ سے محروم ہوئے ہیں

دیکھئے اس سے فرائض کا فضل معلوم ہوا اور کیسی مناسب جگہ بزرگوں کا یہ ارشاد چسپاں کیا۔ سبحان اللہ۔ لوگ جو وصول الی اللہ سے محروم ہیں تو اصل حرمان کیوجہ اصول کا ضایع کرنا ہے اور ان میں مثلاً نماز کی فرضیت کا اعتقاد اور اسکی اقامت یعنی پابندی بھی داخل ہے اور اس اعتقاد و عمل کے بغیر وصول سے حرمان ہی نصیب ہوگا۔

بہرحال میں کہہ یہ رہا تھا کہ جس طرح سے فرض کا درجہ نفل سے بڑھا ہوا ہے اسی طرح سے سمجھنا چاہیئے کہ پیر کے تبلائے ہوئے اوراد سے نماز وغیرہ کا درجہ بہت زیادہ ہے لہٰذا جو لوگ ذکر وغیرہ کو لیکر فرائض اور تمسک بالسنہ میں کوتاہی کرتے ہیں وہ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں کہ مخلوق کے بتائے ہوئے وظیفے کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے وظیفے سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ مصلحین امت نے ہر زمانہ میں اس مرض کو پکڑا ہے اور اسکی اصلاح فرمائی لوگوں کو اس جہالت سے نکالنے کیلئے جان و تن کی بازی لگا دی ہے اور کسی کی مخالفت اور ملامت کی پرواہ کئے بغیر ڈنکے کی چوٹ پر حق بات کہدی اور اس میں شک نہیں کہ ان حضرات نے امت پر احسان عظیم فرمایا اور لوگوں کا انکی اس جہالت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو رشتہ ٹوٹ رہا تھا اسکو جوڑ دیا اور شریعت کی شاہراہ پر امت کو لا کھڑا کیا ورنہ اندیشہ ہو چلا تھا کہ شریعت کا دامن ہی انکے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر دے۔ یہ حضرات مجدد ہوئے ہیں انھوں نے دین کی سچی خدمت اور تجدید فرمائی ہے۔ اپنے کو منوانے کی کوشش کبھی نہیں کی بلکہ اس امر کی کوشش رہی ہے کہ لوگ دین کو شریعت کو، خدا کو اور رسول کو مان لیں اب کس قدر ظلم و ستم ہے کہ جن ہستیوں نے امت کا رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑا ہو انھیں کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو نہیں مانتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان حضرات نے دین کی کتنی بڑی خدمت فرمائی! اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بہت بڑے نمبروں سے کامیاب ہوئے بات یہ ہے کہ ان حضرات کے سینہ میں نور تھا اس لئے چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی نور ایمان سے محروم نہ رہیں لہٰذا جب فرائض کے متعلق امت میں یہ بدعقیدگی دیکھی تو اسکو برداشت نہ کر سکے اور اسکی ایسی حقیقت واضح فرما دی کہ سب کو بات سمجھا دی۔ جب آدمی فرض کو اسکا درجہ ہی نہ دیگا اور اسکے درجے سے اسکو گرا دیگا اور اس سے اس طرح بدعقیدہ رہے گا تو اس نے اسکو ملے گا کیا اور جب عقیدہ درست کرے گا خدا کے فرض کی پوری عظمت قلب میں لے آوے گا تو ایمان تو دل میں پڑ ہی گیا اب اسکی روشنی میں جیسے جیسے عمل کرتا جائے گا ایمان اور بڑھتا جائے گا سبحان اللہ ہمارے اکابر دین کے محقق تھے اسکے مسائل پر ایسا کلام فرماتے

تھے کہ اسکو سنکر قلب میں نور آجاتا تھا۔ آپ نے بھی یہ تمام گفتگو سنی اس سے فرالنفس کی عظمت کچھ زیادہ ہی قلب میں ہوگئی ہوگی اور دل میں کوئی چیز آتی ہوئی معلوم ہوئی ہوگی ایسی کہ اس سے قبل قلب اس نوع کی بصیرت سے خالی رہا ہوگا

اصلاح نفس فرض عین ہے

فرمایا کہ ——— اصلاح نفس فرض عین ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے کہ

اعلم ان علم الاخلاص والعجب والحسد والریاء فرض عین ومثلها غیرها من آفات النفوس کالکبر والشح والحقد والغش والغضب والعداوۃ والبغضاء والطمع والبخل والبطر والخیلاء والخیانۃ والمداهنۃ والاستکبار عن الحق والمکر والمخادعۃ والقسوۃ وطول الامل ونحوها ولا ینفك عنها بشر فیلزمه ان یتعلم ما یری نفسه محتاجًا الیها وازالتها فرض عین ولا یمکن الا بمعرفۃ حدودها

(شامی) (بیاض ص ۱۸)

جانو کہ اخلاص کا علم اور عجب وحسد اور ریا کا علم فرض عین ہے اور اسی طرح سے آفات نفوس میں کی اور دوسری چیزیں جیسے کبر شدت حرص۔ کینہ۔ دھوکا دہی۔ غصہ عداوت۔ بغض۔ لالچ بخل۔ گھمنڈ۔ غرور اور تکبر۔ خیانت۔ دین میں مداہنت کرنا۔ حق سے عار۔ مکر و خداع۔ سنگ دلی۔ دور از کار خیالات اور امیدیں اور اسی طرح کے دیگر رذائل جن سے کوئی فرد بشر خالی نہیں ہے۔ لہٰذا چاہیے کہ ان امور میں سے جن کی اصلاح کی جانب اپنے کو محتاج پائے انکی حقیقت کو پہچاننے اور ان کو دور کرے کہ یہ فرض عین ہے۔ مگر اسکی معرفت بدون اسکی تعریف کے جانے ناممکن ہے۔

(شامی)

اسی طرح سے فتح الباری میں ہے کہ:۔

محبۃ اللّٰه تعالیٰ علی قسمین فرض وندب فالفرض المحبۃ التی

اللہ تعالیٰ کی محبت کی دو قسمیں ہیں ایک فرض ہے ایک مستحب ہے پس فرض تو وہ محبت ہے

تبعت علی امتثال اوامرہ والانتھاء عن معاصیہ والرضا بما یقدرہ فمن وقع فی معصیۃ من فعل محرم و ترک واجب فلتقصیرہ فی محبۃ اللّٰہ حیث قدم ھوی نفسہ علیہ

جو کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کے امتثال پر اور اسکی معصیت سے اجتناب پر انسان کو ابھارے۔ اور اسکی تقدیر پر راضی رکھے۔ چنانچہ جو شخص بھی کسی معصیت میں واقع ہوتا ہے خواہ حرام کا ارتکاب کرے یا واجب کا ترک کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں کمی ہی کے سبب سے ہوتا ہے اسلئے کہ اسنے اپنی خواہش کو خدا کے حکم پر مقدم کردیا۔

نیز شفاء العلیل میں ہے کہ :۔

ف : "کامل مطلق وہ ہے جو علم ظاہر اور باطن دونوں کا جامع ہو ورنہ نقصان سے خالی نہیں عالم ظاہر تحصیل نسبت باطن کا محتاج ہے اور باطنی نسبت والا کتاب و سنت کے علم حاصل کرنیکا حاجتمند تا جامع النورین اور مجمع البحرین اور یادگار اولیاء سابقین اور وارث الانبیاء والمرسلین ہو جائے"۔ وقال المحشی ۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ :۔

من تصوف و لم یتفقہ فقد تزندق ۔ ومن تفقہ و لم یتصوف فقد تفسق ۔ ومن جمع بینھما فقد تحقق ۔

یعنی جو صوفی ہوا اور فقہ نہ حاصل نہ کیا پس بلاشبہ زندیق ہوا یعنی ٹھیٹ کافر اسلئے کہ امن نہیں ہوتا دین کے برباد کرنے سے اور جو کوئی فقیہ ہوا اور تصوف نہ حاصل کیا پس بلاشبہ زاہد خشک اور پھیکا پھاکا ملا۔ اور جس نے جمع کیا تصوف اور فقہ کو پس بلاشبہ محقق ہوا۔

دیکھئے مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ رذائل کا ازالہ فرض عین ہے اب اگر آدمی اس پر عمل نہ کریگا تو فاسق ہوگا اور اگر معاذ اللہ اسکا منکر ہوگا تب تو کافر ہی ہو جائے گا نیز یہ کہ امام مالکؒ کے زمانہ میں بھی لفظ تصوف زبانوں پر تھا پس یہ بدعت نہیں ہے ۔

مسئلہ فنا

فرمایا کہ ——— پنجاب کیطرف کے ایک عالم تھے انھوں نے حضرتؒ کی تصنیفات کا مطالعہ کیا تھا ایک دفعہ حضرتؒ کو لکھا کہ آپ کی سب باتیں خوب سمجھ میں آتی ہیں اور الحمدللہ کہ سب مسائل میں تشفی بھی ہو جاتی ہے مگر صرف ایک بات سمجھ میں نہیں آئی

اور وہ فنا کا مسئلہ ہے کہ اس مسئلہ میں قلب کو تسلی نہیں ہوتی کیونکہ فناء کا حاصل تو میں یہی سمجھ رہا ہوں کہ اپنی جملہ صفات کو ختم کر دیا جائے لیکن اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص جو مثلاً عالم ہے تو اب بھلا وہ اپنے علم کو کیونکر ختم کر دے اور کس طرح سے اپنے کو جاہل سمجھنے لگے۔ یا اللہ تعالیٰ نے اسکو فہم و عقل سے نوازا ہے تو اب کیونکر اپنے کو بے عقل اور احمق سمجھنے لگ جائے یا کسی کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت اور حسن سیرت عطا فرمایا ہے تو بھلا وہ کیسے اپنے آپ کو بدشکل یا بد سیرت سمجھنے لگے ــــــ"

ہم لوگ برابر اس مسئلہ کو حضرتؒ سے سنا کرتے تھے مگر یہ نہ معلوم تھا کہ واقعی اس میں کوئی اشکال بھی ہے۔ ان مولوی صاحب کے دریافت کرنے سے اور حضرتؒ کے انکے اشکال کی مزید تشریح فرمانے سے معلوم ہوا کہ واقعی اس میں بڑا اشکال ہوتا ہے۔ جب اشکال کی تقریر ذہن نشین ہو گئی تو اب حضرت کا جواب سنیئے۔ سبحان اللہ کتنے بڑے محقق تھے کہ جس مسئلہ میں بڑے بڑے عالم الجھ جاتے تھے حضرت اسکو دو لفظوں میں حل فرما دیتے تھے۔

حضرتؒ نے ان عالم صاحب کو جواب دیا کہ فناء کے یہ معنی تھوڑا ہی ہیں کہ انسان اپنے کمالات اور خوبیوں کو بھی فنا کر ڈالے اور عالم ہے تو اپنے کو جاہل سمجھنے لگے یہ نہ تو مطلوب ہے اور نہ ممکن ہی ہے۔ جن امور خیر کو اللہ تعالیٰ نے کسی انسان میں فطرتاً ودیعت فرمایا ہے انسان قادر نہیں کہ انھیں ختم کر سکے پھر بھلا حضرات صوفیہ جو کہ حکمائے امت ہوئے ہیں۔ اس بات کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں۔ بلکہ فنا سے مراد ان حضرات کے یہاں رذائل اور اخلاق مذمومہ کا فناء ہے یعنی محل فنا مذموم شئے ہے اسی کو فنا کرنا چاہیئے نہ کہ امور محمودہ۔ بس اشکال رفع ہو گیا۔

دیکھئے حضرتؒ کے اس جواب کے بعد اشکال کس طرح ختم ہو گیا اور فناء کی حقیقت بالکل ذہن نشین ہو گئی اور مسئلہ جو بظاہر دشوار معلوم ہوتا تھا کتنا آسان ہو گیا۔ واقعی محقق کے کلام کی یہی شان ہوتی ہے وہ چونکہ بات کی تہ اور حقیقت تک خود پہونچا ہوا ہوتا ہے اسلئے دوسروں کو بھی وہ بات دلنشیں کرا سکتا ہے اور غیر محقق کو یہ درجہ حاصل نہیں ہوتا۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ——— فنا کا اطلاق دو معنوں میں ہوتا ہے ایک
[ف]نا حسی اور واقعی اور دوسرے فنا علمی ۔ فنا حسی میں تو یہ ہوتا ہے کہ وہ شے حقیقۃً فنا ہو ہی جاتی ہے
[او]ر یہ فنا رذائل کا ہوتا ہے کہ جب وہ فنا ہو جاتے ہیں تو پھر نہیں لوٹتے اور اگر کسی کے رذائل
[عو]د کر آئیں تو سمجھو کہ ابھی وہ فنا ہی نہیں ہوئے تھے اسکو فنا نفس بھی کہتے ہیں حصول تقویٰ کیلئے اسکا
[ہ]ونا ضروری ہے ۔ دوسری قسم فنا علمی ہے اسمیں فانی چیز واقع میں فنا نہیں ہوتی لیکن اسکی طرف
[ا]لتفات یعنی اسکا علم فنا ہو جاتا ہے اسکو فنا قلب بھی کہتے ہیں یعنی غیر اللہ کو قلب سے فنا کر دینے کا مطلب
[یہ] نہیں ہوتا کہ وہ سب غیر اللہ ختم ہو جاتے ہیں وہ تو سب موجود ہی رہتے ہیں ہاں علم اور التفات انکی جانب
سے منکر اللہ تعالیٰ کی جانب ہو جاتا ہے یعنی فنا سے پہلے ان مخلوقات سے جو تعلق تھا اب وہ
نہیں لوٹتا باقی اگر انکی جانب التفات ہوتا بھی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے تعلق ہی کے اثر سے یعنی انکے
حکم و ارشاد سے ہوتا ہے ۔ باقی چونکہ محبت کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے ماسوا کا خاتمہ کر دیتی ہے اسلئے بعض
حضرات نے اسکو اس عنوان سے تعبیر کر دیا ہے کہ فنا کے معنی یہ ہیں کہ قلب میں ماسوا اللہ ہو ہی نہیں اسی
اثر کی تعبیر ہے ورنہ تو شرعاً یہ درجہ مطلوب نہیں ہے اور نہ غیر اللہ کی محبت کا قلب میں ہونا ممنوع
ہے حضرتؒ نے ایکبار اپنے وعظ میں اس مسئلہ کو بھی بیان فرمایا کہ غیر اللہ کی محبت سے قلب مطلقاً خالی
ہو جائے نصوص سے اسکا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ قرآن شریف میں ہے قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ
وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا
أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۔ اس میں
ان امور کی احبیت کی ممانعت ہے نفس محبت ممنوع نہیں یہ آیت اس مضمون میں صریح ہے کہ ایسی
احب الیکم من اللہ و رسولہ وارد ہے مخلوق کی محبت اللہ و رسول اور اسکے احکام سے
زائد نہ ہو ۔ بس یہ مطلوب ہے ۔

ایک جانب حضرات صوفیا کے اس قول کو دیکھئے کہ قلب کو غیر اللہ کی محبت سے خالی
کرنا چاہیئے دوسری جانب حضرتؒ کی اس تفصیل و تحقیق کو دیکھئے تب آپکو حضرتؒ کی شان تدقیق
کا کچھ اندازہ ہوگا محقق کے کلام کی خوبی جب معلوم ہوتی ہے کہ اور کلاموں سے اسکا موازنہ کیا جائے
کسی نے سچ کہا ہے ۔ ع و بضدها تتبين الاشياء (چیزیں اپنی ضد کے ذریعہ پہچانی جاتی ہیں) ۔

(مکتوب نمبر ۱۶۱)

حال : گذارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ حضرت والا کی خاص توجہ اس حقیر ناچیز پر مثل روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آخرت کا خوف خداوند تعالیٰ کی رضا کا شوق قلب کو بے چین اور افسردہ کئے ہوئے ہے۔ **تحقیق** : الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

حال : اور یہی فکر لگی رہتی ہے کہ وہ اپنی محبت کا ایک ذرہ برابر حصہ عطا فرمائیں تو کام بن جائے۔ اور غفلت کے پردے چاک ہو جائیں۔ **تحقیق** : بیشک

حال : حضرت والا کی خاص توجہ کا یہ اثر ہے کہ اپنے کام میں فکر اور توجہ سے لگا رہتا ہوں ذکر کے وقت خدا تعالیٰ کی بڑائی اسکی عظمت اور پاکی کا حضور رہتا ہے اور اپنی ناپاکی ذلت اور محتاجی کا حضور رہتا ہے جس سے قلب پر جو اثرات پڑتے ہیں بندہ بیان کرنے سے عاجز ہے۔ **تحقیق** : الحمد للہ۔

حال : دعا فرمائیں کہ اس میں اور زیادہ ترقی ہوتی رہے۔ اور خصوصاً اخلاق رذیلہ کیلئے دعا فرمائیں کہ اخلاق حسنہ سے بدل جائیں۔ **تحقیق** : دعا کرتا ہوں۔

حال : حسن خلق کیطرف نظر کرتا ہوں تو کچھ ہی کچھ نظر آتی ہے اسکی فکر و غم جدا ہے۔
تحقیق : یہ پورا جملہ مجھے بہت پسند آیا۔ اس سے سمجھتا ہوں کہ راستہ پر لگ گئے ہو۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت مصلح الامتؒ کا یہ جملہ حضرت والاؒ کے مشن کا پورا ترجمان ہے۔ حضرت اقدسؒ کے یہاں کیا کام ہوتا تھا کیا تعلیم تھی اور آپ اپنے یہاں آنے جانے والوں سے کیا چاہتے تھے اور کس حال اور نظام پر انکو دیکھنا چاہتے تھے؟ حضرتؒ کے اس جواب سے سب کا جواب معلوم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت والا کے یہاں تصوف صرف بشکل اوراد و وظائف ذکر و تسبیح ہی نہ تھا بلکہ حسن اخلاق پیدا کرنے کا مطالبہ بھی تھا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف صاف یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ ان العبد لیبلغ بحسن خلقہ عظم درجات الآخرۃ وشرف المنازل وانہ لضعیف العبادۃ وانہ لیبلغ بسوء خلقہ اسفل درک جھنم وانہ لعابد

بیشک بندہ اپنے اخلاق کی خوبی کی وجہ سے آخرت کے بڑے بڑے درجوں اور بڑے مرتبوں کو پہونچ جاتا ہے حالانکہ وہ عبادت میں ضعیف ہوتا ہے اور بیشک وہ اپنے بُرے اخلاق کی وجہ سے جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں پہونچ جاتا ہے حالانکہ وہ دنیا میں عبادت گذار ہوتا ہے۔ تو جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشاد کی رو سے خلق حسن کا درجہ نفلی عبادات سے زیادہ ہوا تو محققین صوفیہ نے بمقابلہ نوافل عبادات کے اخلاق کی درستگی کی جانب زیادہ توجہ رکھی یہی ہمارے حضرتؒ کا بھی طریقہ تھا فللہ الحمد۔ جامی)

حال، حضرت والا کی صحبت بابرکت سے محروم ہوں اسکا حزن وغم اور زیادہ ستا رہا ہے برابر یہی دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ ہمارے لئے یہ ایک عذاب ہی ہے اسکو رفع فرما۔ موسم خوشگوار بنا دے تاکہ حضرت والا آنے پر راضی ہو جائیں۔ تحقیق: آمین

حال: آج چند روز ہوئے ایک خواب دیکھا کہ حضرت والا ایک وسیع جگہ میں تشریف فرما ہیں مسند پر ٹیک لگائے ہوئے ہیں آپ کے اردگرد بہت سے لوگ بیٹھے ہیں۔ احقر بھی اس مجلس میں حاضر ہے اور حضرت والا کے ڈر سے مجلس کے آخر میں ایک طرف بیٹھا ہے۔ سب لوگ یکے بعد دیگرے مصافحہ کر رہے ہیں اور حضرت والا سبھوں کیجانب پوری طرح متوجہ ہیں اور احقر بھی ڈرتے ڈرتے مصافحہ کرنے کے لئے آخر میں حاضر ہوا جیسے ہی مصافحہ کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا حضرت والا ویسے ہی ہاتھ پکڑ کر بہت تیزی اور زور زور سے مارنے لگے۔ اس حالت میں احقر حضرت والاؒ کے پاس اور جھک گیا اور حضرت مارنے لگے۔ سب لوگ میری جانب دیکھ رہے تھے اسکے بعد احقر بہت ہی افسوس کرتے ہوئے اور روتے ہوئے حضرت والا کے اس ہاتھ کو پکڑ کر دبانے لگا کہ میری وجہ سے ہاتھ میں تکلیف ہو گئی اور ہاتھ دباتا جاتا تھا اور رو رو کر یہ کہتا جاتا تھا کہ حضرت کو میری وجہ سے ہاتھ میں تکلیف پہونچ گئی حضرت والا نے یہ حال دیکھکر احقر کے لب اور پیشانی کو چوما اور بہت ہی شفقت سے فرمایا کہ ہاں جی ہاتھ میں چوٹ لگ گئی اور میں ہاتھ کو دباتا رہا یہاں تک کہ احقر بیدار ہو گیا۔ جس وقت حضرت مار رہے تھے سب لوگوں کا دیکھنا میری جانب ذلت

کی نظر سے معلوم ہو رہا تھا اور جب حضرت میری پیشانی کو چومنے لگے تو یہ لوگ دیکھکر متحیر سے رہ گئے ۔

تحقیق : خواب بہت عمدہ ہے اور یہ خواب نہایت خصوصیت کی دلیل ہے نیز ظاہر و باطن کی اصلاح ہوگی اور عزت ملے گی ۔

(مکتوب نمبر ۱۶۲)

حال : جب سے آیا ہوں روزانہ حضرت والا کی زیارت خواب میں نصیب ہو جاتی ہے ۔
تحقیق : الحمد للہ ۔
حال : اور بس رات دن حضرت والا ہی کی یاد رہتی ہے ۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : در اقدس سے ہوکر آ رہا ہوں عجب میں دل کا عالم پا رہا ہوں
ابھی سے روح پر ہے وجد طاری تصور میں یہ کس کو لا رہا ہوں
کرامت شیخ کی ـــــ اللہ اکبر اب انکو دل کے اندر پا رہا ہوں

تحقیق : خوب محبت کے اثرات رونما ہو رہے ہیں ۔
حال : حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے کہ میرے اندر جو رذائل نفسانی ہیں انکی اصلاح ہو جائے ۔ تحقیق : آمین ۔

(مکتوب نمبر ۱۶۳)

حال : الحمد للہ یہاں بارش کا سلسلہ شروع ہے موسم بہت اچھا معلوم ہو رہا ہے خدا کرے ایسے ہی رہے ۔
تحقیق : آنعزیز کو یہ معلوم ہے اور میں نے بارہا اسکو کہا ہے کہ لوگ اس زمانہ میں پیر کو بس تبرک بنانا چاہتے ہیں اور میں تبرک بننا نہیں چاہتا اسلئے صاف کہتا ہوں کہ میرا کسی جگہ سے اسکی ذات کی وجہ سے تعلق نہیں ۔ تم جانتے ہو کہ میں نے اپنا وطن چھوڑ دیا آدمی کو کسی جگہ سے اگر تعلق ہوتا ہے تو اپنے وطن سے ہوتا ہے

لیکن میں نے بقول اسے ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد — فدائے یک تن بیگانہ کا شنا باشد

(یعنی ہزار اپنے ایسے جو خدا تعالیٰ سے بے تعلق ہوں اس ایک غیر پہ فدا اور قربان ہوں جو کہ خدا کا آشنا ہو)

وہاں سے بھی ترک سکونت اختیار کرلی۔ اسی طرح سے الہ آباد ہو یا بمبئی ہو کوئی جگہ بالذات میرے لئے جالب توجہ نہیں ہے۔ ہاں دین کی وجہ سے اور نصیحت قبول کرنے کی وجہ سے کسی جگہ کو ترجیح ہو سکتی ہے اسلئے اسکے متعلق فرمایئے کہ لوگوں کا کیا خیال ہے؟

مجلس میں عوام و خواص سب کو یہ سنا دیجئے اور سوال کیجئے کہ لوگ اسکا جواب دیں اور مجھے لکھئے ..... صاحب نے جو بات لوگوں سے کہی ہے (جسے ..... صاحب نے نقل کیا ہے آپ نے نہیں لکھا) وہ ٹھیک کہا ہے۔ چاہتا ہوں کہ اس قسم کی اخلاص اور کام کی باتیں لوگوں سے کی جائیں مگر اسکے لئے ضروری ہے کہ لوگ کوئی بات کہیں تو پہلے اس بات سے وہ خود متاثر ہولیں تب دوسروں سے کہیں۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ ان صاحب نے جو بات کہی تھی جسے کسی صاحب نے حضرت والا کو لکھدیا تھا اور حضرت اقدسؒ نے اسکو پسند فرمایا تھا وہ یہ تھی، انھوں نے یہ لکھا کہ:-

"..... صاحب بھی بمبئی سے واپسی کے بعد برابر چوتھے پانچویں اہل مجلس سے، حضرت والا کی باتوں کو جو وہاں سے سنکر آئے ہیں بیان کرتے رہتے ہیں اور مطالبہ بھی پیش کرتے رہتے ہیں کہ اپنے شیخ کو راضی کرو اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اللہ عزّ و جلّ کو راضی رکھو۔

اور یہ بھی کہا کہ حضرت والا کے آنے میں دیر ہونے کی وجہ بھی یہی سمجھنا چاہیئے کہ ہمارے اخلاص اور حال میں کمی ہے۔ یہ سنکر اب لوگ اور زیادہ سرگرم ہو رہے ہیں اور اخلاص و تصوف کو (یعنی اخلاص اور اصلاحِ اخلاق کو) اپنانے میں لگے ہیں۔ والسلام"

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامّۃؒ کی شانِ اصلاح کہ لکھنے والے نے یہ لکھا کہ

یہاں کا موسم خوشگوار ہے۔ بارش کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ الہ آباد کی گرمی کی شدت حضرت والاؒ کے لئے مانع سفر تھی سو الحمد للہ یہ مانع زائل ہوگیا۔ لیکن حضرت اقدسؒ نے اس بات کو ہاتھ بھی نہیں لگایا اور کیسی عمدہ بات انکو جواب میں لکھا اور کسی صاحب نے اہل مجلس سے جو مطالبہ کیا اسکو کیسا سراہا اور فرمایا کہ چاہتا ہوں کہ اسی قسم کی اخلاص اور کام کام کی باتیں لوگوں سے کی جائیں مگر یہ جب ہی ممکن ہے کہ پہلے کہنے والا خود اس جذبہ سے سرشار ہولے تب دوسروں سے کہے اور جس کے اندر خود تاثر نہ ہوگا نہ تو وہ کہہ سکتا ہے اور اگر کہے گا بھی تو وہ بے اثر ہوگا)۔

(مکتوب نمبر ۱۶۴)

حال: آج تو موسم بہت ہی اچھا ہے اور بارش بھی ہورہی ہے اور آج ہی حضرت والا کے آمد کی بھی تاریخ تھی یہ سب حضرت کی برکت ہی سے ہوا یوں کبھی بہت اچھا ہو جاتا ہے اور بارش نہ ہونے سے پھر گرمی ہو جاتی ہے۔ بہر صورت برسات کا موسم تو ایسا ہی ہوتا ہے جب ہوا بند ہوئی گرمی ہو جاتی ہے لو اور طپش نہیں ہے۔ حضرت خود ہی فیصلہ فرمائیں اور جب آنا چاہیں آجائیں۔

تحقیق: آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں نے وہاں آنے کا دو مرتبہ ارادہ کیا اور ٹکٹ لے کر واپس کر دیا آپ لوگوں کے خطوط سے بھی معلوم ہوا کہ موسم ابھی مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ ٹھیر گیا اور الحمد للہ یہاں کام بھی ہو رہا ہے۔ اب آنے کی تاریخ متعین نہیں کرتا جب تک خدا کو منظور ہوگا رہونگا جب منظور ہوگا وہاں آجاؤں گا یا کہیں اور چلا جاؤں گا اسکو بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اہل الہ آباد میں طلب پیدا ہوگئی ہے تو یہ تو بہت اچھا حال ہے آپ لوگ وہاں موجود ہیں کام کیجئے۔ حکیم صاحب کا خط آیا ہے دیکھئے اب یہ لوگ کچھ متوجہ ہوئے اور کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح سے آپ لوگ بھی کام کیجئے کام کی ضرورت ہے۔ ایک آدمی کتنا کام کرے گا اور کہاں کہاں کرے گا۔ یہیں سے خط آیا تھا (جہاں لوگوں نے اب کام کرنا شروع کیا ہے) کہ گرمی میں ہلکی گئے ہیں تو سردی

میں یہاں آجائیے۔

ایک صاحب وہاں سے آئے تھے جب سڑ بڑا یا تب یہاں سے جاکر مضمون (یعنی میری ایک مجلس کی باتیں) شائع کیا اور کام اب نظم سے کرنے لگے۔ انشاء اللہ کام ہوگا۔ ان لوگوں کے کام کرنے سے خوش ہوں یہی آپ سے کہتا ہوں۔

(ناقل عرض کرتا ہے کہ سالک مذکور کے مضمون خط سے شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ اہل خانقاہ یعنی ارباب اصلاح و صلاح کو موسمیات کے خبر کے بیان کی کیا حاجت پڑگئی چنانچہ اس پورے خط میں اسی کا ذکر ہے اور اس سے پہلے والے میں بھی یہی بیان تھا تو اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ حضرت اقدس کے بار بار بمبئی سفر فرمانے کی ایک وجہ الہ آباد کی شدت گرمی بھی تھی۔ چنانچہ جب یہاں آنا ہوتا تو پہلے لوگوں سے یہاں کا موسم دریافت فرماتے تھے اسلئے لوگ لکھتے تھے مگر ڈرتے بھی رہتے تھے کہ مبادا موسم میں ایسا اعتدال نہ پیدا ہوا ہو جو حضرت کے منشا کے مطابق ہو اسلئے حضرت والا کی تشریف آوری کے شوق و اشتیاق کے باوجود آخری رائے حضرت ہی کے حوالہ فرما دیتے تھے اور حضرت والا لوگوں کے اس جذبۂ شوق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انکو دین اور اصلاح کی جانب پھیرنا اور متوجہ کرنا چاہتے تھے یعنی ہم لوگوں کو تو حضرت کے راحت و آرام کا خیال ہوتا اور حضرتؒ کو ہمارے کام کی فکر رہتی۔ چنانچہ جب بھی کوئی شخص کہیں کچھ کام شروع کر دیتا تو حضرتؒ اسکی وجہ سے بہت ہی مسرور ہوتے اور وہ کام کیا تھا حضرت والا کے کسی مضمون کو کتابچہ کی شکل میں اپنے یہاں شائع کرا دینا اور کہیں اجتماع اور مجلس کا اہتمام اور انتظام کرا دینا تاکہ کچھ لوگ پابندی کے ساتھ جمع ہو کر مذاکرۂ دینی کیا کریں اور بہت ہی اچھا ہو کہ اس میں حضرت اقدس کا رسالہ یا حکیم الامۃؒ کی کسی کتاب کے سنائے جانے کا اہتمام ہو یہی وہ کام تھا جو ہم سے چاہتے تھے اور لوگوں کو اسکے کرنے کی جانب متوجہ فرماتے رہتے تھے اور اسی کو ان لفظوں میں فرماتے تھے کہ "آپ لوگ کام کیجئے" لیکن نفس اور شیطان چونکہ سب ہی کے ساتھ لگا رہتا ہے بہت سوں کو اسی عنوان کے ذریعہ اس نے پھسلا دیا یعنی ذہن میں یہ ڈالدیا کہ یہ حضرت نے تمکو خلافت دی ہے لہٰذا کام کرو کا مطلب یہ ہے کہ تم نہ صرف "مجاز صحبت" بلکہ "مجاز بیعت" کے بھی اہل ہو گئے ہو، اب

مسند ارشاد پر فائز ہو کر لوگوں کی اصلاح کیا کرو، اب اسکے متعلق کیا کہا جائے سوا اسکے کہ اللہ تعالیٰ ایسے فہم سے ہماری حفاظت فرمائے اور اپنے نفس کی اصلاح کی ہم کو توفیق عطا فرمائے اور بقول حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار　　　دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

(احمد تم تو عاشق الہٰ ہو تم کو مشیخت سے کیا کام تم تو بس محبوب حقیقی کے دیوانے رہو سلسلہ چلے یا نہ چلے)

اپنا محب صادق اور دیوانہ بنالے اور بزرگوں کے تعلق سے اپنی نسبۃ صحیحہ کا ایک شمہ عطا فرما دے)

(مکتوب نمبر ۱۶۵)

حال : الحمد للہ کہ احقر نیاز مند بخیریت ہے مگر حضرت کی خیریت نہ معلوم ہونے سے دلگیر ہے عرصہ ہوا دو خط بھیجے تھے معلوم نہیں پہونچے یا نہیں بہر حال خیریت کی مجمل خبر کسی نہ کسی طرح مل جاتی ہے اور یک گونہ اطمینان ہو جاتا ہے حضرت کو یہ سنکر مسرت ہوگی کہ حسب ایماء عالی ہر یکشنبہ کو ایک مجلس ذکر کا اہتمام ہو گیا ہے گذشتہ یکشنبہ کو حکیم افتخار احمد سلمہٗ کے مکان پر دوسری مرتبہ اجتماع تھا جس میں کافی اہل ذوق شریک تھے ان دونوں مجلسوں میں احقر نے اخلاص پر ایک گھنٹہ تقریر کی اور حضرت کی توجہ اور دعا برکت سے مفید اور مؤثر معلوم ہوئی اللہ تعالیٰ قبول کرے۔ آخر میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ دعا سب کے ساتھ مانگی (اللّٰھم اجعل اعمالنا کلھا صالحۃً واجعلھا کلھا لوجھک خالصۃ ولا تجعل لغیرک فیھا شیئاً (یعنی اے اللہ ہمارے تمام اعمال کو صالح بنا دیجئے اور ان سب کو خالص اپنی رضا کیلئے کر دیجئے اور اپنے غیر کسی کا اس میں کچھ حصہ نہ بنائیے) چونکہ یہ خدمت فی الحال احقر سے متعلق رہیگی حضرت سے طلب ہمت کرتا ہوں اور مناسب ہدایات کا متوقع رہوں گا ؎

ما بآں منصب عالی نتوانیم رسید　　　ہاں مگر لطف شما پار بود گامے چند

(یعنی ہم تو اس سرکار عالی کے بلند مقام تک نہیں پہونچ سکتے مگر یہ کہ آپ کی عنایات ہی چند قدم ہمارا ساتھ دیدیں تو البتہ ممکن ہے)۔

ابھی اتوار کو سورۂ لقمان کی بعض آیات کی تفسیر کے ذیل میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر بیان کرنے کا قصد ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ یہاں کے موسم کا عجب رنگ ہے کبھی کبھی ہلکی بارش ہونے لگتی ہے۔ بمبئی میں تو حضرت کے قیام کی برکت سے باران رحمت کا خوب نزول ہو رہا ہے۔

احقر دعاگو (حکیم) خواجہ شمس الدین احمد عفی عنہٗ

تحقیق: محبت نامہ ملا آپ کے سب خطوط ملے جواب بھی دیا گیا۔ الحمد للہ بہت اچھا ہوں موسم خوشگوار ہے صبح بھی نہیں ہے کسی کسی دن کچھ ریاحی تکلیف ہو جاتی ہے پھر ٹھیک ہو جاتا ہوں۔ آپ حضرات نے جو کام شروع کر دیا ہے اسے معلوم کر کے نہ صرف خوشی بلکہ بہت خوشی ہوئی کہ اب کام طریقہ سے کیا جا رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا۔ یہی چاہتا تھا کہ اسطرح سے ہر جگہ لوگ کچھ تو کام شروع کر دیں۔ آپنے اقدام فرمایا ہے لہٰذا جہاں جہاں لوگ اسی طرح کام کرینگے سب کا ثواب آپکو ملیگا اور آپکی تقویت اور مزید مسرت کیلئے لکھتا ہوں کہ میں آپکے ساتھ ہوں۔

رسالہ کے مضامین کو لوگ بہت پسند کر رہے ہیں اور ہر جگہ سے اسکے متعلق خطوط آرہے ہیں لہٰذا ان مجالس میں بھی اس سے کام لیا جاوے تو مناسب ہے اور اسی کو موضوع اور محور قرار دیکر انکی مزید توضیح و تشریح کر دی جائے امید ہے کہ اس سے سامعین کو طریق سے مناسبت ہو گی اور آپکو احیاء طریق کا ثواب ملیگا انشاء اللہ تعالیٰ آپ نے حافظ شیرازیؒ کا جو شعر لکھا ہے کہ ؎ مابداں منصب عالی نتوانیم رسید + ہاں مگر لطف شما پیش نہد گامے چند بہت مشہور شعر ہے اسی کے ساتھ مثنوی مولانا رومؒ کے دو اشعار اور یاد کر لیجئے کام آدیگا تصوف کے مضامین بیان کر کے فرماتے ہیں ؎

این ہمہ گفتیم لیک اندر بسیچ   بے عنایات خدا ہیچیم و ہیچ
بے عنایات حق و خاصان حق   گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(یہ سب تو ہم نے کہا لیکن انجام کار رجحان لو کہ بدون حق تعالیٰ کی عنایت کے نہ ہم کچھ ہیں نہ ہمارا کہنا کچھ ہے۔ چنانچہ بغیر حق سبحانہٗ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی کے اور بدون اللہ والوں کی دعا و توجہ کے اگر فرشتہ بھی ہو تو اسکا نامۂ اعمال سیاہ ہی سمجھو)

یہاں امسال بارش ذرا تاخیر سے ہوئی لوگ بہت پریشان ہو گئے تھے مگر لوگ کہتے تو ہیں کہ قریب قریب معمول پر آگئی ہے اللہ تعالیٰ اس جانب بھی باران رحمت کا نزول فرمائے۔ آپکا معجون مقوی معدہ زیر استعمال ہے۔ والسلام مع الاکرام۔ وصی اللہ عفی عنہٗ۔ کرلا۔ بمبئی

واقعی حضرت کا جو طریق تھا وہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے بالکل مختلف ہی تھا یہ دوسری بات ہے کہ چونکہ حضرت مولانا الیاسؒ بھی اپنے ہی اکابر میں سے تھے اسلئے ان کے لوگوں سے بھی حضرت والا محبت فرماتے تھے اور وہ لوگ بھی بڑی عقیدت کے ساتھ حضرت سے ملتے تھے چنانچہ یہ لوگ جب بھی دعار کے لئے حاضر ہوتے تو ناممکن تھا کہ پہلے حضرت والا کی جانب سے چائے سے انکی خاطر نہ کیجاتی ہو پہلے انکو چاء پلا لیتے پھر انکے لئے حصول اخلاص کی دعار بھی فرما دیتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرتؒ کے آخری ایام حیات میں (یعنی سفر حج کی روانگی سے کچھ ہی قبل) کویت کی ایک عربی جماعت بمبئی آئی وہاں کے منتظمین نے حضرت اقدسؒ سے بھی ملاقات کا پروگرام بنایا چنانچہ وہ حضرات ملنے آئے۔ حضرت والاؒ نے اپنے کمرہ ہی میں سب کو بلالیا اور سب سے پہلے راقم سے فرمایا کہ ان سب حضرات کو میری جانب سے چائے پلاؤ۔ اسکے بعد ایک ترجمان نے انکی جانب سے حضرت والا سے عرض کیا کہ یہ لوگ کویت سے آئے ہیں اور اپنے لئے حضرت اقدس سے دعار کے طالب ہیں حضرت نے سب کیلئے دعار فرمائی اور انھیں صاحب سے فرمایا کہ اب آپ میری جانب سے ان سب حضرات میں سے ہر ایک سے فرداً فرداً میرے لئے دعار کی درخواست کر دیجئے۔ حضرت والاؒ کی یہ بات جب ان حضرات نے سنی تو بہت متاثر ہوئے۔ تو یہ بھی ہونا تھا بالکل صحیح ہے۔ اور کیوں نہ ہوتا حضرت والاؒ جب دوسروں کو حسن خلق کی تعلیم دیتے تھے تو خود اسکے ساتھ کیوں نہ متصف ہوتے۔ اخلاق برتنے کا حکم تو غیروں تک سے ہے اور یہ لوگ تو اپنے ہی لوگ تھے اور دیندار تھے۔ چنانچہ جہاں تک کہ حسن اخلاق کا تعلق تھا تو اگر دوسرے لوگ مثلاً مودودی جماعت کے لوگ بھی حضرت والا سے ملنے آتے تو حضرت اقدس اپنے اخلاق کریمانہ سے انکو بھی حصہ عطا فرماتے تھے اور ان کے ساتھ بھی اسطرح سے پیش آتے تھے کہ بہت سے لوگوں کو تو یہ شبہ ہو جاتا تھا کہ حضرت والاؒ کا خیال اس جماعت کے متعلق عام علمائے دیوبند کے مقابلہ میں شاید کچھ نرم ہے۔ حالانکہ ایسا نہ تھا بات یہ ہے کہ یہ دور ہے نفسانیت کا اخلاص تو اس زمانہ میں عنقا ہے ہر شخص اپنی غرض کا باؤلا ہو رہا ہے سب کی خواہش یہی رہتی ہے کہ کسی بڑے شخص سے اپنی جماعت کی تائید

مل جاتی تو اسکے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں آسانی ہوتی اسلئے یہ لوگ حضرت والا سے بھی ملتے رہتے تھے اور برابر اس فکر میں رہتے تھے کہ کس گوشے سے موقع ملے اور اس سے اپنی تائید کا اثبات کر دیں چنانچہ جہاں سے بھی کوئی شخص کچھ موقع بزعم خود پا لیتا تھا تو اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا تھا۔ اسی قبیل سے حضرت والا کا ان حضرات سے خوش اخلاقی کے ساتھ مل لینا بھی ہوتا تھا۔ دیکھتے تھے کہ ہندوستان میں حضرت مولانا تھانویؒ کی ایک خاصی جماعت موجود ہے اور اس میں شک نہیں کہ ایک بڑی جماعت ہے اور اہل صلاح لوگوں کی جماعت ہے تو ہر شخص کی نظر اس جماعت پر ضرور رہتی تھی یعنی ہر دوسری جماعت والا اس کوشش میں رہتا تھا کہ جس شخص کی گرفت اسکی جماعت سے ذرا ڈھیلی دیکھے تو اسکو بس اپنی جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دیدے اور اس طرح سے جب ایک دو دو کر کے لوگ دوسری جماعتوں میں شامل ہو جائیں گے تو تھانوی جماعت کے نام سے جو جماعت پائی جاتی ہے اس کا صرف نام ہی نام رہ جائے گا اور اسکا اپنا مستقل کام ختم ہو جائے گا اور درحقیقت اس میں بہت کچھ خامی خود ہم لوگوں کی ہے جو اپنے کو "تھانوی مسلک" پر کہتے ہیں اور یہ بھی خبر نہیں کہ کیا کر رہے اور کدھر جا رہے ہیں۔ کتنے لوگ آپکو آج ایسے ملیں گے جنکے سر پر تھانوی تاج ہو گا (یعنی گول چوگوشیہ ٹوپی) لیکن ان سے گفتگو کیجئے گا تو مودودی خیالات سے انکو متأثر پائیے گا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب سمجھ میں آیا کہ شاید اسی تحفظ کیلئے حضرت مصلح الامۃؒ نے صاف صاف یہ فرما دیا تھا کہ:-

"اب حاضری تھانہ بھون کے بعد میں نہ فتحپوری ہوں اور نہ اور کچھ ہوں بلکہ تھانوی ہوں اور صرف تھانوی ہوں اور اپنے مدعا کے اظہار میں اس شعر کو کافی سمجھتا ہوں کہ ؎

نیاوردم از خانہ چیزے نخست ۔۔۔ تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

(یعنی میں اپنے گھر سے تو کوئی چیز لایا نہیں ہوں بلکہ آپ ہی نے سب کچھ عطا فرمایا ہے اور خود میں بھی آپ ہی کا ہوں)

(معرفت حق جون ۱۹۶۱ء)

اور شاید اسی لئے حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی تصنیفی خدمات کو سراہنے کے بعد انکو یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ :-

" اب ضرورت اسکی ہے کہ حضرت تھانوی کے مسلک کے افراد پیدا کئے جائیں کیونکہ جب تک کسی مسلک کی پشت پناہ (اسکی تعلیمات اور خصوصیات سے متصف) کوئی جماعت نہ ہو اسکا اعتبار کیا ؟ مطلب یہ کہ کوئی " مسلک " ہو وہ جو محفوظ رہتا ہے تو کتاب سے اور خارجاً باقی رہتا ہے افراد سے ۔ آپنے اکتابیں تصنیف فرماکر) ایک تحفظ کا تو ماشاء اللہ خوب انتظام فرمادیا جزاکم اللہ اب دوسری جانب بھی کچھ اور توجہ فرمادیجئے " ۔

(معرفت حق دسمبر ۱۹۶۸ء)

اب حضرت مولانا چونکہ بڑے شخص تھے اسلئے سب نے حضرت کی یہ بات قدر کی نگاہوں سے دیکھی اور کوئی دوسرا اس قسم کی بات اس زمانہ میں کہدے تو اسکو تنگ نظر اور اسکی اس بات کو تحزب وغیرہ جانے کن کن الفاظ سے یاد کیا جائے گا ۔ لیکن حالات نے بتادیا کہ بات وہی حق تھی جو حضرت مصلح الامتؒ فرما گئے تھے یعنی اگر اپنا طریقہ دوسروں سے ممتاز نہ رکھا جائے گا تو جماعۃ کو من حیثیت الجماعۃ فنا ہی سمجھنا چاہیئے

الغرض میں عرض یہ کر رہا تھا کہ جب دوسری جماعتوں نے حضرت والا کے سکوت اور اخلاق سے غلط فائدہ اٹھانا چاہا تو حضرت نے صاف صاف اعلان بھی فرمادیا اور بتادیا کہ خوش اخلاقی کے ساتھ کسی سے مل لینا اور چیز ہے اور کسی کے مسلک سے متفق ہونا دوسری بات ہے ، ان دونوں باتوں میں خلط نہیں کرنا چاہیئے ۔ چنانچہ ارباب زمانہ کے اس نوع کے معاملات کے متعلق شکوہ اور دوسرے حضرات نے بھی کیا ہے ۔ مولانا مفتی مظفر حسین صاحب نائب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور رسالہ " کشف حقیقت " کے طبع دوم میں لکھتے ہیں کہ

" اگر جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے کوئی فرد ہمارے پاس تشریف لاتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ مہذب و با اخلاق برتاؤ کیلئے اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں ہمیں اسی کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ تہذیب ہمیں وراثت

میں ملی ہے مگر اس سے دھوکہ نہ ہو بلا شک و شبہ ہمیں جماعت اسلامی سے اختلاف ہے (یہ بات) اور جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے کسی صاحب کی تشریف آوری پر اخلاقی قدروں کا تحفظ یہ دو الگ الگ باتیں ہیں ایک کو دوسرے کے ساتھ مخلوط نہیں کیا جاسکتا اور نہ ایک کو دوسرے کے لئے بطور دلیل استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بہت ضروری تھا اس لئے لکھدیا گیا۔ انتہی

(ص ۴۵ رسالہ کشف حقیقت)

ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ ہے اس زمانہ کا مرض، اسی کے ماتحت یہاں بھی یہی کہا گیا کہ حضرت فتحپوریؒ کا خیال جماعت مودودی کیطرف سے نرم ہے حالانکہ اسکو مطابقت واقعہ سے دور کا بھی تعلق نہ تھا اس سلسلہ میں حضرت کے دو واقعات عرض کرتا ہوں۔ انکے ذکر سے پہلے ایک بات یہ ذہن نشین فرمالیں کہ

خیالات مودودی کی تردید میں حضرات علمائے دیوبند میں سے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ تو بہت ہی پیش پیش اور نمایاں رہے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ان حضرات کو اس باب میں اولیت کا شرف حاصل تھا کیونکہ بعد میں تو پھر بہت سے حضرات نے اس جماعت کے راز سربستہ سے امت کو آگاہ کیا مثلاً پاکستان میں مولانا یوسف صاحب بنوری نے بھی عربی میں رسالہ "الاستاذ المودودی" تصنیف فرمایا اور یہاں حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ العالی نے نہایت دلسوزی اور جذبۂ نصح و خیرخواہی سے لبریز ہو کر اپنی کتاب "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" تصنیف فرمائی اور اب دیکھا یہ جارہا ہے کہ ہر طرف کے علماء کا احساس بیدار ہو گیا ہے اور اپنے اپنے انداز میں بہت سے حضرات نے اس تحریک کے مخفی زہر کو امت کے سامنے پیش کرنا شروع کردیا ہے۔ بہرحال کہنا یہ ہے کہ جس تیزی اور زوروں کے ساتھ اس جماعت کی تردید آج دیکھی اور سنی جارہی ہے پہلے اس نے یہ شدت نہ اختیار کی تھی بہت سے علماء و مشائخ جو اپنے اپنے کام میں لگے تھے اسکی جانب سے یکسو تھے یا کسی نے کچھ شر کا احساس بھی کیا تو دوسری جانب بعض خیر کا

تصور یا توقع اسکے لئے رد و قدح سے مانع بنا رہا۔

اسی لئے حضرت مصلح الامتہؒ بھی اپنے مخصوص مزاج کے اعتبار سے ان سب قضیوں اور قصوں سے الگ تھلگ ہی رہنا پسند فرماتے تھے لیکن علماء کی طرف جب سے اس جماعت پر لے دے زیادہ ہوئی اور خود اسکا کام بھی تیزی سے بڑھنے لگا اور اسمیں لوگوں کے عام ابتلاء کا اندیشہ ہوا تو حضرت والاؒ نے بھی اپنا صاف صاف خیال ظاہر فرمادیا تاکہ کسی کو حضرت اقدسؒ کی جانب سے دھوکا نہ دیا جاسکے اور حضرت کو نرم بتلاکر حضرت والا کے کسی متعلق یا منتسب کو اس جانب راغب نہ کیا جاسکے۔

اس سلسلہ میں پہلا جو واقعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصلح الامتہؒ کا خیال اس جماعت کی جانب سے نرم نہیں تھا وہ دراصل ایک مکاتبت ہے جو حضرت اقدس کے حکم سے جناب مفتی قاری سعید احمد صاحبؒ سے کی گئی تھی جس وقت کہ انھوں نے اپنا رسالہ "کشف حقیقت" تصنیف کر کے حضرت والا کی خدمت میں بھی اسکا ایک نسخہ ارسال فرمایا تھا۔

نقل خط بنام جناب مفتی قاری سعید احمد صاحبؒ منجانب حضرت مصلح الامتہ قدس سرہٗ بقلم عبدالرحمان جامی

(جمعہ ۲۷ رجب ۱۳۸۲ھ)

شاید آپ کے علم میں نہ ہو کہ آجکل کچھ عرصہ سے میرا قیام مرشدی و مولائی حضرت مولانا وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم کے پاس فتحپور تال نرجا (اعظم گڈھ) میں ہے حضرت شیخ مدظلہ العالی کے دو رسالے "الاصول النادرہ لاصلاح الامۃ الحاضرہ" اور "تحذیر العلماء عن خصال السفہاء" محترمی جناب مولوی سید ظہور الحسن صاحب کے یہاں سے چھپ کر آئے اسی کے ہمراہ آپ کا فتویٰ بشکل رسالہ "کشف حقیقت" ایک عدد موصول ہوا۔ حضرت والا مدظلہ العالی کی نظر سے بھی گذرا اور ہم لوگوں نے بھی اسکا مطالعہ کیا۔ حضرت نے اس کو

حرفاً حرفاً ملاحظہ فرما کر مجھے امر فرمایا کہ آج ہی قاری صاحب کو خط لکھو میرا اسلام لکھو اور میری جانب سے لکھدو کہ ماشاء اللہ آپ کا رسالہ بہت خوب ہے پڑھکر بڑا جی خوش ہوا آپ نے جو مقصد اس جماعت کا سمجھا بالکل صحیح ہے اور جو تبصرہ اسکے خیالات پر فرمایا بالکل صواب ہے میں آپ سے اس جواب میں متفق ہوں۔ صرف ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی میرا اس بارہ میں ایک اور خیال ہے جس میں نتیجۃً شاید آپ بھی مجھ سے متفق ہوں لیکن آپ کی عبارت سے کچھ اپنی رائے کے خلاف کا ایہام ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ:۔

آپ نے مودودی صاحب (اور انکی جماعت) کی عبارات کا ظاہری مفہوم اور پڑھنے والوں پر اسکا اثر یہ تحریر فرمایا ہے کہ لوگ انکی کتابوں کو پڑھکر نہ صرف ان لوگوں یعنی اساطین اسلام، محدثین، فقہاء، مشائخ اور صوفیاء) سے متنفر ہو جاتے ہیں بلکہ حدیث فقہ اور تصوف سے متنفر ہو کر اپنے قدیم مذہب ہی سے بیزار ہو جاتے ہیں اور ایک نیا مذہب بنانے کی دھن میں لگ جاتے ہیں۔ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ اس جماعت کا مطمح نظر ہی نہ صرف تصوف بلکہ فقہ اور حدیث تک کو صفحۂ ہستی سے محو کر دینا ہے یہ بھی آپ نے بالکل صحیح فرمایا پھر کچھ دور کے بعد یہ عبارت ہے کہ ــ "کہا جا سکتا ہے کہ انکا مقصد توہین اور اعتراض نہیں ہے بلکہ انکا مقصد اصلاح ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انکی نیت یہی ہو مگر انکا یہ طرز تحریر ناقابل برداشت ہے" الخ ــــ مجھکو یہیں پر کچھ کہنا ہے وہ یہ کہ اس امر کے تسلیم کے بعد آپ کا سابق اعتراض کمزور ہو گیا اور آپ کی آخر عبارت اول کے متعارض ہو گئی عوام اسکی یوں تطبیق دے لیں گے کہ بس جی بات صاف ہو گئی اس جماعت کے مقصد کی صحت اور نیت کی صداقت میں تو کوئی کلام نہیں ہے البتہ لب و لہجہ ذرا سخت ہوتا ہے اُن کو اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔ اب اسکے بعد فتنہ کے زہر سے لوگوں کو بچانا مشکل ہو جائے گا کاش اس سوال و جواب سے آپ کی عبارت خالی ہوتی تو پورا کام کرتی۔

میرا خیال ہے کہ ان لوگوں کا مقصد بھی غلط ہے جیسا کہ انکے فقہ و تصوف و حدیث (دین کی اہم بنیادوں) کو ڈھا کر ایک نئے مذہب کی تشکیل کی سعی سے ظاہر ہے اور انکا طریقۂ کار بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ انکے ناقابل برداشت طرز تحریر اور درشت

لب و لہجہ اختیار کرنے سے عیاں ہے۔ اندریں صورت میرے نزدیک یہ تحریک "کریلا اور نیم چڑھا" کا مصداق ہے۔ مقصد اگر صحیح ہوتا تو طرز بیان کی تلخی بھی گوارا کی جا سکتی آخر صحت مطلوب ہوتی ہے تو دارو ئے تلخ استعمال کرنا پڑتا ہی ہے لیکن جب مقصد ہی سرے سے غلط ہو تو پھر صرف تحریر کی سختی کا کیا شکوہ۔

میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ مودودی صاحب اور انکی جماعت کا مقصد اصلاح دین نہیں افساد دین ہے اور اسکے شیرازہ کو منتشر کرنا ہے۔ انکی نیت تصوف فقہ اور حدیث میں اصلاح نہیں ہے بلکہ اسکا انکار کرنا ہے۔ کسی تحریک سے پیدا شدہ اثرات بانی تحریک کی نیت کا پتہ دیتے ہیں جب ان کے متبعین قدیم مذہب سے بیزار ہیں اور نئے مذہب بنانے کی دھن میں ہیں تو معلوم ہوا کہ یہی بانی مذہب کی بھی نیت ہے اور وہ اس سے راضی ہے ورنہ اسکے ذمہ ضروری تھا کہ دوسروں کو چھوڑ کر پہلے اپنی جماعت کے لوگوں کی اصلاح کرتا۔ پھر اصلاح کسی چیز کی اسکی ذات کا تحفظ کرتے ہوئے انکی خامیوں کی ہوا کرتی ہے مثلاً کسی مدرسہ کی اصلاح کرنی ہے اسکا یہی تو طریقہ ہے کہ اسکے نظم و نسق میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہوں انکو دور کر دیا جائے۔ یہ بھی بھلا کوئی اصلاح ہے کہ اسکا سرے سے خاتمہ ہی کر دیا جائے اسی طرح فقہ کی اصلاح مثلاً یہ تھی کہ کوئی شخص حدیث صحیح کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دیتا اسکو روکا جاتا۔ یا حدیث میں مثلاً نقد رجال میں مبالغہ سے کام لیتے ہوئے ایسا طرز اختیار کیا جاتا کہ ائمہ مجتہدین تک کو نہ چھوڑا جاتا تو ایک معقول بات تھی لیکن یہ کیا اصلاح ہے کہ سرے سے ان علوم ہی کا اعتبار اور اعتماد لوگوں کے اذہان سے اٹھا دیا جائے۔ انتہی کلامہ۔

(بقلم عبدالرحمن جامی الہ آبادی۔ ۲۷ رجب ۱۰ھ)

(حضرت استاذی مفتی قاری سعید احمد صاحبؒ کا جواب بنام احقر جامی)

عزیزی المحترم سلمکم اللہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! گرامی نامہ موصول ہوا۔ حضرت مولانا وصی اللہ

صاحب زید مجدہم کی رائے پڑھکر بہت خوشی ہوئی۔ مولانا کی خدمت میں میری طرف سے سلام مسنون کے بعد عرض کر دیجئے کہ مجھے آنجناب کی رائے سے کلی طور پر اتفاق ہے میرا مقصد تو رسالے سے واضح ہے۔ جس عبارت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ ایک ضعیف احتمال کے طور پر لکھا گیا ہے، مگر اب مجھے بھی اسکا احساس ہوا کہ یہ جملے اس طرح نہ ہونے چاہیئے تھے۔

اسوقت اس فتنہ کے انسداد کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ بھی اس تحریک میں حصہ لینے لگے ہیں مولانا اگر اس پر کچھ تحریر فرمائیں گے تو انشاء اللہ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔

ابھی حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری، سہارنپور تشریف لائے تھے رسالہ کو پسند فرمایا اور فرمایا کہ ذرا نرم ہے۔ ہمارے جیسا کوئی لکھتا تو تیز ہوتا انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے مودودی کے متعلق دو لفظ سنے تھے " مودودی سلی اور گمراہ ہے" میں نے ان سے بھی عرض کیا کہ اس پر کچھ تحریر فرمائیں اور وعدہ بھی فرماگئے ہیں۔

سہارنپور میں اسوقت یہ فتنہ زوروں پر ہے۔ بعض مدرسین خاص سرگرمی فرمارہے ہیں اور مدرسہ کیلئے مشکلات کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اسوقت آپ حضرات خاص طور سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ عام مسلمانوں کو اور ہمارے مدرسہ کو خاص طور سے اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔ فقط۔ والسلام۔

سعید احمد غفرلہٗ
مظاہرالعلوم ۔ سہارنپور
۶ر شعبان ۷۸ھ

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت اقدس کی نرمی! کہ ذرا سی لچک حضرت قاری صاحبؒ کی تحریر میں محسوس فرمائی تو اسکو ظاہر فرمادیا اور حضرت استاذی قاری صاحبؒ نے اسکو تسلیم بھی فرمالیا اس سے تو معلوم ہوا کہ حضرت والا نرم نہیں تھے بلکہ کچھ سخت ہی تھے۔

سلک ہشتاد و ششم

ارباب امتحان طریقت و اصحاب تجربہ حقیقت گویند اگر سہ کار نمی توانی کرد باری سہ کار ہم مکن یعنی اگر نیکی نمی توانی کردن باری بدی ہم مکن اگر مسلمانی را منفعت نمی توانی رسانید باری مضرت ہم مرسان واگر روزہ نمی توانی داشت باری گوشت مسلمانان ہم مخور کہ ایں ہر سہ کار از قاعدۂ انصاف خارج است و در عالم انصاف چیزی زشت تر از بے انصافی نہ۔ بزرگی را پرسیدند کہ بے انصافی چیست؟ گفت از دوست پیش دشمن گلہ کردن بشنو بشنو! وقتی خواجہ شقیق رحمۃ اللہ علیہ زحمت شقیقہ داشت خلیفہ طبیبی برو فرستاد طبیب گفت چگونہ ای خواجہ گفت ہیچ عاقل از دوست پیش دشمن گلہ نکردہ است طبیب ازینجا پیش ابراہیم ادہم رفت کہ استاد شقیق بود ابراہیم زحمت عظیم داشت طبیب گفت ای ابراہیم چگونہ ابراہیم تمام

سلک نمبر ۸۶ (جنکے رتبے ہیں سوا انکو سوا مشکل ہے)

جن حضرات نے کہ طریقت کا امتحان دیا ہے اور جو کہ حقیقت کا تجربہ بھی رکھتے ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ (اے سالک) اگر تین کام نہیں کرسکتا تو تین کام اور بھی نہ کر یعنی اگر نیکی نہیں کرسکتا تو بدی بھی نہ کر۔ اسی طرح سے اگر کسی مسلمان کو نفع نہیں پہونچا سکتا تو (خدارا) اسکو نقصان بھی نہ پہونچا تیسرے یہ کہ اگر تو روزہ نہیں رکھ سکتا تو کم از کم مسلمانوں کا گوشت تو نہ کھا (یعنی غیبت تو نہ کر) کیونکہ یہ تینوں باتیں دائرۂ انصاف سے خارج ہیں، اور بنظر انصاف اگر دیکھا جائے تو کوئی چیز ناانصافی سے زیادہ بری نہیں ہے۔ ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ ناانصافی کسے کہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ دشمن سے دوستوں کی شکایت کرنا سنو سنو! ایک مرتبہ خواجہ شقیق کو نصف سر کا درد اٹھا خلیفہ نے ایک طبیب ان کے پاس بھیجا طبیب نے آکر پوچھا کہ حضرت کیسا مزاج ہے؟ فرمایا کہ آجتک کسی عاقل نے دشمن کے آگے اپنے دوست کا گلہ نہیں کیا ہے (اسلئے) بس یہ سمجھ لیجئے کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ طبیب وہاں سے اٹھکر حضرت ابراہیم ادہمؒ کے پاس آیا جو کہ شقیقؒ کے استاد تھے ان سے بھی پوچھا کہ ابراہیمؒ کیسے ہو؟ حضرت ابراہیم ادہم نے اپنے مرض کی تمام تکالیف کو بیان کر دیا۔ طبیب نے کہا کہ شقیق نے

کیفیت شدت زحمت خود با طبیب
بگفت طبیب گفت شفیق مرا بزحمت
محرم نداشت توکہ استاد وی چگونہ
محرم میداری گفت محرم نمی دارم
اما درد حال، رہ خویش با تو ازاں میگویم
تا بدانی کہ با دوستان خود ازینہا کنند
با دشمناں چہ خواہد کرد۔ قطعہ

نخشبی عشق مذہبی است عجب
شدتش کس بیان چہ خواہد کرد
آنکہ ارّہ بفرق دوست نہد
بر سر دشمناں چہ خواہد کرد

تو مجھے اپنے مرض کا رازداں نہیں بنایا آپ تو انکے استاد ہیں بھلا آپ نے
کیونکر مجھ سے اپنا ایک ایک مرض بیان کرکے رکھدیا اس فرق کی وجہ کیا ہے
ابراہیم ادہمؒ نے فرمایا کہ عرض حال سے مقصد تجھکو محرم بنانا نہ تھا بلکہ اپنا
سارا حال بالتفصیل تجھ سے اسلئے بیان کردیا تاکہ تو واقف ہوجائے کہ جب
اللہ تعالیٰ کا معاملہ (یہاں دنیا میں) اپنے دوستوں اور محبوبوں کے ساتھ
ایسا ہوتا ہے تو وہاں آخرت میں اپنے دشمنوں کو وہ کیا کچھ سزا نہ دیگا
(تو یہ سمجھ لے اور شاید اس سے عبرت حاصل کرسکے)۔

"اے نخشبی یہ عشق بھی نرالا ہی مذہب ہے اسکی
شدت کو بھلا کوئی کیا بیان کرسکتا ہے جو ذات
کہ اپنے دوست کے سر پر آرہ چلوا دے ظاہر
ہے کہ وہ دشمنوں کے ساتھ کیا کچھ معاملہ کرے گی

سلک ہشتاد و ہفتم

بیداران ایں راہ گویند
پیش ازیں دوری بود چوں مرد چہل سالہ
شدے جامۂ خواب در نوشتی و
خواب را وداع کردی و گفتی بعد
از چہل سالگی خواب نتوان
کرد۔ اے سالکان دیدۂ اعتبار بکشائید
و ایں سخن آئینہ وقت خود سازید و
پیش ازیں خود را در خواب خرگوش
مدارید کہ بعد از ہفتاد سال در خواب

سلک نمبر ۸۷ (جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے)

اس طریق کے جو بیدار لوگ ہیں انکا کہنا ہے کہ اس سے
پہلے ایک زمانہ ایسا تھا کہ جب مرد چالیس سال کا ہوتا تھا تو بستر استراحت
کوتہ کرکے رکھدیتا تھا اور خواب و نیند کو رخصت کردیتا تھا اور
کہتا تھا کہ چالیس سال کے بعد پھر نہ سونا چاہیئے۔ پس لے سالکو!
عبرت کی آنکھ کھولو اور انکی اس بات کو مانند آئینہ اپنے پیش نظر
رکھو اور اب اسکے بعد اپنے کو خواب خرگوش میں نہ رکھو تاکہ ستر
سال کے بعد خواب غفلت میں نہ سوجاؤ۔ حضرت فضیلؒ بن
عیاض کہ جنکی آنکھ بیداری کے سرمہ سے سرمگیں تھی
وہ فرماتے تھے کہ اگر دنیا جو کہ سب لوگوں کو خواب

غفلت نتوان خفت ـ نفیسل عیاضؒ کہ چشم وقت او بکحل بیداری مکحول بود گفتی اگر دنیا کہ ہمہ را در خواب غفلت میدارد زرین و گذرندہ بودی و بہشت سفالین و پایندہ بودی مرد بیدار کسی بودی کہ این سفال اختیار کردی نہ آن زر. ای دل بحطام دنیا بستہ ہیچکس را از دنیا چیزی ندہند تا ہمان قدر از درخت از دین او کم نکنند چون حال این است ای خواجہ ہر چہ میخوری گوئی تو از کیسۂ خود میخوری کس باشد کہ پنبۂ غفلت از گوش ہوش خود بیرون کند و این نصیحت بسمع باطن بشنود. وقتی یکی میگفت چنین دانم کہ ہمہ دنیا خرابی است اگر آباداں بودے آخر یکی مرا از آنچہ میکنم مانع شدی و گفتی این چہ میکنی آبادانی دنیا از مردانِ دین باشد چون مردان دین گم شدند دنیا خراب شد بشنو بشنو! وقتی درویشی ابلیس را دید برہنہ می رفت گفت شرم نداری گفت از کہ؟

قطعہ

غفلت میں ڈال دیتی ہے نہایت ہی زرین ہونے کے ساتھ ساتھ فانی بھی ہوتی اور جنت بدون چمک دمک کے ٹھیالی ہونے کے ساتھ ساتھ باقی ہوتی تو متیقظ اور بیدار وہی شمار کیا جاتا جو اس ٹھیالی ہی کو اختیار کرے نہ اس زرین کو۔ اے وہ شخص جو حطام دنیا کے ساتھ اپنے قلب کو متعلق کئے ہوئے ہے یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دنیا سے اتنی ہی چیز عطا فرماتے ہیں کہ اس کے دین کے درخت کا پودا اور اسکی تر و تازگی کم نہونے پائے (یعنی اللہ تعالیٰ بس اتنی ہی دنیا کو پسند فرماتے ہیں) تو اے عزیز جب یہ حال ہے کہ زیادتی دنیا شجر دین کیلئے مضر ہے تو یہ سمجھ لے کہ جو کچھ تو کھاتا ہے اپنے ہی جیب سے کھاتا ہے۔ اب کون ہے جو اپنے ہوش کے کان سے غفلت کی روئی نکال پھینکے اور دل کے کان سے اس نصیحت کو سنے۔ ایکمرتبہ ایک بزرگ کہتے تھے کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا ویرانہ ہی ہے کیونکہ اگر یہ آباد ہوتی اور ویرانہ نہ ہوتی تو جو کچھ میں کرتا ہوں کوئی بھی تو مجھے منع کرتا اور یہ کہتا کہ یہ کیا کر رہے ہو بات یہ ہے کہ دنیا کی آبادی دینداروں سے ہے جب دیندار لوگ ہی نہ رہے تو دنیا خراب ہوگئی ۔ سنو سنو! ایک مرتبہ ایک درویش نے ابلیس کو دیکھا کہ ننگا چلا جا رہا ہے کہا کہ کمبخت تجھکو شرم بھی نہیں آتی اس نے جواب دیا کہ کس سے شرم کروں؟ (مطلب یہ کہ تمام دنیا والے اب میری ہی جیسے ہیں جب دیندار اور غیرت رکھنے والے نہیں رہے تو پھر حجاب کس سے ہو)

نخشبی بر زمیں نماند کسے
خونِ من از زمانہ آب شدہ است
دیر شد کایں جہاں زاہلِ صلاح
شکلِ دلہا ہمہ خراب شدہ است

"اسے نخشبی اب دنیا میں کوئی دیندار اور اللہ والا نہیں رہ گیا ہے۔ زمانہ کا یہ حال دیکھکر میرا خون پانی ہو گیا ہے بہت عرصہ ہوا کہ یہ عالم بالکل خراب ہو چکا ہے جس طرح سے کہ لوگوں کے قلوب کا ناس ہو گیا ہے۔

سلک ہشتاد و ہشتم

کریمان عالم طریقت گویند نزدیک ما فاسق کریم بہتر از پارسائے لئیم اسے خاک بر سر مردم لئیم کہ پریشانی عالم از شومیٔ قدم اوست کریماں از آنہا اند کہ از یاد ایشاں دلہای مردہ زندہ گردد و لئیماں از آنہا اند کہ از دیدن ایشاں باطن زندہ پژمردہ گردد و طائفہ کہ از شومیٔ باطن ایشاں باطنِ دیگراں ظلمانی گردد۔ باطن ایشاں کے نورانی بود۔ و زہد روشنائی است کہ فرو نیاید مگر در دلی روشن و عقیدۂ صافی بشنو بشنو وقتی از سہل عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کہ جدی فلک برغالۂ خوان وقت او بود مردی گوسفندی بخرید بعد از زمانے باز آورد و گفت ایں گوسفند باز ستاں کہ علف نمی خورد سہیلؒ گفت کہ تو چگونہ

سلک نمبر ۸۸ (فضیلت زہد و صلاح)

عالم طریقت کے جو اہل کرم ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک وہ شخص جو کہ سخی ہو اگرچہ فاسق ہی ہو اس پارسا سے بہتر ہے جو کہ کنجوس ہو مطلب یہ کہ بخیلوں کے سر پہ خاک ہو کیونکہ دنیا کی پریشانی انہیں کے منحوس قدم سے ہے۔ کریم اور سخی لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ جنکی یاد سے مردہ قلوب زندہ ہو جاتے ہیں اور بخیل ایسے ہوتے ہیں کہ انکے دیکھنے سے لوگوں کا زندہ باطن بھی مرجھا جاتا ہے اب خود ہی سمجھ لو کہ وہ گروہ کہ جن کے باطن کی نحوست سے دوسروں کا باطن ظلمت والا ہو جائے تو خود انکا باطن بھلا کیونکر نورانی ہو سکتا ہے اور زہد ایک ایسا نور ہے جو کہ روشن دل اور صاف عقیدہ کے بغیر کہیں قیام پذیر نہیں ہوتا سنو سنو! ایک مرتبہ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ سے کہ آسمان کا برج جنکے دسترخوان پر رہا کرتا تھا ایک شخص نے ایک بھیڑ خریدی کچھ دنوں کے بعد اسکو واپس لایا اور کہا کہ حضرت اس بھیڑ کو واپس لے لیجئے کیونکہ یہ چارہ ہی نہیں کھاتی۔ فرمایا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ چارہ نہیں کھاتی ہے اس نے کہا کہ میں

دانی کہ او علف نمی خورد گفت من اورا بیرون بردہ ام و در کشتی رہا کردہ اصلا دہن بچیزے نزد. سہیل گفت ای خواجہ گوسفند ما کشت مردماں خوردن عادت نکردہ است. برو او را علف بہای دہ او برفت. و ہمچناں کرد در حال خوردن گرفت عزیز من! پیش ازیں گوسفندان مسلماناں بدیں عقیدہ بودند و دریں ایام در فرزندان مسلماناں ایں عقیدہ نماندہ است قطعہ

نخشبی ز آدمی صلاح طلب
روز اہل گنہ بود بے نور
خرج اہل صلاح صد پے بہ
تا کہ فرزند اہل فسق و فجور

اسے باہر لے گیا اور کھیتوں میں چھوڑ دیا لیکن اس نے کسی چیز پر منھ نہ مارا۔ حضرت سہیلؒ نے فرمایا کہ بھائی میرے! ہماری بکریوں کی عادت لوگوں کے کھیت کو چرنے کی نہیں ہے، جاؤ بازار سے چارہ خرید کر اسے کھلاؤ۔ چنانچہ وہ شخص گیا اور ایسا ہی کیا پھر وہ بھیڑ فوراً ہی کھانے لگی۔ عزیز من! دیکھو اس سے پہلے مسلمانوں کی بھیڑ بکریوں کا بھی یہ عقیدہ اور عمل تھا! اور آج اس زمانے میں فرزندانِ اسلام میں یہ عقیدہ اور دیانت نہیں باقی رہ گئی۔

"اے نخشبی آدمی کے اندر صلاح طلب کر
اہل معصیت کا روز و شب سب بے نور ہوتا ہے
اہل صلاح کی تلاش و جستجو میں اگر سو روپیہ بھی خرچ ہو جائیں تو یہ کہیں بہتر ہے اس سے کہ اہل فسق و فجور پر کوئی معمولی سی رقم بھی خرچ کیا جائے"

سلک ہشتاد و نہم

عالی ہمتاں گویند مرد عالی ہمت کسی است کہ او طاعت بکند و عوض نخواہد. عزیز من! کسیکہ ترا بی عوض آفرید انصاف ایں اقتضا کند کہ تو او را بے عوض پرستی و عاشق

سلک نمبر ۸۹ (وحدت مطلب)

عالی ہمت لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ مرد عالی ہمت وہ ہے جو کہ طاعت کرے اور اس پر عوض کا خواہاں نہ ہو۔ عزیز من! جس ذات نے کہ تجھکو بلا عوض کے پیدا کیا ہے تو انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ تو بھی اسکی عبادت بلا عوض ہی کے کرے۔ جو عاشق

که از معشوق بعوض راضی گردد با و همان
معامله باید کرد که زبیده کرد، چنین گویند
وقتی جوانی بر در زبیده رسید و گفت
که من بر زبیده عاشق شده ام این خبر
بر زبیده رسانیدند زبیده او را درون
طلبید با او گفتن گرفت زنهار بار دیگر
مثل این سخن نگوئی که هم ترا زیان دارد
و هم مرا. هزار دینار مرا بستان و از این سخن
بگذر. گفت نتوانم گذشت. همچنین
تا ده هزار دینار. چون جوان ده هزار
دینار بشنید راضی شد. زبیده چون
این حال بدید فرمود تا او را گردن زنند
چون او را گردن زدند می گفت هذا
جزاء من ادعی محبتنا ولم یکتف بانعامنا
عارفانی که دران ایام بودند هر که این قصه
می شنید بیهوش می شد مخلوقی که دعوی
محبت مخلوقی می کند اگر بدون او میل
می کند بغیر او و راضی می شود با او
آن ماجرا می رود اگر بنده که دعوی
محبت خالق می کند اگر بدون او میل
کند با او چه کنند بشنو بشنو! بزرگی
بود که هیچ وقت چپ و راست نگریستی
و گفتی که من شرب شربة من کاس المحبة

کہ اپنے معشوق سے اور محب اپنے محبوب سے عوض چاہے
تو اسکے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہیئے جو کہ زبیدہ نے کیا تھا۔ بیان
کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک جوان زبیدہ کے دروازہ پر پہونچ گیا
اور کہا کہ میں زبیدہ پر عاشق ہوں اسکی خبر زبیدہ کو پہونچی زبیدہ
نے اس شخص کو اندر طلب کیا اور اس سے کہا کہ دیکھو
خبردار اب ایسی بات دوبارہ زبان سے مت نکالنا کہ
اس میں تمہارا بھی نقصان ہے اور میرا بھی۔ لو یہ
ہزار دینار دیتی ہوں اور اس سودے کو اپنے سر
سے نکالدو۔ اسنے کہا کہ میں اپنے اس خیال سے باز نہ ہوں
اس پر میں تیار نہیں۔ اس نے دو ہزار درہم دینے کو کہا تین ہزار
کو کہا یہاں تک کہ دس ہزار تک دینے کیلئے کہا جب اس
جوان نے دس ہزار کا لفظ سنا تو راضی ہوگیا۔ زبیدہ نے جب یہ حال
دیکھا تو حکم دیا کہ اسکو قتل کردیا جائے۔ جب اسکی گردن مارنے
کیلئے لوگ لے گئے تو کہتا تھا کہ لوگو دیکھو یہی سزا ہے اسکی جو ہماری
محبت کا دعوی کرے اور ہماری جانب سے دیئے جانے والے عطیہ
پر قناعت نکرے۔ اس زمانے کے جو عارفین تھے انہیں سے جو کوئی
اس قصہ کو سنتا تھا بیہوش ہوجاتا تھا (یہ خیال کرکے کہ دیکھو) ایک
مخلوق نے مخلوق سے دعوی محبت کیا اور اسکے غیر کی جانب مائل
ہوا اور اسکے علاوہ کسی اور شے سے دلی سکون پکڑا اور اس سے راضی ہوا
تو اسکا یہ حشر ہوتا ہے اب اگر کوئی بندہ جو کہ اپنے خالق سے محبت کا دعوی
کرتا ہے اگر وہ کسی اور کی جانب مائل ہوا تو اسکے ساتھ کیا معاملہ ہوگا
سنو سنو! ایک بزرگ تھے جو کبھی بھی دائیں بائیں نہیں دیکھا
کرتے تھے اور یہی کہتے تھے کہ جس شخص نے جام محبت سے ایک گھونٹ

لا یجب الالتفات منہ الیٰ غیرہٖ۔ وقتی درانثای طواف کعبہ بود سیکے او آواز داد خواست تا جانب او بنگرد از ہوا آوازی شنید من التفت منا الیٰ غیرنا فلیس منا قطعہ

نخشبی چشم از ہمہ بر دوز
دیدن زید و عمرو آسان نیست
گرچہ دنیا ست بہر نظارہ
لیک دیدن بغیر فرمان نیست

بلکہ پی لیا ہے وہ اسکی جانب سے اسکے غیر کی جانب التفات کو پسند و گوارا نہیں کرتا۔ ایک مرتبہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کسی نے انکو آواز دی چاہا کہ اسکی جانب دیکھیں دوسری آواز آئی جو شخص ہماری جانب سے ہمارے غیر کی طرف التفات کرے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

"اے نخشبی سارے عالم سے تم اپنی آنکھیں بند کر لو اور یہ سمجھ لو کہ زید عمرو کا دیکھنا یعنی غیر اللہ سے تعلق رکھنا اور ایسا اختلاط کرنا جو کہ شرع کے مطابق ہو) آسان نہیں ہے۔ اگرچہ یہ ساری دنیا نظارہ ہی کیلئے پیدا کی گئی ہے لیکن بدون اجازت محبوب کے اسکی جانب دیکھنا جائز نہیں ہے"

سلک نودم

طبقۂ طائفہ کہ ایشاں را ہستی بمثابہ نیستی است و نیستی بمثابہ ہستی است۔ چنیں گویند درویش حقیقی کسیست کہ او در نیستی چناں خوش باشد کہ دیگری در ہستی واز ہستی چناں ناخوش گردد کہ دیگری از نیستی و خود را چناں مشغول محبوب کند کہ او دست در دامن محبت غیری نزند و دیگری را نگذارد کہ دست در دامن او زند۔ خواجہ سریؒ کہ عزیزی بود میگوید کہ سی سال در طلب علم عزیز بودم روزی

سلک نمبر ۹۰ (محبت شرکت نہیں چاہتی)

اللہ والوں کا وہ گروہ کہ انکے نزدیک ہستی بمنزلہ نیستی اور اور نیستی مشابہ ہستی کے ہے یوں فرماتے ہیں کہ حقیقی درویش وہی ہے جو کہ نیستی میں بھی اس طرح سے خوش اور ہشاش بشاش رہے جس طرح سے کہ اور دوسرے لوگ ہستی میں خوش رہا کرتے ہیں اور ہستی سے اس طرح سے ناخوش ہوتا ہو جیسا کہ دوسرے لوگ نیستی سے ناراض رہتے ہیں۔ اور اپنے کو محبوب میں اسطرح سے مشغول کرلے کہ دوسرے (یعنی غیر محبوب) کے دامنِ محبت میں ہاتھ تک نہ لگائے اور نہ کسی دوسرے کو موقع دے کہ وہ اسکے دامن کو پکڑ سکے۔ حضرت سری سقطیؒ جو کہ اولیاء اللہ میں سے تھے فرماتے ہیں کہ تیس سال تک میں کسی اللہ والے کی تلاش میں رہا بالآخر ایک مرتبہ انھیں ایک پہاڑ پر پایا

اورا در کوہی دریافتم و هو قائم علی الصخرة نزدوت منہ و اخذت ذیلہ فقال خل ذیلی یا سری فان الحبیب غیور آری اکسے کہ دعوئ محبت کسی کند اگر یک چشم زدنی بدیگرے پردازد اورا ارباب قلوب معذور ندارند بشنو بشنو اندر انچہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما گفت وا و ہنوز خورد بود روزی امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ اورا بر سر زانوی خود نشاندہ بود و از غایت محبت سر اورا می بوسید حسن رضی اللہ عنہ گفت ای پدر ایں ساعت خداوند تعالے در تو می بیند گفت می بیند گفت شرم نداری کہ خداوند در تو بینندہ باشد تو غیر او را دوست داری سنجے علی بکاء اً شدیداً من مقالتہ ثم قال وما الحیلۃ یا بنی قال الحب للہ و الشفقۃ علینا۔

قطعہ

نخشبی دوستی حق را باش
چند باشی چنیں بباطل کس
دل بدین و بداں مدہ زیں بیش
دوستی دوستی حق داں بس

دیکھا کہ ایک چٹان پر کھڑے ہوئے ہیں۔ میں انکے قریب گیا اور انکا دامن پکڑا یہ دیکھتے ہی فرمایا کہ اے سری میرے دامن کو چھوڑ دو اسلئے کہ میرا محبوب بڑا غیرت مند ہے (اسکو یہ پسند نہیں) اور واقعی بات بھی یہی ہے کہ جو شخص کسی سے محبت کا بھی دعویٰ کرے اور چشم زدن بھر کیلئے بھی کسی دوسرے کیجانب توجہ کرے تو ارباب قلوب اسکو بخشتے نہیں۔ سنو سنو! دیکھو حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ نے کیسی بات فرمائی حالانکہ آپ ابھی بچے ہی تھے وہ یہ کہ ایکمرتبہ امیر المؤمنیں حضرت علی رضی اللہ عنہ انکو اپنی گود میں بٹھائے ہوئے تھے اور ازراہ محبت انکے سر کو بوسہ دے رہے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بولے کہ ابا جان! اسوقت اللہ میاں آپ کو دیکھ رہے ہیں کہ نہیں فرمایا کہ ہاں دیکھ تو رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ آپ کو اس سے شرم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور آپ غیر اللہ سے محبت کر رہے ہیں اور آثار محبت ظاہر فرما رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سنکر بہت روئے اور انھیں سے پوچھا کہ پھر اسکا حل بتاؤ کہ کیا کروں کہ حق خالق و مخلوق دونوں ادا ہو؟ فرمایا کہ ابا جان! محبت تو اللہ تعالےٰ سے کیجئے اور ہم لوگوں پر بس شفقت کی نظر رکھئے۔

ترجمۂ قطعہ

اے نخشبی تو تو بس اللہ تعالیٰ کا دوست بن، کب تک اِنکے اور اُنکے باطل تعلقات میں الجھا رہے گا۔ ایسے فیرے میں تو دل بس بقدر ضرورت ہی لگاؤ باقی دل دوستی کو تو صرف حق تعالیٰ ہی کا حق جانو۔

اسی طرح یہاں کی خوشی بھی خواب کی سی خوشی ہے چنانچہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ میں تخت سلطنت پر متمکن ہوں اور آنکھ کھل جائے تو دیکھے کہ چاروں طرف پولیس کے سپاہی کھڑے ہیں اور اسکو جیل خانے لیجانا چاہتے ہیں تو کیا اس خواب کی بادشاہت سے اسکو کچھ راحت پہونچے گی ہرگز نہیں بس یہی حالت ہے دنیا کے غم اور خوشی کی کہ اگر خدا کے سامنے خوش گیا تو یہاں کے عمر بھر کے غم و رنج کچھ بھی نہیں ہیں اور اگر خدا کے سامنے غمزدہ گیا تو یہاں کی عمر بھر کی خوشی بھی خاک ہے مگر اب لوگ اس خواب و خیال کو حقیقی غم اور خوشی سمجھتے ہیں جسکی وجہ بس یہی ہے کہ دنیا کو اپنا گھر سمجھ رکھا ہے۔

(۳۵) مصائب دنیا سے کاملین کے پریشان ہونے کی وجہ

صحابہ کرامؓ میں بس یہ بات نہ تھی اور یہی وجہ ہے کہ ان حضرات میں نہ تکبر تھا نہ شیخی تھی اور نہ وہ کسی مخلوق سے ڈرتے تھے اسلئے کہ خدا تعالیٰ سے لو لگائے ہوئے تھے۔ ہر وقت وقت آخر کے منتظر تھے اور صحابہ کرامؓ کی تو بڑی شان ہے اولیا اللہ کی یہی حالت ہوتی ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ جب انکا کوئی نقصان ہوجاتا ہے تو انکو غم بھی نہیں ہوتا کیونکہ غم خلاف امید ہونے سے ہوتا ہے تو جو شخص کسی چیز کے بارے میں یہ امید رکھے کہ یہ ہم سے جدا نہ ہوگی اسکو اس چیز کے جدا ہونے کا غم ہوگا ورنہ کوئی بھی غم نہ ہونا چاہئے۔ ہاں طبعی رنج دوسری بات ہے میں پریشانی کے غم کی نفی کر رہا ہوں۔ یہی فرق ہے ان لوگوں میں جو دنیا کو اپنا گھر سمجھتے ہیں اور ان میں جو دنیا کو اپنا گھر نہیں سمجھتے اسی کو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اَرَضِيتُم بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ (کیا تم آخرت کے عوض دنیا کی زندگی پر راضی ہوگئے ہو سو دنیا کا تمتع تو آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑا ہے)

(۳۶) آخرت کو یاد کرنے کا اثر اور طریقہ

اسکا طریقہ یہ ہے کہ آخرت کو کثرت سے یاد کیا جائے اس سے دنیا کی محبت دل سے نکل جائیگی اور آخرت کی نعمت کی محبت اور آخرت کے عذاب سے خوف یوں پیدا کرو کہ بیٹھکر سوچا کرو کہ ہمکو مرنا ہے اور خدا کے سامنے جانا ہے پھر ایک دن ہمارا حساب ہوگا اگر اچھی حالت

سے تو بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی ورنہ سخت سخت عذاب ہونگے اور نفس سے کہا کروکہ اے نفس تو دنیا کو چھوڑنے والا ہے قبر میں تجھ سے سوال ہوگا اگر اچھے جواب دے سکا تو ابدالآباد کا چین ہے ورنہ سدا کی تکلیف ہے پھر تجھے قیامت کو اٹھنا ہے اور اس روز تمام نامۂ اعمال اڑائے جائیں گے تجھے پل صراط سے گذرنا ہوگا پھر آگے جنت ہے یا دوزخ ہے۔ اسکو روزانہ سوچا کرو اس سے آخرت کے ساتھ تعلق ہوگا اور دنیا سے دل سرد ہو جائے گا

(۳۷) موت سے وحشت ہونے کا علاج

موت کے مراقبے سے ممکن ہے کہ کسی کو یہ خلجان ہو کہ اس سے تو وحشت ہو گی اور جی گھبرائیگا اسکا علاج یہ ہے کہ جب وحشت ہونے لگے تو خدا تعالیٰ کی رحمت کو یاد کیا کرو اور سوچا کرو کہ اسکو اپنے بندوں سے اتنی محبت ہے کہ ماں کو بھی اپنے بچے سے اتنی محبت نہیں ہے تو اسکے پاس جانے سے وحشت کی کوئی وجہ نہیں اور اگر اس مراقبے کے بعد پھر کبھی دنیا کی طرف دل راغب ہو اور گناہ کو جی چاہے اور کوئی گناہ صادر ہو چکا ہے تو مراقبے کی تجدید کے ساتھ توبہ کرلیا کرو۔

(۳۸) توبہ بغیر ادائے حقوق کے قبول نہیں ہوتی

توبہ کا تتمہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا حق تمہارے ذمہ ہو اسکو بہت جلدی اداکردو۔ اس سے انشاء اللہ خدا تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کردیگا۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آخرت کا دائمی عیش ہوگا۔

(۳۹) اپنے لئے اعتقادِ اباحت اور عدم مضرتِ معاصی کا ابطال

بعض اعتقاداً بعض حالاً یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ بھی کریں ہمکو گناہ نہیں ہوتا جنکو اعتقاد ہے وہ کفر میں مبتلا ہیں وہ اپنی مثال ایسی سمجھتے ہیں کہ جیسے ایک دریا ہو کہ اس میں اگر پیشاب کے قطرات گریں تو وہ دریا ناپاک نہیں ہوتا بلکہ وہ پیشاب ہی اس میں فنا ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں سے کوئی پوچھے

کہ تم نے جو اپنے کو دریا سے تشبیہ دی ہے تو یہ تشبیہ تمھاری تراشی ہوئی ہے یا قرآن و حدیث میں کہیں یہ تشبیہ ہے، اگر تراشی ہوئی ہے اور تمھارے نزدیک ٹھیک ہے تو یہ بھی کرو کہ گورنمنٹ جسکی اب تک اطاعت کی ہے اب اسکی عملداری میں ڈکیتی ڈالو اور جب گرفتا ہو کر آؤ کہدو کہ اب ہم دریا ہو گئے ہیں اگر اس عذر کو سنکر سرکار چھوڑ دے تو خدا سے بھی امید رکھو اور جیسے خدا سے امید باندھے بیٹھے ہو کہ وہ ہمکو چھوڑ دیگا ایسے ہی ڈکیتی ڈالنے میں سرکار سے بھی امید رکھنی چاہیئے۔ یہ سب نفس کی شرارتیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ واقع میں دریا تھے چنانچہ ارشاد ہے لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (تاکہ اللہ تعالے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادے) آپ نے تو کبھی یہ دعویٰ کیا ہی نہیں تو آج کس کا منہ ہے کہ وہ اپنے کو دریا کہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقبولیت پر یہ فرماتے تھے کہ انی اخشاکم للہ و اعلمکم باللہ (میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف کرنیوالا اور اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والا ہوں) تو جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اسکا دعویٰ نہیں کیا اور اس بنا پر کسی کا حق نہیں دبایا تو پھر دوسرے کا کیا منہ ہے۔

حکایت: ایک مرتبہ آپ نے ایک صحابی کی کوکھ میں انگلی چبھو دی تھی انھوں نے کہا میں تو بدلہ لونگا آپ نے فوراً فرمایا کہ بدلہ لے لو اور اپنی کوکھ انکے سامنے کر دی انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا بدن تو کھلا تھا اور آپ تو کپڑا پہنے ہوئے ہیں آپ نے فوراً کرتہ اٹھا دیا وہ صحابی آپ کے پہلوئے مبارک سے چمٹ گئے اور بوسے دینے لگے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا مقصود تو یہ تھا۔ لوگوں نے جو وفات نامہ میں حضرت عکاشہؓ کی حکایت گھڑلی ہے وہ صحیح نہیں صحیح حکایت یہ ہے۔

(۴۰) صحابہ کرام کی تواضع

اسی طرح حضرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کبھی اپنے کو اتنا بڑا نہیں سمجھا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اتفاقاً اگر کسی پر سختی ہو گئی ہو تو بدلہ نہ دیا ہو۔

حکایت: حضرت ابو عبیدہؓ ملک شام میں ایک لشکر کے سپہ سالار تھے وہاں کسی عیسائی بادشاہ کی تصویر کھڑی تھی بعض مسلمانوں نے جوش میں اس تصویر کی ایک آنکھ پھوڑ دی حضرت ابو عبیدہؓ کو جب

خبر ہوئی تو آپ نے کہلا بھیجا کہ میں راضی ہوں کہ لوگ اس تصویر کے بدلے میں میری ایک آنکھ پھوڑ ڈالیں۔

حکایت : حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا گیا کہ آپ اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں هذا اوردنی الموارد (اسی نے مجھے ہلاکتوں میں ڈالا ہے)

حکایت : اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو دیکھا گیا کہ مشکیزے میں پانی لیکر محلے میں بھرتے پھرتے ہیں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ایک شخص نے آکر تعریف کی تھی میں نے غور کر کے دیکھا کہ نفس اس سے خوش ہوا اسلئے اسکا علاج کر رہا ہوں۔ غور کیجئے ان دونوں صاحبوں نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم تو دریا ہیں ہمیں سب معاف ہے۔

حکایت : حضرت علیؓ نے کرتہ پہنا اور اسکی آستینیں تراش دیں، پوچھا گیا تو فرمایا کہ جب میں نے اسکو پہنا تو مجھے یہ اچھا معلوم ہوا اور طبیعت اس میں مشغول ہوئی اسلئے میں نے اسکی آستینیں تراش دیں تاکہ یہ بدنما ہو جائے۔ اب یہ حالت ہے کہ اگر کہیں بخیہ میں بھی کمی رہ جائے تو درزی کے سر پر مارتے ہیں، وہ حضرات اچھے کپڑے کو بھی خراب کر لیتے ہیں۔ غرض یہ کہ کسی کا یہ خیال کہ ہم دریا ہو گئے ہیں اور ہمیں گناہ سے ضرر نہ ہوگا بالکل غلط خیال ہے۔ اس قسم کے لوگ اب بھی موجود ہیں اور پہلے بھی ہوئے ہیں، چنانچہ حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ بعض لوگ اپنی نسبت یہ کہتے ہیں کہ نحن وصلنا فلا حاجة لنا فی الصلوۃ والصوم یعنی اب ہم پہونچ گئے ہیں اسلئے ہمکو نماز روزے وغیرہ کی ضرورت نہیں آپ نے جواب میں فرمایا کہ صدقوا فی الوصول ولکن الی السقر (یہ جو کہتے ہیں کہ ہم پہنچ گئے ہیں صحیح ہے لیکن کہاں ؟ جہنم میں) اور فرمایا کہ اگر ہزار برس کی میری عمر ہو تو اخیر عمر میں بھی ایک وظیفہ تک نہ چھوڑوں۔ غرض یہ خیال بالکل غلط ہے اور اس آیت میں فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (جو شخص ذرہ برابر بھلائی کریگا وہ اسکو دیکھ لے گا) خدا تعالیٰ اس کا ابطال فرماتے ہیں۔

(۴۱) گنہگار کو بھی حسنات پر ثواب ملتا ہے

اگر گنہگار بھی نیک کام کرے تو اسپر اجر ملے گا اور معصیت کا وبال معصیت پر اگر وہ

معاف نہ ہوا الگ ہوگا جیسے کوئی حاکم اپنے عہدے کے کام کو بھی انجام دے اور رشوت بھی۔ تو اگر حکام بالا کو اطلاع ہو جائے تو رشوت لینے پر سزا ملے گی، لیکن جس وقت تک عدالت کا کام کیا ہے اس وقت تک کی تنخواہ بھی ضرور ملے گی۔

(۴۲) بغیر ترک گناہ کے حسنات میں نور نہ ہونا

اگر نیک کام کیا جائے اور گناہوں سے بچا رہے تو اس وقت طاعت کی بدولت جو نور ہوگا وہ گناہوں کے ساتھ ہرگز نہ ہوگا اور وہ رونق اور شگفتگی اور مسرت جو کہ طاعت کرنے سے ہوتی ہے وہ نہ ہوگی بلکہ ایسا ہوگا جیسا کہ بہت لذیذ کھانا پکایا اور اس میں تھوڑی سی راکھ بھی جھونک دی تو راکھ جھونکنے کے بعد بھی وہ کھانا تو رہا لیکن کرکرا ہو گیا۔ اسی طرح گنہگار آدمی نماز تو پڑھتا ہے مگر طبیعت پھیکی پھیکی رہتی ہے وہ نشاط و انبساط جو نماز سے ہوتا ہے وہ اسکو نہیں ہوتا اگرچہ دلیل کے ذریعہ کر کے یہ سمجھے کہ ثواب ملیگا لیکن قلب بالکل کورا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس قدر بے برکتی ہوتی کہ جو ثواب ہے وہ نظر ہی نہیں آتا بلکہ گناہوں کے حجاب میں چھپ جاتا ہے۔ اسکی ایسی مثال سمجھ جیسے کسی آئینہ میں چراغ کو رکھکر اوپر سے سیاہ کپڑا لپیٹ دو اس صورت میں چراغ کی روشنی باقی رہیگی لیکن اسقدر دھیمی ہو جائے گی کہ بعض اوقات رستہ بھی نظر نہ آئے گا البتہ بہت ہی کوئی دقیق النظر ہو تو وہ دیکھ لے گا یا کوئی دیکھکر بتلا دے تو مان لیں گے باقی خود کچھ نظر نہ آئے گا تو چونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ ثواب ملیگا اسلئے ہم مانیں گے کہ اندر روشنی ہے مگر اوپر سے اسقدر مٹی پڑ گئی ہے کہ وہ بالکل نظر نہیں آتی۔

(۴۳) گناہ کے حابط طاعت ہونے کی تحقیق اور تفصیل

گناہ کو طاعات سے دو قسم کا علاقہ ہے بعض تو وہ گناہ ہیں کہ نصوص سے ثابت ہیں کہ طاعات کو حبط کر دیتے ہیں۔ آسان لفظوں میں اسکا حاصل یہ ہے کہ بعض گناہ تو ایسے ہیں کہ قبولیت طاعات کیلئے انکا نہ ہونا شرط ہے اور بعض ایسے ہیں کہ انکو کوئی دخل نہیں ہے اور جنکو دخل ہے انکی دو قسمیں ہیں بعض کا نہ ہونا صحت کی شرط ہے اور بعض کا نہ ہونا بقا کی شرط ہے۔ اول جیسے کفر

ایسے ہوتے ہوئے کوئی عمل نیک صحیح نہیں ہے اور نہ باقی رہتا ہے۔ یعنی اگر کوئی کافر نماز پڑھے تو صحیح نہیں اور اگر کوئی نماز پڑھکر کافر ہو جائے تو وہ نماز باقی نہ رہے گی یہاں سے لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے جو کہ کلمات کفر کی پرواہ ہی نہیں کرتے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگوں کو جب روزہ رکھنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ روزہ رکھے وہ جس کے گھر کھانے کو نہ ہو اگر کسی کے منہ سے کلمہ نکل گیا تو وہ کافر ہو گیا اور اسکو نکاح پھر کرنا چاہیئے حج پھر کرنا چاہیئے پہلے سب عمل اسکے حبط ہو گئے جب تک اس سے توبہ نکرے تب تک یہ اگر کوئی نیک عمل آئندہ کو کرے گا تو وہ بھی مقبول نہ ہوگا۔ دوسرے علاوہ اسکے ایک اور عمل بھی ہے کہ نص قطعی سے ثابت ہو گیا ہے کہ اسکا اثر بھی مثل کفر ہی کے ہے یعنی اس سے حبط عمل ہو جاتا ہے اور وہ عمل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہونچائی جائے اور حضور کی شان میں بے ادبی کیجائے اگرچہ بلا قصد ہو مگر قلت مبالات سے ہو اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ معلوم ہو گیا کہ آپ کتنے جلیل القدر ہیں وہ نص قطعی یہ ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ

(اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز کے اوپر مت بلند کرو اور آپ سے زور سے نہ بات چیت کیا کرو جس طرح آپس میں کرتے ہو اسلئے کہ اندیشہ ہے کہ تمہارے اعمال نہ حبط ہو جائیں اور تم اسکی خبر بھی نہ ہو) اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ بے ادبی سے حبط عمل ہوگا۔

(۴۴) بزرگوں کیساتھ ادب کی تعلیم اور تکلف سے ممانعت

اس سے معلوم ہوا کہ بڑوں کے سامنے ذرا جھجھک کر بولنا چاہیئے البتہ بات جو کہو نہایت صاف کہو کہ اس میں کسی قسم کی پیچیدگی اور گنجلک نہ رہ جائے اب ہم میں یہ منحوس حالت ہے کہ ہم دونوں میں فرق نہیں کرتے اب یا تو تکلف ہوتا ہے کہ اپنی حالت بھی صاف بیان نہیں کرتے جیسا کہ آجکل مدعیان محبت کی یہ حالت ہے کہ اگر ادب کرینگے تو یہ کہ چار دن تک رہیں گے لیکن یہ نہ بتلائیں گے کہ کس ضرورت سے آئے ہیں اور جب عین چلنے کا وقت ہوگا تو کہیں گے کہ میرے بارے میں کیا ارشاد ہے اگر کہو کہ بھائی تم نے اپنی حالت تو کہی ہوتی پہلے لی ہوتی تو اسکا یہ جواب

کہ حضور کو تو سب روشن ہے۔ حضور کو اپنی تو خبر ہی نہیں انکی حالت حضور پر روشن ہو گئی! میں کشف کا انکار نہیں کرتا لیکن کشف اختیاری نہیں ہوتا وہ بالکل خارج از اختیار ہے۔

دیکھو حضرت یعقوب علیہ السلام کو مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر نہ ہوئی اگر کشف امر اختیاری تھا تو کیوں حضرت یعقوب علیہ السلام مطلع نہیں کئے گئے اور خبر ہوئی تو اس طرح کہ بشر کرتہ لیکر چلا تو آپ نے فرمایا اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ (مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے) لیکن یہ کھٹکا رہے کہ لوگ کہیں گے کہ اب تک تو آپ کو پتہ نہیں چلا اب یوسف کی خوشبو آنے لگی اسلئے میرے کلام کو ہذیان پر محمول کریں گے، اسلئے فرمایا لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ ۔ قَالُوْا تَاللّٰہِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ (اگر تم لوگ مجھے بہکی باتیں کرنیوالا نہ جانو انھوں نے کہا کہ واللہ آپ ابھی تک اپنی قدیم غلط فہمی ہی میں پڑے ہیں) وہ حالت یہ ہے ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

(کبھی تو میں آسمان پر جا بیٹھتا ہوں (یعنی وہاں کی باتیں کرتا ہوں) اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت کو بھی نہیں دیکھا)

تو یہ کیا ضروری ہے کہ ہر وقت کشف ہوا ہی کرے اور وہ تمہارا حال خود بخود جان جایا کرے اسکی تعلیم فرماتے ہیں عارف شیرازیؒ ؎

چنداں کہ گفتم درد از طبیباں — درماں نکردند مسکیں غریباں

(میں نے ہر چند اپنا درد طبیبوں سے بیان کیا لیکن اس غریب مسکین کا کسی نے علاج نہیں کیا)

ما درد دل را با یار گفتیم — نتواں نہفتن درد از حبیباں

(میں نے اپنا درد دل یار سے اسلئے کہدیا کہ مرض کو طبیب سے چھپانا نہیں چاہیئے)

مصرعہ ثالث میں بتلا دیا کہ اپنا حال دل پوشیدہ نکرے۔

(۴۵) مرشد سے اپنے عیوب کبھی نہ چھپائے

یہاں تک تعلیم ہے کہ اگر عیب کھلی ہو تو مرشد سے صاف کہدے کہ میرے اندر یہ مرض ہے بعض لوگوں کی یہ حالت ہے کہ وہ لڑکوں کی محبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اپنے اس مرض کو بلی کے گوہ کی طرح چھپاتے ہیں اس سے کچھ نتیجہ نہیں ہوتا۔ اور چھپانے کا حکم اس موقع

پر ہے کہ جہاں اظہار میں کوئی مصلحت نہ ہو۔ اور طبیب کو دکھلانے کی ممانعت نہیں ہے اظہار کی ممانعت ایسے موقع پر ہے جیسے کہ ایک شخص کی نسبت سنا ہے کہ جب حج کو گیا تو رمی جمار کے وقت ایک لمبا جوتا لیکر ان تین پتھروں میں سے ایک پتھر کو خوب پیٹ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ کمبخت فلاں دن تو نے مجھ سے یہ گناہ کرایا تھا اور فلاں رات کو تو نے مجھے زنا میں مبتلا کیا تھا تو ایسے موقع پر بلا کسی ضرورت اور مصلحت کے اظہار کرنا یہ تو حماقت ہے مگر طبیب سے ہرگز نہ چھپاؤ اور اگر یہ خیال ہے کہ ہم انکی نظروں میں ذلیل ہو جائیں گے تو ایسے شخص کو پیر نہ بناؤ۔

(۴۶) اولیاء اللہ کسی کو ذلیل وحقیر نہیں سمجھتے

جو سچے لوگ ہوتے ہیں وہ کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے کیونکہ جانتے ہیں کہ ـــــــ ع

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد (دیکھا چاہیے کہ یار کسے بلاتا ہے اور کسکی جانب اسکا میلان ہوتا ہے) وہ کتے کو بھی ذلیل نہیں سمجھتے وہ کسی کی نسبت خیال نہیں کرتے کہ یہ مقبول نہ ہوگا انکا مذہب یہ ہے کہ ؎

غافل مرو کہ مرکب مردان زہد را ۔۔۔ در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند

(غافل ہو کر مت چلو کہ زہد کے میدان کے جو مرد لوگ ہیں انھوں نے جنگل میدان میں اپنی سواری کے کوچ کاٹ دیئے ہیں)

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش ۔۔۔ ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

(اور ناامید بھی نہ ہو کہ رندان بادہ نوش ایک چھلانگ لگا کر منزل مقصود تک پہونچ گئے ہیں)

تو جنکا یہ مذہب ہو وہ کسی کو حقیر سمجھیں گے؟ ہرگز نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ وہ کسی سے کہہ دینگے اور وہ ہمکو ذلیل سمجھے گا تو یاد رکھو وہ کسی سے نہ کہیں گے، وہ خدا کا راز تو کہتے ہی نہیں جس کے ظاہر کرنے سے خدا تعالیٰ کا کوئی ضرر نہیں تمہارا راز کیا کسی سے کہیں گے جسکا اظہار تمہارے لئے مضر ہے۔

حکایت: حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ خود اسرار اللہ کے باب میں فرماتے ہیں کہ منصور بچہ بود از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا مردانند کہ دریاہا فرو برند و آروغ نزنند (منصورؒ بچے تھے کہ ایک ہی قطرہ میں فریاد کرنے لگے (اور حد سے گذر گئے) مرد یہاں ہیں کہ دریا کا دریا پی گئے ہیں اور ڈکار تک نہیں لی) غرض جب یہ بھی اندیشہ نہیں تو ویسی ہی عزت سب کی نظر میں رہے گی جیسے کہ اب ہے۔ اور ویسی ہی انکی نظر میں بھی رہے گی۔

(باقی آئندہ)

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

شمارہ ۲ فروری ۱۹۸۰ء جلد ۳

مکتبہ وصیۃ العرفان

[illegible]

حاملِ تعلیماتِ تصوف و احسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ سالانہ ۱۸ عہ/ اٹھارہ روپئے

چندہ ششماہی ۹ لعہ/ نو روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبدالمجید عفی عنہ | ایک روپیہ

شمارہ ۲ | فروری ۸۶ء مطابق ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ | جلد ۳

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار، الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار، الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ال ۲-۹-۱-۷-ای ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

(رسالہ وصیۃ العرفان سے متعلق ایک محترم کا تاثر)

"اس ترقی یافتہ دور میں کسی رسالے یا کتاب کا شائع ہونا کوئی عجیب اور اہم بات نہیں ہے لیکن جب اس بات کو سامنے رکھا جائے کہ وصیۃ العرفان ایسے ناموافق دور میں بڑی پابندی سے اپنے پڑھنے والوں کی روحانی تشنگی دور کر رہا ہے تو یہی غیر اہم اور معمولی بات بہت اہم بن جاتی ہے کہ عام اور مروجہ روش سے ہٹ کر منفرد اور نرالے انداز میں الہ آباد سے نکل کر عالم کے چپہ چپہ میں نور کی کرنیں پھیلانے والا اور عالم اسلام کو علم دین، تقویٰ، تزکیۂ نفس، صلاح کار، اخلاق انسانیت سے ہر ہر منزل پر نوازنے والا ہر قسم کی مشکلات اور رکاوٹوں پر غالب آ کر نہ صرف زندہ ہے بلکہ ہمارا انسانیت کیلئے آب حیات اور اپنی ضیاپاشیوں سے صدہا قلوب کو روشنی سے ہمکنار ہو رہا ہے اگر چشم بصیرت سے دیکھا جائے اسکی حالت اور ہیئت ترکیبی پر نظر ڈالی جائے اور اس سے متأثر ہونے والے قلوب کا جائزہ لیا جائے تو اس نتیجہ پر پہنچنا آسان ہوگا کہ حضرتؒ کا لگایا ہوا یہ چمن قدرت ربانی / رحمت رحمانی نے ازل ہی سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کیلئے چن لیا تھا۔

مجھے اس حقیقت کے اعلان میں ذرہ برابر تامل نہیں کہ یہ فدایان وصی اللّٰہی کے پرخلوص قلبی لگن کا نتیجہ ہے ورنہ تو صحیح یہ ہے کہ زمانہ اور اہل زمانہ کی منافقت و معاندت نیز وسائل کی کمی ناقابل تصور گرانی اور پڑھنے والوں کے بیشتر حصہ کی مالی بدحالی یہ ایسی کھلی ہوئی رکاوٹیں ہیں جو سد راہ بن سکتی ہیں مگر صد آفریں ہے آپکی ہمت کو کہ ایسے حالات میں چراغ عرفان کو روشن کئے ہوئے ہیں۔

چندہ کے اضافہ سے طبیعت مکدر نہیں ہوئی بلکہ بے اختیار زبان سے نکلا کہ ع "نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز" ——— والسلام۔ محمد اختر القاسمی۔ ایم۔ پی

اپنے ان مخلص کرم فرما کے ان قلبی تأثرات کو حق تعالیٰ شانہٗ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس دفعہ خانۂ پیش لفظ ہی میں پیش نظر کرتا ہوں۔ والسلام (ادارہ)

(الفانی لا یُرد)

فرمایا کہ ——— صوفیاء کرام کے یہاں کا ایک مشہور مسئلہ ہے کہ فنا کے بعد رجوع نہیں ہے۔ چنانچہ یہ حضرات کہتے ہیں کہ الفانی لا یرد اور من رجع رجع عن الطریق۔ یعنی فانی ہونے کے بعد کوئی شخص مردود نہیں ہوتا اور جو بھی رجوع ہوا ہے وہ طریق ہی سے رجوع ہوا ہے مقصود تک پہونچنے کے بعد کوئی راجع نہیں ہوا کرتا اور یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ رجوع کہتے ہی ہیں مقصد تک پہونچنے سے پہلے پہلے لوٹ آنے کو اس لئے کہ مقصد سے پہلے ہی پہلے رجوع کا امکان اور موقع رہتا ہے باقی مقصود تک پہونچ جانے کے بعد رجوع کے کیا معنی؟ حضرت سعدی شیرازیؒ نے اس شعر میں اسی مسئلہ کیجانب اشارہ فرمایا ہے ؎

دگر سالکے محرم راز گشت　　　بہ بندند بروے در بازگشت

(یعنی اگر کوئی سالک محرم راز یعنی فانی فی اللہ ہوجاتا ہے تو واپسی کا دروازہ اس پر بند فرما دیتے ہیں)۔

اور علماء ظاہر نے اس مسئلہ پر دلائل قائم کئے ہیں چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں ——— فقیر اسی مسئلہ کی دلیل میں یہ آیت پیش کرتا ہے کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (یعنی حق تعالیٰ تمھارے ایمان کو ضائع نہیں کرتا بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت شفیق اور مہربان ہیں)

علماء کا یہ استدلال بھی بہت خوب ہے لیکن حضرت رحمۃ اللہ سے اس مسئلہ کی ایک اور دلیل سنی وہ یہ ہے کہ بخاری شریف میں ہرقل اور حضرت ابوسفیانؓ کا مکالمہ بیان کیا گیا ہے اس میں ہے کہ ہرقل نے جب یہ پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تمھارے یہاں جنھوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور لوگ انکی دعوت کو قبول کر رہے ہیں تو وہ کون لوگ ہیں یعنی اشراف ناس اور بڑے لوگ ہیں یا ضعفاء قسم کے لوگ ہیں؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ ان کے متبعین ضعفاء

ضعفاء میں، پھر پوچھا کہ انکی تعداد زیادہ ہو رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ کہا نہیں روز بروز بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ کہا اچھا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انکے دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے لوگ پھر جاتے ہوں دین کو مکروہ سمجھتے ہوئے؟ کہا نہیں ایسا تو نہیں ہوتا۔ اسی طرح اور چند سوالات کر چکنے کے بعد ہرقل نے کہا کہ میں نے تم سے ان کے اتباع کے متعلق دریافت کیا کہ شرفاء قوم ہیں یا ضعفاء تو تم نے کہا کہ ضعفاء ہیں تو سمجھ رکھو کہ ہمیشہ یہی لوگ رسل کے اتباع ہوئے ہیں پھر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ انمیں سے کوئی دین کو مکروہ جانکر مرتد بھی ہو جاتا ہے یا نہیں تو تم نے کہا کہ نہیں تو یاد رکھو کہ یہی حال ایمان کا ہوتا ہے کہ جب اسکی لذت قلب میں جاگزیں ہو جاتی ہے تو پھر کبھی نہیں زائل ہوتی اور میں نے تم سے یہ بھی پوچھا تھا کہ انکی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے تو تم نے جواب دیا کہ وہ لوگ بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں تو جان لو کہ ایمان کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے تا آنکہ تام ہو جائے۔

اس حدیث میں ہرقل کا یہ کہنا کہ وکذلک الایمان حین یخالط بشاشۃ القلوب (یہی حال ایمان کا بھی ہوتا ہے کہ جب قلب کے انشراح کیساتھ گھل مل جاتا ہے (تو پھر نکلتا نہیں) اس میں اس مسئلہ کی دلیل صریح موجود ہے جو اس دلیل سے کہیں زیادہ واضح اور اول ہے جس کو علمائے طریق بیان کرتے ہیں اس سے حضرت رحمہ اللہ کی شان تحقیق کا اندازہ ہوتا ہے

نیز حضرت اس مسئلہ کی ایک عقلی دلیل بھی نہایت عمدہ بیان فرماتے تھے کہ یہ فانی کا راجع ہونا ایسا ہی ہے جیسے پکے پھلوں کا خام ہو جانا تو جس طرح سے یہ ناممکن ہے کہ پھل پک جانے کے بعد از سر نو خام ہو جائے اسی طرح سے یہ بھی محال ہے کہ کوئی شخص فنا کے درجہ کو پہونچ جانے کے بعد پھر وہاں سے لوٹ آئے۔ اور جس کو لوگ واصل سمجھتے ہیں اور پھر اسکو بگڑا دیکھکر تعجب کرتے ہیں کہ یہ شخص پہونچکے پھر خراب ہو گیا تو یہ بات نہیں ہے وہ دراصل واصل ہی نہیں ہوا تھا۔ راہ میں تھا۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں ہے اللھم اعطنی ایماناً لایرتد ویقیناً لیس بعدہ کفر اس میں ایماناً لایرتد اور یقیناً لیس بعدہ کفر اس مسئلہ میں

صریح ہے (کیونکہ حدیث بالا میں ایمان کامل اور یقین کامل کی دعا فرمائی گئی ہے اور ایمان کامل وہی ہے جسکے بعد ارتداد نہ ہو سکے اور یقین کامل وہ ہے جس کے بعد کفر نہ ہو سکے تو ایمان کامل ہو جانے کے بعد اب کفر و ارتداد کا ہونا کیسا؟)

(پیر را بگزیں و عین راہ داں)

فرمایا کہ ——— طریق میں شیخ کا جو مقام ہے اور جس درجہ اسکی ضرورت ہے ظاہر ہے لیکن عام طور سے ذہن میں یہی ہے کہ طریق الگ ایک چیز ہے اور شیخ علحدہ چیز ہے یعنی طریق بتانے والا ہے یعنی رہبر ہے۔ مگر مولانا روم فرماتے ہیں کہ ؎

برنویس احوال پیر راہ داں پیر را بگزیں و عین راہ داں

(اب راستہ جاننے والے پیر کا احوال لکھو اور پیر اختیار کرو اور اس کو عین راہ سمجھو کہ اس میں مولانا شیخ پر عین طریق کا اطلاق فرما رہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ نہایت ہی عمدہ بات فرما رہے ہیں اور میں تو سمجھتا ہوں کہ الہام سے فرمائے ہیں کیونکہ اتنا بڑا دعویٰ آسان نہیں ہے مباتی عام شہرت کے چونکہ یہ قول خلاف ہے اسلئے اسکا مطلب سمجھنا ضروری ہے۔

چنانچہ اس کی توضیح حضرت مولاناؒ نے کلید مثنوی میں یہ فرمائی ہے کہ "(قولہ اسکو عین راہ سمجھو) یعنی راہ باطن کے لئے اسکو ایسی شرط اعظم سمجھو کہ گویا راستہ وہ خود ہے"۔ انتہی حاصل اس توجیہہ کا یہ ہوا کہ یہاں شیخ کو عین طریق کہنا گویا بطور مبالغہ کے ہے یعنی مجازاً ایسا کہدیا گیا ہے جیسے زید عدلٌ یا ابج غرفۃٌ کہا جاتا ہے پس شیخ بھی چونکہ راہِ باطن کے لئے بمنزلہ شرط اعظم کے ہے اسلئے اسکو عین راہ کہدیا گیا ہے

نہایت صحیح تاویل ہے لیکن میں اسکا ایک اور مطلب بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ جس طرح سے صراط مستقیم موصل الی المطلوب ہو جاتی ہے اسی طرح سے اگر کسی شخص کو کوئی شیخ کامل میسر ہو جائے اور اس سے اسکو عقیدت صادقہ اور محبت تامہ پیدا ہو جائے تو بس اللہ تعالیٰ کی معرفت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت، طریق کی معرفت اور اعمال ظاہری باطنی

سب کی معرفت کیلئے تنہا شیخ ہی کی معرفت اور اس سے تعلق کافی ووافی ہے یعنی اسی سے یہ شخص موصل الی اللہ ہوجائے گا اور جو کام طریق کا تھا وہ تعلق شیخ اور محبت شیخ سے بھی حاصل ہوجائے گا لہٰذا اسکے عین طریق اور عین راہ ہونے میں کیا شبہ ہے۔

مجھے تو مولانا کی یہ بات بہت ہی پسند آئی اور عین حقیقت معلوم ہوئی مگر شرط یہی ہے کہ ہو وہ شیخ کامل، اور ادھر سے عقیدت صادقہ۔ انشاء اللہ اس شرط کے بعد پھر وصول میں تخلف نہ ہوگا۔ خواجہ صاحب نے خوب فرمایا ہے ؎

بکن غائب تو خود را در دل او | تماشا کن عجائب در دل او

(تم اپنے آپکو اسکے قلب میں فنا کردو پھر اس کے اندر پہونچکر عجائبات کا تماشا دیکھو)

دلے کو با دل او بستہ گردد | اگر خارے بود گلدستہ گردد

(یہ اسلئے کہ جس دل نے خود کو اسکے ساتھ باندھ دیا تو اگر وہ خود گھاس اور کانٹا بھی ہوگا تو گل کے ہمراہ ہونے کی وجہ گلدستہ ہی کہلائیگا)

ملفوظ فرمایا کہ ایک صاحب کہتے تھے کہ مولوی جو نہیں پہونچتے تو اسلئے کہ وہ شغل نہیں کرتے میں نے اسوقت تو انکی بات سن لی اور خاموش رہا مگر بعد میں جب خود کام کرنے لگا تو سمجھ میں آیا کہ نہیں جی یہ بات نہیں ہے مانا کہ مولوی لوگ صوفیاء کے بتلائے ہوئے مخصوص اشغال نہیں کرتے لیکن خود یہ نماز۔ تلاوت وغیرہ بھی تو ایک قسم کا شغل ہی ہے اور مولوی بھی یہ سب کرتا ہے پھر اس کے نہ پہونچنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رستہ میں سب سے بڑا جو مانع ہے وہ نفس ہے اور مولوی کا نفس بھی مولوی ہوتا ہے وہ اسکو ترک نہیں کرتا۔ بس نہ اسکو ترک کرسے نہ خدا تک پہونچے اور جاہل جس طرح سے نفس کے نہ چھوڑنے کی وجہ سے محروم رہتا ہے اسی طرح سے عالم کا بھی یہی مرض ہے دونوں کی راہ ایک اور دونوں کی رکاوٹ ایک۔ اور یہ مسئلہ قرآن سے منصوص ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا ہوگا تو جنت اسکا ٹھکانا ہوگا) اس میں دخول جنت کی شرط ہی نفس کو ہوا سے روکنا قرار دیا گیا ہے۔

(یہاں مضمون وصیۃ الاخلاق حصہ دوم ختم ہوا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضمیمہ مضمون نسبتِ صوفیہ

(جمع کردہ از ملفوظاتِ حضرت والاؒ)

مقدمہ

(از جامی)

حضرت اقدس مرشدی مصلح الامۃؒ کی مشہور و معروف تالیف "تصوف اور نسبت صوفیہ" حصہ اول طبع ہوئی اور حضرات علماء کے مطالعہ سے بھی گذری تو سب ہی حضرات نے کیا عوام اور کیا خواص اسکو بیحد پسند کیا اور الحمدللہ لوگوں کو اس مختصر سے رسالہ سے طریق کا بہت ہی نفع پہونچا چنانچہ طالبین ہی کی رغبت کو دیکھکر حضرت والا نے اس کا حصہ دوم بھی تالیف فرما دیا تھا لیکن وہ صرف رسالہ ہی میں شایع ہو سکا تھا علٰحدہ کتابی شکل میں نہ چھپ سکا (ناظرینِ کرام مکمل نسبت صوفیہ کو انشاء اللہ تالیفات حصہ چہارم میں یکجا ملاحظہ فرما سکیں گے) لیکن جیسا کہ حضرت اقدسؒ کا طریقہ تھا کہ جب کسی مضمون کیجانب آپ توجہ فرماتے تھے تو مسلسل اسی سلسلہ کی باتیں ہر مجلس اور ہر محفل میں ارشاد فرماتے رہتے تھے اور جب بھی جو باتیں قلب مبارک پر وارد ہوتی رہتی تھیں خدام میں سے جو بھی موجود ہوتا تھا اسکو بلاکر مضمون کی تقریر فرما دیتے اور وہ اسکو لکھ لیا کرتا تھا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ "نسبت صوفیہ" کے سلسلے میں بھی علاوہ مستقل کتاب کے وقتاً فوقتاً بعض مضامین بھی رسالہ میں طبع ہوتے رہے پیش نظر مضمون بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جسے حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا تھا اور اس کے ضبط تحریر میں کر لئے جانے کا حکم بھی فرمایا اور کچھ دنوں یہ سلسلہ چلتا رہا جسکو راقم لکھتا جاتا تھا مگر خدا معلوم کس وجہ سے اچانک یہ سلسلہ موقوف ہو گیا اور مضمون تشنہ اور نا تمام ہی رہ گیا جس کا اب بیحد قلق اور افسوس ہے کیونکہ ؎

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
وہ چپ ہوگئے داستاں کہتے کہتے

اب مسودات کے ذخیرہ میں تتبع اور تلاش کے بعد خادم کو مضمون کا اتنا ہی حصہ مل سکا جسکو نسبت صوفیہ کا ضمیمہ تجویز کر کے ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ اسکو نافع اور مقبول بنائیں۔

یہ مضمون صاف تو حضرت والا کی حیات ہی میں کیا جا چکا تھا لیکن حضرت مصلح الامۃ کی نظر ثانی سے بلاشبہ یہ محروم رہا لہٰذا اس کے مطالعہ سے ناظرین کو اگر کچھ نفع پہونچ جائے اور بات صحیح طور پر ادا ہوگئی ہو تو اسکو حضرت مرشدی قدس سرہٗ کا فیض اور حق تعالیٰ کا فضل تصور کیا جائے اور اگر خدانخواستہ کچھ لغزش اور غلطی ہوگئی ہو تو اسکو راقم کی کم استعدادی اور بدفہمی کا نتیجہ قرار دے لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے ہیں۔

حق تعالیٰ سے اپنے لئے صلاح و فلاح اور ناظرین کرام سے دعائے اصلاحِ حال و بال کا طالب ہوں۔ والسلام

راقم عبدالرحمٰن جامی
مقیم خانقاہ وصی اللّٰہی۔ ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد کچھ عرصہ قبل میں نے تصوف پر کچھ بیان کیا تھا جس میں اہل حق صوفیہ کی نصرت کی تھی اور یہ بتایا تھا کہ تصوف بدنام کہاں سے ہوا بعض احباب کو وہ مضمون بہت پسند آیا چنانچہ انھوں نے مجھے لکھا کہ تصوف کے اثبات پر اتنا واضح اور مدلل کلام ابتک نظر سے نہیں گذرا انکے اس تحریر فرمانے سے یہ اندازہ ہوا کہ طریق کے متعلق لوگوں کو بڑی غلط فہمی ہے اسلئے جی چاہا کہ اس پر مزید کلام کروں اس سے میرا مقصد یہ تھا کہ تصوف کے متعلق اس زمانہ میں جو افراط وتفریط پیدا ہو گئی ہے اسکو واضح طریقہ سے بیان کروں تاکہ اسکا حسن اور اعتدال ثابت ہو کر اسکی ضرورت اور نفع بھی لوگوں کے سامنے آجائے اور ناقصین و ناواقفین کے قول وفعل سے اس طریق کو جو نقصان پہونچا ہے اور جسکی وجہ سے منکرین کو اسکی مخالفت کا موقع ہاتھ آیا طالبین کو اس سے واقف کرا دیا جائے تاکہ وہ اپنے آپ کو ضرر سے بچا سکیں۔

عام طور پر جن حضرات کو صوفی سمجھا جاتا ہے یعنی جنکا شمار جماعت صوفیہ میں کیا جاتا ہے وہ تین طرح کے ہیں۔ ایک جماعت تو ان لوگوں کی ہے جو طریق میں کاملین کہلاتے ہیں جیسے حضرت جنید وحضرت شبلیؒ اور ان کے مانند اور دوسرے لوگ اور حقیقۃً یہی لوگ صوفی کہلانے کے مستحق ہیں اور انھیں کے طریقہ کا نام تصوف ہے اور دوسری جماعت ان لوگوں کی ہوئی ہے جن پر حال کا غلبہ رہا یا ابھی وہ طریق میں مبتدی سکے۔ اور تیسری جماعت ایسے لوگوں کی ہوئی ہے جو حقیقۃً صوفی تھے نہیں مگر انھوں نے اپنے کو اس جماعت میں داخل کر لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب تصوف میں یہ حضرات داخل ہی نہیں ہوئے تھے تو پھر ان کے کسی قول وفعل یا حال کا ذمہ دار تصوف کو کیوں قرار دیا جائے اسلئے کہ جب انھوں نے تصوف اختیار نہیں کیا تو پھر تصوف کو بھی ان پر اعتراض اور انکار رہا۔ اسی طرح سے مغلوب الحال اور مبتدی کے

افعال و اقوال کو بھی طریق کی جانب منسوب کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان میں سے اول معذور ہے اور ثانی کے متعلق یہ کہنا مناسب ہوگا کہ وہ غیر مکلف ہے چنانچہ ظاہر شریعت سے جماعت صوفیہ میں سے ہٹنے والے اسی قسم کے لوگ ہوتے ہیں ورنہ تو صوفیائے محققین و کاملین شریعت سے سرمو تجاوز نہیں کرتے بلکہ اتباع ہی کی وجہ سے وہ کامل ہوتے ہیں۔ میں نے یہ مضمون جو بیان کیا ہے اسکی تائید علامہ شعرانیؒ کے اس کلام سے ہوتی ہے۔

وجمیع من شطح عن ظاهر الشریعة انما هو دخیل فیهم او غلب علیه حال او کان مبتدیا فی الطریق ۔ واما الکاملون کالجنید واضرابه فطریقهم محررة علی الادب تحریر الذهب اذ هم حماة الدین ۔	جو شخص بھی ظاہر شریعت سے تجاوز کرتا ہے یا تو وہ ان میں خواہ مخواہ داخل ہوگیا ہے اور یا اس پر کوئی حال غالب ہوگیا ہے اور یا وہ طریق میں مبتدی ہے باقی جو کامل ہیں جیسے حضرت جنیدؒ اور انکے امثال انکا طریق سراسر ادب پر ہموار ہوتا ہے کیونکہ یہ حضرات حامیان دین ہیں۔

(التنبیه الطربی ص۱۵)

دیکھئے اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صوفیہ سب کے سب ایک ڈھنگ کے نہیں ہوئے ہیں بہت سے ان میں کامل ہوئے ہیں اور بہت سے دخیل ہوئے ہیں اور ایک بڑی تعداد ایسوں کی بھی ہوئی ہے جو نہ تو دخیل تھے اور نہ کامل ہی ہوئے ہیں اب آپ خود غور فرمایئے کہ جو جماعت اتنے مختلف بلکہ متضاد افراد پر مشتمل ہو تو پھر ان سب پر ایک حکم کیونکر لگایا جا سکتا ہے غلطی یہیں سے ہوئی کہ جن کی نظر کاملین پر پڑی انھوں نے سب کو کامل ہی سمجھ لیا اور سب کی تائید کرنے لگے اور جن حضرات کے پیش نظر تابعین یا وہ لوگ جو دخیل تھے ان کے خلاف شرع کارنامے آئے تو انھوں نے ساری جماعت ہی کے خلاف فتویٰ لگا کر سبھی کو مجروح اور ساقط الاعتبار بنا دیا۔

مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں آپ نے معلوم کیا کہ یہ دونوں طریقے صحیح نہ تھے بلکہ حق تفصیل ہے یعنی کاملین اہل حق ہیں اور انکا پیش فرمودہ تصوف معتبر ہے اور دوسرے لوگوں کا یہ حکم نہیں بلکہ جو باتیں انکی شریعت کے مطابق ہیں وہ حق اور صواب ہیں اور جو شریعت

کے مزاحم ہیں وہ ناقابل اتباع ہیں بلکہ ناقابل اعتبار۔

میں نے کچھ دنوں قبل جو رسالہ تحریر کیا تھا اسکا نام " تصوف اور نسبت صوفیہ" تھا جس کے مطالعہ سے یہ امر ذہن نشین ہوگیا ہوگا کہ تصوف بہر حال بدعت نہیں ہے۔ اسی درمیان میں بعض محققین کی مزید عبارتیں نظر سے گذریں جن میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ ایک بالکل صحیح چیز ہے کتاب وسنت کے مطابق ہے اور اسی سے مستنبط ہے چنانچہ معنی او مصداق کے اعتبار سے یہ دین وشریعت کی روح ہے کسی طرح اسکو بدعت نہیں کہا جاسکتا صاحب اعتصام لکھتے ہیں کہ:۔

تصوف متقدمین کے نزدیک دو معنی پر بولا جاتا تھا۔

(۱) تخلق بکل خلق سنی اور تجرد عن کل خلق دنی یعنی تمام اخلاق حسنہ کے ساتھ متصف ہونا اور جملہ رذائل اخلاق سے اپنے کو پاک کرنا۔

(۲) الفناء عن نفسہ والبقاء لربہ یعنی اپنے نفس کو فنا کرنا اور بقاء باللہ حاصل کرنا۔

میں کہتا ہوں کہ آپ ان دونوں معنوں میں سے کس کو بدعت کہئے گا خُلق سنی (اچھا اخلاق) اختیار کرنا بدعت ہے کہ خُلق دنی (برے اخلاق) سے تجرد بدعت ہے درآنحالیکہ کتاب وسنت انکی ترغیبات وترہیبات سے پُر ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (بلاشبہ آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں) وقال تعالیٰ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا (تحقیق فلاح پائی اسنے جس نے نفس کا تزکیہ کرلیا اور خائب وخاسر ہوا وہ جس نے اسے (فجور، میں) دبا دیا) وقال تعالیٰ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی (جس شخص نے خوف کیا اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا جنت اس کا ٹھکانا ہے) وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (میں پیدا ہی کیا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں)

اسی طرح سے اپنے نفس کو مٹانا اور تخلق باخلاق اللہ اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی صفات میں معرفت و اعتبار کے ساتھ نظر کرنا انہیں سے کیا چیز بدعت

ہے؟ ظاہر ہے یہ سب چیزیں عین دین اور عین منشا شارع ہیں لہٰذا اسے کیسے بدعت کہہ سکتے ہیں؟

اور اگر آپ یہ کہیں کہ لفظ تصوف بدعت ہے کیونکہ یہ کتاب وسنت میں موجود نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں یہ لفظ بولا نہیں جاتا تھا تو میں کہونگا کہ اگر یہ بدعت ہے تو پھر علم کلام علم عقائد کے جو الفاظ آپ بولتے ہیں انکے متعلق آپ کیا کہیں گے کیونکہ عقائد وکلام تو غیر منصوص ہے لیکن ایک فن کو جو علم عقائد اور علم کلام کے ساتھ تعبیر کیا جانے لگا یہ پہلے اصطلاح کہاں تھی اور انھیں آپ بھی بدعت نہیں کہتے بلکہ یہ علماء کے السنہ پر جاری وساری ہیں اور امت میں رائج ہیں اور قطعاً عن سلف کسی نے اسے بدعت نہیں کہا ہے ظاہر ہے کہ آپ جواب میں یہی کہیں گے کہ ان لفظوں سے اگرچہ انکا ذکر خیر القرون میں نہیں آیا لیکن مفہوم ومصداق کے اعتبار سے تو یہ کتاب وسنت کے ابحاث پر مشتمل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی گفتگو عقائد کے قبیل سے ہے اور اس گفتگو سے کتاب وسنت پُر ہے اور یہی سب بحثیں علم عقائد اور علم کلام میں کی جاتی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بس اسی طرح تصوف کو سمجھ لیجئے کہ جب اسکا مصداق "تخلق بخلق سنی اور تجرد عن خلق دنی" یا "فنا عن نفسہ وبقاء لربہ" کا ذکر کتاب وسنت میں موجود ہے تو اب محض اس وجہ سے کہ لفظ تصوف آپ کو کتاب وسنت میں نہیں ملتا آپ کا اس سے انکار کرنا انصاف سے کس قدر بعید ہے؟

بات یہ ہے کہ اصل مقصود معنی ومصداق ہوا کرتے ہیں اگر محض الفاظ پر نظر کو محصور رکھئے گا تو نزاع کا باب وسیع ہو جائے گا۔ حکایت مشہور ہے کہ تین شخص سفر میں جارہے تھے ایک عربی تھا دوسرا ترکی تھا تیسرا ایرانی، راستہ میں قیام کیا اور یہ طے پایا کہ باہم چندہ کرکے مشترکہ کوئی چیز منگائی جائے اور سب لوگ کھائیں۔ ایرانی نے کہا کہ طبیعت انگور کھانے کو چاہتی ہے۔ عربی نے کہا کہ نہیں بھائی عنب منگایا جائے اور ترکی نے کہا میری رائے ہے کہ استافیل منگایا جائے۔ دیکھئے تینوں شخص بات ایک ہی کہہ رہے تھے لیکن ایک دوسرے کی ناواقفیت کی وجہ سے ہر ایک نے یہ سمجھا کہ میرے ساتھی

کی رائے میری رائے کے خلاف ہے چنانچہ ہر شخص نے اپنی ہی رائے پر اصرار کیا اور بات یہانتک بڑھی کہ قریب تھا کہ نزاع شروع ہو جائے اتنے میں ایک ایسا شخص آگیا جو تینوں زبانوں سے واقف تھا اس نے کہا کہ لائیے مجھے آپ سب لوگ پیسے دیجئے میں ابھی بازار سے لاتا ہوں چنانچہ بازار جاکر انگور خرید لایا اور ان سب کے درمیان رکھدئے سب کے سب بہت خوش ہوئے اور ہر ایک نے کہا کہ ہم تو یہی چاہتے تھے۔ علماء اس قصہ کو نزاع لفظی کی مثال میں بیان فرماتے ہیں یعنی صورتاً نزاع حقیقتاً کچھ نہیں پس کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے ایک چیز نزاعی نہیں ہوتی لیکن الفاظ کا چکرا سکو نزاعی بنا دیتا ہے۔ اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں کہ ؎

اختلافِ خلق از نام اوفتاد چوں بمعنیٰ رفت آرام اوفتاد

یعنی مخلوقات کے تمام جھگڑے اور اختلافات محض ظاہر کے اعتبار سے ہیں اگر ان سب کو معنیٰ اور اصل کی جانب راجع کر دیا جائے تو آرام مل جائے یعنی سارا اختلاف ختم ہو جائے میں سمجھتا ہوں کہ تصوف کے بارے میں جو لوگوں کو بعض غلط فہمیاں ہوئیں تو اس کا بھی منشا یہی ہوا کہ اسکی حقیقت پیش نظر نہ ہو سکی یا اسکے دقائق پیش نظر نہ ہو سکے۔ یہی اسکے انکار کا سبب بنا اور اسمیں شک نہیں کہ تصوف میں حقائق کے ساتھ ساتھ دقائق بھی ہیں صاحب اعتصام نے بھی جہاں تصوف کی بحث کی ہے اسکا عنوان یہ قائم کیا ہے کہ "الکلام فی دقائق التصوف" اسی طرح سے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ " علم تصوف کمال دقیق است ہر کہ او را بجز بی می داند صدرا وغیرہ پیشِ او ہیچ نیست (بیاض قلمی) یعنی علم تصوف نہایت دقیق فن ہے جو شخص اس میں ماہر ہو جاتا ہے تو صدرا وغیرہ کی اسکے سامنے کچھ حقیقت نہیں رہتی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ ایک شے فی نفسہ صحیح ہو لیکن اپنی دقت کی وجہ سے وہ لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکے اور سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے لوگ اسکے منکر ہو جائیں ۔

میں نے یہ جو کہا کہ اصل مقصود الفاظ کے معنی اور مصداق اور عنوان سے معنون ہوا کرتا ہے خود وہ الفاظ اور عنوان مقصود نہیں ہوتا تو آپ کے سامنے اسکی مثال بیان کرتا ہوں

گلستاں میں ہے کہ :-

"عبدالقادر جیلانی را دیدند رحمۃ اللہ علیہ در حرم کعبہ روئے بر حصار نہادہ بود
ومیگفت اے خداوند بہ بخشائے واگر مستوجب عقوبتم مرا روز قیامت نابینا برانگیز
تا در روئے نیکاں شرمسار نباشم"

یعنی حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے دیکھا کہ حرم شریف کی کنکریوں پر پیشانی رکھے ہوئے یہ کہتے تھے کہ خداوندا مجھے بخش دیجئے اور اگر میں سزا ہی کا مستحق ہوں تو روز قیامت مجھے نابینا اٹھائیے تاکہ نیکوں کے سامنے شرمندگی نہ ہو۔

اسی طرح سے ایک موقع پر شیخ سعدی علیہ الرحمہ اللہ تعالیٰ سے یوں مناجات فرماتے ہیں کہ ؎

رسم است کہ مالکان تحریر آزاد کنند بندۂ پیر
اے بار خدائے عالم آرائے بر سعدی پیر خود بہ بخشائے

یعنی قاعدہ ہے کہ غلاموں کے مالک اپنے غلام کے بوڑھا ہو جانے پر اسکو آزاد کر دیتے ہیں لہٰذا اے خدائے بزرگ و برتر جو کہ اس عالم کا سنوارنے والا ہے تو بھی اپنے اس بوڑھے سعدی کو بخش دے۔

اسی طرح سے امام اعظم رحمۃ اللہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ مسجد میں عشار کی نماز ادا کی اور امام نے سورہ زلزلت پڑھی، نماز ختم ہونے پر اور سب تو اپنے اپنے گھر چلے گئے لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ رات بھر دہیں کھڑے رہے اور اپنی داڑھی پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے یہی عرض کرتے رہے کہ اے اللہ تو ذرہ برابر خیر کا بدلہ خیر سے دیگا اور ذرہ برابر شر کا بدلہ شر سے دیگا اپنے اس عبد نعمان پر رحم فرما اور اسکو دوزخ کی آگ سے نجات دیدے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حرم کعبہ میں جو کچھ فرما رہے تھے یا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے جن لفظوں میں دعا کی ہے اور مغفرت طلب کی ہے اسی طرح امام صاحب نے طلب مغفرت کا جو عنوان اور طریقہ اختیار فرمایا بعینہٖ ان لفظوں میں اور اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا کتاب و سنت میں موجود نہیں ہے بلکہ

شیخ سعدی نے تو زبان ہی دوسری اختیار کی یعنی فارسی میں کہا ' بایں ہمہ آپ ان سبکو بدعت نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ ان سب الفاظ اور عنوان کے ذریعہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے آگے آہ وزاری اور ابتہال فرما رہے ہیں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اَسْئَلُكَ مسئلۃ المسکین و ابتھل الیك ابتھال المذنب الذلیل یعنی اے اللہ میں سوال کرتا ہوں سوال کرنا بیکس کا سا اور گڑگڑاتا ہوں گڑگڑانا گنہگار ذلیل کا سا پس ان سب حضرات کی دعاؤں میں بھی معناً ابتہال موجود ہے لیکن نہ تو سب کے الفاظ ہی عربی میں ہیں اور نہ ان حضرات نے لفظ ابتہال ہی استعمال کیا ہے لیکن یہ سب حضرات ابتہال کی سنت کو ادا کرنے والے ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں جو امور وارد ہیں وہاں مقصود انکا مصداق اور معنون ہے الفاظ اور عنوان مقصود نہیں چنانچہ لفظ تصوف کو بھی اسی قبیل سے سمجھ لیجئے کہ معنون اس کا کتاب وسنت میں موجود ہے اگرچہ لفظ تصوف قرآن وحدیث میں نہ آیا ہو۔ اب محض اس اتنے کیوجہ سے یہ چیز بدعت تو نہ ہوجائیگی ۔ باقی ان حضرات نے اپنے طریق کے لئے اس لفظ کو کیوں اختیار کیا اسکی وجہ ہم نے اپنے سابق مضمون "تصوف" میں مفصل بیان کی ہے۔

یہاں ایک اور بات سمجھ لیجئے کہ صاحب اعتصام تصوف کے جو دو معنی بیان فرما رہے ہیں یعنی تخلق و تجرد اور فنا وبقا تو یہ دونوں چیزیں اتصاف کے قبیل سے ہیں یعنی صفات ہیں کہ جن سے انسان متصف ہوتا ہے یعنی یہ عملی چیزیں ہیں پس تصوف اصل میں تو اتصاف ہی کا نام ہے مگر کسی چیز کے ساتھ اتصاف کیلئے چونکہ پہلے اسکا علم ہونا ضروری ہے اسلئے علم تصوف نے کچھ دنوں بعد ایک نہایت مرتب اور مہذب شکل اختیار کرلی اور چونکہ یہ خالص دینی چیز تھی اسلئے علماء ظاہر ابتداءً اس سے گھبرائے کہ دین میں یہ نئی چیز کیا؟ چنانچہ کبار علماء کے مقولے کتابوں میں درج ہیں کہ انھیں ابتداء میں مشائخ کے طریق کا انکار رہا ہے یہاں تک کہ انھوں نے ازراہ تعجب لوگوں سے یہ پوچھا ہے کہ فلاں شیخ کے گرد لوگ کیوں جمع ہوتے ہیں اور وہ ان سے کیا باتیں کرتے ہیں؟ چنانچہ شیخ عبادہ جو ایک زبردست مالکی عالم گذرے ہیں وہ اپنے زمانہ کے شیخ مدین رحمۃ اللہ علیہ پر انکار کرتے تھے کہ الیش ھذہ الطریق التی

زعم ھولاء نحن لا نعرف الا الشرع یعنی یہ مشائخ اپنے کو جس طریق پر کہتے ہیں یہ کیا چیز ہے؟ ہم تو سوائے شریعت کے اور کچھ جانتے نہیں۔ چنانچہ انھیں شیخ عبادہ کے بعض شاگرد جب شیخ مدین کی مجلس میں پہونچے اور انکی صحبت اختیار کی تو انکے درس میں شریک ہونا چھوڑ دیا اس پر شیخ عبادہ کو اور برہمی ہوئی اور انکا صوفیا پر انکار اور زیادہ بڑھ گیا یہانتک کہ شیخ مدین کے یہاں سال میں ایک مرتبہ دعوت ہوتی تھی اس میں انھوں نے شیخ عبادہ کو بھی مدعو کیا اور اپنے مریدین سے کہدیا کہ شیخ آدیں تو نہ کوئی گردن اٹھا کے انھیں دیکھے اور نہ انکی تعظیم کیلئے کھڑا ہوا اور نہ انکے لئے مجلس میں آگے بیٹھنے کیلئے جگہ خالی کرے چنانچہ شیخ عبادہ آئے اور حلقہ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اس انتظار میں کہ کوئی پوچھے تو بیٹھیں مگر نہ تو شیخ نے سر اٹھا کر دیکھا اور نہ کسی اور شخص نے یہاں تک کہ اسی طرح ٹہلتے رہے اور چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا کتاب میں لکھا ہے کہ حتی کاد یتمیز من الغیظ ساعۃ طویلۃ یعنی اتنی دیر گزر گئی اور اتنا غصہ آیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ بس ٹوٹ کر پارہ پارہ ہو جائیں گے اتنے میں شیخ مدین نے سر اٹھایا دیکھا تو شیخ عبادہ کھڑے ہوئے ہیں لوگوں سے کہا بھائی شیخ عبادہ کے لئے جگہ دو اور ان کو اپنے پاس بلا کر قریب بیٹھا لیا اور اس کے بعد شیخ عبادہ سے فرمایا ایک سوال سامنے آگیا ہے انھوں نے کہا فرمائیے پوچھا کہ مشرکین سے اگر کسی خوف کا اندیشہ نہ ہو تو کیا ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہونا آپ کے نزدیک جائز ہے؟ انھوں نے فرمایا نہیں۔ پھر شیخ مدین نے ان سے کہا آپ کو قسم دیکر پوچھتا ہوں سچ بتائیے آپ جب تشریف لائے اور آپ کے آنے پر کوئی شخص کھڑا نہیں ہوا تو اس سے آپ پر کچھ تکدر ہوا تھا یا نہیں؟ انھوں نے اقرار کیا کہ بیشک ہوا تھا۔ پھر اسکے بعد شیخ مدین نے ان سے دوسرا سوال کیا پوچھا یہ بتائیے کہ آپ سے کوئی انسان یہ کہے کہ میں تم سے راضی نہ ہونگا مگر یہ کہ تم میری ایسی ہی تعظیم کرو جیسی تعظیم اپنے رب کی کرتے ہو تو آپ اس سے کیا فرمائیں گے؟ انھوں نے کہا کہ میں اس سے کہونگا کہ تم نے کفر کی بات کہی (یعنی یہ تو کھلا ہوا شرک ہے) اس کے بعد باہم کچھ مختصر سی باتیں ہوئیں کہ استنے میں شیخ عبادہ برسر مجمع کھڑے ہو گئے اور فرمایا لوگو! گواہ رہو کہ میں اسوقت شیخ مدین کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں کہ آج میرا اسلام میں داخلہ کا پہلا دن ہے

(باقی آئندہ)

(مکتوب نمبر ۱۶۶)

حال: اس سے قبل ذریعۂ خط حکیم . . . . صاحب یہاں پر آغاز مجلس کی اطلاع دی جا چکی ہے۔ تحقیق: ملی

حال: جس کا جواب بھی مل چکا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اگلی مجلس میں حاضرین کو بھی سنانے کا قصد ہے۔ کل حکیم صاحب نے بھی ایک عریضہ تحریر فرمایا ہے اس میں بھی اسکی اطلاع کی ہے۔ تحقیق۔ آیا

حال: یہ سلسلہ اپنے حضرات کے مشورہ سے ان سب کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے فی الحال ہفتہ میں ایک یوم بروز یکشنبہ جاری کیا ہے۔ تحقیق: اچھا کیا۔

حال اور آنحضرت کی دعاؤں نیز توجہ خاص کی برکت سے دو یکشنبہ کی دو مجلسیں ہو چکی ہیں
تحقیق: الحمدللہ۔

حال: پہلی نشست میں حکیم صاحب نے الگ مجھ سے مشورہ لیا کہ موضوعِ بیان کیا ہونا چاہیے میں نے عرض کیا کہ پہلے سے کیا طے کیا جائے بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جو منجانب اللہ اسوقت دلمیں آیا وہی بیان کر دیا۔ تحقیق: ٹھیک فرمایا۔

حال: اور اسی سے اللہ تعالےٰ نے فائدہ پہونچایا شکر بہت خوش ہوئے اور فرمایا بالکل ٹھیک ہے۔ چنانچہ پہلی مجلس میں یہی کہتے ہوئے آغاز فرمایا کہ میرے دل میں اسوقت "اخلاص عمل" سے متعلق مضمون آرہا ہے۔ تحقیق: خوب۔

حال: چونکہ حضرت والا کا خاص ارشاد (یعنی مخصوص موضوع بیان) ہے اور عمل کے مقبول ہونے کا انحصار اسی پر ہے۔ تحقیق: بیشک

حال: پھر دوسری مجلس میں بھی اسیکو بیان فرمایا الحمدللہ کہ سب لوگوں کو پسند آیا اور سمجھا بھی
تحقیق: الحمدللہ۔

حال: حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت والا کی توجہ خاص کی برکت سے اسکے متعلق مضامین اترتے چلے آتے ہیں اور میں حیرت میں ہوں کہ میں نے اپنی عمر میں کبھی اسطرح بیان

کیا نہ مجلس کی ۔ **تحقیق** : الحمد للہ ۔ خوب ۔
حال : البتہ گاہے گاہے ولادت کے متعلق مجلسوں میں کچھ بیان ضرور کیا ہے مگر اب تو
حالت ہی دوسری ہے یہ حضرت والا کی توجہ خاص کی برکت سے ہو رہا ہے ۔ مزید
خیر و برکت اور توفیق عمل کے حصول کی دعا کی درخواست ہے ۔
تحقیق : الحمد للہ علیٰ احسانہ ، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ۔ دعا کرتا ہوں ۔

(مکتوب نمبر ۱۶۷)

حال : آج خانقاہ میں حاضری پر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب نے حضرت والا کے مکتوب گرامی کے مضمون سے مطلع کیا ۔ حاضرین مجلس کو بھی مطلع کیا گیا ۔ ان حضرات نے جو جوابات دیئے اسکی اطلاع ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب حضرت کی خدمت میں ارسال کریں گے ۔ میں اپنے بارہ میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بیشک مجھ میں ہر طرح کی کوتاہی پائی جاتی ہے اور حضرت والا کی بے پناہ شفقت اور غیر معمولی طور پر ہم جیسے ناکاروں کی فکر اصلاح میں رہنے کے باوجود ہم اپنی کوتاہیوں میں جتنا چاہئے تھا اتنی کمی نہ کر سکے ۔ مگر اسی کے ساتھ اسپر پورا ایمان ہے کہ اگر حضرت کے قدموں میں پڑے رہے تو ضرور کبھی نہ کبھی ملے گا اور ملکر رہے گا ۔

حضرت والا نے جو فرمایا بالکل بجا ہے میں پوری طرح یقین دلاتا ہوں کہ اپنی اصلاح کی مزید جد و جہد کرونگا اور برابر کرتا رہونگا مزید کوشش کرونگا کہ اخلاص پیدا ہو جائے اور رسمیات کے جال سے نکلوں ، مگر یہ بھی یقین کرتا ہوں کہ بلا حضرت کی توجہ کے یہ ممکن نہیں ۔

نماز وغیرہ تو پہلے بھی پڑھتا تھا کچھ اوراد و وظائف بھی تھے لیکن صحیح بات ہے کہ حضرت کے تعلق کے بعد انھیں اعمال کی کیفیت میں بین فرق پاتا ہوں ۔ گناہ اور لغزشیں پہلے بہت ہوتی تھیں اپر تھوڑی بہت ندامت اور توبہ کی بھی توفیق ہوتی تھی اور اب بھی لغزشیں ہو جاتی ہیں مگر جو بات اب ہوتی ہے اور ترک عمل پر جتنی پریشانی

اب پیدا ہوتی ہے اسکے قبل اسکا پتہ نہ تھا اب میں کیسے سمجھوں کہ یہ صرف میرے اعمال کا نتیجہ ہے صاف بات یہ ہے کہ حضرت کے دامن سے وابستگی کی برکت کے سوا کچھ نہیں لہٰذا سب کچھ برداشت ہو سکتا ہے صرف ایک ہی چیز ناقابل استطاعت ہے کہ حضرت کے قدموں سے علٰحدگی۔ جب قدموں کے قریب رہتا ہوں تو جو حالت رہتی ہے وہ دوری میں نہیں رہتی ہے نعوذ باللہ حضرت والا کے تصرف کی کمی نہیں بلکہ ہماری کم استعدادی ہے جسکا یہ نتیجہ ہے۔ اسلئے ہم ایسے ناقصوں کیلئے قدموں ہی میں پڑا رہنا کچھ کارگر ہوتا ہے۔

حضرت والا کی مذکورہ بالا تحریر کا مضمون کل ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب نے (جب میں نے ان سے خیریت مزاج والا پوچھی اپنے عدم حاضری کیوجہ سے ٹیلیفون پر) بتایا تھا اسی وقت سے بیکلی ہے رات کو دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ایسا خلوص پیدا کردیں کہ جس سے حضرت والا کو تسلی ہو۔ بہرحال میں پھر عہد کرتا ہوں کہ مزید کوشش اپنے اصلاح کی کروں گا۔ اسوقت بہت کچھ بلکہ بالکل ناقص ہوں، امید کرتا ہوں کہ حضرت اب پھر تشریف لا کر قدموں میں پڑے رہنے کا موقع دیں گے۔ والسلام

تحقیق: عنایت فرمائے بندہ جناب مولانا صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کو مفصل تحریر جا رہی ہے وہ آپ کو بھی شاید سنا دیں گے ورنہ آپ خود ان سے لیکر پڑھ لیجئے گا۔ وہی آپ کے بھی خط کا جواب ہے (مراد اس سے مکتوب نمبر ۱۶۵ کا جواب ہے جو آگے آرہا ہے اور کسی خادم کے قلم سے لکھا گیا تھا۔)

میں وہاں کے لوگوں سے ناراض تھوڑا ہی ہوں۔ بس یہ چاہتا ہوں کہ لوگ اب کام کریں۔ آپ لوگوں کو کم وقت نہیں ملا کئی برس گذر گئے، اور یہاں کام کی جو رفتار ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کم وقت میں زیادہ کام ہوگا اگر تھوڑے دنوں اور رہا جائے تو انقلاب ہو جائے بلکہ ہو ہی گیا ہے۔ دین کا کام آپ کو بھی پسند ہوگا لہٰذا جب ہو رہا ہے (جسکا مشاہدہ آپ نے بھی کیا ہے) تو اسکو ہو لینے دیجئے، اور میں یہاں کے کام کو بھی (الٰہ آباد) اور وطن کا کام سمجھ رہا ہوں

اسلئے کہ (یہاں بھی) خاصی تعداد یوپی ہی کے لوگوں کی ہے اور وہ لوگ متوجہ ہیں۔ اب اس پہلو کو اور ان تمام مصالح کو نظر انداز کر دینا اور صرف اپنے آپ کو اور اپنی ہی آسانی کو پیش نظر رکھنا یہ تو خود غرضی ہی سی معلوم ہوتی ہے یا مغلوب المحبۃ والوں کی سی باتیں ہیں۔ جی چاہے تو اس مضمون کو بھی اہل مجلس کو سنا دیجئے۔

والسلام۔ وصی اللہ۔ از کرلا بمبئی

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت والاؒ کا طریقہ تھا کہ جہاں کہیں بھی تشریف لیجاتے تو الہ آباد کے لوگوں کی جانب سے بیفکر نہوتے تھے برابر ان کے حالات کی جانب متوجہ رہتے چنانچہ کبھی زبانی اور کبھی تحریری طور پر کوئی پیغام بھیجکر یہاں کے لوگوں سے جواب طلب فرماتے اسکی وجہ سے لوگ غافل نہ ہوپاتے اور کام پر لگے رہتے تھے۔ اسی سلسلہ کا کوئی خط کسی کے نام آیا اور وہ مولوی صاحب موصوف (صاحب مکتوب) کے مطالعہ سے بھی گذرا جس کے جواب میں انھوں نے یہ خط لکھا۔ خط آپ کے سامنے ہے دیکھئے کس طرح سے اس میں اپنے نقص و کوتاہی کا اقرار، حضرت کی صحبت کے فائدے کا اظہار، آئندہ مزید کام کرنے کا عزم اور ارادہ بلکہ اسکا عہد اور حضرت والا سے جسمانی بُعد کو بھی اپنے باطنی نفع کے لئے مضر ہونا فرما رہے ہیں اور اس کے واسطے سے گویا حضرت کی تشریف آوری الہ آباد کو اپنے لئے ضروری اور سبب ترقیٔ باطنی قرار دے رہے ہیں حضرت والا بھی بس یہی معلوم کرنا چاہتے تھے کہ لوگوں کو مجھ سے نفع ہے کہ نہیں اور ہے تو کیا؟ جب ان مولوی صاحب نے اس مضمون کا خط بھیجا تو حضرت کا منشا پورا ہوگیا۔ اسلئے لوگوں کی جانب سے تو مطمئن ہوگئے لیکن یہ بھی چاہا کہ اب لوگوں کو بھی مطمئن فرما دیں چنانچہ جواب خط میں یہی امر ملحوظ فرمایا گیا ہے اور اپنی تاخیر آمد کو کس کس عنوان سے عین تقاضائے وقت قرار دیکر نیز یہ فرما کر کہ یہاں کا قیام بھی بالخصوص اہل یو۔پی ہی کیلئے ہے اہل الہ آباد کی مشقت انتظار کو دفع اور اسکے وہم ناراضگی کو رفع فرمایا ہے۔ چنانچہ روح جواب یہ ہے کہ اہل اللہ کو

لوگوں کے دینی تعلق ہوا کرتا ہے تبلیغ دین ہی انکا مطمح نظر ہوتا ہے تو جہاں اور جن لوگوں میں یہ مقصود زیادہ حاصل ہوتا نظر آتا ہے اسی کو یہ حضرات ترجیح دیتے ہیں باقی رہے عام لوگ تو وہ خود غرض اور مطلبی ہوتے ہیں انکو تو صرف اپنے کام سے کام ہوا کرتا ہے۔ اللہ والوں کا نظام کار اس سے بالکل الگ ہوتا ہے۔ یہی بات ان صاحب کو اصالۃً اور تبعاً سب کو سمجھانا چاہا ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

(مکتوب نمبر ۱۶۸)

حال: ایک ہفتہ سے الحمد للہ موسم بہت ہی خوشگوار ہے اب جرأت کیساتھ خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے حضرت والا سے درخواست کرتا ہوں کہ قصد سفر اگر فرمائیں تو ہم تشنہ کاموں کیلئے خوش قسمتی کا باعث ہوگا ہر روز ڈاک کا انتظار کرتا ہوں کہ شاید اب کوئی اطلاع آرہی ہے بہرحال احقر بالکل تیار ہے حضرت والا جب تشریف لائیں تو حاضر ہو کر خدمت سفر کی سعادت حاصل کرونگا۔

(جواب مکتوب جو کسی خادم کے قلم سے گیا)

تحقیق: الحمد للہ حضرت والا دامت برکاتہم بخریت ہیں آپ حضرات کے خطوط سے معلوم ہوا کہ وہاں کا موسم اب خوشگوار ہوگیا ہے اور سب لوگوں کی خواہش ہے کہ حضرت والا اب الٰہ آباد تشریف لائیں اس سلسلہ میں پہلے بھی حضرت والا کی جانب سے تحریریں جا چکی ہیں اسوقت حضرت والا نے پھر ارشاد فرمایا ہے کہ لوگوں کو کھد وکہ میں کوئی کام اب بے سمجھی کے ساتھ کرنا نہیں چاہتا آپ تو یہاں موجود ہی تھے جانتے ہیں کہ آنیکا عزم کر چکا تھا اور دوبار ٹکٹ لیکر واپس کیا کیونکہ وہاں سے تقریباً سبھی لوگوں کے خطوط آئے کہ ابھی گرمی بہت ہے لو چل رہی ہے زندگی دشوار ہے پھر جس چیز سے بھاگ کر آیا تھا اسکے باقی رہتے ہوئے وہاں آجانے کا کیا مطلب؟ اور پھر جب آگیا تو خیال ہوا کہ یہیں کچھ کام کرنا چاہیئے اور یہاں کے لوگوں کو متوجہ بھی پایا جس سے امید ہوگئی کہ اگر کچھ دن رہکر یہاں کام کیا جائے تو یہاں کا نقشہ ہی کچھ اور ہو جائے گا۔

علاوہ ازیں آپ جانتے ہیں کہ میں وہاں (یعنی الٰہ آباد میں) جب بیمار ہوا تھا تو

حکیم (اجمیری) صاحب ہی بلائے گئے تھے اور وہاں کے لوگوں نے تو میرا تماشا بنایا تھا کہ دور سے کھڑے تماشا دیکھتے تھے اور آپ لوگ نبض پر ہاتھ رکھکر کہتے تھے کہ حضرت اچھے ہیں۔ مجھے تو نکسیر جاری تھی' رات رات بھر کئی کئی آدمی جاگتے تھے اور آپ لوگوں کے نزدیک میں اچھا ہی تھا۔ تو سن لیجئے کہ اسوقت یہیں ٹھیرا ہوا ہوں کہ حکیم صاحب کے زیر علاج ہوں۔ پانچ چھ دن ہوئے کہ رات میں سوتے سوتے بڑی زور سے آواز نکل گئی اور جگر کا دورہ قریب ویسا ہی پڑا جیسا کہ چار سال پہلے الہ آباد میں پڑا تھا اسوقت تک تو بہت دنوں کے بعد ٹھیک ہو سکا تھا لیکن یہاں الحمد للہ حکیم صاحب موصوف نے بہت جلد قابو پا لیا۔ اسی وقت رات میں آدمی گیا چنانچہ حکیم صاحب فوراً تشریف لائے اور اسکے بعد سے اب تک بھی صبح شام تشریف لاتے ہیں اور دس بجے رات کو پھر آجاتے ہیں اور رات بھر یہیں قیام کرتے ہیں آج سے میں نے ہی منع کر دیا ہے۔ نیز یہاں گاؤں کے لوگ اور میرے اعزہ جس طرح جانفشانی کے ساتھ میری خدمت کر رہے ہیں آپ کے مشاہدہ میں بھی آچکی ہے۔ غرض میرا جو اصل کام ہے لوگوں کو دین پہونچانا وہ بھی ہو رہا ہے اور علالت کے سلسلہ میں معالجہ اور تیمارداری کی سہولتیں بھی بحمد اللہ حاصل ہیں اور دوران اس کے بعد علاج کی ضرورت بھی محسوس کرتا ہوں تاکہ اسکا استیصال ہو جائے۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ میں ابھی وہاں کیسے آجاؤں؟

وہاں کے لوگوں میں تڑپ ہے اور طلب پیدا ہو گئی ہے اسکا میں انکار نہیں کرتا بہت اچھا ہے' مجھے بھی اس سے مسرت ہے میں بھی خدمت کیلئے تیار ہوں اللہ تعالیٰ تو دلوں کا حال جانتے ہیں طالبین اور مخلصین محروم نہیں ہوتے۔ باقی آپ جانتے ہیں کہ کام کیلئے صحت کی سخت ضرورت ہے صحت ہی نہ ہوگی تو کیا بولوں گا اور کیا لوگوں سے مل سکوں گا۔ اسلئے آپ سب حضرات سے دعا کی درخواست بھی کرتا ہوں کہ میری صحت کیلئے دعا کریں' قوت آجائے گی تو یہاں بھی کام کرونگا اور وہاں بھی۔ امید ہے کہ آپ نے میرا مقصد اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا' اور لوگوں کو بھی سمجھا دیجئے۔

والسلام۔ کرلا۔ ربیع ۲ ۱۳۸۶ھ

(راقم عرض کرتا ہے کہ یہی وہ مفصل تحریر ہے جسکے مطالعہ کر لینے کے لئے رجب ۸۶ء کا مکتوب

کسی مولانا صاحب کو حضرت والا نے ارشاد فرمایا تھا۔ خط کا مضمون یوں تو بالکل واضح ہے تاہم جی چاہتا ہے کہ اسکی کچھ وضاحت اپنے فہم کے مطابق کردوں ممکن ہے جدید حضرات کے لئے جو حضرت اقدس کے انداز اصلاح اور طرز کلام سے زیادہ واقف نہیں ہیں مزید لطف کا سبب ہو جائے۔

صورت حال یہ ہے کہ حضرت والا بمبئی میں مقیم ہیں اور وہاں کا قیام طویل ہوتا جارہا ہے یہاں الٰہ آباد کا موسم اکثر حضرات کی صوابدید کے مطابق خوشگوار ہو چکا ہے۔ طالبین اصلاح زیارت اور مصاحبت کے لئے بے چین ہیں۔ بہت سے حضرات نے اپنی اس طلب اور تڑپ کا ذکر دوسروں سے بھی کر دیا تھا اور بعضوں نے تو تشریف آوری کیلئے اپنے چشم براہ ہونے کا اظہار حضرت سے بھی کر دیا ہے ان سب ہی حضرات کے لئے یہ ایک مشترکہ جواب تحریر فرمایا گیا جس میں حسب ذیل امور کی تعلیم فرمائی گئی ہے۔

۱۔ کوئی کام سوچ سمجھکر ہی کرنا چاہیئے۔ جلد بازی نقصان دہ ہو جایا کرتی ہے۔

۲۔ اہل طلب کی قدر کرنی چاہیئے اور انکی خدمت کرنا بھی گویا انکا ایک حق ہو جاتا ہے۔

۳۔ شفیق و ناصح طبیب کا پاس موجود رہنا بھی مریض کیلئے باغنیمت حال ہے۔ ایسے حضرات نادرالوجود بھی ہوتے ہیں۔ بالعموم دنیا اہل رسوم اور تماشائیوں ہی سے پُر ہے۔ خوشامد اور ظاہرداری اس زمانے کے لوگوں کا عام وظیفہ ہے۔

۴۔ مریض کیلئے اس جگہ کا قیام انسب ہے جہاں مخلص طبیب موجود ہو اور مزاج شناس تیمار دار بھی ہوں۔

۵۔ تڑپ اور طلب ظاہری اور رسمی بھی ہوتی ہے اور اصلی اور حقیقی بھی، اب یہ بات کہ کس کے اندر کیسی ہے اسکا علم تو خدا ہی کو ہے اسکو مخلوق سے تو چھپایا جا سکتا ہے مگر خالق سے نہیں۔ تاہم اول قسم ہے تو اسکا طریق میں اعتبار ہی کیا اور اگر دوسری شق ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے طالب کو خوب جانتے ہیں اسکو فیض و نفع ہوتا رہے گا، شیخ اسکا قریب ہو یا دور اسکے لئے دوری مضر ہی کیا؟ پھر اس سے اسکو پریشانی کیوں؟

نظروں سے دور رہنے کا پیارے گلہ نہیں دل سے قریب ایسے ہو کچھ فاصلہ نہیں

یہ صحت جیسی ضروری شے ہے سب جانتے ہیں لہٰذا اپنے نفع سے بڑھکر اپنے محبوب کے اس نفع پر نظر ہونا ضروری ہے

۸۔ اور آخر میں یہ جو فرمایا کہ ——— امید ہے کہ آپ نے میرا مقصد اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا؟ اور لوگوں کو بھی سمجھا دیجئے، تو حضرت اقدسؒ کے فرمائے ہوئے اسی نوع کے جملے حاصلِ کلام ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ مکتوب الیہ تو اس سے یہ سمجھتا تھا کہ مجھے خود بھی اس مضمون کے سمجھنے کے لئے فرما رہے ہیں اور دوسروں کو بھی سمجھانے کی تلقین فرمائی جا رہی ہے اس لئے خود سمجھنے کی کوشش کرے یا نہ کرے ہاں حضرت اقدس کا نائب بنکر دوسروں پر خوب خوب طبع آزمائی کرتا تھا حالانکہ بعض مرتبہ حضرت والا کا مقصد اس نوع کی تحریروں سے خود اس مکتوب الیہ ہی کو متوجہ کرنا ہوتا تھا کہ حقیقت شناسی سیکھو اور معاملہ فہمی کا سلیقہ اپنے اندر پیدا کرو، اور یہ اس طرح سے آسانی سے تمھاری سمجھ میں نہ آئیگا اسکے لئے اس سبق کا دوسروں سے تکرار کرو اور اپنی زبان سے میرا مقصد دوسرے لوگوں کو سمجھاؤ اس طرح سے دو چار اشخاص سے جب گفتگو کروگے تو شاید میرے مقصد پر حاوی ہو سکو اور ہو سکتا ہے کہ اگر خود اپنے اندر بھی کچھ خامی اور کمی محسوس ہو تو انسانی اور فطری غیرت ابھر کر دوسروں کی نصیحت کے ضمن میں خود اپنے لئے بھی راہِ اصلاح ہموار کردے۔ اب اس موقع پر کوئی تو ابل جاتا تھا اور کوئی کوئی منھ کے بل گر جاتا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت اقدس مصلح الامتؒ کی علمی اور عملی شان تو الگ تھی، اور اپنے متعلقین کی اصلاح کا انداز الگ تھا، اسے ملاحظہ کیجئے، تو بس یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے کہ ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کے فیض سے ہم کو فیض یاب فرمائے اور حضرتؒ کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین۔

دوسرا واقعہ جو اس سلسلے میں میرے سامنے گزرا وہ یہ ہے کہ حضرت مولانا پھولپوریؒ کے کھلکر مودودیت میں حصہ لینے اور حضرت مصلح الامۃؒ کے خاموشی اختیار کرنے کی وجہ سے وطن ہی کے اطراف میں بعض حضرات نے یہ کہنا شروع کردیا کہ آخر حضرت تھانویؒ کے تو مولانا فتحپوری بھی خلیفہ ہیں وہ تو جماعت اسلامی کے متعلق کچھ نہیں فرما رہے ہیں، پھر یہ مولانا پھولپوری ہی کیوں اتنے سخت ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انکی سختی اس جماعت کی خرابی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ خود مولانا کے اپنے مزاج ہی کی سختی کا اثر ہے۔ شدہ شدہ یہ بات کسی طرح حضرت مصلح الامت کے کانوں تک بھی پہنچی، حضرت اقدسؒ کو اس سے سخت تکلیف ہوئی فرمایا دیکھتے ہو لوگوں کو! مجھکو اور مولانا پھولپوری کو لڑانا چاہتے۔ بھائی میں ان سب باتوں میں پڑنا نہیں چاہتا اس لئے کسی کے متعلق کچھ اپنی زبان سے جلدی کہتا بھی نہیں لیکن اسکا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ مجھ میں اور مولٰنا پھولپوریؒ میں اس میں کچھ اختلاف ہے، ہرگز نہیں بلکہ اس جماعت کے متعلق جو حضرت مولانا پھولپوری کی رائے ہے وہ صحیح اور صائب ہے اور وہی میری بھی رائے ہے، اس مسئلہ میں میرا اور انکا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس بات کو چند دن مسلسل مجلس میں بیان فرمایا تا آنکہ اس بات کی اطراف میں شہرت ہوگئی کہ حضرت مولانا فتحپوری کو حضرت مولانا پھولپوری سے جماعت مودودی کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ دونوں بزرگوں کا ایک ہی خیال ہے۔

ان دونوں واقعات میں تو قولی تصریح کے ساتھ حضرت اقدس مصلح الامۃؒ کا خیال آپ نے معلوم کیا اب حضرت والا کا ایک معاملہ بھی ملاحظہ فرمائیے اس سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت مصلح الامۃؒ کی تشخیص کی رو سے افراد و جماعت کا عام طور پر اور بانیٔ جماعت کا خاص کرکے مرض کیا تھا؟

اس جماعت کے بڑے بڑے لوگ یعنی مقامی امیر جماعت یا ملکی امیر جماعت بھی کبھی کبھی حضرت کے پاس ملاقات کو آجاتے تھے حضرت اقدس بھی ان حضرات سے نہایت تپاک اور اخلاق سے ملتے تھے خاطر تواضع بھی خاطر خواہ فرماتے تھے لیکن بالعموم ان کے سامنے بھی حضرت کو تسبیح لیکر پڑھتا ہی ہوا دیکھا گیا آنے والوں نے کوئی بات دریافت

کرلی تو جواب دیدیا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئے۔ خود سے کلام کی ابتدا کرنے اور خواہ مخواہ ادھر ادھر کی بات کرنیکا حضرت کا معمول ہی نہ تھا بلکہ خلاف مزاج تھا۔ چنانچہ اسی طرح ایک مرتبہ جماعت کے ایک بڑے ذمہ دار اہل علم صاحب تشریف لائے حضرت اقدس حسب معمول خاموش بیٹھے ہوئے تھے کہ انھیں صاحب نے مہر سکوت توڑوائی یعنی عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحت فرمائیے ـــــ ظاہر ہے کہ اس طلب دین کے بعد پھر خاموش رہنا منصب والا کے بھی خلاف تھا اسلئے خادم سے فرمایا کہ ذرا فیض القدیر تو اٹھالاؤ اس میں سے فوراً یہ حدیث نکالکر اس پر کچھ بیان کرنا شروع فرمادیا۔

فرمایا کہ دیکھئے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد فرمارہے ہیں: عن عمرؓ اخوف ما اخاف علی امتی کل منافق علیم اللسان حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ اندیشہ مجھے "اپنی امت پر" علیم اللسان منافق کا ہے۔ ایک روایت میں بجائے اپنی امت کے "اس امت پر" کا لفظ بھی آیا ہے صاحب فیض القدیر یعنی علامہ عبدالروف مناویؒ اسکی شرح میں فرماتے ہیں کہ کل منافق علیم اللسان یعنی ایسا شخص جو کہ علم کا تو جاننے والا ہو اور اس پر اسکی زبان خوب چلتی ہو لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ جاہل القلب والعمل اور فاسد العقیدہ بھی ہوگا یعنی لوگوں کو اس نے اپنی زبان کی فصاحت سے دھوکہ میں ڈال رکھا ہوگا چنانچہ اسکے ظاہر سے متاثر ہوکر خلق کثیر اس کا اتباع کرے گی اور زلت و لغزش میں واقع ہوجائیگی۔ آگے فرماتے ہیں کہ اسی سے بچتے ہوئے بعض عارفین کا معمول ہی یہ تھا کہ وہ شاگردوں کے سامنے اپنے آپ کو خوب تول کر اور مخصوص حالات سے متصف ہوکر تب ہی آتے تھے کہ مبادا کسی حال میں انکا اتباع کرلیا جائے یا انکی بدحالی کیوجہ سے ان سے سوء ظنی اختیار کی جائے جسکا نتیجہ یہ ہو کہ وہ لوگ انکے حقیقی فیض سے منتفع نہ ہوں اور محروم رہ جائیں۔

علامہ حرالی کہتے ہیں کہ "خوف" کے معنی ہیں نفس کا بچانا اور احتیاط رکھنا ان امور ظاہرہ سے جو اسکے حق میں مضر ہوں۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ـــ

فساد کبیر عالم متہتک و اکبر منہ جاہل متنسک

ھما فتنۃ للعالمین عظیمۃ لمن بہما فی دینہ یتمسک

(وہ عالم جو دین کی پردہ دری کرنے والا ہو (یعنی بے عمل ہو) اور اس سے بڑھکر وہ جاہل جو عبادت گذار ہو یہ دونوں شخص اس عالم میں فتنۂ عظیم ہیں اس شخص کے حق میں جو اپنے دین میں ان میں سے کسی کا اتباع کرے)

— اسکے بعد سنیئے کیا فرماتے ہیں، صاحب فیض القدیر فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس حدیث کے بیان کرنے کا سبب یہ بیان فرمایا (یعنی جس طرح سے قرآن شریف کی کسی آیت کا شان نزول اور سبب نزول کوئی واقعہ ہوا کرتا ہے اسی طرح سے اس حدیث کا واقعہ یہ ہوا کہ) احنف نامی ایک شخص جو اہل بصرہ کا سردار تھا اور ایک فصیح و بلیغ اور یہ کہ عالم و فاضل شخص تھا حضرت عمرؓ کے پاس یہ آیا حضرت نے انکو ایک سال تک اپنے ہی پاس روک لیا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روزانہ صبح و شام مل لیتے تھے اور اس اثناء میں حضرت عمرؓ نے ان سے کوئی بات نامناسب نہیں مشاہدہ فرمائی (پھر سال بھر کے بعد) ایک دن انکو بلایا اور فرمایا کہ احنف جانتے ہو میں نے تم پر اپنے سے ملنے میں یہ پابندی کیوں لگا دی تھی اور تمھیں آزاد کیوں نہ رکھا؟ حضرت احنف نے عرض کیا کہ نہیں میں اسکی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے اور پھر یہی حدیث انکو سنائی (کہ اخوف ما اخاف علی امتی کل منافق علیم اللسان) اور فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا تھا کہ تم بھی انھیں لوگوں میں سے ہو (جن سے اس ارشاد نبوی میں اندیشہ فرمایا گیا ہے) پس اب خدا کا شکر ہے اے احنف (تم اس سے نکل گئے)۔

ابن عساکر کی ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ یہی حضرت احنف حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے اور آپ کے سامنے خطبہ دیا حضرت عمرؓ کو انکی فصاحت و بلاغت شیریں بیانی اور حسن خطابت پسند آئی لہٰذا امتحان کے لئے ایک سال انکو اپنے ہی پاس روک لیا (یعنی کہیں آنے جانے میں اور لوگوں سے ملنے جلنے میں اور وعظ و تقریر کرنے میں پابندی لگا دی) (جیسا کہ آج بھی اصلاحی خانقاہوں میں مشائخ حقانی کا اپنے

مریدین کے ساتھ یہی معمول چلا آرہا ہے کہ کسی باطنی اصلاح کیلئے گفتگو اور تقریر کو مفید جانا ہے تو کچھ دنوں کے لئے اس سے روک دیا ہے یا درس و تبلیغ کو مناسب نہ جانا تو عارضی طور پر اسکو موقوف فرمادیا) اسکے بعد فرمایا کہ بھائی احنف (صاف کہتا ہوں کہ) مجھے اندیشہ تھا کہ تم بھی علیم اللسان منافق ہوؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ہم لوگوں کو بہت ڈرایا تھا لیکن اب میں خدا کی ذات سے امید کرتا ہوں کہ تم مومن مخلص ہو گئے ہوگے جاؤ اب اپنے شہر واپس چلے جاؤ (اور اب کام کرو)

(فیض القدیر ص۲۲۳ ج ۱)

سبحان اللہ! حضرت عمرؓ نے سبب تحدیث بیان فرما کر مضمون حدیث میں چار چاند لگا دیئے حدیث شریف کا مطلب نہایت واضح ہوگیا اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کی حق گوئی اور صاف گوئی کسقدر نمایاں ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اتباع سنت کی برکت سے بزرگان دین کے اندر بھی حق بات کے پہونچا دینے کی کیسی قوت جرأت اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت اقدسؒ کے اس واقعہ خطاب سے خوب ظاہر ہے۔ صاف صاف فرمادیا کہ زبان و قلم بھی کبھی کبھی انسان کیلئے سبب فتنہ بن جاتے ہیں اسکو سمجھنے کی ضرورت ہے ایسا نہو کہ علم اور دین صرف زبان ہی زبان پر رہ جائے اور قلب اس سے خالی ہو۔ ہر عالم، مبلغ اور مصلح اس امر کو استحضار رکھنے کا مکلف ہے اور اگر اس میں کچھ کسر پائے تو اسکو اپنی اصلاح کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حضرت اقدسؒ نے اس بات کے کہدینے میں کسی مصلحت اور کسی رو رعایت کو راہ نہ دیکر کھلکر حق بات ان امیر صاحب سے سے بھی فرمادی اور چونکہ اخلاص کے ساتھ فرمائی تھی اسلئے ان پر فی الفور اسکا اثر بھی ہوا چنانچہ انھوں نے اپنی جیب سے ڈائری نکالکر کتاب کا صفحہ اور اسکا تھوڑا سا مضمون نقل بھی کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے حق میں ایک کشش رکھی ہے ناممکن ہے کہ کوئی حق بات اخلاص کے ساتھ دل سے کہی جائے اور وہ اثر سے خالی ہو۔

میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کا گذر ایک جوان کے پاس سے ہوا جو قہقہہ لگا رہا تھا حضرت کو اسکے اس طرح سے ہنسنے میں غفلت کی بو محسوس ہوئی

اس سے فرمایا ارے میاں صاحبزادے ذرا سنو تو سہی کیا تم نے پل صراط عبور کر لیا ہے اس نے کہا نہیں تو زندگی میں پل صراط کہاں وہ تو مرنے کے بعد پیش آتا ہے، فرمایا کہ اچھا تو پھر تمھیں شاید اپنا انجام معلوم ہو گیا ہوگا کہ جنت میں جانا ہے یا جہنم میں کہا نہیں فرمایا کہ تو پھر یہ ہنسی کیسی؟ یعنی ایسے امور مہمہ تمھارے سامنے ہیں پھر تم کیسے ہنسے۔ بیان کرتے ہیں کہ اسکے بعد سے پھر وہ نوجوان کبھی ہنستا ہوا نہیں دیکھا گیا یعنی حضرت حسن بصریؒ کی یہ نصیحت کارگر ہوگئی اور اسکے بعد سے اس نے ہنسنے سے توبہ ہی کرلی۔ یہی حال اگلے زمانے کے علماء کا تھا کہ بات مختصر فرماتے مگر برمحل جس سے لوگوں کو نفع ہو جاتا تھا اور اب لوگ کیسی کیسی باتیں کرتے ہیں مگر نفع سے وہ خالی ہوتی ہیں، وجہ اسکی یہ ہے کہ لوگ خود عمل سے اور اثر سے خالی ہوتے ہیں۔

حضرت مصلح الامۃؒ کی اس گفتگو کو جب بھی سوچتا ہوں تو عش عش کر کے رہ جاتا ہوں کہ سبحان اللہ کیا موقع شناسی تھی اور کیسی حقانیت اور للہیت تھی کہ ساری مصالح ایک طرف اور حق کی اشاعت کا جذبہ ایک طرف۔ ہم لوگوں کے لئے بزرگوں کے حالات میں یہی امور سبق لینے کے ہیں اور ترجیح سے کہ جب ایسا جذبہ اور اتنی بے لوثی اور کلام میں اتنی شوکت ہوتی ہے تب ہی کام بھی بنتا ہے یعنی وہ بات اثرانداز بھی ہوتی ہے اور قائل کی اس پختگی اور رسوخ کو ہر مخاطب فوراً محسوس بھی کرلیتا ہے۔

بات کچھ طویل ضرور ہوگئی لیکن موجودہ حالات میں ضرورت تھی اس وضاحت کی اس لئے اجمال اور اشارہ پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ باقی یہ بھی صحیح ہے کہ رسالہ کے یہ صفحات کسی جماعت پر نقد و تبصرہ کے بھی متحمل نہیں ہیں اور نہ یہ ہمارے رسالہ کا موضوع ہی ہے (اور جو صفحات کہ اسکا موضوع اور میدان ہیں ان میں اس مسئلہ پر خوب خوب گفتگو کی جا چکی ہے ارباب خبرت پر وہ مخفی نہیں ہے) تاہم ہمارے پیش نظر جو مقصود تھا وہ صرف یہ کہ حضرت اقدسؒ کے روابط تو کم و بیش سب ہی حضرات سے رہے ہیں کہیں اسکو حضرت والا کی جانب سے انکے مشرب و خیالات کی تائید اور موافقت میں نہ استعمال کیا جانے لگے اسلئے جب بات آگئی تو اسکی قدرے تفصیل ضروری معلوم ہوئی اور اسلئے بھی کہ حضرت مصلح الامۃ کے متعلقین اور

متبعین میں سے بہت سے حضرات کیلئے حضرت کا طریقہ ہی آئندہ شمع راہ ہوگا تو کم از کم انکو تو معلوم رہے کہ حضرت والا کا خیال کس جماعت کے متعلق کیا تھا اسلئے بھی صاف صاف بیان کرنے کی ضرورت پڑی جسکا حاصل یہ تھا کہ حضرت اقدس کو موجودہ جماعت کے نہ مقصد ہی سے اتفاق تھا اور نہ اسکے طریق کار ہی سے آپ متفق تھے لہٰذا عوام الناس میں سے جو لوگ کہ تحقیق کے درجہ تک نہیں پہونچے ہیں تو انکے لئے تو بس یہی کافی ہے کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اس جماعت سے کچھ بھی تعلق نہیں تھا اور اس میں شک نہیں کہ آج ایک بڑی جماعت ایسے ہی لوگوں کی ہے جو تحقیق کے مقام تک نہیں پہونچ سکے ہیں۔ اور جو حضرات اپنے کو مقام تحقیق پر فائز سمجھتے ہوں حضرت مصلح الامۃؒ کا ایسوں سے ایک اصولی جواب یہ ہوتا تھا کہ میرا اپنا جو طریقہ ہے وہ آپ کے سامنے ہے باقی اسکے علاوہ آپکو اگر دوسرا کوئی طریقہ محقق ہو تو ہر شخص کو اپنے دین کا اختیار اور ہر شخص اپنے تدین کا خود ذمہ دار ہے۔ خدا نے عقل دی ہے علم دیا ہے تدین اور تمیز دی ہے اسکو بروئے کار لائیے اور پھر دیانۃً جو طریقہ پسند ہو اسکو اختیار کیجئے اسکے آپ خود ذمہ دار ہیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

حضرت مصلح الامۃؒ کے دور سے پہلے دین کا جو کام ہوتا چلا آرہا تھا وہ کسی مخصوص نظام کمیٹی، جماعت اور کسی خاص دستور و آئین سے محدود نہ تھا بلکہ جماعت سب کی اسلام تھی اور نظام سب کا شریعت تھا اسلام کے اصول و فروع سب کے پیش نظر تھے اسی کی ترویج و اشاعت سب اہل دین کا مطمح نظر رہا کرتی تھی لیکن دین کے شعبے چونکہ بکثرت تھے اسلئے اسکے شعبوں کے لئے الگ الگ حضرات اور جماعت کا ہونا ناگزیر تھا چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر مدارس اور خوانق کے سلسلے علحدہ علحدہ قائم ہوئے اول نے علوم ظاہر کی تعلیم و تکمیل اور ثانی نے امور باطنہ یعنی اخلاص و اخلاق کی تحصیل کو اپنا اپنا وظیفہ بنایا اہل زیغ نے اس موقع سے کچھ ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا اور یہ راگ الاپنا شروع کیا کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے اور اسکے ذریعہ کوشش کی کہ لوگوں کے قلوب سے شریعت کی عظمت ہی نکالدیں اور علم الاخلاص والاخلاق

یعنی تصوف کو ایک بازیچۂ اطفال بنا لیا گیا یعنی اہل محبت اور تحقیق اہل اللہ کی یہ ظاہری شباہت اختیار کرکے اس شعبۂ دین کو بس دنیا طلبی کا ایک ذریعہ بنا لیا گیا اور اس میں شک نہیں کہ اس طبقے سے اسلام کو سخت نقصان پہونچا اسلئے اس سے اسلام کو بچانے کے لئے مسلمانوں ہی کے ایک طبقہ نے تو یہ کیا کہ علم احسان یعنی تصوف ہی کا سرے سے انکار کردیا اور خوب خوب طریق کا استہزار اور اہل طریق کا مذاق اڑایا اور اس طرح سے اسکی مذمت کی کہ اہل ہوٰی کے ساتھ ساتھ اہل حق کا بھی انکار کردیا۔ لیکن محققین نے ہر زمانہ میں اس قسم کے زعم باطل کی اصلاح فرمائی ہے اور علماء حق اور علماء سو کی طرح مشائخ حقہ اور مشائخ سور کے مابین بھی فرق قائم کیا ہے۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے اس زیغ سے امت کو نکالنے کیلئے یہ فرمایا کہ:۔

"خیال نباید کرد کہ حقیقت خلاف شریعت است کہ ایں سخن جہل وکفر است"

(مالا بد منہ)

یعنی یہ بات وہم وخیال میں بھی نہیں لانی چاہیئے کہ حقیقت (طریقت) شریعت کے مخالف کوئی شے ہے کہ یہ خیال نہ صرف یہ کہ ناشی از جہل ہی ہے بلکہ کفر بھی ہے (نعوذ باللہ منہ)

غرض ہر جگہ لوگ تبلیغ دین کا جس طرح کام کرتے تھے وہ کسی جماعت یا نظام کا پابند نہ ہوتا تھا یوں تعیین کیلئے زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا تھا کہ ایک مشرب اور ایک خیال کے لوگوں کو انکے شیخ و مرشد یا انکے استاد کیجانب منسوب کردیا جاتا تھا باقی اس سے مقصد کبھی یہ نہ ہوتا تھا کہ بس یہی جماعت تو حق ہے اور دوسرے لوگوں کو اپنے متعلق یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ فماذا بعد الحق الا الضلال یعنی دوسرے سب لوگ بے راہ اور گمراہ ہیں۔

پھر انگریزوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد ایک طرف تو یہاں ملکی اور سیاسی ہماہمی شروع ہوگئی اور اس سلسلہ میں وہ جو تحفہ یورپ سے لایا تھا اس سے یہاں کے لوگوں کو بھی نوازا اور دوسری جانب ہر شخص کا مزاج ایک مخصوص نظم و ضبط اور پروگرام کا خواہاں بن گیا اور یوں اسلام سے بڑھکر نظم و ضبط کس نے سکھلایا ہے

تاہم عرض یہ کرنا ہے کہ جہاں اسلام نے آزادی بھی دی تھی اور وسعت کار کا معاملہ فرمایا تھا اس کو بھی مخصوص نظم کے تابع کر دیا گیا ایسا کہ اس سے علٰحدگی قابل انکار واعتراض بن گئی چنانچہ سیاسی چاشنی کے ساتھ ساتھ دین اور اسلام کا نام لیکر ایک جماعت نے اپنا منظم کام شروع کیا اور اپنا نام جماعت اسلامی رکھا ہمارے اسلاف کو چونکہ اس جماعت سے اختلاف تھا اسکے نظریات اور خیالات پر علماء کیجانب سے تردید بھی کی گئی چنانچہ گذشتہ صفحات میں حضرت مصلح الامۃؒ کے خیالات کی ترجمانی آپ کے سامنے ہے اب ظاہر ہے کہ رد وقدح اور مذمت کا تعلق لفظ "جماعت اسلامی" کے ساتھ جوڑنا طبعاً مکروہ سا معلوم ہوا اسلئے ہم نے جہاں کہیں اس جماعت کا نام لیا ہے تو وہ "مودودی جماعت" کے ساتھ لیا ہے کیونکہ جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہی اس جماعت کی عقل کل تھے اور دوسرے لوگ تو کلاً یا جزواً اصولاً یا فروعاً انھیں کے خوشہ چیں اور مقلد ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عارف باللہ امام ربانی حضرت ابوحنیفہ النعمان کی تقلید کا انکار اور ائمہ اربعہ کی تقلید کا مذاق اور استہزار کرنے والوں کو ایک ایسی ذات کا مقلد بنا دیا جو بالفاظ خود نہ مسٹر تھے نہ مولانا بلکہ بیچ کی راس کے ایک آدمی تھے۔ فیاللعجب۔

حضرت مصلح الامۃؒ کا سابقہ ایک تو اس جماعت سے پڑا جس کے متعلق حضرت اقدس کے خیالات گذشتہ صفحات میں ظاہر کئے جا چکے ہیں ———— اور اس سے کچھ قبل ہندوستان میں مسلمانوں کی عام بے راہ روی اور انکے دینی انحطاط کا احساس کر کے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ دین کا ایک آزمودہ اور مفید نظام کار متعین فرمایا حضرت کے سامنے بزرگوں کی خانقاہیں بھی تھیں جو دوکان معرفت سمجھی جاتی تھیں اور اکابر کے قائم کردہ مدارس دینیہ بھی تھے جنکو اب تک دین کے قلعے کہا جاتا ہے، بلکہ خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان دونوں سلسلوں سے فیض یاب تھے اسلئے ان کی افادیت کی نفی یا انکی ضرورت کا انکار کئے بغیر محض یہ خیال کر کے کہ آج یہ کام جتنا بھی ہو رہا ہے کم پیمانہ پر ہو رہا ہے (کیونکہ آج کتنے لوگ ہیں جو اہل حق کے مدارس سے مستفید ہو رہے ہیں اور کتنے لوگ ہیں جنکو خانقاہ کا فیض پہونچ رہا ہے بلکہ خود اہل حق کے خوانق بھی کتنی تعداد میں موجود ہیں؟

(باقی آئندہ)

سلک نود و یکم

صدر نشینان صفۂ علم چنیں

گویند کہ روا باشد کہ فعل بندہ بر خلاف

مامور بہ باشد اما روا نباشد کہ بر خلاف محکوم

بہ باشد قدریاں قدر قدرت او ندانستند

و جبریاں بہ نہایت حکم او نرسیدند

جبریاں گفتند ہمہ او کرد و قدریاں گفتند

ہمہ او نکرد ما کردیم اہل سنت و جماعت

گفتند او از اں عزیز تر است کہ آں کند

کہ ما کنیم و ما ازاں عاجز تریم کہ آں کنیم

کہ او کند سلطان جلال بے نیازی

دیریا زست کہ ایں ندا در عالم در دادہ

است کہ وجود شما در جنب عظمت ما

چوں عدم است و عدم شما نزدیک

قدرت ما چوں وجود ہر گاہ کہ بعظمت ما

نظر کنید ہمہ موجودات را معدوم دانید

و ہر گاہ کہ بقدرت ما چشم اندازید ہمہ

معدومات را موجود انگارید عزیز من

ہر کرا وجودی است آں وجود بین العدمین

است و وجودی کہ میان دو عدم باشد

آں بمنزلۂ عدم باشد الوجود بین العدمین

کالطہر المتخلل بین الدمین۔ چنیں گویند

سلک نمبر ۹۱ (عشق را باجی و باقیوم واد)

جو لوگ کہ مسند علم کے صدر نشین ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا

ہے کہ بندوں کے افعال حق تعالیٰ کے مامور بہ کے خلاف ہو جائیں (کہ

مامور بہ تھا صدق واخلاص اور اسکی جگہ کوئی کذب و نفاق سے کام لے)

لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اسکے محکوم بہ کے خلاف ہو سکیں (یعنی قضا و قدر کے

خلاف پتہ نہیں ہل سکتا)۔ قدریوں نے (جو کہ منکر تقدیر ہیں) حق تعالیٰ کی

قدرت کی قدر نہ پہچانی اسی طرح سے جبری (جو کہ خود کو مجبور محض گردانتے

ہیں وہ بھی) اسکے حکم کی تہہ تک نہ پہونچ سکے چنانچہ اہل جبر کہتے ہیں کہ جو کرتا ہے

وہی کرتا ہے (ہمکو بالکل اختیار نہیں ہے) اور اہل قدر کہتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں کرتا جو کچھ

کرتے ہیں ہم کرتے ہیں (ہم فاعل مختار ہیں) اور اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ

حق تعالیٰ اس سے کہیں بالا و برتر ہیں کہ جو ہم لوگ کریں وہی وہ کریں اور ہمکو

اسکے عاجز تر ہیں کہ وہ سب کام کرلیں جو وہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو کہ جلال و جبروت

والے ہیں اور سب سے بے نیاز ہیں ازل ہی سے عالم میں یہ ندا فرما چکے ہیں کہ تم سب کا وجود

ہماری عظمت کے آگے مانند عدم کے ہے اور تمہارا عدم ہماری قدرت کے مقابلے

میں بمنزلہ وجود کے ہے یعنی جب ہماری عظمت شان پر نظر کرنا تو سمجھ لینا کہ سب

موجودات معدوم ہیں اور جس وقت ہماری قدرت پر نظر رکھنا تو جان لینا کہ سارے

معدومات بھی موجود ہیں۔ عزیز من! جس کو جو وجود بھی ملا ہے وہ ایسا وجود

ہے جو دو عدموں کے درمیان واقع ہے اور جو وجود کہ دو عدم کے درمیان

میں ہو وہ بھی بمنزلہ عدم ہی کے ہوتا ہے کیونکہ دو معدوم کے مابین کا وجود

ایسا ہے جیسے طہر متخلل بین الدمین کہ وہ بھی دم ہی کے حکم میں ہوتا ہے یعنی

فقہی مسئلہ ہے کہ دو حیض کے درمیان کی پاکی کے ایام بھی حیض ہی کے حکم میں ہوا

کرتے ہیں) بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ جو لوگوں سے بالکل منقطع

وقتی بزرگی راکہ او بکلی از خلق بریدہ بود گفتند چرا با خلق نسازی گفت من پیش ازیں معدوم بودہ ام و بعد ازیں ہم معدوم خواہم بود چند روزی کہ خلعت وجود یافتہ ام بارے با موجودے گذرانم کہ او از صحبت عدم مصئون تا من در غم دو عدم درنمانم یکی عدم خویش و دوم عدم او بشنو بشنو اندر آنچہ لیلیٰ بمرد ایں خبر بمجنوں رسانیدند مجنوں گفت ماجرا بر من است چرا کسی را دوست گیرم کہ او بمیرد۔ قطعہ

نخشبی مرگ دوستاں تبہ است
چند بر روزگار خود خندی
بردم از مرگ شاں ترا مرگ است
آنکہ میرد بر و چہ دل بندی

رہا کرتے تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ ہم لوگوں سے کیوں نہیں ملتے جلتے ؟ فرمایا کہ بھائی ہم اب سے پہلے معدوم تھے اور اب اسکے بعد پھر معدوم ہو جائیں گے ان چند ہی روز کیلئے تو وجود کی خلعت سے نوازا گیا ہوں تو چاہتا ہوں کہ اسکو ایسے موجود ہمنشین کے ساتھ گذاروں جسکا عدم کیساتھ تعلق نہ ہو (یعنی وہ کبھی معدوم نہو) تاکہ میں دو عدم کے غم میں نہ پڑ جاؤں ایک تو عدم خویش دوسرے عدم درویش (یعنی دوست کا عدم) سنو سنو جس وقت کہ لیلیٰ کا انتقال ہوگیا تو لوگوں نے اسکی اطلاع مجنوں کو بھی دی اس نے کہا اس میں تو قصور خود اپنا ہی ہے کہ میں نے ایسے کو دوست ہی کیوں بنایا جو کہ فانی ہو اور جس پر موت طاری ہونیوالی ہو "اے نخشبی! دوستوں کی موت اور جدائی پوری تباہی ہے بس تھوڑے ہی دنوں کیلئے اپنے اس خوشحال زمانہ پر خوش ہو لو پھر تو ان سب کو فنا ہو جانا ہی ہے ان فانیوں میں سے ایک ایک تم سے جدا ہوگا جسکی وجہ سے تمہارے لئے مسلسل مرنا ہی مقدر رہیگا بس سمجھ لو کہ جو چیز مرجانے والی یعنی فانی ہو اس سے کیا دل لگانا (عشق با مردہ نباشد پائدار + عشق را باحی و با قیوم دار) (یعنی مُردہ اور فانی شے سے محبت کرنا محض بیکار ہے محبت اس ذات سے کرو جو حی بھی ہے اور قیوم بھی ہے)

سلک نود و دوم

بباید دانست لا وحشۃ مع اللہ ولا راحۃ مع غیر اللہ عزیز من با دوست بودن بی ہیچ چیزے ہمہ خوشی است و بے دوست بودن با ہمہ چیز ہمہ ناخوشی و ہر کہ از دوست محجوب است

سلک ۹۲ (مولیٰ کی معیت اور دنیا کی حقیقت)

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت کے ساتھ کوئی وحشت وحشت نہیں ہے اور غیر اللہ کی معیت میں کسی قسم کی کوئی راحت راحت نہیں ہے۔ عزیز من! انسان اپنے دوست کے ساتھ ہو اور اسکے پاس کچھ بھی نہو تو یہ بھی سراپا خوشی ہی ہے اور جو آدمی بغیر دوست کے ہو تو چاہے تمام چیزیں اسکے پاس ہوں یہ سب اس کے

اگرچہ خزائن دنیا در آستین وقت است
او در عین بلیہ است و ہرکہ با لطافت
دوست مجذوب است اگرچہ نانِ
شب ندارد در اشارِ عطیت است
چون دریای مغفرت لم یزلی موج زند
جملہ زلل و معاصی منعدم و متلاشی گردد
زیراکہ زلل لم یکن است و رحمت
لم یزل، و لم یکن با لم یزل مقاومت
نتواند کرد۔ سبحان اللہ من حیران قومی
ام کہ با وجود چندین خزائن باقی
دم بینوائی زنند و از برای چیزی حقیر
خود را در تہلکہ خطیر اندازند۔ ای درویش
آنچہ ترا کافی است بی رنج تو بتو میرسد
اما این ہمہ رنج دیدن تو از برای
زیادتی است بشنو بشنو روزی
توانگری با درویشی گفت امروز پنج روز
است کہ من چیزے نخوردہ ام درویش
گفت ای خواجہ گرسنگی تو از بخل تو خواہد بود
نہ از عدم مال۔ قطعہ

نخشبی چند رنج خواہی داد
بدترین رنج رنج محزونی است
داد تو بتو رسد بیشک
رنج تو از برای افزونی است

لئے موجب ناخوشی ہے۔ جو شخص کہ دوست سے مجذوب ہے اگرچہ دنیا
کے خزانے اسکے وقت کی آستین میں ہوں وہ عین مصیبت میں پڑا
ہوا ہے۔ اور جو شخص کہ دوست کی مہربانیوں کے ساتھ مجذوب ہے اگرچہ
نان شبینہ کا محتاج ہو مگر وہ عین عطا اور بخشش کے حال سے دوچار
ہے۔ جب حق تعالیٰ کی مغفرت کا دریا موج مارے گا اسکی جملہ لغزشیں
اور معاصی منعدم اور متلاشی ہو جائیں گی اسلئے کہ لغزشیں حادث
اور متناہی ہیں اور رحمت قدیم اور غیر متناہی شے ہے اور فانی کا اور
باقی کا کیا مقابلہ؟ سبحان اللہ! میں اس قوم کے حال پر حیران
ہوں کہ جو ایسے باقی اور غیر فانی خزانوں کے باوجود اپنی غربت
اور بینوائی کا نعرہ بلند کئے ہوئے ہے اور ایک معمولی اور حقیر
چیز کے لئے خود کو بڑی ہلاکت میں ڈالے ہوئے ہے۔

اے درویش یہ سمجھ لے کہ جس قدر دنیا تجھکو کافی ہے وہ
بدون تعب اور مشقت کے تجھ کو ملے گی باقی تیری یہ تمام تگ و دو
اور محنت و مشقت جو کچھ ہے وہ زیادہ طلب کرنے کیلئے ہے
(یعنی زائد از ضرورت دنیا کیلئے) سنو سنو! ایک دن ایک
امیر نے ایک فقیر سے کہا کہ آج پانچ روز ہوتے ہیں میں نے کچھ
نہیں کھایا اس درویش نے کہا کہ جناب من آپکی بھوک کا سبب
آپکا بخل ہے نہ کہ عدم مال اور غربت۔ (جسکا کچھ علاج نہیں)

قطعہ

اے نخشبی کہاں تک رنج اٹھایا جائے یہ سمجھ رکھیے کہ
سب سے بڑا رنج مال جمع کرنیکا رنج ہوتا ہے تقدیر کی لکھی ہوئی
روزی تو تجھکو بلا محالہ پہونچکر رہیگی لیکن تیرا غم جو کچھ ہے وہ مال
بڑھانے کا غم ہے (جسکو قبر کی مٹی ہی پُر کرسکے گی)۔

سلک نود و سوم

اہل معرفت گویند کہ پیش ازیں
مردماں بودند کہ از طاعت ہمہ چیز داشتند
وچناں مینمودند کہ ہیچ چیز ندارند و شما
ہیچ ندارید وچناں می نمائید کہ ہمہ چیز
دارید عزیز من اگر ہزار سال دریں
راہ قدم زنی اگر در خاطر گذرد ایں یا
قبولی بایستی ہنوز تو مرد جاہ طلب باشی
مرد راہ طلب خود دیگر است کسی کہ او
دوبار از راہ بول بیرون آمدہ باشد او را
با جاہ چہ کار بیچارہ چند را از ماءٍ مہین
وحماٍ مسنونٍ در وجود آوردہ اند ضعیفٌ
من ضعیفٍ ترابٌ من ترابٍ مفلسٌ
من مفلسٍ عاجزٌ من عاجزٍ متحیرٌ من متحیرٍ
انگاہ گریبان گرفتہ در معرکہ شجاعان
آوردہ اند امر جانبی میکشد و حکم جانبی
ای برادر اگر می خواہی کہ ایں راہ را
بمنزل رسانی زنہار خود را درمیان
نہ بینی طائفہ کہ از طاعت توانگر بودہ اند
ہمہ وقت خود را مفلس تصور کردہ اند
طبقہ کہ ایشاں ہمہ وقت مفلس اند خود را
توانگر چہ گونہ تصور کنند بشنو بشنو وقتی

سلک نمبر ۹۳ (امیر اور مفلس)

اہل معرفت یوں فرماتے ہیں کہ اب سے پہلے زمانہ میں
لوگ ایسے تھے کہ از قبیل طاعت ہر چیز رکھتے تھے اور اپنے کو
یوں ظاہر کرتے تھے کہ جیسے ہر چیز سے خالی ہوں اور اب تم لوگوں کا
یہ حال ہے کہ کچھ نہیں کرتے ہو اور کچھ نہیں رکھتے ہو مگر ظاہر یہ کرتے
ہو کہ جیسے سب چیزیں تمہارے پاس ہیں۔ عزیز من! اگر ہزار سال
اس راہ میں قدم رکھو (یعنی طریق کے تقاضے پر عمل کرو) پھر بھی اگر
تمہارے دل میں یہ خیال گذرے کہ میری اس طول طویل طاعت
وعبادت کو مقبول ہو جانا چاہیئے تو ابھی تم مرد جاہ طلب ہی ہو
مرد راہ طلب دوسرے قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو شخص پیشاب کے
راستے سے دوبار نکلا ہو (ایک بار باپ سے دوسری بار ماں سے)
ایسے شخص کو جاہ سے کیا تعلق؛ یہ غریب تو ذلیل پانی اور کھنکھناتی
مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ (جسکا یہ حال ہو کر) ضعف بالائے ضعف
مٹی پر مٹی، مفلس در مفلس، عاجز در عاجز اور متحیر سے بڑھکر متحیر
ایسی حالت میں اسکا گریبان پکڑ کر شجاعوں کے معرکے میں اسے
لے آئے اور امر خداوندی اسکو الگ اپنی جانب کھینچتے ہیں اور
احکام شریعت اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ اے بھائی اگر چاہتے
ہو کہ اس راستے سے سفر کرکے منزل تک پہونچ جاؤ تو خبردار خبردار
کبھی بھی اپنے کو درمیان میں مت دیکھنا۔ جو جماعت کہ طاعت
کی امیر ہے وہ تو ہمیشہ اپنے کو مفلس ہی سمجھتی رہے۔ تو پھر بھلا وہ
طبقہ کہ جو سراپا مفلسی میں ہو اپنے کو کیونکر امیر سمجھ سکتا ہے۔
سنو سنو! ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ ایک ادرچی جس سے خلق کو جبہ ہر وقت

طباخی بود ہمہ وقت در تنور کرم گروہ
نیاز زدی اگر کسی بر دو درمی کہ قلب
باشد بیاوردی اگرچہ او بدانستی کہ این
درم قلب است از سر مردی خویش
بر روی او ظاہر نکردی آن بستدی
و آنچہ از درم سرہ می آمد او را دادی وقت
نزع رو در آسمان کرد و گفت گرفت
خداوندا تو میدانی کہ سالہا خلق بر من
درم قلب آوردہ اند و من او را
بر روی ایشان باز نداده ام من نیز
بحضرت تو طاعتی قلب آوردہ ام
بر روی من باز مزن۔ قطعہ

نخشبی مفلس است در دنیا
مفلس از مال رائیگان باشد
ہر کہ بینی تو انکہ عقبیٰ
او بدنیا چو مفلسان باشد

سلک نود و چہارم

اہل تحقیق کہ تعلق باطن ایشان
ہمہ با کسی است کہ او را با کسی تعلق
جائز نیست چنین گویند تعلق کسی کہ
با دنیا باشد او از عقبیٰ باز ماند و تعلق

ایک تنورکر کے پاس (یعنی دوکان میں) ایک کھوٹا سکہ آجاتا، (یعنی ہوتی تھی)؛ چنانچہ اگر کوئی شخص اسکو کھوٹا سکہ بھی دے جاتا تو باوجود اس جاننے کے کہ وہ کھوٹا ہے وہ اپنے حسن خلق کی راہ سے اس پر ظاہر نہ کرتا اور لے لیتا اور اس درہم کے بقدر کھانا اسکو دے دیتا تھا۔ جب اس کے مرنے کا وقت قریب ہوا اور اس پر عالم نزع طاری ہوا تو اس نے اپنا چہرہ آسمان کی جانب اٹھایا اور عرض کیا کہ خداوندا! تو جانتا ہے کہ تیری مخلوق سالہا سال تک میرے پاس کھوٹے سکے لائی اور میں نے اسے قبول کر لیا اور اسکو واپس نہیں کیا اب اس وقت آپکی خدمت میں میری پیشی ہے چنانچہ میں بھی کھوٹی طاعت لایا ہوں آپ بھی اسے میرے منہ پر نہ ماریئے گا بلکہ قبول کر لیجئے گا۔

ترجمۂ قطعہ

"اے نخشبی حقیقۃً دنیا میں مفلس کہلانے کا مستحق
تو ہی ہے (کہ عمل صالح سے مفلس ہے) باقی مال کا مفلس
ہونا یہ تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو قابل ذکر و فکر ہو کیونکہ جسکو تم آخرت
کا امیر دیکھو گے اسکو (بالعموم) دنیا کا مفلس ہی پاؤ گے۔

سلک نمبر ۹۴ (جب تعلق آگے ہی ہوجائے تو خدا سے آدمی الگ ہوجاتا ہے)

حضرات اہل تحقیق کہ جن کا باطنی تعلق ایسی ذات سے ہوتا ہے کہ جسکا کسی کے ساتھ کسی قسم کا بھی و نسبی تعلق جائز نہیں ہے یہ لوگ ایسا فرماتے ہیں کہ جسکا تعلق دنیا سے ہوگا وہ آخرت کے معاملہ میں پیچھے رہ جائیگا اور جس کا تعلق عقبیٰ سے ہوگا وہ

کسی کہ بعقبیٰ باشد او از دنیا باز ماند و تعلق کسی کہ با مولیٰ باشد ہمہ از برای اوست و تعلق باطن اندازہ باطن باشد امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ می گوید شبی در مسجدی آمدم اعرابی را دیدم در گوشہ مناجات می کرد خداوندا من از تو ہیچ نمیخواہم مگر بریانی و در گوشہ صدیق اکبر میگفت خداوندا من از تو ہیچ نمی خواہم مگر ہم ترا آری التماس مرد اندازہ ہمت مرد باشد ای درویش چون تو از کسی می خواہی کہ حقیقت می دانی کہ ہرچہ خواہی خواست او خواہد داد باری از و چیزی خواہ کہ دیگری تواند داد عزیز من! ہرچہ ترا خوش آید اگر تو آں ہمہ از خلق خواہی غرض تو بحصول نہ انجامد زیرا کہ خلق ہمہ چیز ندارند ہمہ از کسی باید خواست کہ او ہمہ دارد۔

بشنو بشنو وقتی یکی بر سر گور درویشی رفت و دنیا خواستن گرفت، شب آں درویش را در خواب دید گوئی میگوید ای خواجہ ہر کس چیزی دہد کہ او را آں چیز بودہ باشد السخاء بما ملک چوں ما ہیچ وقت دنیا نداشتیم ترا از کجا دہم

اور جس کا تعلق مولیٰ سے ہوگا تو پھر تمام ہی چیزیں اسکی ہیں (من کان للہ کان اللہ لہٗ) کا یہی مطلب ہے اور باطنی تعلق بقدر انسان کے اخلاص کے ہوا کرتا ہے۔ امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شب میں مسجد میں گیا ایک بدو کو دیکھا کہ ایک گوشہ میں مناجات کر رہا ہے اور یوں کہہ رہا ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے اور کچھ نہیں چاہتا مگر عمدہ بھنا ہوا گوشت اور ایک دوسرے گوشہ میں حضرت صدیق اکبرؓ یوں دعا مانگ رہے تھے کہ اے اللہ میں تجھ سے اور کچھ نہیں چاہتا سوا تیری ذات کے۔ ہاں بھائی بات یہی ہے کہ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست لوگوں کی چاہت بھی بقدر انکی ہمت ہی کے ہوا کرتی ہے۔ اے درویش سن! جب تو کسی سے کچھ چاہے اور تجھے یہ معلوم ہو کہ جو کچھ اس سے مانگے گا وہ دیدیگا تو کم از کم ایسی درگاہ سے ایسی چیز تو مانگ کہ جسے اور کوئی دوسرا نہ دے سکے۔ عزیزمن! جس جس چیز کی تمھیں ضرورت ہے اور تمھیں اسکا ملنا پسند ہے، اگر ان تمام چیزوں کو تم کسی مخلوق سے چاہو گے تو تمھاری غرض کبھی پوری نہ ہوگی اسلئے کہ کسی مخلوق کے پاس تمام چیزیں کہاں ہیں، لہٰذا اپنی تمام حاجات اور اپنی جملہ مطلوبات کو اسی ذات سے طلب کرنا چاہئے جسکے پاس وہ سب موجود ہو۔ سنو سنو! ایک مرتبہ ایک شخص ایک درویش کی قبر پر گیا اور ان سے دنیا مانگنے لگا رات کو اسی درویش کو خواب میں دیکھا کہ اس سے یوں فرما رہے ہیں کہ بھائی میرے ہر شخص وہی چیز دے سکتا ہے جو اسکے پاس ہو مشہور مقولہ ہے کہ سخاوت اسی چیز کی ممکن ہے جو انسان کی ملک میں ہو اور میرے متعلق تم جانتے ہو کہ زندگی میں بھی میرے

چوں تو بر سر خاک درویش آئی ترا دنیا
نباید خواست اگر دنیا خواہی ترا بر سر
خاک خواجگانِ دنیا دار باید رفت

پاس دنیا نہیں تھی تو آج ہم تم کو کہاں سے دیدیں۔ یاد رکھو کہ جب کسی فقیر کی قبر پر آؤ تو اس سے دنیا نہ مانگنا چاہیئے۔ اگر تمھیں دنیا ہی درکار ہے تو کسی امیر کبیر دنیادار کی قبر پر جاؤ۔

قطعہ

نخشبی از ہمہ ہمہ مطلب
آب حیواں نہ ہر سبو دارد
ہمہ زاں کس طلب کہ او ہمہ وقت
ہر چہ خواہی ہمہ ہمو دارد

ترجمہ قطعہ

"نخشبی ہر شخص سے ہر چیز نہ مانگا کرو۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جام و سبو میں آب حیواں موجود ہو بلکہ تمام چیزیں اس ذات سے طلب کرو جس کے پاس تمھارا ہر مطلوب ہر وقت موجود رہتا ہے۔

(تنبیہ) راقم عرض کرتا ہے کہ اس سے شبہ نہ ہو کہ بادشاہوں کے مزاروں پر جاکر ان سے حاجات دنیوی طلب کرنا جائز ہے۔ بلکہ ان بزرگ نے بطور طنز کے اور صرف سائل کی تحقیق ظاہر کرنے کے لئے یہ عنوان اختیار فرمایا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اللہ والے جو تارک الدنیا ہوا کرتے ہیں ان سے سبق ترک دنیا کا اور انابت الی اللہ کا حاصل کرنا چاہیئے نہ یہ کہ انکے مزارات کو طلب دنیا کی ایک منڈی سمجھنا چاہیئے۔

حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے آیۃ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن (یعنی ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں) کے ذریعہ نماز میں ہر مومن سے اس کا اقرار لیا گیا ہے اور بار بار کہلا کر اس کی یاد دہانی اور اسکا استحضار کرایا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نمک۔ جوتہ کا تسمہ اور سواری کے لئے چارہ بھی طلب کرنا ہو تو خدا سے مانگو۔ مطلب یہ کہ چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی خدا ہی سے طلب کرو اور سمجھ رکھو کہ جس کو تم بڑی چیز سمجھ رہے ہو وہ بھی خدا کے نزدیک چھوٹی اور معمولی ہی ہے۔ پس یہ سمجھنا کہ خدا سے کیا معمولی چیز طلب کریں اسکو تو بس پیر پیغمبر سے اور بزرگوں کے مزاروں سے مانگ لیا کریں گے' ارشاد نبوی کی مخالفت اور شرک کا دروازہ کھولنا ہے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے)۔

سلک نود و پنجم

باید دانست کہ پروردگار بحکم قہر قدیم از روی طاعت ابلیس برگرفتند طاعت او ہمہ معصیت شد و نیز عفو بحکم فضل سابق پیش زلت آدم علیہ السلام داشتند زلت او ہمہ طاعت گشت، ای درویش یک روز بامداد تا شب با نفس خود جنگ کن ببین تا چہا ظاہر خواہد شد مردانِ دین با خود جنگی کنند کہ آنرا صلحے نباشد زیرا کہ نفس ضد دین است و مرد دین با ضد دین صلح نتواند کرد و لہٰذا وقتی شخصی بر درویش رفت و گفت من ترا غیبتی کردہ ام مرا بحل بخش درویش گفت چیزی را کہ خداوند تعالیٰ حرام گردانیدہ است من آنرا حلال نتوانم گردانید۔ بر اصلاح فقرا جنگی کہ با نفس خویش بکند آنرا احتساب طریقت خوانند۔ گویند وقتی اعرابی بخدمت امیر المومنین عمرؓ رفت او را دیدند زرد چوب بر اندام مالیدہ و چون لت خوردگان می نالید۔

سلک نمبر ۹۵ (احتساب نفس)

جاننا چاہئے کہ وہ ذات جس کے یہاں کرم کی پرورش ہوا کرتی ہے اس نے قہر قدیم کی روسے ابلیس کو باوجود اسکی طاعت کے پکڑ لیا اور ایسا پکڑا کہ اسکی سب ہی طاعت معصیت ہو گئی اور اپنے فضل عمیم کی روسے عفو کی بڑائی کو زلت آدم پر غالب کیا۔ چنانچہ انکی تمام زلات طاعت بن گئیں۔ اسے درویش ذرا ایک دن صبح سے شام تک اپنے نفس کا محاسبہ تو کر پھر دیکھ کہ کیا ظاہر ہوتا ہے۔ دینداروں نے اپنے نفس کے ساتھ ایسی جنگ کی ہے کہ اسکے بعد کوئی صلح نہ ہوتی تھی۔ اسلئے کہ نفس دین کا مقابل ہے اور کسی دیندار کے لئے دشمن دین سے صلح کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ اسی لئے ایک دفعہ ایک شخص ایک درویش کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں نے تمہاری غیبت کی ہے مجھے معاف کر دو۔ درویش نے جواب دیا کہ توبہ توبہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کہا ہے اسکو حلال (معاف) کرنیوالا میں کون ہوں۔ چنانچہ فقراء (صوفیا) کی اصطلاح میں جو جنگ کہ اپنے نفس کے ساتھ کیجائے اسکو احتساب طریقت کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا انھیں دیکھا کہ کھجور کی ایک تر شاخ سے اپنے بدن کو مار رہے ہیں اور چوٹ کھانے والوں کی مانند چیخ رہے ہیں۔

اور اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ اگر ضرورت کیوجہ سے کچھ مانگو تو صلحا یعنی بزرگوں سے مانگو کیونکہ بھیک بوجہ اپنی ذلت اور دوسرے کی گرانی کے حرام ہے اور بزرگوں میں یہ باتیں نہ پائی جائینگی۔ ذلت تو اسلئے کہ وہ کسی کو ہرگز ذلیل نہیں سمجھتے اور گرانی اسلئے نہیں ہوتی کہ وہ بوجہ آزادی کے پابند نہیں کہ ضرور ہی دیں اگر نہ ہوگا بے تکلف عذر کردیں گے اور کبھی غفلت سے ایسا ہو بھی کہ ذلیل سمجھیں تو انکو فوراً تنبیہ کیجاتی ہے اسلئے پھر آئندہ اسکا احتمال نہیں رہتا۔

حکایت: حضرت جنیدؒ نے مسجد میں ایک شخص کو دیکھا کہ خوب قوی تندرست اور موٹا تازہ ہے اور بھیک مانگتا ہے انھوں نے اپنے دل میں اس پر طعن اور اعتراض کیا رات میں خواب میں دیکھا کہ کوئی مردے کا گوشت کھانے کو کہتا ہے اور اسکے انکار پر کہتا ہے کہ تم نے آخر اس فقیر کی غیبت کرکے مردے کا گوشت کھایا نہیں تھا؟ انھوں نے کہا کہ میں نے تو اسکو کچھ نہیں کہا جواب ملا کہ کیا غیبت دل میں نہیں ہوتی؟ بلکہ اول تو دل ہی میں پیدا ہوتی ہے ؎

ان الکلام لفی الفواد و انما جعل اللسان علی الفواد دلیلا

(کلام تو درحقیقت دل ہی میں ہوتا ہے باقی زبان کو تو قلب ہی کا ترجمان بنایا گیا ہے)

آپ بیدار ہوکر چلے معاف کرانے کیلئے اس شخص نے آپ کو دیکھکر دور ہی سے یہ آیت پڑھی هُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (اللہ وہ ذات ہے جو کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے) اور پھر فرمایا کہ پھر کبھی ایسا نکرنا تو یہ شخص بہت بڑا کامل تھا۔ غرض بزرگوں کی اس طرح اصلاح ہوتی رہتی ہے اسلئے وہ کسی کو حقیر نہیں سمجھتے بلکہ دنیا بھر سے اپنے ہی کو اذل اور ارذل سمجھتے ہیں حتیٰ کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ کوئی شخص مومن کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بھی بدتر نہ سمجھے تو چونکہ وہ لوگ اپنے آپ کو بہت ہی حقیر سمجھتے ہیں اسلئے انکے سامنے اپنے عیب کا ظاہر کردینا کچھ مضائقہ نہیں۔

(۴۷) بزرگوں کے کشف کے اعتماد پر اپنا حال نہ کہنا غلطی ہے

اور اگر کہو کہ کسی بزرگ کا کلام ہے ؎

چہ حاجت است بہ پیش تو حال دل گفتن که حال خستہ دلاں را تو خوب میدانی

(آپ کے سامنے حالِ دل بیان کرنے کی کیا حاجت ہے کیونکہ خستہ دلوں کے حال سے تو آپ بخوبی واقف ہیں)

تو سمجھو کہ یہ خطاب خدا تعالیٰ کو ہے نہ کسی ولی یا بزرگ کو۔ لیکن کہو خدا تعالیٰ سے بھی ضرور تاکہ تمہاری عاجزی اور احتیاج ظاہر ہو اور پیر سے اسلئے ضرور کہو کہ اسکو کشف ہونا ضروری نہیں ہے۔ دوسرے اگر کبھی ہوا بھی تو تم کو کیا خبر؟ کیا تم کو بھی اسکے کشف کا کشف ہوا ہے۔

(۴۸) تکلف کیطرح بے ادبی سے بھی تکلیف ہوتی ہے جبکہ مؤدب سے ہو

تو یہ تو تکلف ہے کہ بزرگوں کے پاس جاکر کچھ نہ کہے اور یہ بے ادبی ہے کہ وہاں جاکر چھر لڑنے لگے اسی کو فرماتے ہیں لَا تَرْفَعُوٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهٗ بِالْقَوْلِ (اپنی آوازوں کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ آپ سے ایسے کھلکر بولا کرو جیسے آپس میں) اور ایذاء ہوتی ہے ایسے شخص کی بے ادبی سے جو مؤدب سمجھا جاتا ہو۔ اور یہ فطری قاعدہ ہے چنانچہ حکام کو دیکھو کہ دیہاتیوں سے بہت سی باتیں گوارا کرلیتے ہیں جو کہ شہریوں سے ہرگز گوارا نہیں ہوسکتیں۔

حکایت: ایک دیہاتی کی حکایت ہے کہ اس نے ایک درخواست پیش کی تو کاغذ پر ٹکٹ نہیں لگایا اور جب حاکم نے اس سے کہا کہ اس پر ٹکٹ لگاؤ تو جیب سے روپیہ نکالکر کہتا ہے لے روپیہ بس تیری صاحبی معلوم ہوگئی اس میں سے ٹکٹ لگا لیجو جو بچ رہے رکھ لیجو۔ حاکم ہنسکر خاموش ہوگیا اور درخواست مفت لے لی بھلا کوئی شہری تو ایسا کرکے دیکھے کہ اس کی کیا گت بنتی ہے اسی کو کہتے ہیں ؎

ملتِ عاشق ز ملتہا جدا است عاشقاں را مذہب و ملت خدا ست

(عاشق کا مذہب تمام مذہبوں سے الگ ہی ہوتا ہے انکا مذہب اور انکی ملت تو بس خدا (کی رضا) ہوتی ہے)

گر خطا گوید ورا خاطی مگو ور شود پرخوں شہیداں را مشو

(اگر کوئی عاشق کسی وقت میں (بظاہر) خطا بھی کرجائے تو اسکو خاطی مت کہو جس طرح سے کہ شہداء اگر پرخون ہوجائیں تو ان خون کو (نجاست نہ کہو اور اسکو) مت دھوؤ)

موسیا آداب داناں دیگر اند سوختہ جان و رواناں دیگر اند

(اے موسیٰ! اہل عقل و فہم کے آداب دوسرے ہیں اور سوختہ دلوں اور کوفتہ جگر والوں کے آداب دوسرے ہی ہوتے ہیں)

تو دیکھئے خود فرماتے ہیں کہ ہلا موسیا! آداب داناں دیگر اند ۔ اس لئے مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ؎

با ادب ترنیست زوکس در جہاں ۔ بے ادب ترنیست زوکس در جہاں

(یعنی اہل اللہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے زیادہ دنیا میں کوئی باادب بھی نہیں ہوتا اور ایسے ہوتے ہیں کہ بظاہر ان سے بڑھکر بے ادب بھی کوئی دوسرا نہیں معلوم ہوتا)

اسکی کئی توجیہیں ہوسکتی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ بعض عشاق باادب ہوتے ہیں اور بعض مغلوب الحال ہوتے ہیں ۔ پہلوں کو فوراً تنبیہ ہوتی ہے ۔

حکایت: چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ بارش پر یہ فرمادیا کہ آج کیسے موقع سے بارش ہوئی ہے، فوراً تنبیہ ہوئی کہ او بے ادب او رب بے موقع کس روز ہوئی تھی، سنکر ہوش اڑ گئے ۔ اور مواخذہ بالکل سچا ہے کیونکہ بےموقع کبھی نہیں ہوتی ۔ تو باادب جب بے تمیزی کرتا ہے تو بہت ہی ناگواری ہوتی ہے ۔

(۴۹) آخرت کا اہتمام کس قدر ضروری ہے

مسلمان اگر غور کرے تو اسکو معلوم بھی ہوجائے کہ آخرت کی فکر کتنی ضروری ہے ۔ نیز اپنی حالت موجودہ میں غور کرنا اس ضرورت کو اور بھی موکد کردیتا ہے، کیونکہ ہر شخص اپنی روز کی حالت کو دیکھے اور سوچ لے کہ اسکے تمام وقت میں سے آخرت کی فکر میں کتنا وقت خرچ ہوتا ہے حالانکہ ہر شخص کے نزدیک موت کا آنا یقینی ہے بلکہ ایسا یقینی کہ دوسرے خطرات اتنے یقینی نہیں ۔ فرض کرو کہ ایک شخص کسی مقدمہ میں ماخوذ ہوا اور مثل پوری اسکے خلاف ہو تو اگرچہ اسکو غالب گمان اپنے سزا پانے کا ہوتا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی رہائی کا احتمال بھی باقی رہتا ہے اسی طرح اگر ایک شخص کسی مہلک مرض میں مبتلا ہوجائے تو جس طرح اسکو ہلاک ہونے کا گمان ہوتا ہے اسی طرح صحت کا بھی گمان ہوتا ہے ۔ غرض ہر امر میں دونوں پہلو ہوتے ہیں لیکن باوجود اسکے بھی کس قدر وہمی اور توجہ سے اسکی فکر میں مشغول ہوتے ہیں اور ہمہ تن اسی میں کھپ جاتے ہیں لیکن موت میں کسی شخص کو بھی یہ احتمال نہیں کہ میں اس سے محفوظ رہونگا نہ کافر اس سے بچے گا نہ مسلمان، حتی کہ شیطان جو سب سے بڑا کافر اور شریر ہے اسکو بھی ایک دن موت آئیگی کیونکہ اسکو

جو مہلت دی گئی ہے فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (مجھے لوگوں کے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک کیلئے مہلت دیجئے) سے ظاہر ہے۔ بلکہ توحید جیسی یقینی چیز سے لوگوں نے انکار کیا مگر موت سے انکار نہ کرسکے۔ معاد کے متعلق مختلف رائیں ہیں کوئی حق پر ہے کوئی باطل پر ہے مگر موت میں سب متفق رہے۔ لیکن باوجود اسقدر یقینی اور متفق علیہ مسئلہ ہونے کے اسکو ہم نے ایسا بھلا دیا ہے کہ یاد دلانے سے بھی ہم کو یاد نہیں آتی نہ تذکیر قولی سے نہ تذکیر فعلی سے مثلاً ہمارے سامنے کوئی مرتا ہے تو ہم اسکے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں قبرستان تک جاتے ہیں لیکن ہنستے کھیلتے چلے آتے ہیں ہمارے قلب پر تفکر یا تدبر کے آثار ذرا بھی نہیں ہوتے۔ غرض کوئی مصیبت ایسی نہیں کہ جس سے ہمکو موت کی طرف توجہ ہو جائے تو صاحبو! کیا مہمل حالت چھوڑنے کے قابل نہیں کیا یہ ضروری العلاج نہیں؟ اگر ہے تو فرمائیے کہ آجتک اسکا کیا علاج کیا؟ اگر نہیں کیا تو اب کرنا چاہیئے اور سمجھ لینا چاہیئے کہ علاج میں جس قدر دیر اور غفلت کیجاتی ہے مرض بڑھتا جاتا ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے ہر شخص غور کرلے کہ جس قدر خوف بچپن میں تھا جوانی میں نہیں ہے اور جس قدر جوانی میں ہے بڑھاپے میں نہیں ہے حتیٰ کہ بعض افراد ایسے بھی ہیں کہ سالہا سال تک انکو ذرا بھی اثر نہیں ہوتا۔ اور بعض کو اگرچہ موت یاد ہے لیکن خوف اور دہل نہیں ہے۔ دیکھو کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ میرے گرفتار کرنے کے لئے گارد پھرتی ہے تو اسکے قلب کی کیا حالت ہوگی کہ عیش تلخ ہو جاتا ہے، چین و آرام برباد ہو جاتا ہے۔ ہر وقت یہ دھن ہوتی ہے کہ کسی طرح میں اس مصیبت سے نجات پاؤں۔ غرض موت سے ہر وقت ڈرنا چاہیئے خصوصاً جبکہ گناہوں کا انبار بھی سر پر لدا ہو جس سے سزا کا بھی سخت اندیشہ ہے آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی۔

(۵۰) مصیبت کیوقت بجائے استغفار کے خرافات بکنے کی مذمت

مگر ہم لوگ اس سے ایسے بیخبر ہیں کہ کسی مصیبت میں گناہوں کو کبھی یاد ہی نہیں کرتے بلکہ مصیبت میں اکثر یہ مقولہ زبان پر سے آتے ہیں کہ کر تو ڈر نہ کر تو ڈر مطلب یہ کہ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا مگر اڑنگے میں آگئے سو خوب سمجھ لو کہ یہ ایک جاہلانہ مقولہ ہے کیونکہ نہ کرکے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ورنہ اگر کم دکرکے بھی ڈرنا ضروری ہے تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ گویا ظالم ہیں خوب یاد رکھو

کہ ایسا کہنا سخت توہین کرنا ہے خدا تعالیٰ کی ۔ صاحبو! خدا تعالیٰ تو کئے پر بھی کم گرفت کرتے ہیں اور بے کئے تو پکڑتے ہی نہیں۔ چنانچہ قرآن شریف منصوص ہے مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (تمکو جو مصیبت بھی پہونچتی ہے وہ تمہارے کئے کے سبب اور اللہ تعالیٰ بہت گناہوں کو معاف بھی فرما دیتے ہیں) یعنی ہماری کرتوتوں میں بہت سے معاف ہو جاتے ہیں ان پر گرفت نہیں ہوتی۔

حکایت : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چور کو گرفتار کیا اور قطع ید کا حکم دیا اس چور نے کہا اے امیرالمومنین یہ میرا پہلا قصور ہے مجھے معاف کر دیجئے پھر کبھی نہ کرونگا حضرت عمرؓ نے فرمایا تو غلط کہتا ہے خدا تعالیٰ پہلے جرم میں کبھی کسی کو رسوا نہیں کرتے۔ چنانچہ تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس سے قبل بھی دو تین مرتبہ چوری کر چکا ہے ؎

حلم حق با تو مواساہا کند　　چونکہ از حد بگذری رسوا کند

خدا تعالیٰ کا حلم بہت کچھ مواساۃ کرتا ہے لیکن جب ہم حد سے بالکل ہی نکل جائیں تو آخر غیرت خداوندی ہمکو رسوا کر دیتی ہے۔ غرض خدا تعالیٰ گناہوں پر بھی ہم کو بہت کم پکڑتے ہیں، لیکن چونکہ ہم لوگ اپنے بہت معتقد ہیں اسلئے اپنے معاصی کی ہمکو خبر نہیں ہے۔

(۵۱) گناہوں سے غفلت سخت مرض ہے

اور بعض اوقات تجاہل بھی ہوتا ہے کہ غفلت کیوجہ سے ہمکو پتہ نہیں چلتا۔ چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ خدا جانے ہم نے کیا گناہ کیا تھا کہ یہ مصیبت ہم پر نازل ہوئی۔ اللہ اکبر گویا ہم کو کسی وقت بھی گناہ سے خالی ہونیکا بھی گمان ہوتا ہے۔ صاحبو! اپنے گناہوں سے غفلت کرنا بہت بڑا مرض ہے جسمیں ہم سب مبتلا ہیں۔

(۵۲) بعض لوگ عوام کے اعتقاد سے مغرور ہوکر گناہوں سے اور بھی بےفکر ہو جاتے ہیں

اور بعض ایسے بھی ہیں کہ دوسرے لوگ بھی ان کے معتقد ہیں، ایسے لوگ اور بھی زیادہ تباہ ہوتے ہیں کیونکہ انکے پاس اپنے تقدس کی گویا دلیل بھی موجود ہوتی ہے کہ جب اتنے لوگ ہم

اچھا کہتے ہیں تو یقیناً ہم اچھے ہونگے۔ ہماری بالکل وہ حالت ہے :-

حکایت : جیسا کہ ایک مکتب کے لڑکوں نے اتفاق کیا کہ آج استاد صاحب سے چھٹی لینی ہے اور تو کوئی سبیل نہ نکل سکی آخر اس پر رائے ٹہری کہ جب استاد صاحب آئیں تو سب مل کر ان کی مزاج پرسی کرو اور انکو بیمار بتلاؤ چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا۔ دو چار لڑکوں کو تو استاد صاحب نے جھڑک دیا لیکن جب متواتر سب نے یہی کہا تو استاد صاحب کو بھی خیال ہوا آخر سب کو گھر لیکر چلے گئے اور حکم کیا کہ تم لوگ دہلیز میں بیٹھکر پڑھو میں آرام کرتا ہوں۔ لڑکوں نے دیکھا کہ مقصود اب بھی حاصل نہ ہوا آخر نہایت زور سے چلا کر پڑھنا شروع کیا' استاد صاحب کو مصنوعی درد وغیرہ تو پیدا ہو ہی گیا تھا چلا کر پڑھنے سے اس میں واقعی ترقی ہونے لگی مجبور ہو کر سب کو چھوڑ دیا۔ جیسا وہ معلم لڑکوں کے کہنے سے مبتلائے وہم مرض جسمانی ہو گیا تھا' ہم سب معتقدین کے کہنے سے مبتلائے وہم مرض نفسانی یعنی مبتلائے گمان تقدس ہو گئے ہیں۔ لیکن بطور لطیفہ یہ بھی کہا جائے گا کہ ایسے لوگوں میں جہاں اپنے کو مقدس سمجھنے کا مرض ہے اسکے ساتھ ہی یہ خوبی بھی ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو بھی مقدس سمجھتے ہیں کہ ان کے خیال کو باوقعت جانتے ہیں تو خیر ان میں جہل کے ساتھ تواضع بھی ہے مگر یہ اعتقاد دوسروں کو اس باب میں سچا سمجھنے کا ایسا ہے کہ جیسے :-

حکایت کسی نائن نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ نتھ اتار کر منھ دھو رہی ہے' نتھ اتری دیکھکر فوراً اپنے شوہر کے پاس دوڑی گئی اور کہا کہ ہماری بیوی صاحب تو بیوہ ہو گئیں جلدی جاکر انکے شوہر کو خبر کر نائی صاحب فوراً اس بیوی کے شوہر کے پاس پہونچے اور کہا حضور آپ کیا بیفکر بیٹھے ہیں آپکی بیوی صاحبہ بیوہ ہو گئیں۔ جہان صاحب نے رونا شروع کر دیا گریہ و بکا کی آواز سنکر دوست احباب اکٹھا ہو گئے سب نے پوچھا تو یہ لغو حرکت معلوم ہوئی دوستوں نے کہا کہ بھائی جب تم زندہ ہو تو تمھاری بیوی رانڈ کیونکر ہو گئیں ؟ آپ فرماتے ہیں کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن یہ نائی نہایت معتبر شخص ہے یہ جھوٹ نہ بولے گا۔ یہی ہماری حالت ہے کہ اپنے گناہوں کا ہمکو علم ہے اپنی حالت خوب جانتے ہیں لیکن محض اس وجہ سے کہ دوسرے لوگ ہمکو اچھا کہتے ہیں ہم بھی اپنے معتقد ہو گئے ہیں۔ اور بعض ایسے بھی ہیں کہ انکا کوئی معتقد بھی نہیں لیکن وہ پھر بھی اپنے معتقد ہیں' تو چونکہ تقدس کا یقین اپنے اوپر ہے اسلئے اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ کیوں ہم پکڑے گئے۔ صاحبو! ہمکو تو

نہ پکڑے جانے پر تعجب ہونا چاہیئے۔ جو شخص روزآنہ ڈکیتی ڈالتا ہو اگر چھ ماہ تک بچا رہے تو تعجب ہے، اور اگر گرفتار ہو جاوے تو کچھ بھی تعجب نہیں۔ ہم لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ جن گناہوں پر مواخذہ نہیں ہوا ان پر خدا تعالیٰ ناراض نہیں ہوئے۔ چنانچہ جب مصیبت کے وقت التفات کرتے ہیں تو نئے گناہوں کو دیکھتے ہیں۔

(۵۳) گناہ پر فوراً ہی مواخذہ نہ ہونے سے بیفکر نہ ہو

یہ کچھ ضروری نہیں کہ اگر گناہ آج کیا ہو تو آج ہی مواخذہ بھی ہو دیکھئے اگر کوئی کچی مٹھائی کھائے تو عادۃً پھوڑے پھنسیاں نکلتی ہیں لیکن یہ کچھ ضروری نہیں کہ جس روز کھایا ہے اسی روز نکلنے لگیں۔ فرعون نے چارسو برس تک خدائی کا دعویٰ کیا لیکن کبھی سر میں درد بھی نہیں ہوا اور پکڑا گیا تو اسطرح کہ ہلاک ہی کر دیا گیا۔ خدا تعالیٰ کے یہاں ہر کام حکمت سے ہوتا ہے کبھی ہاتھ در ہاتھ سزا مل جاتی ہے اور کبھی مدت کے بعد گرفتاری ہوتی ہے۔ علیٰ ہٰذا نیکیوں میں بھی کبھی ہاتھ در ہاتھ جزاء دے دی جاتی ہے کبھی توقف ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے لئے بددعا کی اور وہ قبول بھی ہو گئی چنانچہ ارشاد ہوا قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا (تحقیق تم دونوں کی دعائیں قبول کر لی گئی ہیں) لیکن باوجود دعا کے قبول ہو جانے کے اسی وقت اس پر اثر مرتب نہیں ہوا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعٰنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (پس تم دونوں اپنے کام میں مستقیم رہو اور جاہلوں ناداں کی راہ نہ چلنا) کہ تم دونوں ترتب اثر میں جلدی نہ کرنا کہ یہ نادانوں کا طریقہ ہے بلکہ استقامت اور استقلال سے کام لینا حتیٰ کہ چالیس برس تک حضرت موسیٰ نے انتظار کیا تب اسکے بعد فرعون اور اسکی قوم ہلاک ہوئی ان دونوں واقعوں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ نہ کسی جرم پر فوراً اثر مرتب ہوتا ہے نہ نیکی پر۔ چنانچہ فرعون کو چارسو برس مہلت دی گئی اور حضرت موسیٰ کو چالیس سال تک منتظر رکھا گیا اور جب یہ ہے تو اگر کبھی جرم کی فوراً سزا نہ ملی تو اسکی نسبت یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اس جرم سے خدا تعالیٰ ناخوش نہیں ہوئے یا یہ جرم قابل سزا و گرفت نہ تھا یا ہمکو معاف کر دیا گیا۔

(۵۴) مصیبت کیوقت پہلے گناہوں کو بھول جانا اور نئے گناہ کی سوچ میں پڑ جانا اور یاد نہ آنے پر مصیبت سے تعجب کرنا

لوگ اس غلطی میں مبتلا ہونے کیوجہ سے جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو ہمیشہ وہ نئے گناہ کو دیکھا کرتے ہیں اور جب کوئی نیا گناہ نظر نہیں آتا تو اپنی مصیبت پر تعجب کرتے ہیں گویا نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کیطرف ظلم کی نسبت کرکے یہ کہتے ہیں کہ کرتو ڈر، نہ کر تو ڈر۔ صاحبو! کسی مسلمان کے منہ سے اس جملہ کا نکلنا سخت حیرت ہے۔ کیا کسی کے نزدیک خدا تعالیٰ کی سلطنت اودھ کے نوابوں کی سلطنت ہے جس میں کوئی ضابطہ ہی نہیں جب جس طرح چاہا کر دیا۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا مقصود یہ ہے کہ دنیا کے خطرات کو تو اسقدر مہتم بالشان بنایا کہ کچھ نہ کرکے بھی ڈرتے ہیں اور آخرت کے بارے میں اس قدر غفلت ایسی بے پروائی کہ آئے دن سیکڑوں خرافات میں مبتلا ہیں ہزاروں گناہوں کے بار میں دبے جاتے ہیں لیکن ذرا بھی پرواہ نہیں کیا یہ مرض نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو کیا اسکی تدبیر ضروری نہیں ہے۔ صاحبو! یہ یاد رہے کہ جس قدر اسکی جانب سے غفلت ہوگی تدبیر دشوار ہوتی جائیگی۔ اور صاحبو! ہماری وہ حالت ہے کہ ع۔ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔

(۵۵) دیندار بھی گناہوں کے اصلی معالجہ میں بے پروائی کرتے ہیں

دوسرا مرض جو دینداروں میں زیادہ ہے یہ ہے کہ جب کبھی انکی حالت زار انکو یاد دلائی جاتی ہے تو تنبہ تو ہوتا ہے لیکن صرف اسقدر کہ تھوڑی دیر رو دئے بڑی ہمت کی ایک دو وقت کھانا ترک کر دیا صورت غمگین بنا کر بیٹھ گئے لیکن تدبیر کی جانب ذرا توجہ نہیں بلکہ اس غمگینی میں بھی اگر کوئی دنیا کا قصہ یاد آگیا تو فوراً اس میں مصروف ہو گئے۔ خوب کہا ہے ؎

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند
حق را بسجودے و نبی را بدرودے

(خبردار اس قوم میں سے نہ ہونا جو کہ فریب دینے والے ہیں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کے ذریعہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو درود پڑھ پڑھ کے (یعنی محض ایک ظاہری))

بعض لوگ ان سے بھی چند قدم آگے ہیں کہ تاسف سے پریشان بھی ہوتے ہیں لیکن باوجود اسکے بھی کبھی تدبیر کیطرف توجہ نہیں ہوتی اور تدارک کا خیال نہیں ہوتا حالانکہ نری پریشانی سے کیا ہو سکتا ہے

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

شمارہ ۳ مارچ ۱۹۸۰ء جلد ۳

حامل مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افادات وصی اللٰہی کا واحد ترجمان

چندہ ششماہی
لعہ ۹
نو روپیئے

وصیۃ العرفان
الٰہ آباد

چندہ سالانہ
۱۸
اٹھارہ روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | ایک روپیہ

شمارہ ۳	تاریخ سنہ مطابق جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۲ھ	جلد ۳

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے وصیۃ العرفان کو زمانہ کی حالیہ مشکلات کے باوجود اسی شان کے ساتھ جاری رکھا جو کہ اسکے شایان شان تھی یعنی جس دور میں دشواریوں کے سبب کہیں تو رسالوں کے صفحات کم کئے جا رہے ہوں کہیں زر تعاون نمایاں طور پر بڑھایا جا رہا ہو اور کہیں وقفہ اشاعت کی توسیع پر ارباب ادارہ مجبور ہو رہے ہوں اور کہیں اسکی زیست و بقا ہی خطرے میں پڑ رہی ہو وہاں الحمدللہ حضرت مصلح الامۃؒ کا یہ رسالہ حضرت اقدسؒ کے افادات و اضافات کو بالکل اسی طرح سے احباب اور طالبین تک پہونچا رہا ہے جس طرح سے کہ حضرت والا کی حیات مبارکہ میں یہ خدمت انجام دیتا رہا ہے۔ ناظرین پر یہ امر مخفی نہیں کہ نام کی تبدیلی بھی ہوئی وہ ضرورۃً ہی وقوع میں آئی تاہم اس تبدیلی کو بھی اہل فہم و دانش نے رسالہ کے حق میں برائے نام ہی جانا اور اسکا اصل نفع اور اس سے اپنے انتفاع کا تصور کر کے احباب برابر اسپر اپنی مسرت کا اظہار ہی فرماتے رہے اور الحمدللہ کہ قارئین رسالہ نے ابتو اس پر اپنے کامل اطمینان کا ثبوت بھی دیا ہے، چنانچہ سال جدید کا چندہ بھی برابر آرہا ہے اور احباب نے زر تعاون کا اضافہ بھی بطیب خاطر قبول فرمالیا ہے جو کہ اسکے حق میں انشاء اللہ تعالیٰ فال نیک ہی ہے۔ چنانچہ ابھی حال میں ہمارے ایک محب مکرم نے دہلی سے خط لکھا کہ :-

"آپ نے رسالہ کی قیمت میں صرف" تین روپیہ سالانہ" کا اضافہ کر کے بہت کچھ لکھا ہے تاکہ یہ اضافہ لوگوں کو ناگوار نہ گذرے حالانکہ یہ اضافہ تو ایک نیا پیسہ یومیہ بھی نہیں ہوتا جبکہ ہم ضروریات زندگی اور دیگر عیش و آرام کیلئے روزانہ کئی کئی روپیہ زیادہ خرچ کر دیتے تو یہ تین سو پیسے، تین سو پینسٹھ دن میں کیا اہمیت رکھتے ہیں جبکہ اس رسالہ کا مطالعہ ایک عالم اور ایک ولی کی صحبت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ حالانکہ حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ سے میرا تعلق پیری مریدی کا نہیں ہے۔ مجھے اپنے پیر سے جتنا تعلق ہے اور انکی اہمیت میرے لئے جتنی ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی نہ ہے نہ ہونی چاہیئے، لیکن علماء اور بزرگانِ دین کی عظمت میرے دل میں ہے (بقیہ صـ ۲۳ پر ملاحظہ کیجئے)

چنانچہ پھر اسکے بعد سے شیخ عبادہ شیخ مدین کی خدمت میں رہ پڑے یہاں تک کہ انھیں کے یہاں وفات پائی اور تربۃ الفقراء میں دفن ہوئے ۔

(طبقات الکبریٰ ص ۹۴)

اسی طرح سے حافظ ابن حجر کا واقعہ علامہ شعرانی نے الیواقیت میں نقل کیا ہے کہ انھوں نے ابن فارض کے بعض ابیات تائیہ کی شرح لکھی اور انھیں شیخ مدین کی خدمت میں برائے تقریظ پیش کیا انھوں نے اسی کاغذ کی پشت پر لکھدیا کہ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

سارت مُشرقۃً وسرت مغربا ـــــ شتان بین مشرق ومغرب

(یعنی میری محبوبہ) مشرق میں چلی گئی اور میں نے مغرب کی راہ لی، ظاہر ہے کہ مشرق ومغرب میں بون بعید ہے)

مطلب یہ تھا کہ آپنے اس کوچہ میں تو کبھی قدم رکھا نہیں ہے بلکہ آپ تو علوم ظاہری کے پڑھنے پڑھانے میں رہے ہیں باطن سے متعلق امور کو آپ کیا جانیں ؟ غرض یہ بات لکھکر حافظ ابن حجر کے پاس انکی تحریر واپس کردی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر کو تنبہ ہوا کہ واقعی میں اتنی بڑی دولت سے غافل ہوں ۔ اہل طریق کا اذعان کیا اور انھیں شیخ مدین کے یہاں رہ پڑے اور زندگی ختم کردی ۔

(الیواقیت ص ۱۵ ج ۱)

یہ واقعات میں نے اس پر بیان کئے کہ ہر زمانہ میں علماء ظاہر کو ابتداءً طریق سے انکار اور مشائخ سے وحشت رہی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی عنایت ان کے شامل حال ہوئی اور جہل وعناد کا پردہ قلب سے ہٹا تو پھر ان حضرات کی اور فن کی حقیقت منکشف ہوئی ۔ چنانچہ جب علماء نے کسی شیخ کو مانا ہے تو بہت ہی زیادہ مانا ہے ۔ علماء طریق نے اس قسم کے واقعات کو جمع کردیا ہے جن سے اہل ظاہر کا ابتداءً مشائخ پر انکار اور انتہاءً ان سے اعتذار کا پتہ چلتا ہے ۔ اور ایسے بھی واقعات بیان فرمائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیاء محققین اور مشائخ کاملین

کا اتباع سنت میں بھی قدم راسخ تھا چنانچہ یہ حضرات اس باب میں بھی علمائے ظاہر سے کچھ پیچھے نہ تھے بلکہ ان کے خلوص ہی کی برکت تھی کہ انکا صرف ایک واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت پیدا کرنے میں وہ تاثیر رکھتا تھا کہ علمائے ظاہر بڑی بڑی تقاریر سے بھی اس جیسے اثر کے پیدا کرنے سے قاصر رہے۔ اور یہ اس لئے کہ علمائے ظاہر کی رسائی تو صرف حدیث ہی تک ہوتی تھی اور ان حضرات کی رسائی صاحب حدیث صلی اللہ علیہ وسلم تک ہو جاتی تھی۔ وہ حضرات تو صرف قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل ہوتے ہیں اور ان حضرات کو حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حصہ ملا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے عمل میں ایک روح اور قول میں جان ہوتی ہے۔ چنانچہ اسکے اسی روح اور اثر کا بیان شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہٗ ان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بہت ہی خوب فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

"اولیاء اللہ کا کلام نامرد کو مرد اور مرد کو شیر مرد بنا دیتا ہے"

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تاثیر کلام کو نہایت اچھے عنوان سے سمجھایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

گفتِ انساں پارۂ انساں بود پارۂ از ناں یقیں ہم ناں بود

(یعنی انسان کا کلام مثل جزو انسان کے ہے تابع ہوتے ہیں۔ پس جیسا متکلم ہوگا ویسا ہی اس کا کلام بھی ہوگا۔ جس طرح سے کہ روٹی کا ٹکڑا روٹی ہوتا ہے)

چنانچہ جب یہ حضرات کامل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے انکی نسبت صحیح ہوتی ہے تو پھر انکے قلبی حال کا اثر انکے کلام میں بھی آجاتا ہے۔۔

یہ کہہ رہا تھا کہ ہر زمانہ میں اہل طریق میں سے کاملین اور قابل اتباع وہی حضرات سمجھے گئے ہیں جنکا قدم عمل بالشریعت اور اتباع سنت میں راسخ تھا۔ اسوقت میں آپکے سامنے اس امر کے اثبات کیلئے دو واقعات بیان کرتا ہوں جنھیں میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں اور اسوقت پھر بیان کرتا ہوں، ان سے ان حضرات کا شریعت محمدیہ

کے ساتھ شغف اور تعلق کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کے مکتوبات میں ہے کہ شیخ الاسلام شیخ فتح اودھی تین روز متواتر سماع میں مشغول رہے اور پانچوں وقت نمازیں ادا کرتے رہے۔ تین دن کے بعد جب سکون ہوا تو احباب نے عرض کیا کہ تین دن گذر گئے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ ان ایام میں میں نے نماز ادا کی ہے؟ عرض کیا جی ہاں حضرت نے سب نمازیں ادا فرمائی ہیں۔ اس کے بعد شیخ محمد عیسیٰ جو حضرت کے خلیفہ تھے ان کے پاس یہ مسئلہ دریافت کرنے کیلئے بھیجا کہ ان ایام میں مجھے ہوش نہیں تھا تو میں نے جو نمازیں پڑھی ہیں وہ صحیح بھی ہوئی ہیں یا نہیں؟ شیخ محمد عیسیٰ نے جواب میں لکھا کہ حقیقت میں نماز تو وہی ہوئی جو حضرت مخدوم نے (اس حالت میں کہ قلب ماسوی اللہ کے تعلق کو چھوڑ چکا تھا) ادا فرمائی لیکن شریعت کی رعایت کی وجہ سے دوبارہ پڑھ لیں ــــ سبحان اللہ حضرت کا یہ حال اور ان کا یہ فتویٰ عدیم المثال ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ سے کسی نے عرض کیا کہ حضرت جب ہوش نہیں تھا تو نمازیں وقت اور تعداد رکعت وغیرہ کا اہتمام کیسے فرماتے تھے؟ حضرت رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اُنکو ادھر کا ہوش نہیں تھا لیکن اُدھر کا پورا ہوش تھا۔

میں کہتا ہوں کہ واقعی عجیب حال ہے بیہوش ہیں لوگ سمجھ رہے ہیں کہ انکو ہوش نہیں ہے لیکن وضو نماز اور رکعتوں کی تعداد وغیرہ سب چیزیں صحیح طور پر ادا ہو رہی ہیں۔ بلاشبہ یہ ان حضرات کے کمال تعلق مع اللہ اور اہتمام بالاوامر کی بین دلیل ہے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ ان حضرات کی کرامت بھی ہے اور استقامت بھی۔ دوسرا واقعہ سنیئے۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ شیخ شرف الدین پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے لب کے بال بہت بڑھ گئے تھے مگر کسی کی ہمت نہوتی تھی کہ انکو کاٹ دے قاضی ضیاء الدین سنامی قدس سرہٗ چونکہ شریعت کا جوش دلیں رکھتے تھے ایکدن

انھوں نے ایک ہاتھ میں قینچی لی اور دوسرے سے انکی ریش مبارک پکڑ اسکے لب کے بال کاٹ دیئے اس واقعہ کے بعد حضرت ہمیشہ اپنی داڑھی کو بوسہ دیتے تھے اور یہی فرماتے تھے کہ یہ ایک بار شریعت محمدی کی راہ میں پکڑی گئی ہے (اسلئے قابل قدر ہوگئی ہے) سبحان اللہ سنت اور شریعت کی محبت ملاحظہ فرمائیے کہ اصل چیز تو الگ رہی جس چیز کو سنت اور شریعت سے ذرا بھی نسبت ہو جاتی تھی اسکا بھی یہ حضرات اس درجہ احترام فرماتے تھے اور بالکل اسکا مصداق تھے کہ ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

(میں اپنی آنکھوں پر ناز کرتا ہوں کہ انھوں نے تیرے جمال کا مشاہدہ کیا ہے اور اپنے پیروں پر فدا ہوتا ہوں کہ وہ تیرے کوچہ میں پہونچے ہیں اور اپنے ہاتھ پر ہزاروں بوسے دیتا ہوں کہ اس نے تیرے دامن کو پکڑ کر میری طرف کھینچ لیا ہے۔

چونکہ شریعت میں دو گواہ ہوتے ہیں اسلئے انھیں دو واقعات پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ بزرگوں کے اس قسم کے واقعات سے دفاتر بھرے ہوئے ہیں اور شریعت کا ادب ان حضرات کے قلوب میں اسدرجہ راسخ تھا کہ اسکی مخالفت تو کیا کرتے کبھی کوئی موقع آگیا ہے اور گنجائش بھی ہوئی تب بھی اسکی مزاحمت تک گوارا نہ کی

ایک بزرگ کتا پالے ہوئے تھے ایک عالم اسکے یہاں تشریف لے گئے انھوں نے اسپر نکیر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت حدیث شریف میں کتا پالنے کی ممانعت آئی ہے۔ یہ آیا ہے کہ جس گھر میں کتا ہوتا ہے اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے حالانکہ حدیث شریف میں استثناءً بھی آیا ہے یعنی حراست (حفاظت ۱۲) کے لئے اور شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے وہ بزرگ اتنا تو جانتے ہی تھے مگر انھوں نے ان عالم کی زبان سے یہ حدیث سنکر ذرا بھی مزاحمت نہیں کی بلکہ اس کتے کو مخاطب کرکے کہا کہ بھیّا! یہاں سے چلے جاؤ مولوی صاحب کہہ رہے ہیں کہ نبی ﷺ صاحب نے کتا پالنے کو منع فرمایا ہے۔ یہ سننا تھا کہ کتا اٹھا اور ایک طرف کو چل دیا

پھر اسکے بعد کسی نے اسکو وہاں دیکھا نہیں معلوم نہیں کسی اور شہر چلا گیا یا کہیں ڈوب مرا۔ بہرحال ان بزرگ کا یہ عمل یعنی شریعت کی اتباع اور سنت سے عدم مزاحمت اور انکی صحبت کی وجہ سے کتے پر یہ اثر قابل عبرت ہے۔

غرض یہ حضرات اپنی ایک روشن تاریخ رکھتے ہیں اور چونکہ یہ ایک فعال جماعت تھی اسلئے کسی کی مجال نہ تھی کہ انکو کچھ کہہ سکے۔ لیکن اب جو صوفیہ کے متعلق لب کشائی کی جرأت ہو جاتی ہے یا اس سے بھی آگے بڑھکر تصوف ہی کا جو انکار ہو رہا ہے تو یہ بات نہیں کہ جماعت کوئی بری جماعت ہے یا تصوف کوئی بری چیز ہے، بلکہ ہوا یہ کہ جو لوگ اس جماعت میں داخل ہوگئے بہت سے ان میں ایسے بھی تھے جو اسمیں داخل ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ جس جگہ اور جس جماعت میں نااہل پہونچ جائیں گے تو وہ جگہ فاسد اور وہ جماعت بدنام ہو ہی جائیگی۔ اب اسکی وجہ سے اصل شئے کو تو برا نہیں کہہ سکتے اور نہ اسکا انکار ہی کر سکتے ہیں ورنہ تو تعلیم وتعلم وعظ و تبلیغ حق کہ ایمان و اسلام ان میں سے کونسی چیز آج خیرالقرون کے مانند موجود ہے حالانکہ انکا کوئی بھی منکر نہیں بلکہ یہاں نقص کی نسبت لوگوں ہی کی جانب کیجاتی ہے۔

میں یہاں ایک اور بات کہتا ہوں وہ یہ کہ ان حضرات کی حقانیت کی ایک روشن دلیل یہ بھی ہے کہ جس طرح کہ انھوں نے علمائے ظاہر کو انکی خشکی پر تنبیہ فرمائی ہے اور اس سے نکلنے کی ترغیب دی ہے اسی طرح سے اپنے ہم مشرب یعنی جماعت صوفیاء میں جو غیر مخلص داخل ہو گئے ہیں انکی بھی کچھ کم خبر نہیں لی ہے ایسا ایسا کہا ہے کہ کیا کوئی دوسرا کہیگا۔ مثال کے طور پر ہم یہاں سید احمد کبیر رفاعی قدس اللہ سرہٗ جو اپنے زمانہ کے شیخ کامل اور زبردست مصلح تھے انکا کلام پیش کرتے ہیں۔ علماء کو نصیحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"تجھکو تیرے دعوی علم نے تباہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے اللہ میں ایسے علم سے جو نفع نہ دے آپکی پناہ

مانگتا ہوں (اب بتلا جس علم سے حضورؐ نے پناہ مانگی ہے اس پر تیرا ناز کہاں تک زیبا ہے) اے محبوب تو ہمارے دروازوں پر پہرہ دے کیونکہ تیرا جو وقت اور درجہ ہمارے دروازوں پر گذرے گا وہ تیرے لئے ایک اعلیٰ درجہ اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کا وقت ہوگا کیونکہ ہمارا رجوع اللہ کی طرف صحیح ہو چکا ہے (اسلئے جو ہمارے پاس آتا ہے اسکو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کی توفیق ہو جاتی ہے)

(فائدہ) دیکھئے فرما رہے ہیں کہ اے محبوب تو ہمارے دروازوں کا پہرہ دے اور آگے اسکی وجہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ اسلئے کہ ہمارا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح ہو چکا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جسکا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح ہو چکا ہے یعنی صدق پیدا ہو چکا ہے تو اسکو حق ہے کہ دوسروں کا رجوع صحیح کرانے کیلئے انکو اپنی طرف دعوت دے اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ میرا رجوع تو صحیح ہو چکا ہے لہٰذا میرے واسطے سے انکا رجوع بھی صحیح ہو جائے گا لیکن جسکا اپنا رجوع ابھی اللہ تعالیٰ کیطرف صحیح نہ ہوا ہو اور جس کے اندر ابھی خود ہی صدق نہ پیدا ہوا ہو اسکے لئے اسطرح کی باتیں کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ رہزنی ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ یعنی ان لوگوں کے راستہ کا اتباع کرو جو میری جانب رجوع کر چکے ہیں۔ (سیدنا رفاعیؒ نے اپنے قول کی کہ ہمارے دروازوں کا پہرہ دے یہ دلیل بیان فرمائی)

(البنیان المشید ص۵۵)

اسی طرح سے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:۔

بزرگو! ذکر اللہ کی پابندی کرو کیونکہ ذکر وصال حق کا مقناطیس ہے قرب کا ذریعہ ہے۔

(فائدہ) یہ جو فرمایا کہ وصال حق کا مقناطیس ہے یہ اصل وضع کے اعتبار سے ہے اور اسکے لئے شرط یہ ہے کہ انسان میں صدق اور طلب ہو اسکے ساتھ جب ذکر کیا جائے گا تو بلاشبہ وہ وصال حق کا مقناطیس ہی ہے۔ لیکن اگر اس میں کسی اور چیز کی آمیزش ہو جائیگی تو پھر وہ ذکر وصال حق کا ذریعہ تو کیا ہوگا پاگل ہو جانے اور دماغ ہی خراب ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ اور جیساکہ ہم نے واقعات میں اسکا مشاہدہ کیا ہے کہ ذکر بالجہر یا کثرت ذکر کیوجہ سے لوگ پاگل تک ہو گئے ہیں اور جنگل کا راستہ لیا ہے۔ آگے فرماتے ہیں:-

"جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ سے مانوس ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہوا وہ اللہ تک پہونچ گیا (مگر یاد رکھو کہ) ذکر اللہ صحبت مشائخ کی برکت سے دل میں جمتا ہے (کیونکہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے (تو ایسے لوگوں سے تعلق پیدا کرو جن کے دل میں خدا کی یاد جم چکی ہے تم کو بھی یہ دولت نصیب ہوگی ورنہ غافلوں کی صحبت میں رہکر یا تنہا خلوت میں رہکر یہ دولت حاصل نہ ہوگی) ہم سے صحبت پیدا کرو (کیونکہ) ہماری صحبت آزمایا ہوا تریاق ہے (اور) ہم سے دور رہنا زہر قاتل ہے۔

(فائدہ) میں کہتا ہوں کہ مشائخ کی صحبت کو تریاق اسلئے فرمایا کہ حُبّ دنیا حُبّ جاہ اور محبت مال ایک قسم کا زہر ہے اور تریاق زہر مار کو کہتے ہیں پس جس طرح سے تریاق کا استعمال زہر کے اثر اور اسکے ضرر کو ختم کر دیتا ہے اسی طرح اہل اللہ کی صحبت بھی انسان سے حب مال و حب جاہ کے ضرر کو ختم کر دیتی ہے کیونکہ یہ لوگ خود اپنے دل سے اسکی محبت ختم کر چکے ہوتے ہیں اسلئے جو انکی صحبت میں رہتا ہے اس سے بھی یہ چیزیں ختم ہو جاتی ہیں کیونکہ صحبت کا اثر لازمی ہے۔ اور میں یہاں ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ جس طرح سے بزرگوں کی صحبت اپنی شرائط معتبرہ یعنی صدق و طلب کے ساتھ تریاق ہے اسی طرح سے بزرگوں کا پاتا اور انکی خدمت میں پہونچکر بھی اخلاص

نہ حاصل کرنا اور اپنے اندر صدق وطلب نہ پیدا کرنا یہ بھی اس جاننے والے کے لئے عذاب ہے ۔ سیدنا رفاعیؒ تو یہ فرما رہے ہیں کہ ہم سے دور رہنا زہر قاتل ہے لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ صرف دور ہی رہنا نہیں بلکہ قریب بھی رہنا مگر شرائط صحبت نہ اختیار کرنا اور صدق وطلب اپنے اندر نہ پیدا کرنا یہ بھی سم قاتل ہے ۔ چنانچہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے اور واللہ باللہ تاللہ کہتے تھے لیکن اخلاص نہیں حاصل کیا اس لئے اسی میں ختم ہی ہو گئے۔ آگے فرماتے ہیں کہ :-

" اے ہم سے محجوب رہنے والے تیرا یہ خیال ہے کہ عالم بنجانے کے بعد تجھے ہماری ضرورت نہیں (بتلا) اس علم سے کیا فائدہ جس پر عمل نہیں اور اس عمل سے کیا فائدہ جس میں اخلاص نہیں (اور اخلاص کا حاصل کرلینا آسان نہیں وہ لفظوں کے یاد کرلینے سے حاصل نہیں ہوتا) اخلاص ایک خطرناک راستہ کے (پار اس) کنارے پر ہے (اب بتلا) تجھے عمل کیلئے کون اٹھائے گا ۔ ریا کے زہر کا کون علاج کرے گا جو تیرے اندر بھرا ہوا ہے اور اخلاص حاصل ہوجانے کے بعد تجھے بے خوف و خطر راستہ کون دکھائے گا (کیا یہ درسی کتابیں اور کتابوں کے پڑھانے والے بتلائیں گے ۔ نہیں ہرگز نہیں) جاننے والوں سے پوچھو اگر تم خود نہیں جانتے فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ خدائے علیم وخبیر نے ہمکو یہی طریقہ بتلایا ہے (کہ جس بات کا تم کو علم نہ ہو جاننے والوں سے معلوم کرو) ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ :-

" عزیز من ! مجھ سے دل کا علم یعنی روحانی علم تو لے لے ۔ مجھ سے شوق کا علم لے لے (یہ سب کچھ تو لے سکتا ہے مگر) اے محجوب (یعنی اے محروم) تو مجھ سے کہاں سے لے سکتا ہے ۔ مجھے تو تجھ سے پہلے ہی حقیقت کا کشف ہو چکا ہے (یعنی میں جانتا ہوں کہ تجھکو ان علوم

سے میرے الفاظ کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا کیونکہ تجھے مجھ سے مناسبت ہی نہیں تو میرا دل میرا ذوق تجھکو نہیں مل سکتا اور جب تک تو میرے دل کو میرے ذوق کو نہ لیگا کام نہیں چلے گا) عزیز من اگر تو میری نصیحت کان لگا کر دل سے سنتا تو میرا اتباع کرتا (جب تو اتباع نہیں کرتا تو یہ اسکی دلیل ہے کہ تیرا دل میری باتوں کو قبول نہیں کرتا ۔"

(البنیان المشید ص۴۹)

سی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ :-

"بزرگو! تمھارے اندر بعضے فقہا اور علماء بھی ہیں ۔ تم وعظ کی مجلسیں بھی منعقد کرتے ہو درس بھی دیتے ہو احکام شرعیہ بھی بیان کرتے ہو (مفتی بنکر) لوگوں کو احکام بھی بتلاتے ہو خبردار چھلنی کی طرح نہ ہو جانا کہ وہ عمدہ آٹا تو نکال دیتی ہے اور بھوسی اپنے پاس رہنے دیتی ہے اسی طرح (تمھارا یہ حال نہ ہونا چاہئے کہ تم اپنے منھ سے تو حکمت کی باتیں نکالتے رہو اور دلوں میں کھوٹ رہ جائے کہ اسوقت تم سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر (عمل کرنے کا) مطالبہ کیا جائیگا اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ یعنی کیا دوسروں کو تو نیکی کی تاکید کرتے ہو اور اپنے آپ کو نیکی سے بھلائے دیتے ہو۔

(البنیان المشید ص۴۹)

یہ سارا خطاب علماء کو تھا اسی طرح سے اپنے زمانے کے صوفیوں کو بھی ان کے رسوم پر سخت تنبیہ فرماتے ہیں چنانچہ ان پر نکیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

پہلے صوفی بن جا تاکہ ہم بھی تجھے صوفی کہیں ۔ میرے پیارے تیرا یہ گمان ہے کہ یہ طریقت تیرے باپ کی میراث ہے، تیرے دادا سے سلسلہ بسلسلہ چلی آرہی ہے ، تیرے پاس بکر و عمر کے نام سے آجائیگی تیرے شجرۂ نسب میں داخل ہو جائیگی تیرے خرقہ کے گریبان پر تیرے

کلاہ پر منقش ہو جائے گی۔ تو نے سرمایۂ طریقت کو سمجھ لیا ہے کہ اذنی لباس ہو ایک کلاہ ہو، ایک لاٹھی ہو، ایک گدڑی، ایک بڑا سا عمامہ ہو، بزرگوں جیسی شان و صورت ہو۔ نہیں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تیرے دل کو دیکھتا ہے۔ تیرے دل میں خدا کے اسرار اور اسکے قرب کی برکت کیونکر ڈالی جائے کہ وہ تو کلاہ و خرقہ و تسبیح اور عصا اور اثاث کے حجابوں میں گرفتار ہوکر اللہ تعالیٰ سے غافل ہو رہا ہے یہ عقل کس کام کی جو نور معرفت سے کوری ہو۔ یہ سر کس کام کا جو جوہر عقل سے خالی ہو۔ اے مسکین تو نے اس جماعت کے جیسے کام تو کئے نہیں اور ان کا لباس پہن لیا۔

عزیز من! اگر تو اپنے دل کو مار کر خوف کا لباس پہن لیتا اور ظاہر کو لباس ادب سے آراستہ کرتا اور نفس کو ذلت کا لباس پہناتا اور انانیت (تکبر) کو فنا کا لباس پہناتا اور زبان کو ذکر کے لباس سے آراستہ کرتا اور ان سب حجابوں سے (جن میں تو پھنسا ہوا ہے) چھوٹ جاتا اسکے بعد اگر یہ لباس پہنتا تو تیرے لئے بہت بہتر ہوتا (اور) بہت بہتر ہوتا مگر تجھ سے یہ بات کیونکر کہی جائے (یہ تیری سمجھ میں نہ آئیگی) تو نے تو سمجھ لیا ہے کہ میری کلاہ اس جماعت جیسی کلاہ ہے۔ میرا لباس انکے لباس جیسا ہے سب کی صورتیں ملی جلی ہیں (مجھ میں اور ان میں کیا فرق ہے) حالانکہ دل مختلف ہیں (اور سب سے زیادہ ضرورت دل ہی کے ملنے کی ہے) اگر تجھکو اپنی حقیقت معلوم ہوتی تو ماں، باپ، دادا، چچا اور لمبا کرتا اور کلاہ و تخت و زینہ سب سے الگ ہو جاتا اور خدا کی قسم (خدا کو ڈھونڈھنے کیلئے) ہمارے پاس آتا اور پھر اچھی طرح ادب حاصل کرکے یہ لباس پہنتا۔ اور میرا گمان تو یہ ہے کہ حسن ادب (حاصل ہو جانے) کے بعد تو اپنے نفس کو اس لباس اور تمام فضولیات سے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی ہیں خود ہی الگ

کرسے گا:

اے مسکین! تو (اس وقت) اپنے وہم پر چل رہا ہے۔ اپنے خیال پر راستہ طے کر رہا ہے۔ اپنے جھوٹ اور عجب و غرور کے ساتھ چل رہا ہے انانیت اور تکبر کی ناپاکی لادے ہوئے ہے اور سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے (تکبر کے ساتھ ایک قدم بھی طے نہیں ہو سکتا) تواضع کا علم سیکھ، عبرت کا سبق پڑھ، مسکنت اور انکسار کا علم حاصل کر۔

(البنیان المشید ص۲۳)

اسی طرح سے دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے سے قریب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

عزیز من! ان مسکین صوفیوں سے جو حجاب میں پڑے ہوئے ہیں پوچھو کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمھارے شہروں میں کوئی ایسا عالم موجود رہے جو بدعتیوں کے شبہات کا روشن دلیلوں سے جواب دیتا رہے (اگر نہیں چاہتے تو یہ تمھاری جہالت اور حماقت ہے اور اگر چاہتے ہو تو علماء کی ضرورت کو تم نے تسلیم کر لیا پھر ان پر اعتراض اور انکار کیوں کرتے ہو)۔

عزیز من! اسی طرح ان غریب علماء سے بھی جو حجاب میں پڑے ہوئے ہیں پوچھو کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمھارے شہروں میں کوئی ایسا شخص رہے جو زبردست کرامتوں سے منکروں اور گمراہوں اسلام کے مخالفوں معاندوں کو دبا دے (اور مغلوب کر دے) جنکو دیکھکر مخالفین اسلام خود ہی بول اٹھیں کہ واقعی اسلام سچا مذہب ہے بحث و تکرار کی نوبت ہی نہ آوے۔ کیا تمھارا دل یہ چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی زبان کا سلسلہ بند ہو جائے۔ تمھارے نفس یہ خواہش کرتے ہیں کہ معجزات نبویہ کی سلطنت جاتی رہے (اگر تمھاری یہی خواہش ہے تو اپنے ایمان کی خیر مناؤ) اگر نہیں تو بتلاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی ترجمان کون ہے اور حضورؐ کے معجزات کا نمونہ کس کے پاس ہے؟ تمھارے یا

صوفیہ کے ، اگر یہ لوگ نہ رہے تو حضورؐ کے روحانی اور باطنی کمالات کا نمونہ دنیا کو کون دکھلائے گا آیت یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَہٗ نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ (جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو ان کے ساتھ ایمان والے ہیں انکو رسوا نہ کریگا ان کا نور آگے آگے اور دائیں جانب چلتا ہوگا) گواہی دے رہی ہے کہ نبوت احمدیہ کی یہ باطنی زبان اور سلطنت محمدیہ ہمیشہ باقی رہیگی (اور آیت) نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ (ہم تمھارے اولیاء ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی) ان حقائق کے دوام (بقا) کو ثابت کر رہی ہے تم (اس تفریق سے کہ کہ صوفی علماء پر اعتراض کرا اور علماء صوفیہ پر) اپنی بربادی کے لئے کنواں کھود رہے ہو۔

اے خواص ! اے عوام ! اے وہ حضرات جو دونوں قسم کی شان رکھتے ہو تم سب ایک ہی جماعت ہو اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ اللہ کے نزدیک دین ایک ہی ہے یعنی اسلام (کسی نے کیا خوب کہا ہے

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی اسکا نبیؐ دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں)

اسی طرح سے ایک اور مقام پر دونوں جماعتوں کو انکے مقصود کی جانب متوجہ فرماتے ہیں اور انکے حقیقی نقص پر جو دونوں جماعتوں میں مشترک ہے تنبیہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں :۔

بزرگو ! صوفیہ کے طریق کا منتہی وہی ہے جو فقہا کے طریق کا منتہی ہے اور فقہاء

کے طریق کا منتہیٰ وہی ہے جو صوفیہ کے طریق کا منتہیٰ ہے۔ جن گھاٹیوں میں پھنس کر فقہا مقصود کی طلب سے رہ جاتے ہیں انھیں گھاٹیوں میں صوفیہ بھی اپنے سلوک میں مبتلا ہوتے ہیں (دونوں کو مقصود سے روکنے والی ایک ہی چیز ہے یعنی غرض نفسانی اور محبّ دنیا اور حب جاہ۔ اور دونوں کو مقصود تک پہونچانے والی بھی ایک ہی چیز ہے یعنی اخلاص اور ماسوائے حق سے رُخ پھیرلینا) طریقت عین شریعت ہے اور شریعت عین طریقت ہے۔ دونوں میں صرف لفظی فرق ہے اصل اور مقصود اور نتیجہ دونوں کا ایک ہے (اور نزاع لفظی کو ہم مثال سے سمجھا چکے ہیں) میرے نزدیک جو صوفی فقیہ یعنی عالم کی حالت پر انکار کرے یقیناً مبتلائے قہر ہے اور جو فقیہ، صوفی کی حالت پر انکار کرے وہ بھی راندۂ درگاہ ہے۔ ہاں اگر کوئی عالم صرف اپنی زبان سے حکم کرتا ہو شریعت کی ترجمانی نہ کرتا ہو یا صوفی اپنے طور پر راستہ طے کر رہا ہو شریعت کے موافق نہ چلتا ہو تو پھر ایک دوسرے کو برا کہنے میں کسی پر گناہ نہیں۔ پس یہاں صوفی کامل اور فقیہ عارف مراد ہے (یعنی ان دونوں کا منتہیٰ ایک ہے اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے پر انکار نہیں کرسکتے۔ اور اگر کریں گے تو یقیناً وہ تصوف اور علم شریعت سے ناواقف ہونے کی بنیاد پر کریں گے۔

(البنیان المشید ص۱۸۵)

میں کہتا ہوں دیکھئے سیدنا رفاعیؒ حقیقی صوفی پر انکار کرنے سے منع فرما رہے ہیں، اور آج یہ حال ہے کہ اصل تصوف ہی کا انکار کیا جا رہا ہے یہ بھلا کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ باقی سیدنا رفاعیؒ نے اپنی ان عبارات میں جو ذرا تیز تیز کہا تو اسکا منشاء یہ ہے کہ اپنے پاس آنے والوں کو حقیقت کیطرف رجوع کر رہے ہیں کہ انکی طرف رجوع کرنے سے دنیاوی اغراض مدنظر نہ ہونا چاہیئے مثلاً مال جا

کیونکہ وضع ان حضرات کی دنیا میں مخلوق خدا کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے لئے ہے اگر یہ لوگوں کو حاصل نہو تو یہ قلب موضوع ہے اور خلاف منشاء الٰہی ہے۔ اور (اسی لئے) اس جماعت کا اصل دین الٰہی کا حاکی ہونا ضروری ہے ورنہ پھر فساد ہی فساد ہے۔ ترجمان ۱۲

حضرت رفاعیؒ نہایت ہی متواضع بزرگ گذرے ہیں سخت کلامی اور درشت گوئی انکی عادت نہیں تھی لیکن یہ حضرات جب سمجھ لیتے تھے کہ بدون لہجہ کچھ سخت اختیار کیے ہوئے مخاطب پر اثر نہیں پڑے گا اسوقت اپنی طبیعت کے بالکل خلاف محض اسکی مصلحت سے کچھ تیز بھی کہدیتے تھے۔

میں کہتا ہوں یہ حضرات اس باب میں بھی متبع سنت ہوئے ہیں اسلئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اذا ظهرت الفتن او قال البدع وسُبّت اصحابی فلیظهر العالم علمه فمن لم یفعل ذالك فعلیه لعنة الله والملائكة والناس اجمعین ولا یقبل الله صرفا و لا عدلا یعنی جب فتن کا یا یہ فرمایا کہ بدع کا شیوع ہو جاوے اور میرے صحابہ کو گالیاں دی جائیں تو چاہیئے کہ عالم اپنے علم کو ظاہر کرے پس جو شخص ایسا نہ کریگا اس پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نہ تو فرض قبول فرمائیں گے اور نہ نفل۔

دیکھئے اس حدیث سے جس طرح یہ معلوم ہوا کہ عالم دین کیلئے ضروری ہے کہ وقت پڑ جانے پر اپنے علم کو ظاہر کرے کیونکہ اگر وہ ایسے وقت میں بھی اپنے علم کو ظاہر نہ کرے گا تو ضلالت پھیل جائیگی اور گمراہی عام ہو جاوے گی۔ اسیطرح سے طریق کا بھی حکم معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو طریق کی گمراہیوں اور بدعتوں نیز اسکے واجبات کو اور اس طور و طریقہ کو جس پر انھوں نے اپنے بزرگوں کو پایا ہے صاف صاف بیان فرماتے رہیں اور اگر ضرورت سمجھیں تو اپنے پاس آنے جانے والوں کو زجر و توبیخ بھی کریں اور یہ بیان ایسے وقت کیلئے ضروری ہے بلکہ حق مقام کو ادا کرنا ہے اور ان حضرات کی سب سے بڑھکر عبادت ہے۔ چنانچہ منہج العمال میں شیخ کی شرائط میں لکھا ہے کہ:۔

(مکتوب نمبر ۱۶۹)

حال: بمبئی کے بعض خطوط سے دانتوں کی تکلیف کی اطلاع ملی ہے جس سے ایک گونہ تفکر ہوا تھا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی کے بعد سکون کی خبر مل گئی اللہ تعالیٰ مکمل صحت عطا فرمادیں۔

یہاں کا موسم اب کافی بدل گیا ہے۔ روزانہ تھوڑی بہت بارش ہوجاتی ہے جسکی وجہ سے ہوا میں کافی ٹھنڈک پیدا ہوگئی ہے۔ رات کو تو کافی خوشگوار خنکی رہتی ہے۔ اب تو ہم خادموں کو پورا یقین ہے کم از کم مجھکو کہ جس طرح حضرت والا کی دعاؤں کی برکت سے بمبئی کا خطرناک امساک باراں سیرابی سے بدل گیا اسی طرح اس نواح کی بھی قلت باراں، قدموں کے یہاں آنے کے بعد ہی سیرابی سے بدل جائیگی۔

اب یہی دعا ہے کہ ہم ایسے ناقص لوگوں کے ٹوٹے پھوٹے اخلاص اور اور نامکمل محبت وعقیدت میں اللہ تعالیٰ یہ جذب پیدا فرمادیں کہ حضرت والا کی تشریف آوری اب جلدی ہوجائے۔ ع۔ بر کریماں کارہا دشوار نیست

تحقیق: آپ کا خط ملا تھا (مراد اس سے مکتوب بالا ہے) جواب دے چکا ہوں دانتوں میں اب کوئی تکلیف نہیں ہے۔ موسم بدلنے کی اطلاع اب تو سب ہی لوگ دے رہے ہیں، تو بھائی موسم تو کبھی نہ کبھی بدلے ہی گا، میں نے لکھ بھی دیا ہے کہ جب یہاں ٹھہر گیا ہوں تو خیال ہوا کہ کچھ کام ہی کر کے چلا جائے۔ چنانچہ یہاں الحمدللہ لوگ متوجہ ہیں اور خوب کام ہو رہا ہے۔ اسی پر لکھا تھا کہ یہاں کام ہو رہا ہے آپ جو وہاں مجھے بلا رہے ہیں تو کسی عزم جدید کے ساتھ اور کچھ کام کرنے کے داعیہ کے ساتھ یا یونہی بدن پر گرنے کیلئے تو اب میں تبرک بننے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ کچھ کام کر کے دکھلایئے۔

(مکتوب نمبر ۱۷)

حال: حضرت والا کے تنبیہانہ استفسار کا علم ہوا اپنے متعلق اسکا اظہار اور اقرار اپنا فرض رکھتا ہوں۔ یہ صرف حضرت والا ہی کی شفقت وصحبت۔ تعلیم و توجہ اور صحبت باطنی ہی تھی جس نے مجھ جیسے بدراہ بلکہ گمراہ کو حق تعالیٰ کے راستہ پر ڈال دیا۔ غفلت جو میری طبیعت بن چکی تھی اسکی جگہ حضرت والا ہی نے تنبہ وتذکر پیدا کر دیا اس پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور حضرت والا کیلئے برابر دعاء کرتا ہوں اور (حضرت والا کو برابر) دعائیں دیتا ہوں

تحقیق: جو کلمات تحریر فرمائے ہیں، راستہ پر پڑجانا۔ تذکر۔ تنبہ مبارک ہو۔

حال: میرے اندر طلب یقیناً کم ہے، سلوک میں رفتار یقیناً سست اور بہت سست ہے مگر مجھ میں طلب کا ایک ادنیٰ ذرہ اور رفتار میں تسلسل موجود ہو اور یہ حضرت والا کی برکت سے ہوا ہے۔

تحقیق: غنیمت ہے۔ الحمدللہ۔

حال: ان حالات میں برابر اپنے کو حضرت والا مدظلہ کی تعلیم وصحبت کا محتاج پاتا ہوں

تحقیق: الحمدللہ۔

حال: عرصہ ایک ہفتہ سے دن ورات یہ دعا مانگنے کی توفیق ہوئی ہے کہ اللّٰھم اجعل ھمّی ھمًّا واحداً ھمّ الآخرۃ۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: اور یہ کہ ؎ رستے خواہم بنا گہ بے تعب کہ ندارم من ز کوشش جز طلب اس دعاء پر حضرت والا سے بھی سفارش دربار خداوندی میں چاہتا ہوں۔

تحقیق: دعاء اسکی کرتا ہوں۔

حال: بہرحال میں پھر عزم کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ خدا سے محبت پیدا کرنے میں غفلت نہ کرونگا

تحقیق: اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ؎

چہ خوش گفت درویش کوتاہ دست　　　بشب توبہ کردہ بسحر گہ شکست
گر او توبہ بخشد بماند درست　　　کہ پیمان ما بے ثبات است وسست

(یعنی کیا عمدہ بات کہی ایک متواضع اور عاجز درویش نے جس نے کہ رات کو توبہ کی تھی اور آخرشب میں اسے توڑ ڈالی تھی (اسنے یہ کہا کہ) جب اللہ تعالےٰ ہی توبہ کی توفیق بخشیں تو وہی توبہ تو سچی اور پائیدار ہوسکتی ہے باقی ہمارا عہدو پیمان تو بالکل کچا اور کمزور ہی ہے اسکا کچھ اعتبار نہیں۔ یہ نصیحت حضرت اقدس نے ان سالک کے عزم کرتا ہوں پر فرمائی کہ ہاں اس باب میں یہ تفصیل بھی مدنظر رہنا ضروری ہے۔ چنانچہ انھوں نے آگے اسکو لکھا بھی ہے)

حال: اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے اپنی کمزوری و عاجزی پیش کرکے انھیں سے مدد و استقامت کی دعا کرتا ہوں کہ اس عزم پر مستقیم رہ سکوں۔ تحقیق۔ آمین

(مکتوب ۱۷۱)

حال: چونکہ گذشتہ سال حضرت والا سے متعلق ہو چکا ہوں اور تقریباً پانچ ماہ سے حضرت والا ہی کی صحبت بابرکت میں ہوں اور مجھکو چونکہ اپنی اصلاح منظور ہے اسوجہ سے اپنے حالات اور ساتھ ہی اس مدت میں اپنی طبیعت میں جو تبدیلی پاتا ہوں اسے بلاکم وکاست عرض کردینا مناسب سمجھتا ہوں

میں ویسے تو بچپن سے حضرت تھانوی کی کتابیں اور مواعظ و دیگر اکابر کی کتابیں دیکھا کرتا تھا لیکن حضرت والا کی خدمت اقدس میں حاضر ہونیکے بعد تو گویا آنکھیں ہی کھل گئیں اور جو باتیں درجہ دانستن میں تھیں وہ گویا مشاہدہ (یعنی دیدن) کے درجہ میں آگئیں اور اپنی خامیاں کوتاہیاں اور کم مائگی کا احساس اس درجہ قلب پر مستولی ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ نیز میں کثرت کلام کے مرض کا شکار تھا اور خدمت اقدس میں ہو چکو تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا زبان منہ میں ہے ہی نہیں اور اگر کچھ بولنا چاہتا بھی ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی اندر بیٹھکر

دل پکڑ رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ قدم قدم پر اس بات کا خیال اور احساس ہوتا ہے کہ یہ قدم کہیں کبر و عجب و ریا کی وجہ سے تو نہیں اٹھ رہا ہے۔ نیز اگر پہلے کوئی تعریف کرتا تھا تو دل بہت خوش ہوتا تھا لیکن یہ حضرت والا ہی کی صحبت بابرکت کا اثر ہے کہ اب اگر کوئی اس قسم کے کلمات استعمال کرتا ہے تو بڑی ندامت اور خجالت معلوم ہوتی ہے گو اپنی حالت پر مطمئن بالکل نہیں ہوں۔ نیز نماز و تلاوت میں بڑا ہی مزہ آتا ہے اور ذکر جہری کے ذریعہ تو خصوصاً قلب کی عجیب حالت ہوتی ہے دفع خواطر اور دلجمعی کے پیدا کرنے میں اسکا بڑا دخل محسوس کرتا ہوں اور تنہائی میں رہنے و اختلاط سے بچنے کی جانب طبیعت میں بہت کافی میلان ہے اور اس اختلاط کو اپنے حق میں مضر بھی سمجھتا ہوں، خصوصاً جب سے حضرت والا سے کسی بزرگ کا یہ قول سنا کہ اتصالک بالحق بقدر انفصالک عن الخلق (یعنی تم حق تعالیٰ سے اسیقدر زیادہ قریب ہوسکو گے جسقدر کہ تم مخلوق سے دوری اختیار کرو گے اور شعر پڑھا ؎

تعلق حجاب است و بے حاصلی چو پیوندہا بگسلی واصلی

(یعنی تعلق ایک حجاب ہی ہے اور شئے لاحاصل ہی ہے جب اسکو توڑ دو گے تب ہی تم واصل ہوسکو گے) تو دل پر ایک چوٹ لگی اور بار بار اسے کئی روز تک دہراتا ہی رہا۔ نیز موت و مابعد موت کے احوال اور دنیا کی فنائیت کا بھی ہر وقت خیال رہتا ہے اور کسی بھی چیز پر طبیعت نہیں لگتی۔ حتیٰ کہ دوستوں کے ساتھ مجلس بازی میرا ایک دلچسپ مشغلہ تھا اس سے بھی طبیعت سرد ہوگئی ہے۔ نیز شرم معلوم ہوتی ہے ذکر کرتے ہوئے کہ میں آنکھوں کے مرض کا بھی شکار ہوں گو اب تقریباً متروک ہی ہوگیا ہے، حق تعالیٰ اس مہلک مرض سے بھی ہمیشہ کے لئے نجات دیدے۔ آمین۔ اور ذکر اللہ بطون قلب میں اسطرح جڑ پکڑلے کہ نفس بھی اس سے متاثر ہوجائے اور رذائل نفس سے خلاصی حاصل ہو۔

یہ باتیں جو میری موٹی عقل میں آئیں اور میں نے اپنے اندر محسوس کیں وہ ذکر

کردی ہیں ورنہ تو خرابیوں کی اور رذائل کی نہ بالکلیہ شناخت آسان ہے اور ان کا ازالہ تو اس سے آگے کی بات ہے۔ میں نے چونکہ اپنے آپکو آپ کے قدموں میں ڈالدیا ہے اسوجہ سے آپکے ارشادات ہی میں اپنی اصلاح سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرنے کیلئے بالکل آمادہ اور مستعد ہوں اور دعاء کا خواستگار ہوں۔ اپنی طبیعت میں تاثر اور انفعال کی کیفیت بہت زیادہ محسوس کرتا ہوں۔

تحقیق: ماشاء اللہ ٹھیک چل رہے ہو۔ اسی طرح چلے چلو اللہ تعالیٰ نفس پر قابو بھی دیدیگا۔

(مکتوب نمبر ۱۷۲)

حال: نہایت ہی عاجزانہ اور مؤدبانہ التماس ہے کہ اس بندہ کے لئے دعاء فرمائیں کہ اولین فرصت ولمحہ میں اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو اور حضرت کے طفیل سے صدق دل سے توبہ کرکے انابت کی راہ پر لگ جائے مگر باوجود ان تمام گندگیوں کے جو اسکی ذات میں بھری ہوئی ہیں بندہ یہ عرض کرنے پر مجبور ہے کہ۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ تھے اور کہتے تھے کہ یوں تو میں نے ایک ہزار علماء سے ملاقات کی ہے لیکن اگر میں ابوحنیفہؒ سے نہ ملاقات کئے ہوتا تو بس ایک دیہاتی کا دیہاتی رہ جاتا۔ (اسی طرح یہ عاجز کہتا ہے کہ اگر یہ بندہ بھی عارف باللہ حضرت شیخ وصی اللہ دامت برکاتہم کی زیارت وصحبت سے مستفید نہ ہوتا تو نہ صرف فلاسین بلکہ ہالکین میں سے ہوجاتا۔ بس حضرت ہی دعا فرمادیں کہ جس اللہ نے محض اپنے فضل وکرم سے آپکی خدمت میں پہونچایا ہے کچھ سیکھنے اور حاصل کرنے کی توفیق اور ڈھنگ بھی مرحمت فرماتے رہیں تاآنکہ اسی میں خاتمۂ خیر نصیب فرمادیں۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۱۷۳)

حال: حضرت والا دامت برکاتہم کے طفیل میں بحمداللہ ایمان سلامت ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: دوزخ کا خیال اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا تصور قلب کو ہلا دیتا ہے۔
تحقیق: الحمد للہ
حال: مگر عمل نہیں پڑتا بالکل کاہل ہو گیا ہوں، پنجوقتہ نماز با جماعت اور کچھ تلاوت ودعاء اپنا معمول ہے۔ تحقیق: یہ کیا کم ہے۔
حال: لیکن اتنے میں بھی نفس سے لڑائی کرنی پڑتی ہے۔ تحقیق: یہ تو مجاہدہ ہے
حال: بس ہمہ وقت یہ خوف لگا رہتا ہے کہ یہ پہلو کا دشمن نجانے کب وار کر جائے۔
تحقیق: بیشک
حال: بس حضرت والا ہی کی دعاؤں کا سہارا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا محتاج وسائل ہوں۔
تحقیق: دعاء کرتا ہوں
حال: ورنہ یہ کشتی اپنے ہاتھوں تو پار ہوتی نظر نہیں آتی۔ تحقیق: سچ کہتے ہو۔
حال: دل سے اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہوں اور اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔
تحقیق: بیشک کیسے ہوگا؟
حال: اب تو ہنسنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ جیسے دیوار پر چل رہا ہوں اب گرا تب گرا کا عالم ہے
تحقیق: الحمد للہ۔
حال: حضرت والا دعاء فرمائیں کہ دنیا سے ایمان سلامت لیجاؤں اور عفو و درگزر کا معاملہ ہو جائے۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔ آمین۔
حال: تہی دست و تہی داماں کے پاس کاسۂ گدائی کے سوا کچھ نہیں بھکاری ہوں، اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ درگزر کی، معافی کی بھیک مانگتا ہوں۔ اپنے برگزیدہ بندوں کے طفیل میں معافی کی بھیک مل جائے۔
تحقیق: اسی سے امید عفو کی ہے۔
حال: اللہ تعالیٰ درگزر فرما دیں۔ تحقیق: آمین۔
حال: حضرت والا نے نفس کے متعلق جو مضمون عنایت فرمایا تھا اسکو بار بار پڑھتا ہوں

اور نفس سے اندیشہ میں رہتا ہوں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ شرنفس سے محفوظ رکھیں۔
تحقیق: دعا کرتا ہوں۔
حال: حضرت والا کچھ ایسی تدبیر ارشاد فرمائیں کہ نفس کی منازعت آسان ہو۔
تحقیق: اسئلك اليسر والمعافاة فى الدنيا والآخرة کی بکثرت تکرار۔

(مکتوب نمبر ۱۷۸)

حال: الحمدللہ کئی خطوط سے آپکی خیریت معلوم ہوئی جس سے نہ صرف مجھے بلکہ تمام بمبئی والوں کو بیحد خوشی ہوئی۔ تحقیق: اللہ تعالیٰ انکو خوش رکھے
حال: ہم لوگ ہر وقت آپکی صحت کیلئے دعا گو ہیں اور ہر وقت امید رکھتے ہیں کہ آپ جلد از جلد بمبئی تشریف لائیں۔ تحقیق: خوب دعا کرو۔ ضرور رکھو۔
حال: جس سے ہم لوگوں کو علم دین حاصل ہوا اور آپ کی وجہ سے عمل صالح اور سب سے بڑھکر اخلاص آجائے۔ تحقیق: آمین۔ خوب بات لکھی
حال: میں اپنے اندر بھی جوش رکھتا ہوں کہ یہ سب باتیں آجائیں۔ تحقیق: خوب۔ آمین
حال: کئی بار خواب بھی دیکھا۔ ایک بار یہ دیکھا کہ آپ تشریف فرما ہیں اور میں صرف رو رہا ہوں۔ تحقیق: یہ تو محبت ہے
حال: حضرت والا میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا چھینٹا چاہتا ہوں۔
تحقیق: پڑ گیا اب اسکے بڑھانے کی ضرورت ہے۔
حال: میرے لئے دعا کیجئے آپکی توجہ سے کام ٹھیک چل رہا ہے۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ خوب ٹھیک چلائے۔
حال: آپکی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ دین و دنیا کا بڑے سے بڑا کام لے لے۔
تحقیق: آمین۔

بقیہ پیش لفظ) :-

اور میں ہر عالم و بزرگ کی دل سے قدر کرتا ہوں اس نظریہ کے تحت میں اس رسالہ کا مطالعہ کرتا ہوں اور اسکے مطالعہ سے کم و بیش ایسا ہی فائدہ پہونچتا ہے جیسے کسی بزرگ یا عالم کی صحبت میں بیٹھنے سے پہونچتا ہے ان حالات میں اور ایسے رسالہ کا چلانا یہ خدا کی غیبی مدد شامل حال ہے اور آپکی ہمت و عزم اور اخلاص کا نتیجہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں اور اس رسالہ کو ترقی عطا فرمائیں مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں ۔ جن حضرات کو اللہ نے خوب دیا ہے انکو چاہئیے کہ اس ادارہ کا خاص خیال رکھیں ۔ فقط ۔

عبدالوحید سانانی ۔ دہلی ۔

عجب اتفاق کہ ایک دوسرے رفیق محترم نے انھیں دنوں یہ لکھا کہ یکبارگی دل میں خیال آیا کہ آپکے ادارہ کی اعانت کی سعادت حاصل کروں لہٰذا ۔ ۔ ۔ ۔ روپیہ ارسال خدمت ہے اسکو وصیۃ العرفان کے کام میں لائیے ۔ ظاہر ہے کہ مخلصین کا یہ تحفہ و درمے تعاون حق تعالیٰ ہی کی عنایت خاصہ کا پرتو ہے ۔ پھر اب حق تعالیٰ کی رضا و قبول کے بعد اور ہمیں کیا درکار ہے ۔ بس اللہ تعالیٰ ہمکو خلق و خالق ہر ایک کا شکر ادا کرنے کی توفیق بخشے اور ان حضرات کو انکے اس عمل خیر اور دلالت علی الخیر پر جزائے خیر عطا فرمائے ۔ والسلام ۔

نوٹ : ہمیں اسکا احساس ہے کہ ہمارے احباب پر رسالہ کی معمولی سی تاخیر بھی شب فرقت کی تاریکی اور اسکی وحشت سے کم شاق نہیں گذرتی ہوگی لیکن موجودہ حالات میں اور دیگر موانع نوکم اور کم سے کم الہ آباد میں بجلی کی دشواریوں کے سبب سے زیادہ تر یہ رکاوٹ پیش آجاتی ہے اسلئے ناظرین اس بارے میں تو ہمکو بالکل معذور تصور فرمائیں اور جب ناغے فاقے اور وقفے کے ساتھ بھی یہ غذائے روحانی ملتی جارہی ہے صبر و شکر کے ساتھ اسکو قبول فرماتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے صلاح و اصلاح کی دعا فرمائیں ۔

ناظرین کرام کو ایک اطلاع دینی ہے کہ مخدوم محترم جناب قاری محمد مبین صاحب دام مجدہم انشاء اللہ تعالیٰ ۸ مارچ کو بمبئی سے روانہ ہوکر ۹ مارچ کی شب کو الہ آباد پہونچ رہے ہیں لہٰذا اب مکاتبت رکھنے والے حضرات الہ آباد ہی کے پتہ پر خط لکھیں جناب قاری صاحب بحمد اللہ بخیریت ہیں اور یہاں تشریف لانے والوں کیلئے مناسب تو یہی ہے کہ بذریعہ خط اطلاع دیکر اور اجازت لیکر تشریف لائیں تاکہ الہ آباد میں آپکے موجود ہونے نہ ہونے کا حال معلوم ہوجائے ۔ (ادارہ)

اور جو کچھ موجود بھی ہیں وہ کافی نہیں ہیں کیونکہ ضرورت ہے بڑے پیمانہ پر دینی کام ہونے کی اسلئے کہ گمراہی بھی تیزی کے ساتھ بڑھتی جارہی ہے اور ہدایت کے یہ چراغ بہت کم تعداد میں ہیں۔ چنانچہ ضلالات زمانہ کا مقابلہ کرنے کیلئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نظام اور طریق کار اپنے تجربہ اور صوابدید کے مطابق تجویز فرمایا جس سے مقصد نہ تو یہ تھا کہ اب سب مدارس دینیہ بیکار ہیں اور نہ یہ تھا کہ خانقاہیں اب لغو اور بے سود ہیں بلکہ حضرت مولانا دہلوی یہی چاہتے تھے کہ ہدایت کے یہ چراغ جو روشن ہیں یعنی مدارس دینیہ اور بزرگوں کی جگہیں وہ تو بدستور ضوفشانی کرتی رہیں باقی انکے علاوہ مسلمانوں کی اور جو محافل مجالس انکے ہوٹل، چوپال اور دیگر اسی قسم کے غیر ضروری انکے اجتماعات آج جن لغویات اور دینی جہالات کا شکار ہوتے جارہے ہیں یہ بھی کچھ دین پر لگیں اور علماء و فضلاء اور جو لوگ کہ اہل ہوں وہ کچھ توجہ ان لوگوں پر بھی رکھیں اور اپنے مشاغل خاصہ کا حرج کئے بغیر کچھ موقع انکے لئے بھی نکالیں یعنی ان میں طلب دین پیدا کریں تاکہ دین کے یہ دونوں مراکز یعنی مدارس اور خوانق اور زیادہ بارونق ہوسکیں اور انکے قیام سے جو مقصد ہے وہ علی وجہ الاتم پورا ہوسکے

غرض انھیں اصولوں پر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے تبلیغ کا کام شروع فرمایا اور اسمیں شک نہیں کہ بڑا کام ہوا چنانچہ تبلیغ کا یہ نظام حضرت مولانا دہلویؒ کی حیات ہی میں کافی شہرت حاصل کرچکا تھا جسکا علم حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانویؒ کو بھی پورے طور پر تھا اور آپ کے بعد حضرت مصلح الامۃ کے سامنے بھی جماعت کا یہ کام رہا لیکن حضرت حکیم الامۃؒ اور انکے بعد حضرت مصلح الامۃؒ کا خدمت دین کے باب میں اپنا جو طریق کار تھا اس پر یہ حضرات پابندی کے ساتھ کاربند رہے اور ان حضرات نے اپنی زبان سے کسی موقعہ پر اگر اہل تبلیغ کی خدمات اور انکی سرگرمیوں کی تحسین بھی فرمائی ہے تو اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اپنے مخصوص کام میں کبھی کچھ فرق نہیں آنے دیا چنانچہ حضرت مصلح الامۃؒ جو کہ اپنے وقت میں جانشین حکیم الامۃ کہلائے جب آپ کا زمانہ آیا تو جماعت کے اماعز و اکابر سب ہی کا حضرت مصلح الامۃؒ سے برابر ملنا ہوتا رہا باہر کی جماعتیں بھی کبھی کبھی زیارت و ملاقات کیلئے خدمت والا میں جہاں بھی حضرت رہے حاضر ہوتی رہیں، آپ علماء و فضلاء کرام سے نہایت ہی محبت اور احترام کے ساتھ ملتے اور عوام سے

ساتھ بھی غایت شفقت اور تلطف سے پیش آتے۔ درخواست پر ان کیلئے خلوص کی دعاء فرماتے۔ اور کبھی کبھی ان سے مسلمانوں کے دینی نفع کے واقعات سنکر اس پر اپنی مسرت کا بھی اظہار فرماتے۔

چونکہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بقول حضرت مصلح الامۃ اپنے اکابر میں سے تھے اور اپنے ایک اصول کے ساتھ ایک طریق کار پر لوگوں کو دین پر لگانے کی سعی فرما رہے تھے اور خلق خدا کو اس سے نفع بھی ہو رہا تھا ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس کام سے کسی اہل حق کو اختلاف کرنے کی کیا گنجائش تھی اور ایک نیک کام سے بھلا کوئی بھی دیندار کیوں مزاحمت کرتا پسند کرتا اور اس سے کیونکر آویزش کرتا، اسلئے جماعت اپنا کام کرتی رہی اور حضرت مصلح الامۃ اپنا کام کرتے رہے۔ باقی یہ ضرور ہے کہ حضرت مصلح الامۃ کا بنیادی نظریہ (جیساکہ آپ کی تعلیمات و ہدایات کی روشنی میں آپ آئندہ عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے) یہ تھا کہ اشاعت دین اور تبلیغ دین کے بہت سے شعبے ہیں اور اسکے مختلف طریق کار ہو سکتے ہیں لہذا جس کو جو طریقہ آسان معلوم ہو وہ اس میں لگے اور جو جس کام کا اہل ہو وہ اسکو کرے چنانچہ دین کے سب ہی سلسلوں کو جنھیں اسلاف نے ہم تک پہونچایا ہے خواہ وہ مدارس ہوں یا خوانق ہوں یا تبلیغی ادارے ہوں اسی طرح چلنا چاہیئے جس طرح سے کہ وہ ابتک چلے آئے ہیں اور چونکہ یہ سب کے سب اہتم بالشان امور ہیں اسلئے ان میں سے ہر ہر کام کے لئے کچھ مخصوص لوگ بھی ہونے چاہئیں اور ہر ایک کو مستقل ہی چلنا چاہیئے تبعاً یا ضمناً کسی دوسرے کے ساتھ چلنے میں یہ سب ہی امور ناقص اور ناتمام رہ جائیں گے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ دینی عربی مدارس میں انگریزی اسباق کی تعلیم ہمارے اسلاف کو پسند نہ تھی فرماتے تھے کہ آگے چلکر دین مغلوب ہو جائیگا اور دنیا غالب آ جائیگی اور مقصود حاصل نہو گا چنانچہ آج جن انگریزی مدارس میں صرف دینیات کا گھنٹہ موجود ہے یا جن عربی درسگاہوں میں انگریزی بھی شامل ہے وہاں کا حال آپکے سامنے ہے کہ دین کا وہاں نام نہیں یا برائے نام ہی موجود ہے۔

اور دوسرے دینی کام کرنے والوں میں سے بعض حضرات کے حالات اور اقوال سے حضرت اقدسؒ کو کچھ ایسا اندازہ ہوتا تھا شاید یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہر شخص اور ہر ادارے کو

آج بس یہی کام ہی کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب نے ایک مرتبہ بہت طول طویل تمہید بیان کر کے حضرت مصلح الامۃؒ سے یہ سوال کیا کہ:۔

(۱) کیا واقعی حضرت اقدس حکیم الامۃ تھانویؒ جماعت تبلیغی سے اختلاف رکھتے تھے؟

(۲) اور کیا آپ بھی اختلاف رکھتے ہیں اور وہ اختلاف کس نوعیت کا ہے؟

حضرت والا نے ان صاحب کو یہ جواب مرحمت فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ایسے استفسارات پہلے (بھی) یہاں آئے ہیں انکا جواب دیا گیا ہے، آپ نے بھی یہی کیا ہے۔ آپ جیسے حضرات سے یہ امر تعجب خیز ہے۔ یہ تبلیغ آج سے نہیں ہے ایک زمانۂ دراز اس پر گذر چکا ہے اور اب یہ عروج پر ہے۔ جب علماء اس میں شریک ہیں انھوں نے اسکی ضرورت کو اور اسکی شرعی حیثیت کو مدنظر رکھکر اس کام کو عمل میں لایا ہوگا اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور لائح ہے اسکے بعد سوال کی (اور پھر ہم جیسے لوگوں سے) کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے۔ کام مقصود ہے اور اسکو شرعی طریقہ سے کرنا ہے اور علماء دونوں کو جانتے ہیں پھر انکی تقلید کو جو ضروری سمجھ رہا ہے اس پر انکی تقلید ضروری ہے۔

جو (شخص کوئی) کام کرتا ہے اسکی اہمیت کو وہ عمل سے پہلے اور شرعی نقطۂ نظر سے اسکو سمجھ لیتا ہے بس یہ دونوں پہلو پیش ہیں پھر اب سوال کی حاجت نہیں۔ سوال عمل سے پہلے ہوتا ہے اور اب اس سوال سے فائدہ کیا ہے؟ اب تبلیغ اپنے عروج پر ہے وہ روز بروز بڑھتی رہیگی جو اس کے موافق ہو خلوص سے اسکو عمل میں لانا چاہیئے، سوال سے تردد کا پتہ چلتا ہے کہ ابھی عمل کے جواز میں تردد ہے۔ یا سب کو اسمیں شریک کرنا چاہتا ہے۔ بہت سے کام ہیں اور ضروری ہیں سب کو کرنا ہے ایک جماعت اسکے لئے بھی ہونا ضروری ہے وبس اور حدود شرع کا پاس و لحاظ ہر جماعت کو ضروری ہے۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

حضرت اقدسؒ کا جواب ملاحظہ فرمائیے اور ابھی ذرا پہلے حضرتؒ کا جو خیال عرض کیا گیا ہے اسکو ایک بار پھر پڑھ لیجئے اور دیکھئے کہ اس بیان سے بھی وہی حقیقت معلوم ہوئی یا کچھ اور چنانچہ ہمارا مقصد ان سطور میں صرف حضرت اقدس کے خیالات اور طریق کار پر روشنی ہی ڈالنا ہے کہ شاید کسی طالب حق کو اس سے کچھ رہنمائی حاصل ہو سکے اور بعد والوں میں سے کسی پر حضرت کا طریق مشتبہ اور مخفی نہ رہے چنانچہ امید ہے کہ حضرت اقدس سے صحیح تعلق و محبت رکھنے والے اسکی قدر کریں گے۔

چنانچہ مذکورہ بالا جواب کسی شرح و بسط کا محتاج تو نہ تھا لیکن مزاج والا سے ناواقف اور حضرتؒ کے انداز کلام سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے شاید بات کسی پر واضح نہو سکی ہو اسلئے عرض ہے کہ۔ حضرت نے یہ جواب انتہائی اضطرار اور مجبوری کی حالت میں تحریر فرمایا تھا کیونکہ سائل نے سوال سے پہلے ایک طویل تمہید ایسی ذکر کر دی تھی کہ جسکی وجہ سے ایک طرح سے حضرت والا کو گویا مجبور و مقید کر دیا گیا تھا کہ وہ جماعت کی تائید میں اپنا نہایت مؤکد اور واضح بیان عنایت فرمادیں اور حضرت اقدس اسمیں پڑنا نہیں چاہتے تھے کہ مبادا لوگ اس کو فتنہ بنالیں مگر سوال کا جواب بھی دینا ضروری تھا تاکہ لوگ کسی غلط فہمی میں نہ پڑیں اس لئے بہت سنبھل کر اور بہت غور و فکر کے بعد تول تول کر یہ چند الفاظ تحریر فرمائے (جو کہ کسی جگہ شایع بھی ہو چکے ہیں) یہی وجہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے اسکو شروع فرمایا ورنہ خطوط کے جوابات میں اس طرح بسم اللہ لکھنے کا حضرت کا کبھی معمول نہ تھا۔ پھر ابناء زمانہ کے فہم و خلوص کا حضرت کو خوب خوب تجربہ تھا اس لئے کسی کے سوال کا منشاء اور اسکی توقع کا بھی حال جانتے تھے لیکن کوئی موقع ایسا بھی آجاتا ہے کہ سائل کی توقع بھی نہیں پوری کیجا سکتی اور اپنی رائے کا کھلکر اظہار بھی قرین مصلحت نہیں ہوتا یہ وقت ایک مصلح اور حکیم کے لئے انتہائی ضیق کا ہوتا ہے، بس اسی کو راقم نے سابق میں اضطراب سے تعبیر کیا ہے یہ سب حالات تو ہمارے سامنے گذرے ہیں ہم پر اعتماد ہو تو سن لیجئے کہ حضرت والا نے مجبور ہوکر یہ تحریر لکھی تھی چنانچہ عدم بشاشت کا اندازہ ان فقروں کی نشست میں موجود ہے جو ادنیٰ تامل ہر پڑھنے والے کو معلوم ہو سکتا ہے۔ سوال پر تعجب فرمانا۔ پھر اپنے سے پوچھے جانے پر راضی نہ ہونا۔ اصولی بات ارشاد فرمادینا کہ کام مقصود ہے

اور طریقہ اسکا شرعی ہونا چاہیئے۔ اور یہ فرماتا کہ ہر عالم کا جو مقلد ہو اسکے لئے اپنے معتقد فیہ کے طریق کا اتباع لازم ہے غیر کے لئے نہیں۔ اور آگے تبلیغ کے عروج پر ہونے کا ذکر کرکے فرمایا کہ جو اسکے موافق ہو خلوص سے اسکو عمل میں لانا چاہیئے۔ معلوم ہوا کسی خاص طریق کا رسے اختلاف بھی ممکن ہے اور ہر ایک پر کسی ایک طریق کا اتباع لازم نہیں ہے۔ چنانچہ آگے یہ جو فرمایا یا سب کو اس میں شامل کرنا چاہتا ہے، یہ عنوان ہی حضرت اقدسؒ کے تیور کا ترجمان ہے کہ سائل کی یہ بات قطعی ناپسند فرمائی جا رہی ہے یعنی وہ ایسا کیوں چاہتا ہے یہ خیال اس کا صحیح نہیں ہے ـــ کیونکہ کام بہت ہیں اور ضروری ہیں اور سب کو کرنا ہے۔ ہاں ایک جماعت اسکے لئے (یعنی تبلیغ کیلئے) بھی ہونا ضروری ہے۔ باقی رہا حدود شرع کا پاس و لحاظ تو وہ ہر جماعت کے لئے لازم ہے چاہے وہ اہل مدارس ہوں یا اہل خوانق ہوں یا کوئی ہو۔ حاصل اس جواب کا راقم نے تو یہی سمجھا کہ :۔

(۱) نفس تبلیغ ضروری ہے

(۲) اس کے لئے بھی ایک جماعت کا ہونا لازم ہے۔

(۳) دین کے بہت سے شعبے ہیں اور سب ضروری ہیں سب کو کرنا ہے۔

(۴) مقصود کام ہے اور شریعت کی حد کے اندر اور اخلاص کے ساتھ کرنا چاہیئے

(۵) کسی جماعت کو دوسرے کام کرنے والی جماعت کی من حیثیت الجماعۃ مذمت نہیں کرنی چاہیئے

اگر تحریر سے حضرت والا کا واقعۃً یہی مقصود ہے جو عرض کیا گیا تو فبہا اسکا اظہار کچھ جرم نہیں ورنہ ہر شخص اپنے فہم کا مکلف ہے اور اس میں اسکی دیانت کا اعتبار ہے۔

بہر حال تبلیغ کا جو کام ہو رہا تھا ظاہر ہے کہ حضرت والا اسکی مخالفت کیوں کرتے اور یہ اتنا بھی شاید نہ فرماتے اگر ان سے سوال نہ کیا جاتا یا بقول حضرت والا انکو چھیڑا نہ جاتا۔ کیونکہ اصل کار تو متفق علیہ تھا جو سوال کا محتاج نہ تھا اور طریق کار میں سب لوگوں کا متفق ہونا کچھ ضروری نہ تھا اسلئے اسکی سعی لا حاصل تھی لیکن اس سے بھی شاید انکار نہ کیا جاسکے کہ جماعت کا مسلک نہ سہی اور اسکے ارباب حل وعقد کا خیال چاہے ایسا بالکل نہ ہو (اور حضرت اقدسؒ بھی جانتے تھے کہ یقیناً ایسا نہیں ہے) مگر یہ کہ بعد میں چل کر بعض پرجوش ناتجربہ کار اور کم علم لوگوں نے

اس باب میں غلو سے کام لینا شروع کر دیا تھا چنانچہ انکی جانب سے اپنے کام کی ترویج کیلئے اور دوسرے کاموں کی تنقیص کا طریقہ عمل میں لایا جانا شروع ہو چکا تھا اسکی اطلاع وقتاً فوقتاً حضرت مصلح الامۃ کو بھی ہوتی رہتی تھی لیکن آپ کا عام طریقہ یہی تھا کہ اسکی جانب سے بالکل قطع نظر فرما رکھا تھا اور ان لوگوں کی اصلاح ان کے خواص ہی سے متعلق سمجھ لیا تھا۔ یہ فرماتے تھے کہ یہ وقت بولنے کا نہیں ہے کسی دوسرے شخص کی اصلاح کو یہ لوگ اختلاف سے تعبیر کریں گے اسلئے مناسب ہے کہ جماعت کے مخصوص حضرات ہی اسکی اصلاح فرمائیں۔

باینہمہ کبھی کبھی اپنے لوگوں سے جب اس قسم کی باتیں سنتے تھے اور یہ سمجھ لیتے تھے کہ اسکو ناگوار نہ ہوگا تو اس سے اس سلسلہ میں کبھی کچھ تیز تیز بھی فرما دیا کرتے تھے۔ چنانچہ میرے ایک دوست مجھ سے خود بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ اہل الہ آباد نے تبلیغی کام سیکھنے کے لئے مجھے اور تمہارے والد صاحب مرحوم کو الہ آباد والوں کی طرف سے جماعت میں بھیجا، ساتھ ایک ایسی جماعت کا ہوا جس میں ماسٹر محمد ابراہیم صاحب الہ آبادی، صوفی عبدالرب صاحب مرحوم اور حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ بھی تھے۔ اعظم گڈھ کے ضلع میں مبارک پور، مئو وغیرہ ہمارے کام کا حلقہ تجویز ہوا کام کرتے کرتے جب ہم لوگ مئو پہونچے تو قریب ہونے کیوجہ سے میں حضرت مصلح الامۃؒ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی خدمت میں بغرض زیارت و ملاقات حاضر ہوا (یہ حضرت والا سے اپنا باقاعدہ اصلاحی تعلق ہونے سے پہلے کی بات ہے) میں نے اپنا تعارف کرایا اور حضرت مولانا تھانویؒ سے اپنی عقیدت اور حضرتؒ کے طریقہ سے اپنی قلبی مناسبت کا ذکر کیا اور اس کے بعد اپنی طالبعلمانہ شوخی کی وجہ سے حضرت اقدسؒ کے سامنے اپنی ان تبلیغی مساعی کا حال، تبلیغ کے منافع اور اس زمانے میں اس طرح پر کام کرنے کی ضرورت وغیرہ امور پر ایک مفصل اور اپنی دانست میں مدلل تقریر کی حضرت والا میری ساری تقریر تسبیح پڑھتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے سنتے رہے اور جب میں اپنی تقریر ختم کر چکا تو حضرت نے مختلف کتابوں سے عبارات نکال نکالکر میری ایک ایک دلیل کا نہایت ہی مسکت جواب دیا گو درمیان درمیان میں حضرت کے ارشادات پر معارضات بھی پیش کرتا رہا لیکن بالآخر حضرتؒ کے دلائل کے آگے مجھے چپ ہی ہو جانا پڑا۔ حضرت والا چونکہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ اسکے دل کی آواز نہیں ہے

بلکہ ان لوگوں سے جو کچھ سنا ہے اسی سے متاثر ہے اس لئے میری خاموشی کے بعد یہ بھی فرمایا کہ آئیں لوگ مجھ سے گفتگو کریں تو میں انھیں بتاؤں (یعنی صحیح طریق کار اور تبلیغ کا معیار اور اسکے اصول انھیں سمجھاؤں آخر میں نے بھی تو حضرت مولانا کے یہاں رہ کر کچھ سیکھا ہے" انتہیٰ۔

اس گفتگو کے نقل کرنے سے غرض یہ ہے کہ بلا وجہ حضرت اقدسؒ نے جماعت اور اسکے کام سے کبھی منازعت اور مزاحمت نہ خود فرمائی اور نہ اپنے لوگوں سے پسند فرمائی لیکن جب کوئی موقع ایسا آپڑا ہے کہ جس سے کسی طالب کے غلط فہمی میں پڑ جانے کا اندیشہ ہوا ہے تو اس سے نکالنا بھی حضرت اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے، یہ بھی صحیح ہے۔ چنانچہ اسی دور کا ذکر ہے کہ ہندوستان کے ایک مشہور عالم جو کہ تبلیغ کے سرگرم کارکن بھی تھے انھوں نے ایکمرتبہ حضرت اقدسؒ کو خط لکھا، مضمون اپنے تبلیغی مرکز اور اسکے کام کے لئے دعا کرانا اور خود حضرت والا کو بھی تحریک کی جانب ادبکے ساتھ متوجہ کرنا تھا۔ ان محترم کا خط تو نہ مل سکا بہرحال جواب ملاحظہ ہو (اسی سے مضمون خط کی جانب بھی رہنمائی ہوجائے گی) ان کے جواب میں تحریر فرمایا

مکرمی و محترمی دامت عنایاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

بحمد اللہ بعافیت ہوں۔ یادآوری نے ممنون فرمایا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء واکملہ۔ میں نے کچھ روز سے معمول بنالیا ہے کہ علماء کے لئے نیز مدارس اسلامیہ کے لئے وحفاظت شریعت مقدسہ کے لئے بالخصوص، اور تمام امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا التحیۃ) کے اتباع شریعت کیلئے بالعموم دعا کیا کرتا ہوں۔ جناب والا کے تبلیغی مرکز کے بقاء و ترقی کے لئے بھی دعا کیا کرونگا تعمیلاً للارشاد۔ کتاب ابھی نہیں پہونچی۔ کسی اہل کے پاس پہونچتی تو زیادہ قدر و انتفاع کی امید تھی بہرکیف دل سے قبول کرونگا اور منتفع ہونے کی کوشش کرونگا۔ آخر میں (جناب نے) یہ فرمایا ہے کہ ___ " درحقیقت یہ تحریک غیر طالبین کی دینی تعلیم و تربیت کا ایک نظام ہے یا بالفاظ دیگر یہ کہ غافلوں میں طلب اور فکر پیدا کرنے کی ایک منظم کوشش ہے " ___ اسکے متعلق یہ عرض ہے کہ • فی المشکوٰۃ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم الرجل الفقیہ فی الدین ان احتیج الیہ نفع وان استغنی عنہ اغنا نفسہ رواہ رزین (مشکوٰۃ میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کیا ہی اچھا

وہ عالم دین سے کہ جنکی جانب لوگ احتیاج ظاہر کریں تو وہ انکو نفع پہونچائے اور اگر اس سے استغنا برتیں تو وہ بھی اُن سے بے نیاز ہوکر اپنا کام کریں (تو) اگر کوئی اس حدیث پر عمل کرے تو ملوم نہ ہوگا۔

(نیز) حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی دو جماعتیں ایسی ہیں کہ جب وہ درست ہوں گی تو سب آدمی درست ہوجائیں گے اور جب وہ فاسد ہوں گی تو سب آدمی فاسد ہوجائیں گے ایک جماعت امراء وملوک (کی ہے) دوسری (جماعت) علماء کی ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ عوام کی اصلاح موقوف ہے خواص کی اصلاح پر والیٰ لنا۔

اور جو امور غیر اختیاری ہیں انمیں بجز الحاح وزاری بجناب باری کیا چارۂ کار ہے ؎

ہر کسے روز بہی می طلبد از ایام
مشکل این است کہ ہر روز بتر می بینم

(ہر شخص زمانہ سے ایام کی خوبی ہی تلاش کرتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ مجھے تو ہر آنیوالا دن گذشتہ سے بدتر ہی نظر آتا ہے)

چونکہ جناب نے خطاب کا شرف بخشا ہے اسلئے یہ عرض کیا ورنہ میں اس قابل نہیں کہ کچھ عرض کرسکوں۔ جناب کیلئے اخلاص اور اتباع مرضیات الٰہیہ کیلئے دل سے دعاء کرتا ہوں اور جناب سے بھی اپنے لئے اسی کی درخواست کرتا ہوں۔ والسلام۔ خیر ختام۔ وصی اللہ عفی عنہ

(از بیاض حضرت والاؒ)

حضرت والا کا جواب آپ نے ملاحظہ فرمایا خلاصہ اسکا یہ ہے کہ ان مولوی صاحب نے اپنی تبلیغی مساعی اور تبلیغی مرکز کی بقا و ترقی کے لئے حضرت اقدسؒ سے دعاء کی درخواست کی حضرت نے جواب مرحمت فرمایا کہ تعمیلاً للارشاد یعنی آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے (انشاء اللہ تعالےٰ) دعاء کیا کرونگا۔ نیز آن مولوی صاحب نے کوئی کتاب ارسال فرمائی تھی جسکا ذکر خط میں کیا ہوگا اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ابھی تک تو کوئی کتاب ملی نہیں مگر آپ نے بھی میرے پاس بھیجنے کی خوامخواہ زحمت فرمائی ارے کسی اہل کے پاس وہ پہونچتی تو اسکی قدر بھی ہوتی اور وہ منتفع بھی ہوتا بہرکیف جب آپ نے بھیج ہی دی ہے تو آجانے پر دل سے قبول کرونگا اور منتفع ہونے کی بھی کوشش کرونگا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ اس جواب کے اندر حضرت اقدسؒ کا ایک خاص مزاج اور مذاق کارفرما ہے

(باقی آئندہ)

اور آن محل نبود کہ از و تفتیش آن حال کند بر پسرا ورفت و ازان حال استفسار کرد، پسر عمر بگریست و گفت پدر مرا رسم است کہ در ہفتہ شش روز با خلق احتساب کند روز ہفتم با خود وی آن روز بودہ باشد۔ در امری از امور دین نفس خود را کاہل یافتہ است ہم بدست خود بر خود چندان تازیانہ زدہ است کہ خود را ہمہ مجروح گردانیدہ است۔ عزیز من کسیکہ بانفس خود دائم احتساب کند از و ہمہ دعوی بر ود و ہمہ معنی بماند و معلوم عالمیان است کہ دعویٰ ہمہ عیب است و معنی ہمہ ہنر۔

بشنو بشنو! وقتی بقالی با نیاز کہ میزان آسمان پا سنگ ترازو ی او شائستی، یکی را دید بر شیر سوار شدہ از مار تازیانہ ساختہ بگفت این ہمہ سہل است کار آنست کہ یکی میان دو پلہ ترازو نشیند و کاری از برای حق کند۔

قطعہ۔

اس بدو کی ہمت نہ پڑی کہ خود حضرت عمرؓ سے اس واقعہ کی تفتیش کرتا اسلئے ان کے صاحبزادے کے پاس گیا اور اس صورت حال کا سبب معلوم کرنا چاہا حضرت عمرؓ کے صاحبزادے رونے لگے اور اس سے کہا کہ میرے والد محترم کا دستور ہے کہ ہفتہ میں چھ روز تو مخلوق کا احتساب کرتے ہیں اور ساتویں روز خود اپنا تم نے جو دیکھا تھا وہ انکے اپنے احتساب کا دن تھا۔ چنانچہ امور دین میں سے کسی معاملہ میں اپنے نفس کو سست پایا ہوگا تو اپنے ہی ہاتھوں سے کوڑے مار مار کر اپنی پشت کو ایسا زخمی بنالیا ہے۔ عزیز من! جو شخص کہ اپنے نفس کے ساتھ ہمیشہ احتساب کرتا رہتا ہے اسکے اندر سے دعویٰ تو بالکلیہ نکل ہی جاتا ہے اور بس اخلاص ہی اخلاص رہ جاتا ہے اور یہ بات سب دنیا والے جانتے ہیں کہ دعوی سراسر عیب ہے اور اخلاص و تواضع منجملہ کمالات کے ہیں۔

سنو سنو! ایک دفعہ ایک بنیا جو بہت ہی شائستہ اور متواضع تھا اور ایسا تھا کہ آسمان کو اس کی ترازو کیلئے پاسنگ قرار دیا جانا سزاوار تھا، اس نے کسی شخص کو دیکھا کہ شیر پر سوار ہے اور سانپ کا کوڑا بنائے ہوئے ہے (جسکا کرامت ہونا ظاہر تھا) تو اس بقال نے کہا کہ بھائی جان یہ سب بہت آسان ہے مشکل چیز جو ہے وہ یہ ہے کہ تم ترازو کے دو پلّے کے سامنے بیٹھے ہو اور حق یعنی دیانت کے خلاف کوئی بات نکرو (یعنی نہ جھوٹ بولو نہ کم تولو جو کہ ہر وقت کا جہاد ہے)

نخشبی ہیچ نیست دعوی دیں
مدعی از قبیل رنداں شد
اندریں راہ ہر کہ دعوی کرد
او سزاوار بندوزنداں شد

" اے نخشبی دین کا دعویدار کچھ حقیقت نہیں رکھتا
مدعی کو بھی بس رند ہی جانو یعنی دین سے آزاد
اس راستہ میں جس نے دعویٰ کیا وہ بیڑی
اور قید خانہ کا مستحق ہوجایا کرتا ہے "

سلک نود وششم

بباید دانست مرید یا متعلم هرچه از پیر یا استاد بشنود میباید که اول آں را بعمل مقرون کند انگاه سخن دیگر پرسد و لهٰذا در نوبت دولت محمدی چوں قرآن نجاً نجاً فرود آمدن گرفت صحابه رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین هرچه نازل شدی همه یکجا نه بردندے چند آیة به بردندے آں را بعمل مقرون کردندے انگاه دیگر بردندے چنیں گویند وقتی مردی بخدمت خواجه اجل شیرازی سرارادت آورد منتظر نماز وادراد می بود که خواجه فرماید خواجه یک دو بار برزبان راند هرچه برخود روا نداری بردیگراں هم روا مدار مرید ازآنجا بازگشت

سلک نمبر ۹۶ (اول پہلے علم پر عمل کرو پھر مزید علم طلب کرو)

جاننا چاہیئے کہ کوئی مرید ہو یا متعلم ہو جو چیز اپنے پیر یا استاد سے سُنے پہلے اس پر عمل کرے پھر اس سے کوئی دوسری بات پوچھے یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا تو آسمانی کتاب یعنی قرآن مجید جستہ جستہ آپ پر نازل ہوئی اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جو کچھ کہ نازل ہوتا تھا سب کو یکمشت نہ سیکھتے تھے بلکہ چند آیت آپ سے حاصل کرتے تھے اور اسکو یاد کرتے تھے، اس پر عمل کرتے تھے اسکے بعد پھر دوسری آیتیں سیکھتے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص خواجہ اجل شیرازی قدس سرہٗ کی خدمت میں عقیدت بیعت لیکر حاضر ہوا اور منتظر تھا کہ حضرت خواجہ اسکو کچھ نماز اور کچھ وظائف وغیرہ تلقین فرمائیں گے خواجہ نے دو ایک بار زبان مبارک سے یہ فرمایا کہ " جو چیز اپنے لئے پسند نکرو وہ دوسرے کے لئے بھی پسند نکرو " مرید اس روز تو واپس چلا گیا پھر چند دنوں بعد آیا

بعد از چند روز باز آمد گفت من
در مجلس اول منتظر بودم کہ شیخ مرا
وردی و نمازی ارشاد خواہد کرد
نکرد، امروز باید کہ کند شیخ فرمود
آں روز تختہ تو چہ بود مرید حیران ماند
ہیچ نگفت شیخ گفت آں روز
تختہ ءِ تو آں بود کہ ہر چہ بر خود روا نداری
بر دیگری ہم روا مدار چوں تو تختہ ءِ اول
ہنوز ضبط نہ کردہ تختہ ءِ دیگر نتواں داد
ای درویش ترا کہ در تختہ ءِ خاک
فرستادہ اند برائے آں فرستادہ اند
تا تختہ ءِ قیامت فرو خوانی و یک لمحہ از
ذکر آفریدگار تعالیٰ و تقدس غافل نباشی
کہ اگر غافل شوی زیانی عظیم کردہ باشی
چنیں گویند کہ در بہشت وادی است
چوں بندہ مشغول ذکر شود فرشتگاں
بنام او آنجا درختاں در بہشت نشانند
و چوں او از ذکر او تعالیٰ بایستد
فرشتگاں نیز از کار بایستند۔
بشنو بشنو! وقتی امام شافعی
رحمۃ اللہ علیہ از برائے اقامت
سنت لب خود پیش مزین داشتہ بود
و نرم نرم می جنبانید، مزین گفت

اور عرض کیا کہ اے حضرت میں پہلے دن منتظر ہی تھا
کہ آپ مجھے کچھ اوراد و وظائف اور نماز وغیرہ تلقین
فرمائیں گے لیکن آپ نے کچھ نہیں فرمایا اسی کے لئے
آج حاضر ہوا ہوں، میرے مناسب حال کچھ مجھے تلقین
فرما دیجئے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس روز تمہارا سبق کیا تھا
مرید حیرت میں پڑ گیا اور کچھ نہ کہہ سکا شیخ نے فرمایا کہ
اس دن تم کو یہ سبق دیا گیا تھا کہ جو کچھ اپنے لئے
نہ پسند کرو وہ دوسروں کیلئے بھی نہ پسند کرو۔ پس جب
تم نے پہلا ہی سبق ابتک یاد نہیں کیا تو دوسرا سبق
نہیں دیا جاوے گا۔ اے درویش جب تجھے اس زمین
پر بھیجا گیا ہے تو اسلئے بھیجا گیا ہے کہ قیامت کی یاد
تیرے اندر قائم ہو جائے اور ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے
پیدا کرنے والے تعالیٰ و تقدس کی یاد سے تو غافل
نہ رہے کیونکہ اگر تو اس سے غافل رہا تو پھر یہ سمجھ لے کہ تو
اپنا بہت ہی زیادہ نقصان کرے گا۔ بیان کرتے ہیں کہ
جنت میں ایک وادی ہے جب بندہ اللہ کی یاد میں
مشغول ہوتا ہے تو فرشتے اس کے نام کے درخت اسی میدان
میں لگانے لگتے ہیں اور جب بندہ اللہ کی یاد سے رک جاتا ہے
تو فرشتے بھی اپنا کام ملتوی کر دیتے ہیں۔ سنو سنو! ایک مرتبہ
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تکمیل سنت کے خیال سے نائی کے
سامنے بیٹھے اور اس سے کہا کہ میری لب بنا دو اور
آہستہ آہستہ اپنے ہونٹوں کو بھی ہلاتے جاتے
تھے۔ نائی نے کہا کہ حضرت ذرا دیر کیلئے اپنے لب کی

اے خواجہ یک ساعت لب خود را
ساکن دار تا بریدہ نشود گفت لب من
بریدہ باد بہتر از آنکہ از ذکر حق ساکت
گردد۔ قطعہ۔
نخشبی یاد حق تو چیزے است
گفت بی ذکر جملہ خاموشی است
ہر کہ از یاد حق بروں باشد
آں نہ یاد است آں فراموشی است

جنبش کو روک دیجئے تاکہ اطمینان سے بال کاٹ سکوں ایسا نہ ہو کہ حرکت کی وجہ سے لب ہی کٹ جائے حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میرا لب کٹ جائے اسکو بہتر سمجھتا ہوں اس سے کہ اتنی دیر تک کیلئے ذکر حق سے اپنے لب کو ساکن رکھوں "اے نخشبی حق تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ اگر کوئی گفتگو ذکر حق سے خالی ہو تو وہ گفتگو نہیں ہے خاموشی ہے جو شخص کہ حق تعالیٰ کی یاد سے جدا ہو گیا (اور وہ دوسری چیزوں کی یاد میں لگا) تو وہ یاد نہیں فراموشی ہے"

سلک نود و ہفتم

قیل من عبد اللہ لاجل الجنۃ فھو عبد الجنۃ ومن عبدہٗ خوفا من النار فھو عبد النار بشنو بشنو! اگر تو بندۂ خدا پرستی اندیشۂ بہشت و دوزخ از دل یک سو کن کہ بہشت بہتر آدم علیہ السلام زنداں شد و آتش بر بہتر ابراہیم علیہ السلام گلستاں گشت بندہ نخشبی گوید اگر ترا مخیر کنند کہ دو رکعت نماز خواہی دیا ہشت بہشت میباید کہ تو دو رکعت نماز خواہی زیرا کہ از ہشت بہشت دو رکعت نماز حاصل نشود اما از دو رکعت نماز ہزار چوں

سلک ۹۷ (برکت نماز)

کہا گیا ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت کی لالچ کی وہ عبد الجنۃ ہے (یعنی جنت کا بندہ) اور جس نے اسکی پرستش دوزخ کے خوف سے کی وہ عبد النار ہے (یعنی دوزخ کا پرستار) سنو سنو! اگر تم واقعی خدا کے بندے ہو اور اسی کی عبادت کرنیوالے ہو تو جنت اور دوزخ کا خیال اپنے دل سے یکسر نکالدو کیونکہ دیکھو جنت بھی حضرت آدم علیہ السلام کیلئے قید خانہ ہی بنگئی تھی اور نار نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام پر گلزار ہوگئی تھی۔ بندۂ نخشبی کہتا ہے کہ اگر تم کو اختیار دیا جائے کہ یا تو دو رکعت نماز پڑھ لو یا آٹھوں جنت لے لو تو تمکو چاہیئے کہ دو رکعت نماز ہی پڑھنا کیونکہ آٹھوں جنتوں کے ذریعہ دو رکعت نماز نہ مل سکے گی مگر دو رکعت نماز کی وجہ سے ان آٹھوں بہشت جیسی ہزاروں جنتیں حاصل ہو جائیں گی۔ ارباب حقد

بہشت بہشت حاصل شود اما باب حضور گویند عاشق چناں باید کہ ہمہ او بمعشوق مشغول باشد و مصلی نیز چناں میباید کہ ہمہ او بمعبود مشغول بود، امام ابو یوسف را رحمۃ اللہ علیہ پرسیدند جہود و ترسا را صدقہ باید داد؟ گفت آری باید داد. گفتند مردم بے نماز را باید داد گفت نی گفتند مردم بے نماز از جہود و ترسا کمتر است؟ گفت نی، امّا ایں سخن ازاں می گویم تا اورا ننگ آید و از بے نمازی توبہ کند بشنو بشنو! روزی شخصی پیش حضرت رسالت آمد صلی اللہ علیہ وسلم وگفت ہرچہ من رنج بیشتر می کنم گرسنہ تر می مانم پیغمبر فرمود صلی اللہ علیہ وسلم مگر تو نماز نمی گزاری گفت می گزارم فرمود اہل وعیال تو چونند گفت تبع من از من مصلی تر اند یارسول اللہ۔ رسول علیہ السلام متعجب ماند و فرمود درخانہ کہ نماز گزارند دراں خانہ درویشی چہ کند؟ فرمان آمد وقتی بے نمازی می گذشت و دراں خانہ باز بود نظر بے نماز درخانہ افتاد چہل سالہ برکت آں خانہ

کا کہنا ہے کہ عاشق کو ایسا ہونا چاہیئے کہ اسکا بال بال معشوق میں مشغول رہے۔ اسی طرح سے نمازی کو بھی ایسا ہونا چاہیئے کہ اسکے سب کے سب اعضاء معبود حقیقی کی عبادت میں مشغول رہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ یہودی اور مشرک کو صدقہ (نافلہ) دینا چاہیئے یا نہیں فرمایا کہ ہاں دے سکتا ہے۔ پھر پوچھا گیا کہ اور بے نمازی کو دینا چاہیئے یا نہیں؟ فرمایا کہ نہیں۔ اسپر لوگوں نے پھر حضرت سے سوال کیا کہ کیا ایک بے نمازی مسلمان یہودی اور مشرک سے بھی بدتر ہے؟ فرمایا نہیں ایسا تو نہیں ہے باقی یہ صدقہ نہ دینے والی بات میں نے اسلئے کہی تاکہ اسکو شرم آوے اور تارک نماز بنے رہنے سے تائب ہوجائے۔ سنو سنو! ایک دن ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ حضرت میں جسقدر محنت ومشقت زیادہ کرتا ہوں اسی قدر اور فاقہ اٹھاتا ہوں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تم نماز نہ پڑھتے ہوگے۔ عرض کیا کہ نہیں حضرت نماز تو پابندی سے پڑھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اچھا تمہارے اہل وعیال کی دینداری کا کیا حال ہے؟ عرض کیا کہ حضرت وہ سب بھی الحمد للہ میرا اتباع کرتے ہیں اور گھر کے لوگ مجھ سے بھی زیادہ پابند نماز ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سنکر بہت تعجب ہوا اور فرمایا کہ جس گھر میں نماز کا اتنا چرچا اور اہتمام ہو وہاں بھلا فقر وفاقہ کا کیا کام؟ وحی نازل ہوئی کہ ایک مرتبہ ایک بے نمازی شخص کا ادھر سے گذر ہوا تھا اسکے گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس بے نمازی کی نظر گھر کے اندر پڑگئی جسکی وجہ سے چالیس سال کیلئے اس گھر سے

بر گرفتند۔ عزیز من! در خانہ کہ یک نظر بی نمازی افتد برکت چہل سالہ از آں خانہ می گیرند و در خانہ کہ نعوذ باللہ منہا چہل روز نماز نگذارند برکت چگونہ باشد۔ قطعہ

بخشی تا تواں نمازی باش
تن بپاکیٔ دیں سپردہ نکو
گرچہ مردن نکو نباشد لیک
مردم بے نماز مردہ نکو

برکت رخصت ہوگئی عزیز من! خیال کرو کہ جب کسی گھر سے صرف ایکبار بے نمازی کی نظر پڑ جانے کیوجہ سے چالیس برس کے لئے برکت رخصت ہو جائے تو اگر کسی گھر میں چالیس روز نماز ہی نہ ادا کی جائے تو اسکی بے رونقی اور بے برکتی کا کیا حال ہوگا ؎

"اے بخشی جہاں تک تم سے ہو سکے نماز کے پابند رہنا دیکھو اپنے تن بدن کو دین کی پاکی میں لگائے رکھنا ہی اچھا ہے۔ اگرچہ انسان کا جلدی مرجانا کچھ اچھا نہیں ہے تاہم بے نمازی شخص تو جسقدر جلد اس دنیا سے رخصت ہو جائے بہتر ہی ہے"

سلک نود و ہشتم

بباید دانست ہر کاری کہ خواہی کرد اول او خطرات قلب باشد یعنی اندیشہ در خاطر بگذرانند بعد ازاں عزیمت باشد یعنی بداں اندیشہ راسخ باشد و بعد ازاں فعل باشد۔ یعنی آں اندیشہ مقرون بفعل باشد۔ عوام تا بفعل مقرون نکنند ماخوذ نگردند اما خواص ہم بخطرات قلب ماخوذ گردند بشنو بشنو! وقتے خواجہ جنید رحمۃ اللہ درویشی شگرفی را دید کہ از کسے چیزے میخواست

سلک ۹۸ (حسنات الابرار سیئات المقربین)

جاننا چاہئے کہ تم جو کام کرنا چاہتے ہوگے تو اس کا اول درجہ قلبی تصور ہوتا ہوگا یعنی پہلے دل میں اسکے کرنے کا خیال لاتے ہوگے اسکے بعد اس کام کا عزم پیدا ہوتا ہوگا یعنی یعنی وہی خیال پختگی کا درجہ اختیار کر لیتا ہوگا اور پھر اسکے بعد اس فعل کا وقوع ہوتا ہوگا یعنی وہی دھیان اور خیال فعل کے ساتھ مقرون ہو جاتا ہوگا' اب اسکے بعد یہ سمجھو کہ عوام الناس کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ جب تک اپنے تصور اور عزم کو فعلیت کے ساتھ مقرون نہ کر دیں ان سے کچھ مواخذہ نہیں ہے لیکن خواص سے انکے خطرات قلبی اور خیالات پر بھی مواخذہ ہو جاتا ہے۔ سنو سنو! ایکمرتبہ حضرت جنیدؒ نے ایک بہت بڑے درویش کو دیکھا کہ وہ کسی سے کوئی چیز مانگ رہا ہے، حضرتؒ کو

در خاطر خواجہ گذشت اگر آن درویش
را خواست نبودی چہ خوش بودی
شب آن درویش را در خواب
نمود گوئی طائفہ آں درویش را
آوردہ اند و پیش او بسمل کردہ
و گوشت او را میدہند کہ بخور خواجہ
گفت ای عزیزاں ایں آدمی مسلمان
و درویش است من گوشت او
چگونہ خورم گفتند ایں ہماں گوشت
است کہ یکبار خوردۂ چنانچہ یکبار
خوردۂ الحال ہم بخور قطعہ

نخشبی اندک از تو بسیار است
از قلیل و کثیر ہشں میدار
اندکی ہم بکس بدی مرساں
اندک از اصل می بود بسیار

یہ خیال ہوا کہ اگر اس درویش کے اندر یہ اتنی چاہ بھی نہوتی تو بہت خوب تھا۔ رات کو اسی درویش کو خواب میں دیکھا کچھ اسطرح سے کہ جیسے کچھ لوگ اسکو لیکر آئے ہیں اور حضرت ہی کے سامنے اسکو ذبح کیا ہے اور اسکا گوشت حضرت کو دیا کہ لیجئے نوش فرمائیے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اے لوگو یہ شخص مسلمان ہے اور ایک درویش صفت انسان ہے میں اسکا گوشت کیسے کھاؤں ان لوگوں نے کہا کہ پھر کیا ہوا یہ گوشت تو وہی ہے جسے آپ ایک دفعہ ابھی کھا چکے ہیں لہٰذا اب دوبارہ پھر سہی (اشارہ شیخ کے اسی باطنی خطرہ کیجانب تھا جو کہ گویا قلبی غیبت تھی)۔

"اے نخشبی تم نے جس راہ میں قدم رکھا ہے اس میں) تم سے صادر ہونے والی معمولی سی لغزش بھی بہت زیادہ کوتاہی ہے اسلئے اپنی طرف سے پیش آنیوالی قلیل و کثیر سب چیزوں سے ہوشیار رہنا خبردار کسیکو تھوڑی سی بھی برائی نہ پہونچانا کیونکہ تھوڑی سی چیز بھی آگے چلکر زیادہ ہوجاتی ہے جیسے جڑ سے نکلکر اوپر شاخیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔"

سلک نود و نہم

بباید دانست کہ فقرار
نہ آنند کہ ایشاں دنیا ندارند فقر
قطع علائق دنیا نیست آں زہد است
قطع دنیا است چوں نیکو بنگری میان
فقر حقیقی و میان غنای حقیقی ہیچ

سلک ۹۹ (اللہ والوں کی دل آزاری)

جاننا چاہیئے کہ فقرار وہ لوگ نہیں کہلاتے جن کے پاس دنیا نہیں ہے اسلئے کہ تعلقات دنیویہ کے قطع کرنے کا نام فقر نہیں ہے، اسکا یعنی قطع علائق دنیا کا نام تو زہد ہے۔ اگر تم بنظر غائر دیکھوگے تو فقر حقیقی اور غنائے حقیقی میں کچھ فرق نہ پاؤگے۔ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کو کیسا ملک اور کیسی شاہانہ سلطنت

فرقی نیابی آن چناں ملکی بسلیمان وادند آں خود را درمیان ژندہ پوشاں تعبیہ کردہ بود مسکین جالس مسکینان وقتی طائفہ پیری را پرسیدند بکدام طریق درائیم کہ بخداوند رسیم پیر گفت بکدام طریقت درآمدید کہ شما را راہ ندادند فقال الطریق الی اللہ تعالیٰ اکثر من نجوم السماء فما بقی منہا طریق الفقر وھو اوضح الطرق عزیز من اگرچہ ہمچنیں است اما فقر خصمے است بس درشت وقوی آہنیں جانی باید کہ با او سپر سینہ تواند زد ۔ وقتی اعرابی بر حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ آمد وگفت بر تو آمدہ ام تا مرا انصاف دہی از خصمی کہ او نہ بر صغار از سبب صغر ایشاں بخشاید ونہ بر کبار از سبب کبر ایشاں ۔ فقال علی من ھو قال الفقر فامر الخازن بعشرۃ آلاف درہم وقال یا اخی العرب باللہ ورسولہ علیک کلما اتیک خصمک معترضا فارجع الی متعوضا ۔

عطا فرمائی گئی تھی مگر انھوں نے خود کو کملی پوشوں ہی میں چھپائے رکھا اور یہی کہتے رہے کہ ایک مسکین اپنے بھائی مسکینوں کے پاس آبیٹھا ہے ۔ ایک مرتبہ لوگوں نے ایک شیخ مرشد سے پوچھا کہ حضرت کون سی راہ چلیں کہ خدا تعالیٰ تک پہونچ جائیں شیخ نے (کیا عمدہ جواب دیا) فرمایا کہ تم اب تک کونسی راہ اسکی جانب پہونچنے کے لئے چلے ہو کہ اس نے تمھارے لئے راستہ نہیں کھولا اور اپنے پاس تک پہونچنے نہیں دیا اور پھر فرمایا کہ میاں اللہ تعالیٰ تک رسائی کے راستے تو آسمان کے تاروں سے بھی زیادہ تھے اور اب انہیں سے صرف راہ فقر باقی رہ گئی ہے اور یہ سب راستوں سے زیادہ روشن اور کھلی ہوئی رہ ہے ۔ عزیز من ! حقیقت تو یہی ہے لیکن بات یہ ہے کہ فقر ایک ایسا خصم ہے جو نہایت ہی سخت ہے اور ایک ایسا مقابل ہے جو بہت ہی قوی ہے اور آہنیں پنجہ رکھتا ہے اسلئے اسکا مقابلہ کرنے کیلئے ایسی جان بھی ہونی چاہیئے جو سینہ سپر ہوکر اسپر سے گذر جائے ۔ ایکمرتبہ ایک اعرابی امیر المومنین حضرت علی بن ابیطالب کرم اللہ وجہہ کیخدمت میں آیا اور کہا کہ حضرت میں آپکے پاس ایک ایسے دشمن کے معاملہ میں مدد اور انصاف کیلئے آیا ہوں جو کہ نہ تو کسی چھوٹے پر اسکو چھوٹا سمجھکر رحم کرتا ہے اور نہ کسی بڑے کو بڑا ہی سمجھکر بخشتا ہے حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا کہ وہ کون دشمن ہے اس نے کہا کہ فقر (یعنی غربت اور فاقہ کشی) آپ نے خازن کو حکم دیا کہ اسکو بیت المال سے دس ہزار درہم دیدیئے جائیں اور اس آنیوالے سے فرمایا کہ اے میرے عربی بھائی! تجھے خدا اور رسول کا واسطہ دیکر یہ کہتا ہوں کہ آئندہ پھر جب بھی کبھی تیرا یہ خصم تیرے مقابلہ میں آئے اور تجھے ستائے تو فوراً مجھ سے اسی طرح مدد لینے کے لئے آجانا ۔

(باقی آئندہ)

اگر کسی شخص کو اول درجہ کا دق شروع ہو جائے اور اسکو اطلاع بھی ہو جائے اور پریشانی بھی ہونے لگے لیکن وہ صرف یہی کرے کہ جب کوئی اس سے ملنے آئے تو اسکے سامنے رونا شروع کر دے اور دن رات کڑھا کرے مگر علاج کیطرف توجہ نہ کرے تو نتیجہ اسکا کیا ہوگا صرف یہی کہ دس پانچ روز میں دوسرا تیسرا درجہ بھی شروع ہو جائے گا اور آخر کار ایک روز خاتمہ ہو جائیگا۔ تو غلطی اسکی یہ ہے کہ پریشانی کو علاج سمجھتا ہے حالانکہ تدبیر اسکی یہ تھی کہ روپیہ خرچ کرتا طبیب سے رجوع کرتا تلخ دواؤں پر صبر کرتا اور پرہیز پر مستعد ہو جاتا اگرچہ کسی ایک کے آگے بھی پریشانی کا اظہار نہ کرتا اسی طرح امراض باطنی اور معاصی میں بھی اصل تدبیر یہی ہے کہ کسی کامل کیطرف رجوع کرے گناہوں سے پرہیز پر مستعد ہو جائے تلخ تجاویز پر صبر کرے اس تدبیر سے انشاء اللہ تعالیٰ چند روز میں امراض دور ہو جاویں گے اور اخلاق حسنہ پیدا ہونگے۔ خوب کہا ہے ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

(میاں عاشق ہی کون ہوا ہے کہ جسکی جانب یار نے نظر نہ کی ہو بھائی جان درد ہی نہیں ہے ورنہ تو طبیب بہت ہیں)
یہ شیطان کی رہزنی ہے کہ دین کے رنگ میں دین سے ہٹا رہا ہے یعنی یہ خیال دل میں جما دیا ہے کہ صرف گریہ و بکا ہی کافی ہو جائے گا۔ عرفی کہتا ہے ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال صد سال میتواں بہ تمنا گریستن

(اے عرفی اگر صرف رو لینے سے وصال یار ہو جایا کرتا تو اسکی تمنا میں سو سال تک رویا جا سکتا تھا)
حکایت: مشہور ہے کہ ایک شخص نے ایک بدوی کو دیکھا کہ وہ بیٹھا رو رہا ہے اور سامنے ایک کتا پڑا سسک رہا ہے بدوی سے رونے کا سبب پوچھا تو کہا یہ میرا رفیق تھا چونکہ مر رہا ہے اسکے غم میں رو رہا ہوں۔ اس شخص نے کتے کے مرنے کا سبب پوچھا بدوی نے کہا بھوک سے مر رہا ہے یہ سنکر اس شخص کو بہت صدمہ ہوا نظر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا تو ایک بوری نظر پڑی بدوی سے پوچھا کہ اس بوری میں کیا چیز ہے بدوی نے جواب دیا کہ اسمیں روٹی ہے۔ اس شخص نے کہا ظالم تیرے پاس روٹی موجود ہے اور کتا بھوکوں مر رہا ہے اگر اس کے مرنے کا تجھے غم ہے تو اس میں سے روٹی نکالکر کیوں نہیں کھلا دیتا تو آپ کہتے ہیں کہ صاحب اتنی محبت نہیں کہ اسکو روٹی بھی دیدوں کیونکہ اس میں دام بھی لگتے ہیں، ہاں اتنی محبت ہے کہ اسکے غم میں رو رہا ہوں کیونکہ آنسوؤں میں تو دام نہیں

خروج ہوتے۔

گر جاں طلبی مضائقہ نیست   در زر طلبی سخن درین ست

(اگر جان طلب کرو تو کچھ حرج نہیں حاضر ہے، ہاں اگر مال مانگتے ہو تو البتہ اسکے دینے میں کلام ہے) ہماری وہی حالت ہے کہ گھر بار سب تمہارا لیکن کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا کہ گنا ہوں میں مبتلا ہونے سے رنج بھی ہے اور انکے مٹ جانے کی تمنا بھی ہے لیکن تدبیر نام کو نہیں اور ہے تو صرف اس قدر کہ دو آنسو بہالئے۔

(۵۶) محض بزرگوں کی توجہ کو علاج گناہ کیلئے کافی سمجھ لینے کی غلطی

اور بعض لوگوں کو توجہ بھی ہوتی ہے تدبیر بھی کرتے ہیں لیکن کہ کسی بزرگ کے پاس گئے اور اپنی حالت بیان کرکے فرمائش کی کہ آپ کچھ توجہ کیجئے اسکی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص طبیب کے پاس جائے اور اپنے امراض کو بیان کرے اور جب طبیب نسخہ تجویز کرے تو اس سے کہے کہ حکیم صاحب میری طرف سے یہ نسخہ آپ ہی پی لیں۔ ظاہر ہے اس شخص کو ساری دنیا احمق کہیگی اور سب قہقہہ لگائیں گے۔ بس یہی حالت طالبین توجہ کی بھی ہے کہ مریض تو یہ، مگر توجہ کریں بزرگ اور یہ توجہ نہ کریں۔

حکایت: حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ جب بمبئی تشریف لے گئے تو ایک سوداگر نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے حج نصیب کرے آپ نے فرمایا کہ ایک شرط سے دعا کروں گا کہ جس دن جہاز چلے اسدن پورا اختیار اپنے نفس پر مجھے دیدو کہ میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہاز میں تمکو بٹھلا دوں اور وہ جہاز تمکو لیکر روانہ ہو جاوے اور جبتک یہ نہ ہو صرف میری دعا سے کیا کام چل سکتا ہے کیونکہ جب تم قصد نہ کروگے دنیا کے کاروبار کو نہ چھوڑوگے نہ وہ خود کم ہونگے تو صرف میری دعا تم کو حج کیونکر کرادیگی کیونکہ خود کعبہ تو تم تک آنے سے رہا اسکو کیا غرض پڑی ہے اور جن کو یہ شرف نصیب ہو بھی گیا ہے تو انکو بھی اس صورت سے حج نصیب نہیں ہوا حج کرنے کے لئے انکو بھی خود کعبہ ہی میں آنا پڑا اور جب ایسوں کو بھی خود کعبے کی طرف جانے کی احتیاج تھی تو اس سوداگر کو تو کیوں ضرورت نہ ہوگی، اور یہ تجارت چھوڑ کر

جائیں نہیں تو محض حاجی صاحب کی دعا سے انکو کیا نفع ہو سکتا ہے تو جو لوگ کچھ تدبیر کرتے بھی ہیں صرف اس قدر کرتے ہیں کہ بزرگوں سے دعا کرا لیتے ہیں اور خود کچھ نہیں کرتے۔ صاحبو! خیال کیجئے، ابوطالب جو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا ہیں اور بہت بڑے محب کہ جس موقع پر تمام قریش نے مخالفت کی اور آپ کے دشمن ہوگئے، اس موقع پر بھی ابوطالب نے ساتھ دیا اور اسکے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے بہت محبت تھی اور آپؐ نے بجد کوشش انکے مسلمان ہونے کی فرمائی لیکن محض اس وجہ سے کہ انھوں نے ارادہ نہیں کیا حضور کی کوشش اور محبت کچھ بھی انکے کام نہ آئی اور آخر کار اپنی قدیم ملت پر انکا خاتمہ ہوگیا اس پر حضورؐ کو بہت رنج ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ جسکو آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جسکو چاہے ہدایت کرے

(۵۷) آجکل کام کی تمنا کرتے ہیں مگر ارادہ نہیں کرتے

اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو ہے مگر یہ بالکل غلط ہے کیونکہ تمنا دوسری چیز ہے اور ارادہ دوسری چیز ہے ایک مرتبہ دو شخص حج کو جانے کی بابت تذکرہ کر رہے تھے ان میں سے ایک نے کہا بھائی ارادہ تو ہر مسلمان کا ہے میں نے کہا صاحب یہ بالکل غلط ہے اگر ارادہ ہر مسلمان کا ہوتا تو ضرور سب کے سب حج کر آتے، ہاں یوں کہئے کہ تمنا ہر مسلمان کی ہے سو نری تمنا سے کام نہیں چلتا۔ ارادہ کہتے ہیں سامان کے مہیا کرنے کو، مثلاً ایک شخص زراعت تو کرنا چاہتا ہے مگر اسکا کوئی سامان مہیا نہیں کرتا اور ایک شخص اسکا سامان بھی جمع کر رہا ہے تو پہلے شخص کو متمنی اور دوسرے کو مرید کہیں گے۔ اسی طرح اگر دو شخص جامع مسجد پہونچنا چاہیں مگر ایک تو اپنی جگہ بیٹھا ہوا تمنا ظاہر کئے جائے اور ایک شخص چلنا شروع کر دے تو دوسرے کو مرید کہیں گے اور پہلے کو متمنی تو جب ارادہ ہوتا ہے کام بھی ضرور پورا ہو جاتا ہے گر کسی وجہ سے خود قدرت نہیں ہوتی تو کوئی رہبر مل جاتا ہے جو معین ہو کر کام پورا کرا دیتا ہے سی لئے کہتے ہیں السعی منی والاتمام من اللہ (میری طرف سے کوشش کرنا ہے ور پورا کرنا اللہ کی طرف سے ہے)۔

پس کام شروع کر دینا چاہئے خدا تعالیٰ خود مدد کریں گے اور کام پورا ہو جائے گا میں ایک عالی ہمتی کی حکایت آپ کو سناتا ہوں۔

حکایت: اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے بلایا ہے تو جس مکان میں انکو لیکر گئی ہے یکے بعد دیگرے سات حصے اس مکان کے تھے اور ہر حصہ مقفّل تھا اور قفل بھی ہر حصے کے نہایت مضبوط تھے غرض پورا سامان کیا گیا تھا کہ حضرت یوسفؑ باہر نکلکر نہ جاسکیں آخر زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنی خواہش کا اظہار کیا دھمکی بھی دی لجاجت بھی کی لیکن عصمت نبوت کے آگے ایک بھی نہ چلی واقعی حضرت یوسف علیہ السلام ہی کا کام تھا کہ اس مصیبت میں بھی انکو اتنا قوی توکل رہا جو آگے معلوم ہوگا۔ آپ نے دیکھا کہ مکان سب مقفل ہے نکلنے کی کوئی صورت بظاہر نہیں مگر ساتھ ہی قوت توکل نے ہمت دلائی کہ مجھکو اپنا کام توکرنا چاہیئے خدا تعالیٰ ضرور مدد کریں گے۔ چنانچہ آپ نے وہاں سے بھاگنا شروع کیا اور زلیخا آپ کے پیچھے ہوئی لکھا ہے کہ جس دروازہ پر آپ پہونچتے تھے قفل ٹوٹ کر گر جاتا تھا اور دروازہ خود بخود کھل جاتا تھا۔ اسی طرح ساتوں دروازے کھل گئے اور آپ صحیح و سالم عفت کے ساتھ باہر نکل آئے۔ اسی کیطرف اشارہ کرکے مولانا فرماتے ہیں ؎

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید — خیرہ یوسف وار می باید دوید

کہ اگرچہ قصر عالم میں کوئی دروازہ نظر نہیں آتا کہ اس سے نکلکر تم نفس و شیطان کے پھندے سے بچ سکو لیکن مایوس پھر بھی نہ ہونا چاہیئے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح دوڑنا چاہیئے پھر دیکھئے دروازہ پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔

(۵۸) توجہ الی اللہ کیلئے فراغت کا انتظار نفس کا حیلہ ہے

بہت سے لوگ اس انتظار میں ہیں کہ فلاں کام سے فراغت کرلیں تو پھر توبہ کرکے اپنی اصلاح کی تدابیر میں لگیں کسی کو لڑکے کے نکاح کی فکر ہے کسی کو مکان بنانے کی فکر ہے کسی کو جائداد کا شغل ہے صاحبو! ذرا غور تو کرو کتنے برس یہ کہتے ہوئے گذر گئے کہ اب کی برس کچھ ضرور کریں گے مگر آجتک ضروریات اور حاجات کا سلسلہ ختم ہونے نہیں آتا ع۔ لا ینتھی ارب الا الی ارب

دنیا کی ہر ضرورت کا خاتمہ ایک نئی ضرورت پر ہوتا ہے اور اسکا خاتمہ ایک دوسری ضرورت پر وھکذا الی غیر النہایۃ آخر یہ عمر دنیا یوں ہی تمام ہو جاتی ہے پس امروز و فردا پر ٹالنے سے کیا فائدہ ہمت کر کے کام شروع کر دینا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ خود مدد کریں گے کامل نہ ہوگے تو خالی بھی نہ رہوگے اگر تمکو صدیقیت کا درجہ بھی نصیب ہوا تو کچھ نہ کچھ تو ضرور ہی ہو رہوگے کم از کم خدا تعالےٰ کے ساتھ محبت اور لگاؤ دنیا سے بے تعلقی اور طبیعت کا اچاٹ تو ضرور ہی ہو جائے گا مگر افسوس ہے ہماری یہ حالت ہے ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم ۔۔۔ باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

(ہر رات یہی کہتا ہوں کہ کل اس خیالِ خام سے باز آجاؤنگا لیکن جب کل ہوتی ہو تو اسکو گذشتہ کل کی مانند آج ہی سمجھتا ہوں) کہ روز یہی وعدہ رہا کہ کل ضرور کرلیں گے مگر ساری عمر اسی کل کل میں گذر گئی اور کل نصیب نہ ہوئی حتیٰ کہ موت کا وقت سر پر آجاتا ہے اور اسوقت بجز حسرت کے اور کچھ نہیں بن پڑتا اور یہ تمنا کرتا ہے کہ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (اے رب کیوں آپنے مجھے مہلت کچھ اور دی کہ میں سچائی اختیار کرتا اور صالحین میں سے خود کو بنالیتا) مگر یہ تمنا رد کر دی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا (اور جب کسی نفس کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اسکو مہلت نہیں دیا کرتے) کہ اب ایک ساعت کی بھی مہلت نہیں مل سکتی اور صاحبو! ہم تو کیا چیز ہیں کہ ہمکو کچھ مہلت مل سکے۔

حکایت: حضرت سلیمان علیہ السلام جو کہ نبیٔ معصوم و مقبول ہیں انھوں نے جب بیت المقدس کی تعمیر شروع فرمائی اور اختتام تعمیر سے قبل آپ کی وفات کا وقت آگیا تو آپ نے یہ تمنا کی کہ بیت المقدس کی تعمیر تیار ہو جانے تک مہلت دیجائے لیکن قبول نہ ہوئی۔ غور کیجئے نبی کی درخواست اور بیت المقدس کی تعمیر کیلئے مگر نامنظور آخر آپ نے یہ درخواست کی کہ مجھے اسطرح موت دیجائے کہ جنات کو میری موت کی اطلاع اسوقت تک نہ ہو جب تک یہ تعمیر پوری نہ ہو جائے چنانچہ یہ درخواست منظور ہوئی اور آپ حسب عادت اپنے عصا پر سہارا لیکر کھڑے ہو گئے اور اسی حالت میں روح قبض ہو گئی اور سال بھر تک آپ کی لاش اسی طرح کھڑی رہی جنات نے آپکو زندہ سمجھکر کام جاری رکھا حتیٰ کہ جب تعمیر پوری ہو گئی اسوقت آپ کی لاش فرش پر گر گئی اور جنات کو اسوقت آثار سے معلوم ہوا

کہ آپ کے انتقال کو اسقدر زمانہ گذر گیا ہے۔ اسی کو خداتعالیٰ فرماتے ہیں مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ؁ (نہیں دلالت کرائی ان کی موت پر مگر گھن نے جس نے کہ ان کے عصا کو نیچے سے کھا لیا تھا (جسکی وجہ سے وہ گر گئے) چنانچہ جب وہ گر گئے تب جن پر یہ امر واضح ہوا کہ اگر وہ لوگ غیب جانتے ہوتے تو اتنے دنوں مشقت اور تعب کی تکلیف کیوں اٹھاتے) اور اس طریقہ پر موت دینے سے لوگوں کو یہ ہدایت بھی ہو گئی کہ جنوں کو علم غیب نہیں ہے۔ تو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو بیت المقدس تیار کرنے کیلئے مہلت نہیں دی تو ہمکو بیت المقدس تیار کرنے کیلئے کب مہلت مل سکتی ہے۔ غرض اس جملہ تقریر سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہم لوگ ارادہ تو کرتے ہیں لیکن ارادۃ الفعل نہیں کرتے کیونکہ ارادۃ الفعل وہ ہے جو کہ مقارن ہو فعل کے ساتھ کہ اسکے بعد فعل متخلف ہی نہ ہو۔ اور جسکو ہم ارادہ کہتے ہیں وہ نری ہوس ہے دیکھئے اگر ایک شخص کھانا کھانے کا ارادہ کرے لیکن نہ ہاتھ ہلائے نہ منہ چلائے نہ منہ کھولے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے کھانے کا ارادہ کیا' ہاں یہ کہیں گے کہ اس نے کھانے کی ہوس اور تمنا کی۔

(۵۹) بزرگوں کی توجہ کے موثر ہونیکے شرائط

اور جو لوگ بزرگوں کی توجہ کے امیدوار بیٹھے ہیں ان سے کوئی یہ تو پوچھے کہ کیا ان بزرگ کو بھی نری توجہ سے سب کچھ حاصل ہو گیا تھا یا انکو کچھ کرنا پڑا تھا اگر انکو کچھ خود بھی کرنا پڑا ہے تو کیا وجہ ہے کہ تمکو نری توجہ سے حاصل ہو جائے۔ اور بزرگوں کی توجہ سے انکار نہیں بیشک بزرگوں کی توجہ سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے لیکن اس توجہ کے اثر کیلئے محل قابل کی بھی ضرورت ہے۔ دیکھو اگر کھیتی کرنا چاہو تو زمین میں تخم ریزی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ تخم ریزی اسوقت کارآمد ہوتی ہے جبکہ زمین بنجر نہ ہو ورنہ تخم بھی ضائع ہوتا ہے اور محنت اور جانکاہی بھی رائگاں جاتی ہے۔ پس اول قابلیت پیدا کرو اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ اول ارادہ کرو۔

(۶۰) صرف ارادہ بھی بغیر توجہ بزرگوں کے اکثر کافی نہیں

ہاں نرا ارادہ بھی کافی نہیں جب تک کہ توجہ بزرگان نہ ہو کیونکہ ؎

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(بدون حق تعالیٰ کی عنایت کے اور خاصان حق کی عنایت کے اگر فرشتہ بھی ہو تو اسکا اعمال نامہ سیاہ ہی ہوگا)
اصل میں ارادہ کے پورا ہونے کیلئے اسکی ضرورت ہے کہ عنایات خداوندی متوجہ ہوا ور اسکی علامت یہ ہے کہ بزرگ خود متوجہ ہوں اکیلے کوئی کسی کا کام نہیں ہوا ؎

یار باید راہ را تنہا مرو　　بے قلاؤزاندریں صحرا مرو

کہ اس جنگل میں تنہا نہ چلو کسی رہبر کو ضرور ساتھ لیلو کہ وہ تم کو رستے کے خطرات سے محفوظ رکھے آگے کہتے ہیں ؎

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید　　ہم بعونِ ہمت مرداں رسید

اگر تم نے کسی کی حکایت سن لی ہو کہ وہ بغیر کسی رہبر کے اس رستے کو طے کر گئے تو اول تو یہ نادر ہے دوسرے واقع میں وہ بھی کسی کی ہمت کی بدولت منزل تک پہونچے ہیں اگرچہ ظاہر نظر میں معلوم نہ ہوا اور وجہ اسکی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی بہت سی مخلوق بلا کسی تعلق کے ہمارے لئے دعا کرتی ہے گو ہمکو خبر نہ ہو تو کوئی شخص اپنے کو مستغنی نہ سمجھے۔ اسی لئے فریدالدین عطارؒ کہتے ہیں ؎

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق　　عمر بگذشت و نہ شد آگاہ عشق

(بدون رہبر کے جو شخص راہ عشق میں چلا تو عمر گذر گئی اور عشق سے آگاہ ہی نہ ہو سکی)

گر ہوائے ایں سفر داری دلا　　دامن رہبر بگیر و پس بیا

(اے دل اگر تجھکو اس راہ کے سفر کی ہوس ہے تو کسی رہبر کا دامن پکڑ لے اور اسکے پیچھے پیچھے چلا چل)

در ارادت باش صادق اے فرید　　تا بیابی گنج عرفاں را کلید

(اے فرید تم ارادت میں سچے بنو تا کہ عرفان کے خزانے کی کنجی حاصل کر سکو)
غرض نہ بغیر چلے کام چلتا ہے نہ بغیر رفیق سیدھا راستہ ملتا ہے۔ دیکھو ایک نابینا شخص کسی جگہ پہنچنا چاہے تو اول اسکو چلنے کی ضرورت ہے اگر چلے ہی نہیں تو ہزار رفیق ملنے پر بھی راستہ

قطع نہیں ہوگا اور چلنے کے بعد رفیق و رہبر کی ضرورت ہے کیونکہ اگر رہبر نہ ہو تو ناآشنا رستہ میں ضرور کسی جگہ ٹھوکر کھا کر گر یگا بخیطر منزل پر پہونچنے کی صورت یہی ہے کہ اپنے پیروں چلے اور رہبر کا ہاتھ پکڑے بالکل ایسی ہی حالت اس رستہ کی بھی ہے کہ ارادہ کرنا اور کام شروع کر دینا اپنے پیروں چلنا ہے اور کسی بزرگ کا دامن پکڑ لینا رہبر کا ہاتھ پکڑنا ہے۔

(۶۰) صرف مرید ہونا بغیر اپنی سعی کے کافی نہیں

اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ لوگ جو آجکل نری پیری مریدی کو اصل کام سمجھتے ہیں یہ غلطی ہے نری پیری مریدی میں کچھ نہیں رکھا اصل کام خود چلنا ہے اور کسی رہبر کا ہاتھ پکڑ لینا اگرچہ مرید کسی سے بھی نہ ہو۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ میں داخل ہونے کے برکات کچھ بھی نہیں ہیں، اسکے برکات ضرور ہیں لیکن اسی کو اصل الاصول سمجھنا یہ بڑی غلطی ہے آجکل اس پیری مریدی کے متعلق وہ جہل پھیلا ہوا ہے کہ الامان والحفیظ۔

حکایت: میرے ایک دوست بیان کرتے تھے کہ ایک مکار پیر صاحب کسی گاؤں میں پہونچے اتفاق سے بہت ہی نحیف ہو رہے تھے مریدوں نے پوچھا کہ پیر تم اسقدر ضعیف کیوں ہو؟ پیر صاحب نے جواب دیا کہ ظالمو! تمھیں میرے ضعف کی خبر نہیں دیکھو میں اپنا کام بھی کرتا ہوں اور تمھارا بھی تم نماز نہیں پڑھتے میں تمھاری طرف سے نماز پڑھتا ہوں، تم روزہ نہیں رکھتے میں تمھاری طرف سے روزے رکھتا ہوں اور سب سے بڑی مشقت یہ ہے کہ سب کی طرف سے پلصراط پر چلنا ہوگا جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے بس ان فکروں نے لاغر کر دیا مرید یہ سنکر بہت خوش ہوئے ایک گوجر نے خوش ہو کر کہا کہ پیر میں نے تجھے اپنا مونجی کا کھیت بخشدیا، پیر کو خیال ہوا کہ دیہاتی لوگوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے اسی وقت چل کر قبضہ کر لینا چاہیئے کہا بھائی ابھی چلکر دیدو چنانچہ وہ گوجر ساتھ ہولیا رستے میں اتفاق سے کسی ڈول سے پیر صاحب کا پیر پھسل گیا اور گر گئے، گرنے کے ساتھ ہی اس گوجر نے ایک لات رسید کی اور کہا کہ تو جب اتنی چوڑی مینڈ پر نہیں چل سکا تو پلصراط پر کس طرح چلے گا؟ تو جھوٹا ہے جا ہم تجھے اپنا کھیت نہیں دیتے۔ تو صاحبو سچ بات یہی ہے کہ کام اپنے ہی کئے سے ہوتا ہے کسی دوسرے کے کئے کوئی کام نہیں ہوتا۔

... کی خانقاہ سے شائع ہونے والا
دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

شمارہ ۳ اپریل ۲۰۱۸ء جلد ۳

وصیۃ العرفان

حاملِ مضامین تصوف و احسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

چندہ ششماہی		چندہ سالانہ
لعہ		مثلہ
نو روپئے		اٹھارہ روپئے

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | ایک روپیہ

شمارہ ۴	اپریل سنہ ء مطابق جمادی الاخریٰ سنہ ھ	جلد ۳

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱-۷۔ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تزکیۂ نفس کا آسان طریقہ

(حضرت مصلح الامۃؒ کا ایک زرّیں ملفوظ)

فرمایا کہ ——— اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (قسم ہے جان کی اور اسکی جس نے اسکو درست بنایا پھر اسکی بدکرداری اور پرہیزگاری کا اسکو القا کیا یقیناً وہ مراد کو پہونچا جس نے اسکو پاک کر لیا اور نامراد ہوا جس نے اسکو دبا دیا) اسمیں اللہ تعالیٰ نے تزکیۂ نفس کی ترغیب دی ہے اور سعادت و شقاوت کا بیان فرمایا ہے جس سے تزکیۂ نفس کا مطلوب ہونا معلوم ہوا لیکن تزکیۂ نفس کا کیا طریقہ ہے اور کسطرح انسان اپنے نفس پر قابو پا سکتا ہے اسکے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی اللّٰھم آت نفسی تقوٰھا وزکھا انت خیر من زکھا انت ولیھا ومولاھا (یعنی اے اللہ دے میرے نفس کو اسکا تقویٰ اور پرہیزگاری اور پاک کردے تو اسکو تو ہی سب سے بہتر پاک کرنیوالا ہے تو ہی اسکا مالک ہے اور تو ہی اسکا آقا ہے) اس میں آپؐ نے امت کو یہ تعلیم فرمایا کہ تزکیۂ نفس آسان نہیں ہے لہٰذا انسان اگر خود چاہے کہ اپنی قوتِ بازو سے اپنے نفس پر قابو پالے تو یہ بڑا مشکل ہے لہٰذا اسکا آسان طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرے کہ اے اللہ! تو نے ہی نفس کو پیدا کیا اور تجھ نے ہی اسکو تقویٰ اور فجور دونوں الہام کئے ہیں لہٰذا مجھ میں تو یہ طاقت نہیں کہ میں تیری بنائی ہوئی چیز اور تیرے القا فرمائے ہوئے وصف کو بدل سکوں پس تجھی سے درخواست کرتا ہوں کہ تو میرے نفس کو اسکا تقویٰ عطا کر اور اسکے فجور اور بدکارگی کو زائل فرما کیونکہ آپ سے بڑھکر کوئی اسکا تزکیہ کرنے والا نہیں لہٰذا ہم آپ ہی سے اسکی درخواست کرتے ہیں کیونکہ آپ ہی نفس کے ولی ہیں اور اسکے آقا ہیں پس آپ ہی اگر اسکی اصلاح فرمانا چاہیں گے تو کوئی چیز مانع نہیں بن سکتی اور آپ کو ہی اگر اسکی اصلاح منظور نہ ہوگی تو پھر کوئی دوسری طاقت اسکی اصلاح نہیں کرسکتی۔

سبحان اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ہر چیز کی حقیقت سے کسقدر واقف ہیں۔ اب ایک طریقہ اصلاح نفس کا یہ ہے جو رسول کا بتایا ہوا ہے اسکی سہولت ملاحظہ فرمائیے اور ایک طریقہ وہ ہے جو مشائخ کے یہاں رائج ہے اسکی دقت اور دشواری کو دیکھ لیجئے اسی لئے کہتا ہوں کہ فلاح حاصل کرنے کیلئے طریق نبوی اختیار کرنا ضروری ہے بدون اسکے کشودِ کار محال ہے ؎

محال است سعدی کہ راہِ صفا — تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

انه يعاقب المريد على كل هفوة تصدر منه ولا سبيل الى الصفح عنه فى زلة البتة فان فعل لم يوف حق المقام الذى هو فيه وهو امام غاش برعيته غير قائم لحرمة ربه

(بیاض حضرت والا ص۳)

یعنی شیخ کیلئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ مرید کی ہر اس لغزش پر نکیر کرے اور اسے سزا دے جو اس سے صادر ہوتی ہو کیونکہ یہاں کسی غلطی کے معاف کرنے اور اس کے درگذر کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ اگر کسی شیخ نے معاف کر دیا تو جس منصب و مقام پہ فائز ہے اسکا پورا حق ادا نہیں کیا، چنانچہ اسکو اپنی رعیت کے ساتھ دھوکے کا معاملہ کرنے والا امام کہا جاوے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اپنے رب کی حرمت کے ساتھ قائم ہونے والا نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ چونکہ یہ حضرات امام ناصح اور اپنے رب کے ساتھ احترام کیساتھ پیش آنے ہوئے ہیں اس لئے حق مقام ادا فرماتے ہیں یعنی مریدین کی دیکھ بھال اور انکے اعمال و احوال پر کڑی نگرانی رکھتے ہیں اور چونکہ حق تعالیٰ کی طرف سے انھیں یہ منصب ملا ہوتا ہے اسلئے جہاں ضرورت سمجھتے ہیں تو یہ حضرات کچھ تیز بھی کہہ دیتے ہیں اور اسکا انکو حق ہے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے اسپر اجر و ثواب کی امید بھی رکھتے ہیں اور یہ جو میں نے کہا کہ اسکا انکو حق ہے تو اسکی ایک دلیل تو وہی ہے جو میں نے منہج العُمّال سے بیان کی ہے کہ اسکو مشیخت کے شرائط میں سے شمار کیا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفہیمات الٰہیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

والخلافة ظاهرة وباطنة فالخلافة الظاهرة اقامة الجهاد والقضاء والحدود والجباية والعشور والخراج وقسمتها على مستحقيها وقد حمل اعبائها العادلون من ملوك الاسلام والخلافة الباطنة تعليم الكتاب والحكمة وتزكيتهم بنور

الباطن بقوارع الوعظ وجواذب الصحبة -

(تفہیمات الٰہیہ)

یعنی خلافت کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری ایک باطنی، خلافت ظاہری تو یہی ہے مثلاً جہاد کرنا، مقدمات کے فیصلے کرنا، حدود و قصاص کا جاری کرنا، عشور و خراج کی وصولیابی اور انکو مستحقین پر تقسیم کرنا۔ چنانچہ اس بارکو اپنے کاندھوں پر سلاطین اسلام میں سے ان حضرات نے اٹھایا جو اہل عدل تھے ——— اور خلافت باطنی نام ہے کتاب اللہ کی تعلیم کا اور حکمت سکھانے کا لوگوں کا تزکیہ کرنے کا نور باطن کیساتھ ایسے مواعظ کے ذریعے سے جو کانوں کو کھڑکھڑا دینے والے ہوں اور ایسی صحبتوں کے ذریعہ سے جو اپنے اندر جذب مقناطیسی رکھتی ہوں۔

دیکھئے شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خلافت ظاہری کی مانند ایک خلافت باطنی بھی ہوتی ہے جس کے خلیفہ اور امام یہی حضرات مشائخ ہوتے ہیں۔ پس جیسے سلطان اور خلیفہ کو اصلاح ظاہر کے سلسلہ میں کبھی سیاست بھی کرنی پڑتی ہے اسی طرح سے ان حضرات کو بھی اہل نفس کو انکی رسوم و بدعات سے نکالنے کیلئے کبھی کبھی کچھ سختی اور سیاست کرنی پڑتی ہے جو انکی امامت اور خلافت میں قادح نہیں ہے۔ اسی منصب پر اپنے زمانہ میں حضرت رفاعیؒ بھی فائز تھے اور اسی مقام سے سیدنا عبدالقادر جیلانی کلام فرماتے تھے اور اب اس آخری دور میں یہی منصب اللہ تعالیٰ نے حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمایا تھا (ناقل عرض کرتا ہے کہ فی زماننا الحمدللہ اس مرتبہ پر ہمارے حضرت والا دامت برکاتہم فائز ہیں)۔

(حاشیہ عـہ) چنانچہ حضرت والا مدظلہٗ کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ زمانۂ حال کے ایک دوسرے شیخ کے مرید حضرت کے لوگوں سے کہتے تھے کہ بھائی حضرت کی جلالت شان کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ یہاں کوئی عالم یا بزرگ نہیں آتا مگر یہ کہ آنے کے ساتھ ہی اسکو اسکی فکر پڑ جاتی ہے کہ پہلے جا کر حضرت سے ملاقات کر آؤں۔ نیز حضرت والا کے فیض و برکات کا پتہ لوگوں کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں کہہ رہا تھا کہ تصوف کوئی بری چیز نہیں ہے باقی لوگوں کو جو اس پر اعتراض اور انکار ہوا تو اس وجہ سے کہ اہل تصوف اپنے اسلاف کے طریقہ پر نہیں رہ گئے۔ مشائخ کے یہاں صرف چند اشغال اور وظائف باقی رہ گئے جس کو انھوں نے تصوف کے نام سے پیش کیا اور لوگوں نے بھی اسی کو تصوف جانا باقی مشائخ کی اصلاح نفس اور تہذیب اخلاق سے متعلق جو تعلیمات تھیں انکو یکسر ترک کر دیا گیا جسکی وجہ سے تصوف جسد بے روح

رجوعات سے اور ان میں دینی تبدیلی پیدا ہو جانے سے چلتا ہے۔ اور شان تعلیم و تربیت کا علم حضرت والا کے ارشادات و ملفوظات و تالیفات سے بخوبی ہو سکتا ہے اور جنکو حضرت کی ایک مجلس بھی میسر ہو گئی ہے ان سے اسکی برکت کا حال معلوم کیجئے۔

ایک صاحب نے حضرت والا کی تعلیم و تربیت کا کچھ خلاصہ اپنے ایک خط میں لکھا ہے۔ بے محل نہ ہوگا اگر اسکو ہم یہاں نقل کر دیں، امید کہ ناظرین کیلئے موجب بصیرت ہوگا۔ وھو ھذا۔

"امت کی اصلاح کا کام بڑا مشکل ہے اسکے لئے اللہ تعالیٰ ہی اپنے جس بندہ کو منتخب فرما لیتے ہیں وہی یہ کام کر سکتا ہے اور جسکو اس منصب پر فائز فرمایا جاتا ہے اسکو اس کام کے سلسلے میں جن جن امور اور علوم کی حاجت پڑا کرتی ہے ان سب سے وہ نوازا جاتا ہے مثلاً کتاب و سنت کا علم امت کے حال پر شفقت و رحمت اور بصیرت وغیرہ یہ تمام چیزیں اسکو عطا کرتی ہیں، نیز اسکو کام کرنیکا طریقہ اور سلیقہ بھی دوسروں سے اچھا آتا ہے۔ چنانچہ وہ لوگوں کے نفوس کو اور نفوس کے کید کو بخوبی جانتا ہے جسکی وجہ سے اپنے کام میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی کامیابی اور اسکے طریقۂ کار اور اسکی صفات کو دیکھکر لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ ذات اصلاح امت کیلئے مامور من اللہ ہے۔ اور یوں بھی اس کے اخلاص کی برکت سے اہل سعادت پہچان ہی لیتے ہیں ؎

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی   کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

چونکہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو اس منصب پر فائز فرمایا ہے اسلئے حضرت والا کا طریقہ کار اصلاحات و ہدایات سبھی خاص شان رکھتی ہیں اور ان میں ہر ایک باب اصلاح میں اکسیر کا درجہ رکھتی ہے اور جسطرح سے کہ طبیب حاذق بہت طول طویل نسخہ نہیں لکھتا بلکہ چٹکلوں سے بڑے بڑے امراض کا

ہوکر رہ گیا اور یہ چونکہ ایک عملی چیز تھی اس سئے لوگوں سے جب عمل ختم ہوا تو آہستہ آہستہ علم بھی رخصت ہوگیا اور اسکی جگہ جہالت اور ضلالت سنے لے لی تو اس نوع کا بگاڑ کچھ تصوف ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر فن کا یہی حال ہے کہ جب لوگ حقیقت کو چھوڑ دیں گے اور رسوم پر عکوف کریں گے تو ظاہر ہے وہ فن ختم ہی ہو جائے گا کیونکہ کوئی بھی فن ہو وہ زندہ رہتا ہے اہل فن کے باقی رہنے سے اور جب اس فن کے بتانے اور سمجھانے والے

علاج کردیا ہے۔ اسی طرح سے حضرت والا نے بھی دین کے استنے بڑے وسیع علم کو چند لفظوں میں سمجھا دیا اور اس بحر نا پیدا کنار کو چند قدموں میں طے کرا دیا۔ چنانچہ مجالس میں تلاوت قرآن کی اہمیت اور طریقہ اور اسکے آداب تلقین فرما کر مخلوق کو گویا خالق سے جوڑ دیا اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ نسبت پیدا کرنے کا طریقہ بتلا دیا کہ طالبین خدا اسکو اختیار کریں اور اپنی نسبت استوار کریں۔

(۲) اوراد مسنونہ کو کچھ اس انوکھے انداز میں پیش فرمایا کہ ان کے سننے کے بعد اب معلوم ہوا کہ جن چیزوں کو ہم ابتک صرف اعتقادی سمجھتے تھے وہ محض علمی نہیں بلکہ عملی ہیں اور ربط بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے واسطے سے ارتباط باللہ کا ذریعہ ہیں۔ اسی مضمون کو حضرت والا نے اپنے مخصوص عنوان "بشریت کی راہ سے ترقی" سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس طور پر دین کا ایک بڑا باب کھولدیا اور ہماری غفلت سے ان سنتوں کے ضیاع کا جو اندیشہ تھا اسکا سد باب فرما دیا۔

(۳) پھر تلاوتِ قرآن ہو یا اوراد مسنونہ ان پر عمل کرنے میں جو چیز حائل بنتی تھی یعنی ہمارا نفس حضرت والا نے اپنے موثر انداز سے اسکے مارنے کی ترغیب فرمائی اور کتاب وسنت سے یہ ثابت فرمایا کہ اسکا مارنا فرض ہے۔

(۴) اور اسکے مارنے کا طریقہ بھی بیان فرما دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور جس طرح سے نفس کا مارنا فرض ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی محبت بھی فرض ہے۔

(۵) عام طور سے چونکہ انسان کو اپنے نفس سے محبت ہوتی ہے خواہ وہ عالم ہو یا عامی اسی وجہ سے اسکو اللہ تعالیٰ کا قرب میسر نہیں ہوتا لہٰذا نفس کی محبت کو قلب سے کھرچنے کے لئے اور اللہ تعالےٰ کی محبت کو قلب میں پیوست کرنے کیلئے کبھی کبھی یہ حضرات زجر و توبیخ بھی فرما دیتے ہیں جنمیں خاص

اور اسکو رسوم و بدعات سے صاف کرنے والے باقی نہ رہیں گے تو اس فن کو ختم ہی سمجھئے جیسا کہ اس زمانے میں بلکہ اب سے بہت پہلے تصوف کا حال ہو چکا ہے ورنہ تو جس زمانے میں تصوف کے کلی اہل فن موجود تھے اور اس کے اصول کی پوری پوری رعایت کیجاتی تھی تو اہل تصوف کا ایک دبدبہ اور شوکت قلوب پر قائم تھی اور اہل ظاہر ان اہل باطن سے گفتگو کرتے گھبراتے تھے کیونکہ سمجھتے تھے کہ حقیقی دین کے عامل یہی لوگ ہیں

میں نے آپ کے سامنے منہج العُمّال سے شیخ کی ایک شرط نقل کی تھی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی کتاب " القول الجمیل " سے شیخ کی جملہ شرائط جو اہل فن کے نزدیک معتبر ہیں نقل کر دوں تاکہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ یہ کس قدر مرتب اور مہذب فن ہے ایسا نہیں ہے کہ " یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں اٹھایا جا " چنانچہ اس میں بیعت لینے والے کیلئے بہت سی شرطیں ہیں یہ نہیں کہ جسکا جی چاہے وہ پیر بن جائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک سوال قائم کیا ہے کہ لعلک تقول اخبرنی ما شرط من یاخذ البیعۃ یعنی بیعت لینے والے (پیر و مرشد) کیلئے کیا کیا شرائط ہیں بیان فرمائیے۔ پھر آگے اسکا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شرط من

ں مرید ہی کی مصلحت ہوتی ہے اور یہ حضرات جو کچھ کرتے ہیں وہ کسی بدخلقی کی بنا پر نہیں کرتے کہ غیرۃً للحق اور شفقۃً علی الخلق کرتے ہیں اسلئے جو طالب کہ صادق ہوتا ہے وہ اللہ کے سلئے سکو گوارا کرتا ہے جس طرح کہ یہ حضرات اللہ ہی کے لئے اسکو کہتے سنتے ہیں اس بات کو ذہن نشین ماکر حضرت والا نے راستہ کو آسان اور مجاہدہ کو سہل فرما دیا۔

یہ چند امور ہیں جنکو حضرت والا کی تعلیمات کا اور ان چند دنوں کے ارشادات کا خلاصہ ر نچوڑ سمجھا ہوں۔ حضرت والا سے اسکی تصویب چاہتا ہوں اور اگر صحیح سمجھا ہوں تو اس علم پر ل اور عمل میں اخلاص کی دعا چاہتا ہوں۔ (انتہی حاشیہ)

یاخذ البیعۃ امورٌ احدھا علم الکتاب والسنۃ وما ارید المرتبۃ القصوی بل یکفی من علم الکتاب ان یکون قد ضبط تفسیر المدارک او الجلالین وغیرھا وحققہ علی عالم وعرف معانیہ وتفسیر الغریب واسباب النزول والاعراب والقصص وما یتصل بذلک یعنی شیخ میں یہ چند امور شرط ہیں اول یہ کہ کتاب و سنت کا علم رکھتا ہو اور اس سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ وہ ان دونوں میں منتہی ہو بلکہ قرآن کا اتنا علم ہونا کافی ہے کہ تفسیر مدارک یا جلالین یا انھیں کے مثل کوئی تفسیر محفوظ کر چکا ہو اور کسی عالم سے اسکو محقق کر چکا ہو یعنی اسکے معانی اور لغات مشکلہ کے تراجم، شان نزول اور اعراب قرآنی اور قصص وغیرہ کو سمجھ چکا ہو۔ ومن السنۃ ان یکون قد ضبط وحقق مثل کتاب المصابیح وعرف معانیہ وشرح غریبہ واعراب مشکلہ وتاویل معضلہ اور علم حدیث میں اتنا علم کافی ہے کہ مثلاً کتاب مصابیح یا مشارق الانوار کو ضبط و محقق کر چکا ہو یعنی اسکا ترجمہ جانتا ہو اور اسکے لغات مشکلہ کی شرح اور انکا اعراب اور معضل کی تاویل فقہاء کے مذہب کے مطابق جانتا ہو ولا یکلف بحفظ القرآن ولا الفحص عن حال الاسانید الاتری ان التابعین واتباعھم کانوا یاخذون بالمنقطع والمرسل انما المقصود حصول الظن ببلوغ الخبر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی بیعت لینے والا علم قرآن کے سلسلے میں اسکا مکلف نہیں کہ اختلاف قرأت کا بھی حافظ ہو اور علم حدیث کے سلسلے میں اسکا مکلف ہے کہ اسانید کی تفتیش کی ہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ تابعین اور تبع تابعین کا عمل یہ تھا کہ وہ حدیث منقطع اور مرسل کو بھی لے لیتے تھے اس لئے کہ مقصود صرف اتنا تھا کہ اس امر کا ظن حاصل ہو جائے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ بسلسلہ پہونچ گئی ہے اور یہ درجہ تفحص رواۃ پر منحصر نہیں ہے۔ ولا یعلم الاصول والکلام وجزئیات الفقہ والفتاوی یعنی بیعت لینے والا اصول فقہ یا اصول حدیث اور علم کلام اور فقہ و فتاوی کے جزئیات کے جاننے اور یاد رکھنے کا بھی مکلف نہیں وانما شرطنا العلم لان الغرض من البیعۃ امرہ بالمعروف ونھیہ عن المنکر وارشادہ الی تحصیل السکینۃ الباطنۃ وازالۃ الرذائل واکتساب الحمائد ثم امتثال المسترشد بہ

فی کل ذالک فمن لم یکن عالما کیف یتصور منه هذا اور ہم نے شیخ کے لئے عالم ہونے کی شرط اسلئے لگائی کہ بیعت سے مقصود امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا ہے۔ نیز مرید کی رہنمائی سکینۂ باطنی حاصل کرنے کی جانب اور اسکو رذائل سے بچانا اور فضائل کے اکتساب پر آمادہ کرنا ہے جس کے بعد مرید کے ذمہ یہ ہے کہ ان تمام امور میں اسکا اتباع کرے۔ پس جو شخص کہ ان سب امور سے خود ہی واقف نہ ہوگا وہ دوسرے کی کیا رہنمائی کریگا۔

وقد اتفق کلمة المشائخ علی ان لایتکلم علی الناس الامن کتب الحدیث وقرأ القران اللهم الا ان یکون رجل صحب العلماء الاتقیاء دهراً طویلا و تادب علیهم و کان متفحصاً عن الحلال والحرام و قافا عند کتاب الله و سنة رسوله فعسی ان یکفیه ذالک والله اعلم مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ لوگوں کو وعظ و نصیحت (یعنی اصلاح و تربیت) نکرے مگر وہی جس نے احادیث یاد کی ہوا ور قرآن کا علم حاصل کیا ہو مگر یہ کہ کوئی ایسا شخص ہو جس نے متقی علماء کی بہت مدت تک صحبت اٹھائی ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو اور حرام و حلال کا تفحص کیا ہو۔ اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹھہر جانے والا ہو یعنی اپنے افعال اقوال و احوال کو کتاب و سنت کے موافق کرلیا ہو تو امید ہے کہ اسقدر معلومات بھی اسکو کفایت کر جائے جبکہ وہ کامل عالم نہ ہو۔

والشرط الثانی العدالة والتقوی و یجب ان یکون مجتنبا عن الکبائر غیر مصر علی الصغائر یعنی بیعت لینے والے کیلئے دوسری شرط یہ ہے کہ اس میں عدالت وتقویٰ ہو لہٰذا ضروری ہے کہ گناہ کبیرہ سے اجتناب کرتا ہو اور صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو (فائدہ) شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مرشد کے کیلئے تقویٰ اس لئے مشروط ہوا کہ بیعت سے مقصود باطن کی صفائی ہے اور انسان مجبور ہے اپنے بنی نوع کے افعال کی اقتدار کرنے پر اور صفائی باطن میں فقط قول بدون عمل کے کفایت نہیں کرتا، تو جو مرشد کہ اعمال خیر سے متصف نہ فقط زبانی

تقریروں پر کفایت کرتا ہو وہ شخص برہم زن حکمتِ بیعت ہے۔ اسکے بعد شرط ثالث کو بیان فرمایا ہے جسکو ہم پہلے مفصلاً بیان کر چکے ہیں۔

والشرط الرابع ان یکون آمرًا بالمعروف ناهیا عن المنکر مستبدا برائه لا امعة لیس له رای ولا امرئ ذا مروة وعقل تام یعتمد علیه فی کل ما یأمر به و ینهی عنه قال الله تعالیٰ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ فما ظنک لصاحب البیعة یعنی چوتھی شرط یہ ہے کہ بیعت لینے والا معروف کا امر کرنے والا ہو۔ خلاف شرع امور سے روکنے والا ہو اور اپنی رائے پر مستقل ہو، مرد ہرجائی نہ ہو کہ اسکے لئے نہ کوئی رائے ہو اور نہ امر مروت والا ہو اور عقل کامل رکھتا ہو کہ اعتماد کیا جائے اس کے اوامر و نواہی پر۔ دیکھو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ گواہی ان لوگوں کی مقبول ہے جنکو تم پسند کرتے ہو یعنی بوجہ عدالت و تقویٰ کے، تو کیا تمہارا گمان ہے صاحب بیعت کے متعلق کہ اسکو کیسا ہونا چاہیئے؟

والشرط الخامس ان یکون صحب المشائخ و تادب بهم دهرا طویلا واخذ منهم النور الباطنة والسکینة وهذا لان سنة الله جرت بان الرجل لا یفلح الا اذا رأی المفلحین کما ان الرجل لا یتعلم الا بصحبة العلماء و علیٰ هذا القیاس غیر ذالک من الصناعات اور پانچویں شرط یہ ہے کہ بیعت لینے والا مرشدان کامل کی صحبت میں رہا ہو اور ان سے زمانۂ دراز تک ادب سیکھا ہو اور ان سے نور باطن اور سکینت حاصل کئے ہو اور یہ یعنی صحبت کاملین اسواسطے مشروط ہوئی کہ عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ مراد ملتی نہیں جب تک کہ مراد پانے والوں کو نہ دیکھے جیسے انسان کو علم نہیں حاصل ہوتا مگر علماء کی صحبت سے اور اسی پر پیشوں کو قیاس کرو مثلاً آہنگری کہ بدون صحبت آہنگر کے یا نجاری کہ بدون صحبت نجار کے نہیں آتی۔

(فائدہ) مولانا نے ارشاد فرمایا کہ جریان سنت اللہ کا بھید یہ ہو کہ انسان اس نہج پر مخلوق ہوا ہے کہ اپنے کمالات کو حاصل نہیں کر سکتا بدون اپنی ابنا رجنس کی معاونت اور مشارکت کے بخلاف اور حیوانات کے کہ انکے کمالات پیدائشی ہیں، اور کسبی نہایت کمتر ہیں

چنانچہ تیرنا حیوانات کا پیدائشی کمال ہے اور انسان کو بغیر سیکھے نہیں آتا۔

ولا یشترط فی ذالک ظھور الکرامات والخوارق ولا ترک الاکتساب لان الاول ثمرۃ المجاھدات لا شرط الکمال والثانی مخالف للشرع ولا تغتر بما فعلہ المغلوبون فی احوالھم۔ انما المامور القناعۃ بالقلیل والورع من المشتبھات۔ یعنی شیخ ہونے کے لئے یہ شرط نہیں کہ اس سے کرامات و خوارق کا بھی ظہور ہو اور نہ یہ شرط ہے کہ وہ ترک کسب کردے اسلئے کہ کرامات و خوارق وغیرہ مجاہدات و ریاضات کا ثمرہ ہیں نہ کہ شرط کمال۔ اور کسب کا ترک کرنا شرع کے خلاف ہے اور درویش مغلوب الحال جو باتیں کرتے ہیں ان سے دھوکے میں نہ پڑنا یعنی وہ جو ترک کسب کرتے ہیں اسکو سند نہ بنانا کیونکہ منقول یہی ہے کہ انسان تھوڑے پر قناعت کرے اور مشتبہات سے پرہیز کرے یعنی مال مشتبہ اور پیشۂ مکروہ نہ اختیار کرے باقی نفس مال کمانا اور پیشہ اختیار کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔

(فائدہ) مولانا نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح سے یہ بھی شیخ کیلئے شرط نہیں ہے کہ وہ کمال ترہب اختیار کرے یعنی عبادات شاقہ کو اپنے اوپر لازم کرلے مثلاً صوم دہر اور ساری رات جاگنے کو اختیار کرے اور عورتوں سے جدائی اختیار کرے اور لذیذ کھانے کھانا چھوڑ دے اور جنگل اور پہاڑوں میں رہنا شروع کردے مگر ہمارے زمانے کے عوام اسکو شرط کمال جانتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں بزرگی کیلئے تو شرط کیا ہوتیں جائز بھی نہیں اسلئے کہ تشدد فی الدین اور تشدید علی النفس میں داخل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنی جانوں پر سختی نکرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی کرے گا۔ اور ارشاد فرمایا ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام اسلام میں رہبانیۃ جائز نہیں (اور رہبانیۃ کے معنی وہی ہیں جو اوپر گذرے)۔

شیخ کے لئے کیا امور مشروط ہیں اور کیا نہیں انکا بیان ختم ہوا۔

نوٹ: (افسوس کہ یہ مضمون اتنا ہی مرتب ہو سکا اور کسی عارض کی بناء پر اسکی تکمیل نہ ہو سکی)

(تصوف کا ایک اہم مضمون)

فرمایا کہ — حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی ارشاد فرماتے ہیں :-

"کشف وخرق عادات وتصرف درعالم کون وفساد از ریاضت دست میدہد ولہذا حکماء اشراقیین وجوگیانِ ہند بداں متمتع می شوند وایں کمالات از نظر اعتبار اہل اللہ ساقط است. بجوزو مویزنمی خرند، دفع رذائل وقتل شیطان ووسواس بے طریق سنت ممکن نیست۔

پندار سعدی کہ راہ صفا توان رفت جز در پئے مصطفیٰ"

قاضی صاحبؒ نے اس عبارت میں اہل اللہ وغیر اہل اللہ کے تصوف وسلوک میں فرق بیان فرمایا ہے اور وہ تمام اغلاط جو سلوک میں پیش آتے ہیں انکا قلع قمع فرمادیا ہے کیونکہ اثناء سلوک میں جو اغلاط سالک کو پیش آتے ہیں اور جنکی وجہ سے سلوک تمام نہیں ہوتا وہ یہی سب چیزیں ہیں جو اشراقیہ اور جوگیوں میں ہوتی ہیں یہ لوگ ان کمالات کو مقصود سمجھتے ہیں اور اہل اللہ انکو کچھ نہیں سمجھتے حتی کہ ایک اخروٹ اور ایک دانہ کشمش کی تو کچھ وقعت بھی ہوتی ہے لیکن تصرفات کی انکی نظر میں اتنی قدر بھی نہیں اور یہ اسلئے کہ انکی نظر اعتبار میں کچھ اور ہی چیزیں ہوتی ہیں اور وہ توحید اور ذات وصفات کی سیر اور قرب وقبول عند اللہ ہیں چنانچہ جن لوگوں کا مقصود یہ نہیں ہے انکو قاضی صاحبؒ نے اہل اللہ کے زمرہ ہی سے ساقط کردیا ہے۔ اور قاضی صاحبؒ نے یہ جو فرمایا کہ یہ کمالات نظر اعتبار اہل اللہ سے ساقط ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کے تمام اعمال کا مبنیٰ للّٰہیت ہوتی ہے نفسانیت کو بالکل دخل نہیں ہوتا بلکہ اہل اللہ کے کمالات قرب وقبول عند اللہ کا ثمرہ ہوتے ہیں اور ملکوتی ہوتے ہیں۔ باقی جوگیوں کو جو یہ کمالات حاصل ہوتے ہیں تو اسمیں انکی نفسانیت کو دخل ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ جو ریاضات ومجاہدات کرتے ہیں ان سے مقصود انھیں تصرفات وغیرہ کی تحصیل ہوتی ہے پس انکے کمالات انکی ریاضات ومجاہدات کا ثمرہ ہوتے ہیں اور کمالات ناسوتی ہیں۔ بلا شبہ قاضی صاحبؒ کا یہ مضمون حق وباطل کا معیار ہے یعنی تصوف اور جوگ میں فارق ہے — قاضی صاحبؒ نے یہ جو فرمایا کہ "ایں کمالات از نظر اعتبار اہل اللہ ساقط است بجوز ومویز نمی خرند" مجھکو تو انکا یہ فرمانا بہت ہی لطف دے گیا اسی مضمون کو حضرت شیخ سعدیؒ نے اس شعر میں ادا فرمایا ہے سبحان اللہ تصوف کا حق ادا کردیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ؎

ندارند چشم از خلائق پسند که ایشاں پسندیدۂ حق بسند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ
ضمیمہ تلاوت قرآن

(از مرتب)

ناظرین کو معلوم ہوگا کہ حضرت مصلح الامۃؒ اپنے پاس آنے جانے والوں کو تلاوتِ قرآن پر بہت زور دیا کرتے تھے عالم کو بھی اور عامی کو بھی، اور یہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا اعلیٰ ترین ذریعہ یہی قرآن حکیم ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی وہ حبل متین ہے جس کا ایک سرا تو خدا تعالیٰ کے پاس ہے اور دوسرا سرا بندوں کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کے لئے یہی سبب تسلی ہے ؎

گفت مشق نام لیلیٰ می کنم خاطر خود را تسلی می دہم

یہی وجہ ہے کہ اللہ والوں نے ہر زمانہ میں اس کے ساتھ شغف رکھا ہے یہی تلاوتِ قرآن، باطنی ترقی کا عمدہ ذریعہ ہے اور ایمان و ایقان کے بڑھانے کا آزمودہ طریق ہے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ فہم معنی کو نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ نفس تلاوت کے یہ فضائل ہیں جو کہ صمیم قلب اور حسن نیت کے ساتھ ہو کیونکہ کتاب اللہ تمام عالم کے لئے ہدایت اور رحمت بنکر آئی ہے اگر اس سے حصے کا ملنا فہم معنی پر موقوف ہو جائے تو اس سے تو پھر صرف علماء ہی بہرہ ور ہو سکیں گے اور عوام کے لئے جنکی ہر زمانہ میں غالب اکثریت رہی ہے اور رہیگی گویا قرآن کی ہدایت میں سے کوئی نصیب نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تامہ اور حکمت عامہ سے بعید بات ہے۔ ہاں تلاوت کا درجہ ایک عامی بھی حاصل کر سکتا ہے اور اسکے ذریعہ قرآن کریم کے فیض اور اللہ تعالیٰ کے فضل عام سے وہ بھی فیضیاب ہو سکتا ہے۔

اس لئے اسکی جانب راغب کرنے کیلئے حضرت والاؒ نے تلاوت پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے

اور امت کو سمجھا دیا ہے کہ یہ ایک نہایت ہی ضروری چیز ہے مسلمانوں کو لازم ہے کہ اسکی جانب اعتناء کریں، چنانچہ حضرت والاؒ کے ان ارشادات کا ایک مجموعہ "تلاوت قرآن" کے نام سے تین چار بار شائع بھی ہو چکا ہے۔ ان دنوں قدیم مسودات میں ایک ذخیرہ تلاوت کے سلسلہ میں حضرت اقدسؒ کا ارشاد فرمایا ہوا اور ملا اگرچہ بعض باتیں ان میں ایسی بھی تھیں جو کتاب یا رسالہ میں طبع ہو چکی ہیں لیکن یکجا ہونے کی وجہ سے انکو درمیان سے جدا نہیں کیا گیا بلکہ سارے کا سارا اس ضمیمہ میں پیش نظر ہے۔ اور دینی مضامین کے اس نوع کے تکرار سے گھبرانا بھی نہیں چاہیئے آخر جددوا ایمانکم بقول لا الہ الا اللہ میں ایمان کی بار بار تجدید مطلوب ہی ہے، اور قند مکرر سے اپنے کام و دہن کو آشنا کرنا ہر زمانہ میں طریقۂ ارباب فرح و انبساط رہا ہی ہے اور ہمیشہ قرآن حکیم میں مضامین کے تکرار سے اہل محبت نے کیف و حال کا لطف حاصل کیا ہے اور عشاق مجازی نے تو اپنے محبوب کی زبان سے کلام کو مکرر سننے کی خاطر اپنے کو بہرا تک بنا لیا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ ؎

بہرا ہوں میں تو چاہیئے دونا ہو التفات
سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر

اس لئے امید ہے کہ ناظرین کو بھی اس ضمیمہ میں آیا ہوا تکرار (اگر کہیں آگیا ہو تو وہ بھی) ناگوار اور خاطر عاطر پہ بار نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ! حضرت اقدسؒ کی قبر کو نور سے معمور فرما دے کہ انھوں نے ہمارے لئے ان مضامین کے جمع کرنے میں بڑا تعب اٹھایا اور ہم سب کے قلوب کو تلاوت کلام اللہ کے نور سے بھر دے اور اس خدمت کو ہم سے قبول فرمائے۔ آمین۔

والسلام ناچیز جامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ تلاوتِ قرآن

فرمایا کہ ـــ تلاوت قرآن اور اسکی فضیلت کے بارے میں چند احادیث سنیئے:۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے

عن ابی موسیٰ الاشعریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المؤمن الذی یقرأ القرآن مثل الاترجہ ریحھا طیب وطعمھا طیب ومثل المؤمن الذی لایقرأ القرآن مثل التمرۃ لاریح لھا وطعمھا حلو۔ ومثل المنافق الذی لایقرأ القرآن کمثل الحنظلہ لیس لھا ریح وطعمھا مر ومثل المنافق الذی یقرأ القران مثل الریحانہ ریحھا طیب وطعمھا مر (متفق علیہ)

کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس مؤمن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے نارنگی جیسی ہے کہ خوشبو بھی اسکی عمدہ اور مزہ بھی اسکا اچھا اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہ پڑھتا ہو ایسی ہے جیسے کھجور کہ اس میں خوشبو تو ہوتی نہیں مگر مزہ اسکا شیریں ہوتا ہے۔ اسی طرح اس منافق کی مثال جو قرآن شریف تلاوت نہیں کرتا ایسی ہے جیسے حنظل کہ اسمیں خوشبو بھی نہیں اور مزہ بھی نہایت کڑوا اور مثال اس منافق کی جو قرآن پڑھتا ہے مانند ریحانہ کے ہے کہ خوشبو تو بہت عمدہ لیکن چکھنے میں کڑوی۔

وفی روایۃ ـ المؤمن الذی یقرأ القرآن ویعمل بہ کالاترجہ والمؤمن الذی لا یقرأ القرآن ویعمل بہ کالتمرۃ ـ

ایک اور روایت میں ہے کہ وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے اسکی مثال نارنگی جیسی ہے اور جو قرآن تو نہیں پڑھتا لیکن اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال تمرہ جیسی ہے۔

صاحب مرقاۃ اسکی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وفی القاموس الاترج والاترجه والترنج والترنجه معروف وهی احسن الثمار الشجریة وانفسها عند العرب لحسن منظرها صفراء فاقع لونها تسر الناظرین۔

قاموس میں ہے کہ اترج اور اترجہ اور ترنج اور ترنجہ مشہور پھل ہے (یعنی نارنگی) اور درخت کے پھلوں میں عرب کے نزدیک اس سے عمدہ اور اس سے نفیس کوئی پھل نہیں ہے اس لئے کہ اسکا ظاہری رنگ بھی نہایت ہی اچھا اور خوشنما ہوتا ہے یعنی تیز زرد جو کہ دیکھنے والوں کو خوش کر دیتا ہے۔

(ریحها طیب و طعمها طیب) قال ابن الملك یفید طیب النکهة ودباغ المعدة وقوة الهضم ومنافعها کثیرة مکتوبة فی کتب الطب فکذالك المومن القاری طیب الطعم لثبوت الایمان فی قلبه وطیب الریح لان الناس یسترحون بقراءته ویجوزون الثواب بالاستماع الیه ویتعلمون القرآن منه۔

(اور یہ جو فرمایا کہ خوشبو بھی اسکی عمدہ اور مزہ بھی نہایت لذیذ) تو ابن ملک کہتے ہیں کہ نارنگی کی خوبی اور عمدگی یہ ہے کہ منہ میں عمدہ خوشبو پیدا کر دیتی ہے۔ معدہ میں صفائی پیدا کرتی ہے اور قوت ہاضمہ کو بڑھاتی ہے اور بھی اس میں بہت سے فوائد ہیں جو کتب طب میں مذکور ہیں اسی طرح سے وہ مومن جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے وہ بھی خوش مزہ ہو جاتا ہے کیونکہ ایمان اسکے قلب میں راسخ ہو جاتا ہے اور خوشگوار خوشبو والا ہو جاتا ہے کیونکہ دوسرے لوگ اسکی قرأت سے راحت پاتے ہیں اور اسکی قرأت کی جانب کان لگانے کی وجہ سے اجر و ثواب سمیٹتے ہیں اور اس سے قرآن سیکھتے ہیں۔

(ومثل المؤمن الخ)... ثم ان کلام الله تعالیٰ له تاثیر فی باطن العبد و ظاهره وان العباد متفاوتون فی ذالك فمنهم من له النصیب الاوفر من ذالك التاثیر وهو المؤمن القاری۔

اور آگے مومن غیر قاری کی مثال کا بیان ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کیلئے انسان (قاری) کے باطن میں بھی تاثیر ہوتی ہے اور اس کے ظاہر میں بھی چنانچہ لوگ اس باب میں مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ پس بعض اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ انکو اس تاثیر سے حظ وافر ملا ہوتا ہے اور یہی مومن قاری ہے۔

(باقی آئندہ)

(مکتوب نمبر ۱۷۵)

حال: اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے خادم کو حضرت کی زیارت کرادی اور حضرت والا نے اپنی شفقت سے مجھ جیسے گنہگار کو قبول فرما کر شرف بیعت سے سرفراز فرمایا۔ میں ایک غیر مسلم تھا بچپن میں اسلام قبول کرلیا لیکن برے ساتھیوں کے ساتھ رہا۔ دنیا کی تمام برائیوں میں آجتک مبتلا رہا۔ مل میں کام کرتا ہوں سوا دو سو تنخواہ پاتا ہوں۔ تنہا تھا پھر بھی اپنی غلط کاریوں کی وجہ سے قرض دار اور پریشان تھا ایک لمحہ کے لئے میرے دل کو سکون نہیں تھا لیکن جس دن سے بیعت ہوا ہوں اور آپ نے گناہوں سے توبہ کرایا ہے الحمدللہ دل کو سکون حاصل ہوگیا ہے جو کبھی زندگی میں نہیں حاصل ہوا تھا۔ سٹہ اور جوا کھیلتا تھا بیعت کے بعد سے اب تک نہیں کھیل سکا ہوں۔ جب کھیلنے کو دل چاہتا ہے تو حضرت والا کی صورت سامنے ہوتی ہے الحمدللہ ابھی تک بچا ہوں۔ گانجہ پینے کی عادت ہے اس میں اسی دن سے کمی ہو رہی ہے۔ حضرت میں اپنی حالت کیا بتاؤں کہ میں کیا کرتا تھا۔ ابتو آپ کو پاکر سبھی کچھ بھول گیا ہوں۔ اب ذرا سی ایمان کی چاشنی ملی ہے۔ دعار فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے تمام گناہوں کو معاف فرما دے اور تمام برے کھیلوں اور بری عادتوں سے اللہ تعالےٰ بچائے اور مجھ پر جو قرضہ جات ہیں اللہ تعالیٰ بآسانی ادا کرادیں۔ اللہ تعالیٰ مجھکو صحیح زندگی گذارنے کی توفیق عطا کریں۔

ہر وقت آپ ہی کی یاد رہا کرتی ہے۔ افسوس ہے کہ میں بالکل آخری وقت پہونچا میری فلاح کیلئے دل سے دعار فرماد یجئے۔

تحقیق: الحمدللہ بخیر و عافیت ہوں۔ خط موصول ہوا خط کے مضمون سے بہت خوش ہوا الحمدللہ کہ بری عادتیں بہت سی ترک ہوگئی ہیں اور بہتوں میں کمی ہو رہی ہے۔ ایسے ہی اپنے عزم و ارادہ میں پوری قوت و ہمت کے ساتھ قائم رہو۔ اعمال صالحہ نماز و روزہ زیادہ سے زیادہ کرو اور اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرو جیسے جیسے

ایمان میں زیادتی ہوگی ویسے ویسے سب اخلاق رذیلہ دور ہوتے جائیں گے میں بھی دل سے دعا کرتا ہوں، اور متوجہ ہوں۔ صلاح وفلاح کے لئے اور سب باتوں کیلئے بھی دعا کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۱۷۶)

حال: گزارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ حضرت والا کی تشریف آوری سے اور مجلس میں شریک ہونے سے احقر پر جو آثار مرتب ہوئے ہیں وہ بیان نہیں کر سکتا انمیں سب سے زیادہ اپنے نفس کی اصلاح کی فکر لگی ہوئی ہے۔

تحقیق: اللہ تعالیٰ سب کو یہ فکر لگا دے

حال: ہر وقت یہی حزن وغم سوار رہتا ہے۔ تحقیق: یہ رہنا عین طریقت ہے۔

حال: کہ کیسے اس خباثت سے پاکی حاصل ہوگی۔ تحقیق: یہ ضرور خباثت ہے۔

حال، اب حال یہ ہوگیا ہے کہ کوئی خواہش نفس کیمطابق پوری ہوگئی تو بعد میں ایسی تکلیف وغم محسوس ہوتا ہے کہ اس سے بہتر ہوتا کہ جان ختم ہو جاتی مگر نفس کی خواہش پوری نہ ہوتی۔

تحقیق: الحمد للہ بڑی بات حاصل ہوئی۔ سچ کہتے ہو۔

حال، اور ایک حالت ایسی ہوتی ہے کہ اگر نفس کے خلاف عمل کیا اسکی خواہش خبیثہ پوری نہ کیا تو اسکے بعد ہی قلب میں ایسی قوت ایمانی محسوس ہوتی ہے کہ اگر رات بھر بھی وظیفہ وظائف پڑھتا تو یہ حالت میسر نہ ہوتی۔

تحقیق، بارک اللہ فی ایمانکم و اعمالکم (اللہ تمھارے ایمان وعمل میں برکت دے)

حال، اگر شب وروز طاعت وریاضت میں مشغول رہے تو وہ شاق جسم ونفس پر نہیں گذرتا جیسا کہ کسی ایک نفسانی خواہش کے خلاف عمل کرنے سے نفس پر گذرتا ہے۔

تحقیق: سچ کہتے ہو۔

حال، یہی وجہ ہے کہ نفس کشی کو جہاد اکبر قرار دیا گیا ہے۔ تحقیق، بیشک

حال: حضرت والا کی توجہ خاص جو احقر پر ہے سوائے اسکے کیا بیان کرے کہ اپنے نفس کی اصلاح کی فکر کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: روزانہ محاسبہ کرتا رہتا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اگر غم و حزن ہے تو اسی کا کہ کیسے اسکے قید و کید سے نجات ملے۔ کیونکہ جب بھی اسکو مخاطب کرکے کچھ کہتا ہوں تو اسکی خباثت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ نظر سے گویا دیکھ ہی رہا ہوں اس سے اور اسکی کراہیت محسوس ہوتی ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اب حضرت والا ہی سے دست بستہ عرض ہے کہ خاص توجہ فرماکر اس خطرناک گھاٹی سے نکالدیں۔ تحقیق: ضرور۔

حال: کیونکہ یہ فکر بھی تو حضرت ہی کی توجہ سے ہوئی ہے۔ تحقیق: بیشک۔

حال: اور حضرت کی ذات بابرکت سے قوی امید ہے کہ خاص توجہ فرمائیں گے۔ تحقیق: ضرور

حال: حضرت والا کی دعا سے اپنے تمام معمولات کو خشوع و خضوع سے ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ الحمدللہ۔

حال: اسکے لئے بھی دعا فرمائیں کہ حضور قلب حاصل ہوجائے۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں

حال: اسکول کے زمانہ میں جو نمازیں قضا ہوگئی تھیں وہ حضرت کی دعا سے ادا کررہا ہوں تحقیق: الحمدللہ۔

حال: اب ایک سال کی اور باقی رہ گئی ہے حضرت والا دعا فرمادیں کہ یہ بھی ادا کرنا سہل اور آسان ہوجائے اور جملہ اخلاق رذیلہ دور ہوجائیں اور اخلاق حمیدہ سے متصف ہوجاؤں۔ تحقیق: آمین آمین۔

(مکتوب نمبر ۱۷۷)

حال: تقریباً ایک ہفتہ قبل حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، مجالس میں شریک رہا حضرت والا کے مخصوص انداز بیان اور اتباع سنت پر نہایت ہی پرکیف بیان سے قلب پر بہت ہی اثر ہوا۔ تحقیق: الحمدللہ علی احسانہ۔

حال: اب یہ کیفیت ہے کہ اپنے عیوب پیش نظر رہتے ہیں۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: تمام امراض قلوب موجود ہیں۔ غصہ اور فضول گوئی میں زیادہ مبتلا رہتا ہوں لیکن ابکی حاضری میں ایسا غیر معمولی اثر ہوا ہے کہ نفس کی مخالفت کی عادت سی ہوتی جارہی ہے

تحقیق: الحمد للہ۔

حال: بلکہ کوئی میرے سامنے کسی کی غیبت وغیرہ کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مجھے گولی ماررہا ہے

تحقیق: خوب۔

(مکتوب نمبر ۱۷۸)

حال: عرض ہے کہ احقر جب سے بمبئی حاضر خدمت ہوا اور پھر یہاں جو بیانات وارشادات حضرت والا سے سنے اس سے بڑی ہدایت حاصل ہوئی۔ تحقیق: مبارک ہو۔

حال: ہر بیان میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حجابات اٹھتے جارہے ہیں اور حقیقت صاف و شفاف نظر آرہی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔ یہ علم مبارک ہو۔

حال: اللہ تعالیٰ کی محبت کی فرضیت اور اسکی حدود کہ اتنی محبت فرض ہے اور اس کے بعد مستحب یہ بھی خوب سمجھ میں آگئی۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: اللہ تعالیٰ حضرت والا کے طفیل میں تھوڑا سا حصہ اسکا مرحمت فرمادیں۔ تحقیق: آمین

حال: اور نفس کے متعلق بھی یہ معلوم ہوا کہ جب تک یہ مارا نہ جاوے گا کام نہ بنے گا۔

تحقیق: اور کیا۔

حال: مگر محبت کی طرح اسکی حدیں نہ سمجھ میں آئیں کہ کہاں کہاں اسکا مارنا فرض ہے اور کہاں مندوب۔ تحقیق: بتاتا ہوں۔

حال: اسکی ذرا وضاحت فرمادی جاتی تو بڑی سہولت ہوجاتی اور بڑا کام ہوتا۔

تحقیق: ضرور لکھوں گا۔

حال: اور خاص توجہ فرمائیں کہ نفس کا مارنا آسان ہوجائے۔ تحقیق: انشاء اللہ تعالیٰ

حال: اللہ تعالیٰ خلوص عطا فرمائیں اور اپنی مرضیات پر چلائیں۔ اور انعامات مرتفع ہوں

تحقیق: آمین۔

حال: جناب والا کے ارشادات پر جان و دل سے عمل ہو، اللہ تعالیٰ تا دیر جناب والا کو صحت و سلامتی کے ساتھ زندہ اور برقرار رکھیں اور مجھ نالائق کو جناب والا کے فیوض و برکات سے بہرمندہ فرمائیں۔ تحقیق: آمین۔

(مکتوب نمبر ۱۷۹)

حال: بعد آداب بندۂ ناکارہ بدقسمت کی گذارش بخدمت عالیہ یہ ہے کہ میں کچھ حالات بیان کرتا ہوں حضرت والا کو اطلاع دینے کی غرض سے مہربانی فرماکر تشخیص مرض اور تجویز دوا فرمائیں۔

مرض بڑا سخت ہے وہ یہ کہ کچھ دنوں معمولات میں ذوق و شوق رہتا ہے پھر وہ ختم ہو جاتا ہے اور معمولات بھی چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہوں دل لگتا ہی نہیں، پھر ایک حد تک دل لگتا ہے اور پابندی سے سب کچھ ادا کرتا ہوں، شوق و ذوق رہتا ہے پھر سب کچھ چھوٹ جاتے ہیں، حالات خراب ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک مدت کے بعد حالات بدل جاتے ہیں توبہ اور استغفار کرتا رہتا ہوں، ایسا ہی چند مرتبہ ہوا۔ جیسے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے ایسا ہی ہوتا ہے ۔۔ یہ مرض کیسا ہے؟ اور اسکی دوا کیا ہے؟ اور حالات کی تبدیلی اس طرح پر کیوں ہوتی ہے؟ حضرت والا اس کے متعلق کوئی تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

تحقیق: اللہ تعالیٰ کی طلب (آپ کے اندر سے) غائب ہے اور نفس کا پورا تسلط ہے جب یہ ہے تو میں بھی آپ سے ترک تعلق پر مجبور ہو جاؤں گا۔ والسلام۔

(مکتوب نمبر ۱۸۰)

حال: میں حضرت والا سے پہلی مرتبہ سعادت خطاب حاصل کر رہا ہوں۔ حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ سے بیعت و انتساب رکھتا ہوں۔ اسوقت انتہائی حزن وضیق اور کلفت و کُربہ سے دوچار ہوں دو مضائق درپیش ہیں ایسے کہ بس انقطع الاسباب

وھو مسبب الاسباب ۔ اور ۔ انقطع الرجاء الا عنہ جل مجدہٗ (یعنی ان پریشانیوں سے نکلنے کی ساری دنیوی صورتیں اور ذرائع منقطع ہیں بس اللہ تعالیٰ ہی مسبب الاسباب ہیں سوائے اسکے اور کسی سے امید ہی نہیں رہی) حضرت والا سے کشف سوء (ازالۂ خرابی) اور فتح باب خیر کی دعاء کی استدعا ہے ۔ حیثیت حقیر ضعیف اور مستضعف فی الغایۃ ہے (یعنی اس حقیر کی حالت نہایت ہی ضعیف در ضعیف ہے) حضرت اقدس تھانویؒ کی حیات میں حضرت سے رجوع کرتا حضرت بھی کرم فرماتے اور اللہ تعالیٰ عم نوالہ اپنا فضل عام و تام فرما دیتے ۔ اب آپ سے بالحاح ملحا نہ دعاء کی درخواست ہے ۔ حاشاک ان یحرم الراجی مکارمک (یعنی امید ہے کہ اپنے کرم سے اس امید رکھنے والے کو محروم نہ فرمائیں گے) لیسالی رمضان میں یاد فرمائیں ۔ والسلام ۔

تحقیق: مخدومی و مکرمی دام مجدکم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

محبی و مکرمی حکیم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سے اب سے کچھ پہلے آپ کا تذکرہ آیا تھا غائبانہ تعارف تو یوں تھا اب براہِ راست آپ سے ہم کلام ہوں حضرت گنگوہیؒ سے آپ کو جو نسبت اور تعلق حاصل ہے اسکا تقاضا تو یہ تھا کہ میں ہی آپ سے دعاء کی درخواست کرتا کہ آپ ہمارے مخدوم زادے ہیں تاہم حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے جناب کے تعلق نے کچھ بے تکلف کر دیا ۔ بہر حال آپ کے محبت نامہ سے بہت متاثر ہوا' آپ کے اشارات کو سمجھا جس لائق ہوں دل و جان سے حاضر ہوں ۔ جملہ مقاصد کیلئے بصمیم قلب دعاء کرتا ہوں ۔ اور ان ایام مبارکہ میں خود آپ سے بھی اپنے لئے دعاء کا طالب ہوں ۔ اللہ تعالیٰ صحت و قوت عطا فرمائے تاکہ اب سے کچھ کام کر لوں ۔ والسلام خیر ختام

(مکتوبات ج ۱۹ ص ۲۲۶)

(راقم عرض کرتا ہے مکتوب بالا سے سبق ملا کہ اہل فہم و ادب نے اللہ والوں سے کس قدر تادب اور عاجزی کے ساتھ عرض مدعا کیا ہے اور یہ کہ مشائخ نے بھی کتنا ادب

اپنے سلسلہ کے بزرگوں کو مانا ہے کہ ان سے ادنیٰ نسبت رکھنے والوں کے ساتھ بھی ادب واحترام کا وہی معاملہ فرمایا جو اکابر کا ان کے قلب میں موجود رہتا ہے۔ ایسی تواضع اور انکساری برتتے ہیں گویا ان بزرگ کے سامنے ہی موجود ہیں۔ یہ نسبت اور سلسلہ کا ادب ہے اسی سے پایا تھا جس نے کہ پایا تھا اور آج بزرگوں کے نسبی اور نسبتی اولاد تک کے ساتھ جو معاملہ روا رکھا جاتا ہے اسلاف کا طور ایسا نہ تھا اسی لئے ہم لوگ محروم ہیں (اللہ تعالیٰ ہر حق والے کو اسکا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرماوے آمین)۔

(مکتوب نمبر ۱۸۱)

حال: حضرت سے رخصت ہو کر حضرت کی دعوات صالحہ اور اسکے انوار کے ساتھ روانہ ہوئے سب سے بڑا نور یہ ملا کہ نہایت ہی عافیت اور حضور سے نماز عشاء، فجر باجماعت ادا کرنے کی اور دیگر اشغال کی توفیق اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا۔ سکون کی جگہ ریل میں ہم سب کو مل گئی اور عافیت سے سفر پورا ہوا۔ گھر پر سب لوگ خیریت سے صحیح سلامت ملے، فالحمد للہ۔

اللہ تعالیٰ ان انوار کو تا حشر اور بعد حشر قائم و دائم رکھیں مستنیر فرمائیں جو نورھم یسعیٰ بین ایدیھم و بایمانھم (یعنی حشر میں مومنین کا نور ان کے آگے آگے اور داہنی جانب چلتا ہوگا) کا نمونہ کامل ہو اور سنت نبویہ کی تعلیمات اور ان کے فیض و برکات جو حضرت والا کالریح المرسلۃ (مانند تیز رفتار ہوا کے) تقسیم فرما رہے ہیں اسکا حظ وافر اس ناقص اور ضعیف کو بھی نصیب ہو جو طریقۂ خیر حاوی للشریعۃ (شریعت کا جامع) اوفق لسنۃ النبویہ (سنت کے مطابق) اور اقرب الطرق (سب طریق سے قریب) واسہل للناس (سب لوگوں کے لئے آسان) واحب الی القلب (سب کو دلی محبوب) اور سب سے اطیب (خوشگوار) اور انور ہے (روشن) اور اقل عملاً واکثر عطاءً (کام کے لحاظ سے کم اور ثواب کے لحاظ سے زیادہ ہونے) کی پوری مثال ہے کہ عمدہ سے عمدہ خوراک ولباس واشیاء سے

بھی، اللہ تعالیٰ سے بھی جدید عہد اور تعلق پیدا کر کے قرب الٰہی اور درجات عالیہ حاصل کرتے چلے جاؤ۔

یہ ارشاد سنکر حضرت مولانا مرتضیٰ حسن مرحوم کی باتیں بے ساختہ یاد آگئیں عرصہ تقریباً چالیس پچاس سال کا ہوا ہوگا کہ . . . . میں غیر مقلدین حضرات نے جلسہ کیا اور اس میں انکی جماعت کے مشہور مناظر مولانا . . . . . صاحب بھی آئے تھے انھوں نے ایک تقریر میں مذاہب اربعہ کی تردید اور مذہب اہلحدیث کی تصویب بیان کرتے ہوئے ایک مربع لکڑی کا نقشہ (چوکھٹا) حاضرین کو دکھلایا اس کے ہر گوشہ میں الگ الگ مذاہب کا نام لکھدیا تھا اور درمیان میں اہلحدیث کو لکھا تھا اور پر زور طریقہ سے کہا کہ (دیکھو) چاروں مذہب بالکل جداگانہ بے جوڑ ہیں اور طریق حق سے الگ ہے اور صرف اہل حدیث کا تعلق مدینہ منورہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوا ہے بس یہی حق ہے۔

اسکے بعد احناف نے . . . . میں جلسہ کیا جس میں حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب تشریف لائے اور آپ سے اسکے جواب میں تقریر کے لئے کہا گیا چنانچہ مولانا کھڑے ہوئے اور شروع میں اپنے مخصوص طرز اور مزاحانہ انداز سے فرمایا کہ . . . . . (یعنی وہی غیر مقلد عالم) تو میرے ہاتھ کا چپت کھایا ہوا ہے مذاہب اربعہ کی تردید میں تقریر کر گیا ہے اور مربع نقشہ دکھلا کر لوگوں کو مغالطہ میں ڈال گیا ہے تو اے لوگو سنو! تم لوگوں کو اسکا ایسا آسان اور دلچسپ اور عمدہ جواب بتلاؤں گا کہ جس میں نہ کوئی عقل و نقل اور دلیل بیان کی جائے گی اور نہ کوئی خاص استدلال و استنباط ہوگا بلکہ ایسا سہل اور سیدھا جواب ہوگا کہ عامی سا عامی آدمی بھی خوب سمجھ جائے گا۔ تم اپنا کام کرتے جاؤ اور ساتھ ساتھ جواب سمجھتے جاؤ۔

(بقیہ خط آئندہ ملاحظہ کیجئے)

وہ یہ کہ حضرت والا اب قوم کی ضرورت رسائل، کتب اور مضامین سے زیادہ عمل کو سمجھتے تھے اور رذائل کی اصلاح، ترک نفاق، حصول اخلاص، اتصاف بالا خلاق کی جانب ان کو متوجہ کرنا اہم تصور فرماتے تھے، سب مضامین اور مقالے تو اس سلسلہ میں ابتک اسلاف جو مدت کر چکے ہیں اسکو کافی و وافی خیال فرماتے تھے، چنانچہ علامہ خولی یا اور کسی مصری عالم کی اس بات کو بہت سراہتے تھے اور اکثر و بیشتر اسکو لطف سے لیکر حاضرین کو سناتے تھے۔ فرماتے تھے کہ دیکھو کیا فرمایا ہے کہ "اے لوگو! تم اس قدر بولے ہو کہ یہ جَو (یعنی فضا) تمھارے کلام سے بالکل بھر چکی ہے اب یہ بتلاؤ کہ تم عمل کب کروگے؟"

چنانچہ اسی جذبہ کا وہ بھی اثر تھا کہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ نے جب جب جامع المجددین، تجدید تصوف و سلوک اور تجدید تعلیم و تبلیغ تصنیف فرماکر حضرت اقدسؒ کے پاس بنظر اصلاح ملاحظہ کیلئے بھیجی تو باوجودیکہ یہ سب حضرتؒ کے طریقہ اور مسلک ہی کی چیزیں تھیں اور حضرتؒ کے شیخ ہی کے کلام کی نشاۃ ثانیہ تھی مگر انکو بھی یہی تحریر فرمایا تھا کہ

"آپ کی درخواست (ملاحظہ بنظر اصلاح سے) خواہ تواضع کی رہی ہو یا نہ رہی ہو (کیونکہ انھوں نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ۔ بنظر اصلاح ملاحظہ کی درخواست نہ تواضعاً بلکہ واقعتاً اپنی غلطیوں پر مطلع ہونا مقصود ہے تاکہ دوسری طباعت میں اصلاح ہوسکے) لیکن دوسروں کو تو آپ کے سامنے تواضع کرنی ہی پڑے گی اسلئے کہ خلاف تواضع وہ شخص کچھ کرسکتا ہے جو پہلے اس سے بڑھکر یا کم از کم اسکے برابر کوئی خدمت اس کے مقابلے میں پیش کرے اور اگر اپنا دامن اس سے خالی ہے تو اہل خدمت کی خدمات کا اعتراف کیے بغیر چارۂ کار نہیں حضرت (مولانا تھانویؒ) رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور حضرتؒ کے مسلک کو اس علمی دنیا میں انھیں کی زبان میں آپ نے ایک نئے اور مخصوص طریقہ سے پیش فرمادیا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

اب ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے افراد پیدا کیے جائیں اور اس جماعت میں یوماً فیوماً اضافہ ہو کیونکہ جبتک

کسی مسلک کی پشت پناہ کوئی جماعت نہ ہو اسکا اعتبار ہی کیا ؟"

چونکہ حضرت والا کا یہی مزاج اور مذاق ہی تھا اسلئے کسی کتاب وغیرہ کی تصنیف و تالیف سے کوئی خاص دلچسپی نہ لیتے تھے بلکہ کسی کی کوشش اور ترغیب سے اگر کوئی اللہ کا بندہ دین پر لگ جاتا تھا اور اپنی اصلاح کیجانب متوجہ ہو جاتا تھا تو اسکو زیادہ پسند فرماتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ افراط و تفریط سے خالی ہو کر جو شخص تبلیغی مساعی کا اور اسکے ذریعہ مسلمانوں کے نفع کا تذکرہ حضرتؒ سے کرتا تو اس سے خوش ہوتے کہ چلو کامل دین کی جانب (یعنی مکمل اصلاح کی جانب ابھی متوجہ نہیں ہو سکا ہے نہ سہی نماز روزہ میں تو لگ گیا آگے وہ بھی ہو جائے گا) ۔

تیسری بات جوان مولوی صاحب کے خط میں تھی اسکے الفاظ کا تو خود حضرت والاؒ نے اعادہ فرمایا ہے اور پھر اسکا جواب عنایت فرمایا ہے ۔ مولوی صاحب مدظلہٗ نے تحریر فرمایا تھا کہ :۔

" درحقیقت یہ تحریک (یعنی تبلیغ) غیر طالبین کی دینی تعلیم و تربیت کا ایک نظام ہے یا بالفاظ دیگر یہ کہ غافلوں میں طلب اور فکر پیدا کرنے کی ایک منظم کوشش ہے "

خط کی اس تیسری بات کا جواب حضرت والا نے ذرا تفصیل سے دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدسؒ نے بھی مولوی صاحب موصوف کی اس بات کو کچھ اہمیت دی اور اسکا کوئی خاص منشا اپنے ذہن میں سمجھا جسکی ترجمانی خود حضرت والا کے جواب کے الفاظ کر رہے ہیں ۔

راقم جو سمجھ سکا وہ یہ ہے کہ ان مولوی صاحب نے اپنے اس کلام سے کہ " درحقیقت یہ تحریک الخ " تحریک تبلیغ کا کچھ تعارف حضرت اقدس سے کرانا چاہا تو حضرت نے اس سے یہ سمجھا کہ میں تو آخر اس سے واقف ہی ہوں اور میں خود بھی ایک کام کر رہا ہوں پھر جوان مولوی صاحب نے یہ زحمت گوارا کی تو اسکا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید میرے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اور مجھے اس کام کا مخالف جانکر میرے ذہن کو صاف کرنا منظور ہے اور یا میری عملی شرکت نہ دیکھکر یا میرے اپنے کام کو کافی نہ سمجھکر مجھکو ہی ترغیب دینا مقصود ہے ،

ظاہر ہے ان امور سے رفع غلط ضروری تھا اس لئے حضرت اقدسؒ نے صاف صاف فرمادیا کہ بھائی مولوی صاحب سنو! مشکوٰۃ شریف میں حضرت علیؓ سے جو حدیث شریف نقل فرمائی گئی ہے تو اگر مجھ جیسا کوئی شخص اسپر عمل کرلے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ ملوم و ملامت کیا ہوا نہ ہوگا لہٰذا لوگوں کو بھی اس پر یا اسکے نقل پر ملامت نہ کرنی چاہیئے۔

اور اسی پر بس نہیں فرمایا بلکہ آگے ابن عباسؓ کی ایک اور حدیث نقل فرمائی جس میں عوام کی اصلاح کو خواص کی اصلاح پر موقوف ہونے کو فرمایا گیا ہے۔ مطلب حضرت اقدسؒ کا واللہ تعالیٰ اعلم یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرمانا چاہا ہے کہ آپ کی تحریک کا مقصد غافلین عوام کی دینی تعلیم و تربیت ہے تو بہت بہتر لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عوام سے مقدم خواص و علماء کی اصلاح ہے کیونکہ جب خواص ہی بدحال ہونگے تو اسکی وجہ سے عوام کا بدحال ہونا لازم ہے (جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے) اور ظاہر ہے کہ انکی اصلاح مشائخ ہی سے اور انکے تعلیم فرمودہ مجاہدات ہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے جس کے لئے اسلاف نے خوانق کی بنا ڈالی ہے اور اسی سلسلہ سے بقدر اپنی استطاعت و ہمت کے میرا بھی تعلق ہے پس ہم بھی تو وہی کام کر رہے ہیں بلکہ اصل کارہی کی طرف متوجہ ہیں۔ اسی کو آگے "وانی لنا" کہکر اشارہ فرمایا کہ افسوس کہ ایسے اداروں کی جنکی ضرورت فی زمانہ زیادہ ہے آج بہت کمی ہے بلکہ نایابی ہے لہٰذا اسکی فکر اور انکی بقاء کی فکر بھی از بس ضروری ہے۔

اسی کو میں نے عرض کیا تھا کہ حضرت والا خود سے اور ابتداءً تو اس سلسلہ میں اپنی زبان بند ہی رکھتے تھے لیکن اگر کسی کو بطور خود یا اپنی جانب سے کسی غلط فہمی کا شکار ہوتا دیکھتے تو اسکا ازالہ بھی نہایت نرمی اور حسن خلق کے ساتھ ضرور فرمادیا کرتے تھے جیسا کہ مکتوب بالا کے جواب باصواب میں آپ نے ملاحظہ فرمایا۔

حاصل یہ کہ اس باب میں بھی حضرت والاؒ کا طریق تو نہایت واضح اور بالکل عیاں تھا معلوم نہیں لوگوں کو کہاں سے اس سلسلہ میں غلط فہمی ہوگئی، جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں شاید اسکا منشاء یہ ہوا ہو کہ نفس تبلیغ کو تو حضرت مصلح الامتؒ بھی ضروری اور کتاب و سنت سے مبرہن سمجھتے تھے اور تبلیغ کرنیوالوں کیلئے کچھ شرائط کو بھی ضروری قرار دیتے تھے لیکن کسی مخصوص

صورت کے ساتھ اسکو مقید اور منحصر نہیں خیال فرماتے تھے بلکہ دین کے اور دوسرے شعبوں مثلاً تعلیم و تدریس، وعظ و نصیحت اور رشد و ہدایت ان سب امور کو بھی تبلیغ دین ہی کا فرد قرار دیتے تھے چنانچہ جسطرح سے جماعت تبلیغ کے نظام کو مطلق تبلیغ کا ایک فرد سمجھتے تھے اسی طرح سے خود اپنے اختیار کردہ طریق کار کو بھی اسکا ایک فرد سمجھتے تھے۔ لہٰذا جب بھی کسی جانب سے افراط و تفریط ملاحظہ فرماتے تو اسکی اصلاح بھی فرما دیا کرتے تھے۔ اب اس اصول کے تحت اگر کبھی اور کہیں سے خود حضرتؒ ہی کے لوگوں کے متعلق کسی نے کچھ شکایت حضرتؒ تک پہونچائی۔ تو حضرت اقدسؒ سے اپنے لوگوں کی تنبیہ بھی ثابت ہے اور اس کے برعکس اگر کہیں اہل تبلیغ نے غلو اور افراط سے کام لیا اور وہ حضرت والا کے علم میں آگیا ہے تو حضرت نے اپنے منصب اصلاح کی رو سے انکی بھی اصلاح فرمائی ہے۔ حضرت اقدس کے حالات میں دونوں طرح کے معاملات ملتے ہیں (جو آئندہ صفحات میں انشاء اللہ ناظرین کے ملاحظہ سے بھی گذریں گے) چنانچہ جس شخص کے سامنے ان دونوں قسم کے معاملات میں سے کوئی ایک ہی آیا تو وہ حضرت اقدسؒ کی جانب سے کچھ غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا۔ مثلاً جس نے یہ دیکھا کہ حضرت والا اپنے لوگوں کو تبلیغی جماعت کی مخالفت کرنے سے منع فرما رہے ہیں اور اس سلسلہ میں انھیں تنبیہ و ہدایت فرمائی جا رہی ہے تو اس نے سمجھا کہ حضرت والا بالکلیہ جماعت کے کاموں سے متفق ہیں، اور جس کے سامنے اور بھی دوسرے حالات و واقعات کی تفصیل آئی تو بہت سے لوگوں نے (اس کے مجموعہ سے یہ اخذ کیا کہ حضرت والا گو جماعت کے ساتھ دعاءً شریک ہیں لیکن عملاً شریک نہیں ہیں (نہ اس سے مخالفت کی بنا پر بلکہ خود ایک مستقل کام میں مشغولیت کی وجہ سے جس کا تحفظ بھی اسلاف کے طریقہ پر ضروری ہے) اور راقم کے نزدیک بھی اس جماعت کا خیال صحیح تھا لیکن بعضوں نے اور ترقی کر کے یہ سمجھ لیا کہ حضرت والا اس تحریک ہی کے مخالف ہیں، راقم کے نزدیک ان حضرات کا یہ استنباط صحیح نہ تھا اسلئے کہ طریق کار کا مختلف ہونا اور بات ہے اور کسی جماعت ہی کا مخالف ہونا اور بات ہے چنانچہ حضرت اقدسؒ جماعت کے مخالف نہ تھے ہاں حضرت والا کا طریق کار اسکے طریق کار سے جدا اور مختلف ضرور تھا اس میں دو رائے نہیں۔ اور جس طرح سے یہ غلط فہمی خلاف اور اختلاف والی حضرت اقدسؒ کے بعض لوگوں کو ہوئی اسی طرح سے دوسری جانب

بھی بعض حضرات کو ہوگئی کہ انھوں نے بھی حضرت والاؒ کیجانب اختلاف اور مخالفت کی نسبت بھی اور بدگمانی کا شکار ہوگئے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت مصلح الامتہ نے اسکی مخالفت بھی نہیں فرمائی جس طرح سے کہ اسمیں عملی شرکت بھی کبھی نہیں فرمائی اور نہ کبھی اپنے مخصوص لوگوں کیلئے سلک جماعت میں منسلک ہوکر اسی طرح کام کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ اور مخصوص لوگ اسلئے عرض کیا کہ اگر کبھی کسی کو حضرت والا کی جانب سے اختیار و اجازت کا بھی نوبت ہو تو راقم کے علم و مشاہدہ کے مطابق وہ ایسے ہی چند افراد ہوں گے جن کا تعلق جماعت کے کاموں سے سابقاً رہا ہوگا اور انھیں حالات میں وہ حضرت اقدس کیجانب رجوع ہوکر حضرت والا سے بیعت بھی ہوگئے ہوں گے پھر بعد تعلق جدید بھی اپنے قدیم تعلق کی بنا پر کبھی نہیں جانے کی اجازت حضرت والا سے چاہی ہوگی تو حضرت والاؒ نے بھی معاملہ کو انھیں کے حوالہ فرماتے ہوئے اور یہ خیال فرماکر کہ میں مناع للخیر کیوں بنوں انکو اجازت دیدی ہوگی، چنانچہ ایسے بعض حضرات میرے بھی علم میں ہیں۔ باقی جن حضرات کا اولین تعلق حضرت اقدسؒ سے ہوا یعنی جن کے پیش نظر سب سے پہلے اپنی اصلاح تھی اور ان کے حالات اور اپنے تجربات کی بنا پر حضرت والاؒ نے بھی انکو سمجھ لیا تھا تو غالباً ایسا کوئی نہ ملے گا جس کو حضرت الامۃؒ نے کبھی چلے میں نکالا ہو یا اصلاح کے دور میں اصلاح کی اجازت دی ہو۔ بلکہ اس کے برخلاف یہ تو دیکھا گیا ہے کہ بعض مخلصین طالبین کے ساتھ (جو راقم کے علم میں بھی ہیں) انھیں کے اصلاحی مصالح کے پیش نظر حضرت والاؒ نے بھی وہی معاملہ فرمایا جو گذشتہ صفحات میں امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت احنف بصری کے ساتھ فرمایا تھا (یعنی ایک سال کیلئے انکو وعظ و تقریر بلکہ اختلاط انام سے قطعی روک دیا تھا)

دینی جماعتوں کے متعلق حضرت مصلح الامتہؒ کا خیال جو اوپر عرض کیا گیا ہے اگرچہ وہ بھی حضرت والاؒ ہی کے طریق سے ماخوذ ہے تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود کو درمیان سے علیٰحدہ رکھ کے حضرت والاؒ کے بعض حالات و مقالات بعینہٖ پیش کردوں جو آپ کے ان خیالات کا ماخذ ہیں۔ امید ہے کہ وہ ناظرین کے لئے عموماً اور حضرت مصلح الامتہؒ سے محبت و عقیدت رکھنے والوں کیلئے خصوصاً انکی تسلی خاطر اور اطمینانِ قلب کا ذریعہ ہوں گے۔

مکرر عرض ہے کہ ان صفحات میں کسی جماعت یا اسکے طریق کار پر نقد و تبصرہ کرنا منظور نہیں ہے بلکہ صرف حضرت اقدس مصلح الامۃؒ کا مسلک ضرور واضح کرنا مقصود ہے تاکہ وہ پردۂ خفا میں نہ رہے۔ اور اس باب میں حضرتؒ کا طریق طالبین پر ظاہر ہو جائے۔

(بعض تعلیمات و اصلاحات حضرت مصلح الامۃؒ)

(۱)

(ہر کام میں خدا کی مرضی اور اپنے اخلاص کی فکر ضروری ہے)

عرض حال: حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ میں حضرت والاؒ کے یہاں جو چیز ملتی ہے اپنی آنکھوں نے ابھی تک کہیں نہیں دیکھی۔ حضرت والاؒ نے رخصت ہونے سے کچھ دیر قبل جو ارشاد فرمایا تھا اور عملی کوتاہیوں پر جو تنبیہ فرمائی تھی بحمدہ تعالیٰ اسکا دل پر کافی اثر ہے اسی وقت یہ طے کر لیا تھا کہ زندگی کے جو بھی دن باقی ہیں انکو بیکار ضائع کرنے سے کچھ فائدہ نہیں عقلمندی کی بات نہیں ہے کہ دوسروں کی تو اصلاح کی فکر کرے اور اسکے لئے سب کچھ کرنے کیلئے تیار رہو اور اپنی اصلاح سے غافل رہے یہ نفس کا دھوکا اور مکر ہے۔ عقلی طور پر تو اسکا احساس اس سے قبل بھی ہوتا رہا مگر اس احساس نے عملی شکل کوئی نہ اختیار کی اگر کچھ دن عمل ہوا بھی تو اس پر مداومت نہ ہو سکی۔ حضرت والا کی توجہ کی برکت سے اب اس پر عمل شروع کر دیا ہے۔ جو دعا ارشاد فرمائی تھی اور مولانا جامی صاحب نے پرچہ میں لکھکر جو اوراد عنایت فرمائے تھے بفضلہ تعالیٰ اس پر عمل شروع کر دیا ہے۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ اللہ پاک خلوص و استقامت نصیب فرما دیں۔

ارشاد مرشد: الحمد للہ۔ دعا کرتا ہوں۔

(اور جواب میں یہ تحریر بھی گئی)

آپ کا خط حضرت والا کے نام آیا۔ (فرمایا) ـــ ماشاء اللہ خوب بات لکھی۔ آپ جیسے انسان کی ایک بات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس نے بات کو سمجھ لیا ہے اور اسی کی دراصل ضرورت ہے، آج صحیح بات ہی تو لوگوں کو سمجھانا مشکل ہو رہا ہے۔ بہرحال اب سے سبھی اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ نے نفس کا یہ چور خوب پکڑا کہ ـ" یہ

کوئی عقلمندی کی بات نہیں کہ دوسروں کی تو اصلاح کی فکر کرے اور اسکے لئے سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہو اور اپنی اصلاح سے غافل رہے یہ نفس کا دھوکا اور مکر ہے" ۔ بالکل صحیح بات ہے۔ بس اگر اسی کو سمجھ لیجئے گا تو بڑے عقبہ سے نکل جائیے گا۔ کسی سے کام در اصل اللہ تعالیٰ لیتے ہیں اور فائدہ اور فیض بھی اللہ تعالیٰ ہی پہونچاتے ہیں۔ بس انسان مخلص بننے کا مکلف ہے پھر تو لوگ ناک رگڑیں گے اور اسی سے اصلاح کی خواہش کریں گے اور اگر اخلاص ہی نہ ہوا تو خود سوچئے کہ پھر یہ سب ہما ہمی کا ہے کیلئے ہے؟ خدا تو اس کام سے راضی نہیں اسلئے اس کام میں برکت بھی نہیں ہے اسلئے آدمی کو ہر کام میں خدا کی مرضی اور اپنے اخلاص کی فکر ضروری ہے۔ (رجسٹر نقل خطوط ص۴۵ ج۱۱)

(یہ خط کسی عامی کا نہیں ہے بلکہ ایک محترم بزرگ کا ہے جو بحمد اللہ ایک شیخ جامع اور مشائخ وقت میں سے ہیں)

(۳)

(اصلاح کیلئے پہلے صلاح ضروری ہے)

گذارش خدمت عالی میں اینکہ خاکپائے کا دارالعلوم دیوبند میں یہ دورہ حدیث کا سال گذر رہا ہے۔ احقر کے وطن قصبہ .... کا نازک ترین حال ہے یعنی

عرض حال: یعنی اسلام کا ٹمٹماتا ہوا چراغ جل رہا ہے اور امرد نوازی سے کوسوں دور، علم و عمل کا لعدم فسق و فجور کی حد نہیں، رسم و رواج بدعات میں جہلائے عرب سے کم نہیں، ہمارے علماء حضرات جو کہ فارغ ہو کر مکان تشریف لیجاتے ہیں محض معمولی تنخواہ پر بوجہ فکر معاش درس عالیہ (مولوی فاضل) جس میں کہ علم نبوی کا مکمل درس نہیں ہوتا، درس اختیار کر لیتے ہیں جسکا نتیجہ عام طور پر یہ رونما ہوتا ہے کہ غیر تو غیر اپنے اہل پر بھی علم و عمل کو آشکارا نہیں کر سکتے اسلئے کہ گھر میں رہنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ غرض عوام الناس سے لیکر خواص تک حال ابتر ہے۔

ان حالات کے پیش نظر مجروح طائف (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یاد دل میں تڑپ اور اور جوش پیدا کرتی ہے کہ تبلیغ کا سلسلہ جاری کروں لیکن اس بارگراں کا اہل خاکسار اپنے کو نہیں پاتا اسلئے دربار فیض میں بعد فراغ امتحان سالانہ حاضر ہو کر حضور والا کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی آرزو ہے اللہ کرے کہ پوری ہو۔

آرزوئے دیگر: چونکہ خاکپا کو غریب خانہ جانے کے بعد مالی مشکلات اور کچھ معاملات میں پھنس جانے کا خطرہ ہے جس سے استغنا رکیلئے حضور کی توجہ کی ضرورت ہے لہٰذا حضور والا سے گذارش ہے کہ کہ بارگاہ مجیب الدعوات میں اپنے مخصوص وقت میں اپنی مقبول دعار سے نوازیں تاکہ قاضی الحاجات آ پیوالی جمیع مشکلات کو دور کر دے بالخصوص مالی مشکلات۔ نیز میرے والد صاحب تقریباً آٹھ نو سال سے اپنی زمین کیلئے چند مقدمے لڑ رہے ہیں احکم الحاکمین جلد فیصلہ کرا دے۔ نیز والد صاحب کا کل قرضہ ادا ہو جائے۔ اور میرے لئے علم نافع اور عمل حسنہ کی توفیق کی دعار فرماویں اور جواب میں اپنے نیک اور مفید مشورہ سے بھی نوازیں، عین کرم ہوگا۔ والسلام۔

ارشادِ مصلح: بھائی مولوی صاحب! باتیں تو آپ نے بہت عمدہ لکھی ہیں لیکن ابنار زمانہ سے میرا اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے وہ یہ کہ عام طور پر تو یہی دیکھتا ہوں کہ جو لوگ نیک اور دیندار بھی ہوتے ہیں تو ان کے پیش نظر اصلاح سے پہلے اصلاح ہوتی ہے۔ انکا ذکر نہیں کرتا جو اصلاح کے لئے صلاح کی ضرورت ہی کے قائل نہیں۔ اور نہ انکو کہتا ہوں جنکا مقصد تحصیل دین سے نہ صلاح ہے نہ اصلاح بلکہ محض دنیا کمانا ہے یہ لوگ تو لا یُعبأ بہ کے درجہ ہیں، ان لوگوں سے کہتا ہوں جو (دوسروں کی) اصلاح کیلئے اولاً (اپنے اندر) صلاح کی ضرورت تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کو فکر صرف اپنی اصلاح ہی کی ہونی چاہیئے۔ دوسروں کی اصلاح اللہ تعالیٰ جس سے چاہتے ہیں لے لیتے ہیں چنانچہ جس کسی کو اس منصب کیلئے ادھر ہی سے چنا جاتا ہے اسی سے کچھ کام بھی ہو جاتا ہے۔ باقی خود انسان کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا لیکن اپنی اصلاح چونکہ ذرا تلخ ہے اسلئے نفس کبھی تو اس سے ہٹکر اور کبھی اس کے ساتھ ہی ساتھ اصلاح ناس کی شیرینی ملا لیتا ہے جو کہ اس مرتبہ میں یعنی (ابتدی ہونے کی حالت میں) اس کے سلئے سم قاتل ہوتی ہے اسلئے اس اسنے جزو کو اپنے مضمون سے خارج کر دیجئے (یعنی ابھی سے دوسروں کی اصلاح کی فکر چھوڑ دیجئے) باقی سب صحیح ہے۔ اللہ تعالےٰ ارادہ میں آسانیاں بہم پہونچائے اور سب مشکلات دور فرمائے، مقدمات میں کامیابی ہو اور والد صاحب کا قرض ادا ہو جائے۔ آپ کے علم وعمل کے سلئے بھی دعار کرتا ہوں۔ والسلام

(رجسٹر نمبر ۱۱، ص ۱۸۳)

ای برادر! فقر راہے است کہ جز فرمائندہ الفقر فخری این راہ ہر کسی بمنزل نہ رسانید آری چناں سری میباید کہ چنیں دردسری را تحمل تواند کرد کہ ایں دردسری است کہ سر می رود و دردنمی رود و اگر سر آں راہ داری دردسری ایں راہ را سرسری تصور مکن کہ اصحابِ دلِ زندۂ درویشاں را زیبا تراز دیبا دانند و خرقۂ دلِ ایشاں را رعنا تراز تسبیح شمرند و از نفسِ قاطع ایشاں چناں ترسند کہ دیگراں از تیغ بُرّندہ بشنو بشنو! وقتی یکی از مریدانِ خواجہ اجل شیرازیؒ با خواجہ گفت مرا ہمسایہ است او مرا بسیار رنجاند خواجہ گفت مگر او نمی داند کہ ترا با من پیوندی ہست، گفت می داند گفت آنگاہ چہ نسست کہ مہرۂ گردن او نمی شکند مرید از آں مجلس برخاست چوں بر سر کوئی خود رسید در خانۂ آں ہمسایہ غوغائے شنید پرسید کہ دریں خانہ چہ افتاد گفتند کہ خواجۂ ایں خانہ نعلین چوبیں پوشیدہ بود و بالای بام میرفت ناگاہ بیفتاد مہرۂ گردن او بشکست۔ قطعہ

برادرمن! یہ فقر ایسا راستہ ہی ہے کہ بجز الفقر فخری کے کہنے والے کے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کسی دوسرے کو اس راہ نے منزل مقصود تک نہیں پہونچایا ہے۔ ہاں ہاں! اس دردسری کے رکھنے کیلئے ایسا ہی سر بھی تو درکار ہے جو اسکا تحمل کرسکے کیونکہ یہ دردسری ایسی ہے کہ سر ختم ہو جائے اور یہ ختم نہ ہو۔ اگر تم بھی اس راہ کا خیال رکھتے ہو تو اسکی دردسری کو سرسری نہ سمجھنا کہ اہلِ دل حضرات درویشوں کی گدڑی کو دیبا اور حریرے بھی زیادہ قیمتی تصور کرتے ہیں اور ان کی شکستہ دلی کو تسبیح خوانی سے بھی بڑھکر حسین سمجھتے ہیں (اسلئے کہ مے۔ دل شکستہ میں رہتا ہے بادۂ عرفاں) اور ان حضرات کی با اثر آہوں سے ایسا ہی ڈرتے ہیں جیسا کہ تیز کاٹنے والی تلوار سے ڈرا جاتا ہے۔ سنو سنو! ایک مرتبہ خواجہ اجل شیرازیؒ کے ایک مرید نے خواجہ سے کہا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو مجھے بہت ایذا پہونچاتا ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ شاید وہ یہ نہیں جانتا کہ تجھکو مجھ سے تعلق ہے (یعنی تو میرا آدمی ہے) اس نے کہا کہ خوب جانتا ہے فرمایا کہ پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ اسکی گردن کی ہڈی توڑ دی جاتی۔ مرید اس مجلس سے اٹھا جب اپنے گھر پہونچا تو پڑوس کے مکان سے رونے کا شور سنا پوچھا کہ گھر پر کیا سانحہ پیش آیا لوگوں نے بتایا کہ گھر کا مالک کھڑاؤں پہنے ہوئے تھا کوٹھے پر گیا اوپر سے اچانک اسکا پیر پھسل گیا نیچے گرا اور اسکے گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی ؎

" اے نخشبی فقر کی تلوار (یعنی درویشوں کی آہ) کو بھی تیز تلوار ہی سمجھو اور تلوار کا کام تو ہے در یغ خون

نخشبی تیغ فقر تیز شمر
تیغ خونہا می بید ریغ کند
گفتِ درویش را تو ہرزہ مدان
نفسش آں کند کہ تیغ کند

سلک صدم

بزرگاں گویند اگر یکی را بانواع بلا مبتلا می بینی بروا ستہزا مکن بنا برآنکہ چنانچہ آں جہاں ہمہ عافیۃ اقتضار کند ایں جہاں ہمہ بلا اقتضا کند سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ می گوید فردا قیامت چوں اہل عافیۃ درجاتِ اہل بلا معاینہ کنند خواہند گوشت وپوست خود بمقراض آہنیں بردارند عزیزِ من! در ظاہر آلودہ درویش نظر باید کرد و در باطن پالودہ او نظر باید کرد م دریں امت ہیزم فروشی باشد کہ اگر از خدا بخواہم کہ پشتوارۂ ہیزم مرا زر گرداں درحال زر می گردد بشنو بشنو وقتی بزرگی پیری را دید پشتوارۂ ہیزم برسر کردہ میرفت آن بزرگی گفت ای پیر ترا بر رزاق علی الاطلاق اعتماد نماندہ است کہ ایں محنت میکنی ہیزم فروش روی سوئی آسماں کرد وگفت خداوندا ایں ہیزم مرا

بہانا ہی ہوتا ہے۔ کسی اللہ والے کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو لغو اور بے کار مت خیال کرنا اُس کی آہ وہ کام کرجاتی ہے جو تلوار کیا کرتی ہے۔"

سلک نمبر ۱۰۰ (دین سے دنیا طلبی کا انجام)

بزرگوں کی نصیحت ہے کہ۔ اگر تم کسی شخص کو نوع بنوع مصیبتوں میں مبتلا دیکھو تو اس پر شماتت اور اسکا مذاق نہ اڑاؤ اسلئے کہ جس طرح سے وہ عالم آخرت سراپا عافیت وراحت کا مقام ہے یہ دنیا سراسر بلا ومصیبت کی جگہ ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ کل بروز قیامت جب اہل عافیت اہل بلا ومصیبت کے درجات اور انعامات کا مشاہدہ کریں گے تو اپنے گوشت وپوست کو لوہے کی قینچی سے کاٹ ڈالا جانا پسند کریں گے عزیز من! درویش کی ظاہری پراگندگی اور گراوٹ پر نظر کرنا چاہئے بلکہ اسکی باطنی درستگی اور سجاوٹ کو دیکھنا چاہیے کیونکہ اس امت محمدیہ کا ایک لکڑہارا ہوگا لیکن اگر وہ حق تعالیٰ سے یہ دعا کردے کہ یہ میرا لکڑی کا بوجھ سونا ہوجائے تو وہ سونا ہی ہوجائے گا۔ سنو سنو! ایک دفعہ ایک بزرگ نے ایک ضعیف وناتواں شخص کو دیکھا کہ سر پر لکڑی کا بوجھ لئے جارہا ہے ان بزرگ نے اس سے فرمایا کہ او بڈھے تجھے روزی دینے والے پر اعتماد نہیں ہے کیا جو تو اس قدر مشقت برداشت کرتا ہے اس لکڑہارے نے اپنا چہرہ آسمان کی جانب اٹھایا اور دعا کی کہ یا اللہ میرے اس لکڑی کے بوجھ کو سونا بنا دیجئے اسی وقت

زرگران در حال ہمہ زر شد آں بزرگ چوں آں قدم بدید گفت من کان لہ ہذہ المنزلۃ فمالہ حمل الحطب قال انا افعل ذالک لتعلم نفسی انی عبدۃ فلا تتجاوز عن حد العبودیۃ آدمی مردان دیں ہمہ وقت خود را پوشیدہ داشتہ اند اے دیندار اگر سرمایۂ دین در دست تو افتادہ است زینہار تا بداں نقد دنیا نخری کہ دریں سودا ہرگز سود نکنی چنیں گویند مردے بود کہ خدمت مہتر موسیٰ علیہ السلام کردی چند روز او از خدمت مہتر موسیٰ علیہ السلام غائب شد روزی شخصی بر مہتر موسیٰ آمدہ و خوکی در دست او گفت اے مہتر موسیٰ ایں را می شناسی گفت نہ. گفت آں خادم تست. مہتر موسیٰ متعجب شد مناجات کرد خداوندا او را باز آدمی گردان تا تفتیش حال او کنم کہ از کدام شومی و فعل بدیں مبتلا شدہ فرمان شد کہ اگر تو مرا بداں نام بخوانی کہ از برکت آں نام توبۂ آدم قبول کردم ہم او را آدمی نکنم اما ترا خبر خواہم کرد کہ او از سبب کدام فعل مسخ گشتہ انہ کان

سب کی سب لکڑیاں سونا بن گئیں۔ ان بزرگ نے اس کا جب یہ مرتبہ دیکھا تو اس سے کہا ارے بھائی جس کو یہ دولت حاصل ہو اسکو لکڑی بیچنے سے کیا کام؟ اس نے جواب دیا کہ یہ سب میں اس وجہ سے کرتا ہوں تاکہ میرا نفس یہ سمجھے کہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ محتاج ہوں اور وہ اپنے اندر خدائی کی شان نہ دیکھنے لگے (یعنی غرہ میں آکر اپنے کو خدا نہ سمجھ بیٹھے)۔ ہاں ہاں بھائی! اللہ والوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو چھپائے ہی رکھا ہے (اور بڑے بڑے دعوؤں سے بچائے ہی رکھا ہے) اے دیندار سن! اگر تیرے ہاتھ دین کا سرمایہ لگ گیا ہے تو خبردار خبردار! اس سے دنیا نہ خریدنا کہ اس سودے میں تجھے کچھ نفع نہ ہوگا۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص تھا جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت کیا کرتا تھا پھر چند دن وہ حضرت کی خدمت سے غائب رہا ایک دن ایک اور شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ہاتھ سے ایک سور کو بھی پکڑے ہوئے لایا اور کہا کہ حضرت آپ اسکو پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں کہا کہ یہ وہی آپ کا خادم ہے جو چند دنوں سے غائب ہے حضرت موسیٰ کو بہت تعجب ہوا دعا کی کہ خداوندا! اسکو پھر سے انسان کی شکل میں کر دیجئے تاکہ اس سے تفتیش حال کر سکوں اور وہ بات معلوم کروں جسکی وجہ سے وہ اس بلا میں مبتلا ہوا ہے۔ جواب ملا کہ اے موسیٰ اگر تم مجھ سے اس نام کے واسطہ سے بھی سوال کرو جسکی برکت سے میں نے آدم کی توبہ قبول کی تھی تب بھی میں اسے اب آدمی تو نہ بناؤنگا ہاں تمکو اس بات کی خبر دیتا ہوں کہ جس کے سبب میں نے اسکو مسخ کیا ہے وہ یہ کہ یہ شخص دین کو

بطلب الدنیا بالدین۔ قطعہ
نخشبی ہیچ نیست دنیا دوں
نارگرمابہ کار عود نکرد
ہرکہ دنیا بہ نقد دیں بخرید
جز زیاں ہیچ وقت سود نکرد

دنیا طلبی کا ذریعہ بنائے ہوئے تھا سے
"اے نخشبی یہ دنیائے دنی کچھ بھی نہیں ہے حمام کے ایندھن سے کہیں خوشبو کا کام لیا جا سکتا ہے، جس شخص نے اپنے نقد دین سے دنیا کو خریدا تو اس نے سوا نقصان اور خسارہ کے اور کچھ بھی نفع کا سودا نہیں خریدا۔ (اللہ تعالیٰ ان سب مرضوں سے ہم سب کی حفاظت فرمائے)

سلک صد و یکم

گرم روانِ عالم معرفت گویند ہرکہ حق را شناخت آتش را بدو عذاب کنند و ہرکہ حق را نشناخت اورا عذاب بآتش کنند یحییٰ معاذ رحمۃ اللہ علیہ گفتی کیف اغفل عمن ہو غیر غافل عنّی و انی علمت ان من عرف اللہ تعالیٰ فہو عذاب علی النار و من لم یعرف اللہ فالنار عذاب علیہ۔ خواجہ جنیدؒ را بعد از فوت در خواب دیدند گفتند کار خود را کجا رسانیدی گفت کار عقبیٰ ازاں دشوار تر است کہ ما در دنیا گماں بردیم بشنو بشنو! یکی از صلحا خواست تا در بازار رود و چیزی بخرد دیناری در خانہ وزن کردہ بود چوں آنرا در بازار آورد و ہر وزن

سلک ۱۰۱ (عمل مقبول وہ ہے جو نفس اور غرض ہر دو سے خالی ہو)

عالم معرفت کے جو لوگ گرم قلب رکھنے والے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا تو خود آتش دوزخ کو اسکے ذریعہ سے عذاب دیا جائے گا اور جس نے حق تعالیٰ کو نہیں پہچانا تو اسکو دوزخ کی آگ کے ذریعہ عذاب دیں گے۔ حضرت یحییٰ معاذؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں بھلا کیسے غافل رہ سکتا ہوں اس ذات سے جو مجھ سے پل بھر کیلئے بھی غافل نہیں ہوتی ہے اور جبکہ میں یہ جانتا ہوں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا عارف ہوگا تو وہ جہنم کے حق میں ایک عذاب اور مصیبت ہی ہوگا اور جو خدا کا عارف نہ ہوگا تو نارِ جہنم اس پر عذاب بنکر مسلط ہوگی۔ حضرت جنیدؒ کو ان کے وصال کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا، دریافت کیا کہ حضرت کا معاملہ کہاں تک پہونچا (یعنی کیا کام ہو چکا اور کتنا باقی ہے) فرمایا کہ اے بھائی آخرت کا کام اس سے کہیں دشوار تر نکلا جتنا کہ ہم دنیا میں سمجھے ہوئے تھے۔
سنو سنو! ایک مرتبہ ایک درویش نے ارادہ کیا کہ بازار جائے

کہ کردند کم تر از آں آمد کہ در خانہ
وزن کردہ بود. گریہ دراں صالح
افتاد گفتند چرا می گریی گفت
امروز حکایت خانہ در بازار
راست نمی آید فردا حکایت
دنیا در آخرۃ چگونہ راست
خواہد آمد عزیز من! اگر میخواہی
حکایت امروزہ تو ہمہ فردا
بہ نیکی باز خوانند اگر امروز عمل
خیری کنی باید کہ اجر طمع نداری
ر وقتی حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر
ا بر سید صلوات اللہ و سلامہ علیہ
بہ برکت کدام فعل ترا حضرت صمدیت
مالت آلاؤہ بر علم غیب اطلاع داد
گفت ہر عملی کہ بکردم ہرگز از اں
بر طمع نداشتم لاجرم معطی مطلق تعالیٰ
تقدس چنداں عطا کرد کہ ہرگز در تحت
حساب نیاید عزیز من! نزدیک آں
جواں اگر یکی عملی نکند بہتر از اں کہ
عمل کند و از اں اجر طمع دارد
المومن یتوبون من سیئاتہم والصوفیہ
یتوبون من حسناتہم۔

قطعہ

اور کوئی چیز خریدے، بمقدار ایک ایک دینار کے سونا وزن
کر کے کئی سکے لے گیا (پہلے زمانہ میں سکے بدون تصویر اور نقش
کے یونہی سادے بھی ہوتے تھے) وہاں پہونچکر اب جس سکہ کو
بھی وزن کیا تو گھر کے وزن سے کم نکلا وہ بزرگ یہ منظر
دیکھکر رونے لگے، لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ بھائی جب
گھر کا ناپا تولا بازار میں پورا نہیں اترا تو سوچتا ہوں کہ یہاں
دنیا کا کیا دھرا آخرت میں کیسے پورا اترے گا (پھر وہاں کیسے
کام بنے گا) عزیز من! اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے آج
یہاں کی باتیں کل کو وہاں اچھائی کے ساتھ یاد کی جائیں تو
اگر آج تم کوئی نیکی کرتے ہو تو اس پر اجرت کی توقع ہی نہ رکھو
جس طرح سے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت
خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ حضرت آپ کے کس عمل کی برکت
سے اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کو بہت سے علوم غیبیہ پر مطلع فرمایا
انھوں نے فرمایا کہ میں نے جو بھی عمل کیا اس پر اجر کی قطعی کوئی
توقع نہیں رکھی جس کا انجام یہ ہوا کہ اس معطیٔ مطلق نے پھر مجھے
اتنا کچھ عطا فرمایا کہ جو حد و حساب سے باہر تھا. عزیز من! ان
جوان ہمت لوگوں کے یہاں تو یہ طے ہے کہ اگر کوئی شخص عمل
نہ کرے تو وہ اس شخص سے کہیں بہتر ہے جو عمل کرے اور اسکو
مقبول جانکر اس پر اجر کی توقع رکھے۔ اہل علم تو اپنے گناہوں
پر توبہ کرتے ہیں ـــــ اور اہل معرفت (صوفیہ) اپنی نیکیوں
پر بھی استغفار کرتے ہیں ؎

(عاصیاں از گناہ توبہ کنند   عارفاں از عبادت استغفار)
"اے نخشبی تو کام بدون طمع (اجر) کے کر اور اجر کی توقع رکھکر

نخشبی بے طمع بکن کارے
عمل خود مکن با جر تباہ
گر بخواہی کہ کار پیش رود
کار می کن ولیک مزد مخواہ

اپنے کئے ہوئے کام کو تباہ و برباد نہ کر۔
ہاں اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا عمل آگے بڑھے اور کچھ کام آوے
تو (یہ یاد رکھو کہ) نیک کام تو خوب کر مگر اس پر اجر
و مزدوری کی توقع بالکل نہ رکھ۔

سلک صد و دوم

اولوا الالباب گویندان احسنتم فلکم جبالہ وان اسأتم فلکم و بالہ، عزیز من! اگرچہ در عالم کون و فساد نیکی و بدی متنوع است اما سر ہمہ نیکوئیہا آنست کہ دلی از تو خوش شود و سر ہمہ بدیہا آنست کہ باطنی از تو ناخوش گردد مرد را دریں راہ قدم چناں باید نہاد کہ از دی وقتی موری ہم خستہ نگردد بشنو بشنو! روزی امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ در راہی می گذشت بند نعلین کہ بر تکمہ کلاہ قیصر و کسری افتخار ہا داشت بر موری رسید مورچہ خستہ شد و دست و پا زدن گرفت آن شیر بیشہ فتوت چوں بدید پیش آں مور نشست و از و عذر خواست ہمدراں شب حضرت رسالتمآب

سلک ۱۰۲ (دلداری عمدہ صفت ہے)

دین کے عقلاء کا یہ کہنا ہے کہ اگر تم اچھے کام کروگے تو خود تم کو اسکے حسن و جمال سے نفع پہونچے گا اور اگر برے اعمال کروگے تو تم پر بھی اسکے قبح و بال کا ترتب ہوگا۔ عزیز من! اگرچہ اس عالم کون و فساد میں نیکی اور بدی طرح طرح کی اور مختلف قسموں کی ہیں لیکن ساری بھلائیوں کی اصل بس یہ ہے کہ کسی کا دل بس تم سے خوش ہو جائے اور تمام برائیوں کی جڑ یہ ہے کہ کسی کے باطن کو تم سے ایذار پہونچ جائے۔ مردان خدا کو اس راہ میں اس طرح قدم رکھنا چاہئے کہ اسکی وجہ سے کبھی کسی چیونٹی تک کو تکلیف نہ پہونچنے پائے۔ سنو سنو! ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کسی راستہ پر جارہے تھے آپ کے نعلین مبارک کا تسمہ (جس پر کہ قیصر و کسریٰ کے تاج کے اوپر کی گھنڈی بھی فخر کرے تو بجا ہے، وہ تسمہ) کسی چونٹی پر پڑ گیا جسکی وجہ سے وہ زخمی ہوگئی اور چت ہوکر ہاتھ پاؤں مارنے لگی! بیشہ شجاعت کے اس شیر نے جب اسکو دیکھا تو اسکے پاس آکے معذرت خواہ ہوئے، اسی شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں

در خواب دید گوئی میگوید اے علی
دریں راہ چرا پائی بہ ہوشی نمی نہی
کہ امروز از تعدی تو شور در عالم بالا
افتادہ است آں مور کہ از تو خستہ شد
یکی از صدیقان حضرت الٰہی است
و پیشوائی جنس خویش است تا او
را در وجود آوردہ اند یک لحظہ از تسبیح
خالی نبود مگر ہماں لحظہ کہ تو پائی
بر و نہادی حضرت امام علی می گوید
ازیں خبر جاں گداز در خواب بیہوش
شدم و لرزہ بر من افتاد گفتم یا رسول اللہ
حال من چہ شود؟ گفت خاطر جمع دار
ہماں مور شفیع وقت تو خواہد شد
و ترا با چنداں شجاعت بر دامن
شفاعت موری بستند ای علی
اگر شفاعت آں مور نبودی آبروی
چندیں گاہ تو دریں درگاہ ریختہ شدی
چنیں گویند کہ وقتی سلیمان صلوات اللہ
وسلامہ علیہ بر نملہ تند شد فقالت
النملۃ ما ہذہ الصولۃ اما علمت
انی عبد من انت عبدہٗ ۔ قطعہ
نخشبی راہ حق قوی راہی است
رہروان کار بے حساب کنند

دیکھا کہ گویا فرما رہے ہیں اے علی! اس راستہ میں قدم ہوش کے ساتھ کیوں نہیں رکھتے ہو کہ تمھارے آج کے اس ظلم کی وجہ سے تمام عالم بالا میں ایک تہلکا مچا ہوا ہے کیونکہ جو چونٹی تم سے دب کر زخمی ہوگئی ہے وہ حضرت حق تعالےٰ کے یہاں کی ایک مقبول و مقرب فرد تھی اور اپنے قوم کی سردار تھی جب سے کہ خدا نے اسے وجود بخشا ہے اسکا ایک لحظہ بھی تسبیح اور ذکر الٰہی سے فارغ نہیں گذرا تھا مگر بس اُسی آن وہ غافل ہوگئی تھی جس گھڑی تمھارا اس پہ پیر پڑ گیا حضرت حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس جاں گداز خبر کو سنکر میں خواب ہی میں بیہوش ہوگیا اور میرے تمام جسم پر کپکپی طاری ہوگئی میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا کیا حال ہوگا (یعنی اب میں کیا کروں) فرمایا کہ خاطر جمع رکھو وہی چیونٹی ہی محشر میں تمھاری شفیع (یعنی سفارشی) ہوگی اور (خدا کی شان تو دیکھو) کہ تمھارا معاملہ باایں شجاعت و دلیری ایک چونٹی کی سفارش کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے یعنی اے علی اگر وہ سفارش نہ کرے تو تمھارا مرتبہ اس دربار سے ساقط ہی ہو جائے ۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک چونٹی پر بہت خفا ہوئے اور خوب خوب بگڑے، اس چونٹی نے عرض کیا کہ حضرت یہ آج اسقدر تیزی کیوں ہے؟ کیا آپ کے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ میں بھی خدا کی ایک بندی ہوں اور آپ بھی خدا ہی کے ایک بندہ ہیں۔
"اے نخشبی حق تعالےٰ کا راستہ ہی ایک قوی اور مشکل راستہ ہے جو سچے حقیقی چلنے والے ہیں وہ بہت زیادہ کام کرتے ہیں، اس راستہ میں

اندریں راہ بہر مورِ ضعیف
گر سلیمانست ہم باب کنند

سلک صد و سوم

اہل شکر گویند نعمت خدای تعالیٰ ہمیں خوردن و پوشیدن نیست بلکہ نعم الٰہی متنوع است چوں تو نعمتِ خدا متنوع باشد باید کہ از تو ہم بانواع شکر در وجود آید روزی ہتر آدم علیہ السلام مناجات کرد الٰہی من شکر نعمت تو چگونہ گذارم فرمان شد کہ ہر گاہ کہ نعمت خود را دادۂ ما دانی تمام شکر گذاردہ باشی عزیز من! مناقب شاکراں بسیار شنیدۂ حکایت ناشکری ہم بشنو چنیں گویند نمرود مردود را ہفت شارستان بود در ہر شارستانی حکمار طلسمی عجیب و غریب ساختہ بودند بر در شارستان اول بطی ساختہ بودند ہر گاہ کہ در دروازۂ شہر غریبی در آمدی آں بط آوازی بر آمدی کہ در ہمہ شہر شنیدہ شدی تفحص کردندے تا کہ در آمدہ است۔

ایک کمزور چونٹی کیلئے بھی اگر سلیمان جیسا بھی کوئی ہو تو اس کو پانی (یعنی متواضع) ہی ہو جانا پڑتا ہے (کہ راہ یہی ہے)؟

سلک ۱۰۳ (شکر نعمت)

اہل شکر یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت بس یہ کھانا پہننا ہی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نوع بنوع کی بیشمار ہیں لہذا جب تم پر خدا کی نعمتیں بیحد و حساب ہیں تو چاہیئے کہ تم سے انکا شکر بھی مختلف طور پر ادا ہو۔ ایک دن حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی مناجات میں حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ بار الہا میں آپ کا شکر کیونکر ادا کروں (کہ قدرے عہدہ برآ ہو سکوں) حکم ہوا کہ اپنے اوپر میری جو نعمت دیکھو اسکو عطیۂ خداوندی جانو بس یہی تمہاری کامل شکر گذاری ہے۔ عزیز من! تم نے تو بہت سے شکر گذاروں کے قصے سنے ہوں گے اب ذرا ایک ناشکرے کی بھی حکایت سنو! بیان کرتے ہیں کہ نمرود مردود کے سات محل یا سات شہر تھے اور ہر محل میں اسوقت کے حکمار نے عجیب و غریب طلسم (یعنی عقل کو حیران کردینے والی ایک ایک چیز) بنا رکھی تھی۔ چنانچہ ایک محل کے پھاٹک پر ایک بط بنا رکھی تھی (جس کا کام یہ تھا) کہ جب جب شہر کے پھاٹک سے کوئی بھی اجنبی آدمی داخل ہوتا تھا تو وہ بط بڑے زور سے آواز کرتی تھی کہ تمام شہر والے اسے سنکر چوکنے ہو جاتے تھے اور تلاش میں لگ جاتے کہ کون نیا آدمی یہاں آیا ہے۔

اور میں کہتا ہوں کہ اگر دوسرے کے کرنے سے کام ہو جاتا ہے اور اپنے کرنے کی ضرورت نہیں رہتی تو اسکی کیا وجہ کہ یہ قاعدہ دین ہی کے کاموں میں برتا جائے دنیا کے کاموں سے بھی کیوں ہاتھ نہیں اٹھالیا جاتا اور انکو بھی کیوں پیر صاحب کے بھروسے پر نہیں چھوڑ دیا جاتا بس نہ کھاؤ، نہ پیئو نہ کھیتی کرو سب کام تمہاری طرف سے پیر ہی کرلیا کریں گے ان ہی کے کھانے سے تمہارا پیٹ بھر جائیگا ان ہی کے پانی پینے سے تمھیں تسکین ہو جائے گی۔ افسوس ان کاموں میں تو اس قاعدے پر عمل نہ کیا گیا بلکہ اپنے سے کرنے کو ضروری سمجھا گیا اور دین کے کام کو اسقدر سستا اور بے وقعت سمجھا گیا کہ اس میں اس قسم کے قاعدے برتے گئے اسپر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا

حکایت : اودھ میں ایک پیر تھے وہ نماز نہیں پڑھا کرتے تھے ان کے مرید کہا کرتے تھے کہ مکہ میں جاکر نماز پڑھتے ہیں میرے ایک دوست نے سنکر کہا کہ صاحب اسکی کیا وجہ ہے کہ نماز کیلئے تو مکہ کو اختیار کیا جائے اور کھانے ہگنے کیلئے ہندوستان کو اگر نماز وہاں پڑھی جاتی ہے تو کھانا ہگنا بھی وہیں ہونا چاہیئے اور اگر یہ ہندوستان میں ہوتا ہے تو نماز بھی یہیں ہونی چاہیئے کیونکہ ہندوستان بم پولیس نہیں ہے۔

اور اپنے اس قاعدے میں کہ سب پیر ہی کرلیں گے غور کرکے دیکھو اسکا حاصل تو یہ ہے کہ گویا پیر تمہارے کمین ہیں کہ گناہ تم کرو اور پیر اسکو اٹھائیں۔ یاد رکھو پیر صرف راستہ بتلانے کیلئے ہیں کام کرنے کیلئے نہیں کام تمکو خود کرنا چاہیئے۔

(۶۲) مرشد کی توجہ سے قلب میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ نہ قابل اعتماد ہے اور نہ باقی رہتی ہے

اس تقریر پر شاید اہل فن کو یہ شبہ ہو کہ بعض مرتبہ مرشد کی توجہ سے طالب کے قلب میں ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ خود محنت کرنے سے نہیں ہوتی تو اسکا جواب یہ ہے کہ صرف اس کیفیت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اگر خود کچھ نہ کیا جائے تو یہ کیفیت باقی بھی نہیں رہتی

اس کیفیت کی مثال ایسی سمجھنی چاہئے جیسے آگ کے سامنے بیٹھنے سے بدن کا گرم ہو جانا لیکن یہ گرمی باقی نہیں رہتی، آگ کے سامنے سے ہٹکر ہوا لگی کہ بدن میں ٹھنڈک پیدا ہو ئی اسی طرح اس کیفیت میں بھی پیر سے جدا ہوتے ہی کورے کے کورے رہ جاتے ہیں۔

حکایت: ایک بزرگ نے اپنے ایک معصر بزرگ سے کہا کہ تم اپنے مریدوں سے محنت لیتے ہو اور ہم نہیں لیتے انھوں نے یہ سنکر اپنے ایک مرید سے کہا کہ تم ذرا ان کے مرید سے مصافحہ تو کرو مصافحہ کرنا تھا کہ وہ کم محنت مرید خالی رہ گئے پیر نے ان سے کہا کہ دیکھا نتیجہ محنت نہ کرنے کا اب تم ہمارے کسی مرید کو تو اس طرح کورا کردو بات یہ ہے کہ اپنی کمائی کی قدر بھی خوب ہوتی ہے اور مفت کی چیز کی کچھ قدر نہیں ہوتی سہ

ہرکہ ارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلے بقرص ناں دہد

(جو شخص کہ سودا سستا خریدتا ہے وہ کم قیمت میں دے بھی دیتا ہے دیکھو بچہ ایک گوہر بھی ایک ٹکڑے روٹی کے عوض دیدیتا ہے)

مشہور ہے کہ ایک شخص اوہوڑی کا جوتہ دوشالے سے جھاڑ رہا تھا لوگوں نے اس سے سبب پوچھا تو کہا کہ دوشالہ تو میرے والد کی کمائی کا ہے اور جوتہ میری کمائی کا ہے۔

(۶۳) جو لوگ خود کام کرتے ہیں انکی حالت پائدار ہوتی ہے

اور جو لوگ اپنے بوتہ پر کام کرتے ہیں انکی حالت ساری عمر یکساں رہتی ہے، البتہ انمیں شور وغل اچھل کود نہیں ہوتی اور نہ یہ مطلوب ہے دیکھو اگر کوئی بچہ کی تربیت کرنا چاہے تو طریقہ اسکا یہ ہے کہ اسکو تھوڑا کھلائے کہ وہ جزو بدن ہو اور اس سے نشو و نما پیدا ہو اسی طرح شیخ کامل بھی ایک ہی دن میں سب کچھ نہیں بھر دیتا کیونکہ اسکا نتیجہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ طالب کو حالات کا ہیضہ ہو اور ایک ہی دن میں خاتمہ ہو جائے بلکہ وہ بتدریج اسکو آگے بڑھاتا ہے اور جو لوگ اناڑی ہیں اور طریق تربیت سے ناآشنا ہیں وہ ایک دم میں بھر دینا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کو عوام الناس بہت بزرگ سمجھتے ہیں حالانکہ نتیجہ اسکا یہ ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے تعلقات اس سے چھوٹ جاتے ہیں نہ بیوی کے کام کا رہتا ہے نہ بچوں کے اور یہ کمال نہیں بلکہ نقص ہے سہ

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

(تم تو دنیا میں ربط اور وصل پیدا کرنے کے لئے آئے نہ کہ فصل وجدائی)

خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کے لئے ایک عام عنوان سے فرماتے ہیں وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَنْ يُوصَلَ (اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ نے انکو وابستہ رکھنے کا) افسوس آج اسی کو کمال سمجھا جاتا ہے اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بہت بزرگ ہیں دیکھئے اولاد کو منہ بھی نہیں لگاتے بیوی تک کو نہیں پوچھتے ہر وقت قرب خداوندی میں غرق رہتے ہیں، صاحبو! کیا کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی زیادہ قرب میں ہو سکتا ہے؟ کبھی نہیں پھر دیکھ لیجئے حضور کی حالت کیا تھی آپ ازواج مطہرات کے حقوق بھی ادا فرماتے تھے اولاد کے حقوق بھی ادا فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حسن حسین رضی اللہ عنہما میں سے ایک کو پیار کر رہے تھے اور ایک نجد کے رئیس پاس بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے دیکھکر عرض کیا یا رسول اللہ میرے دس بیٹے ہیں میں نے تو آج تک کسی ایک کو بھی پیار نہیں کیا آپ نے فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ نے تیرے دل ہی میں سے رحم نکال لیا ہو تو اسکو میں کیا کروں۔ اور آپ کا ارشاد ہے من لم یرحم صغیرنا و لم یوقر کبیرنا فلیس منا (جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نکرے اور بڑوں کا احترام نکرے وہ ہم میں سے نہیں ہے) اس واقعہ سے پورا اندازہ حضور کی حالت اور مرضی کا ہو گیا ہوگا۔ پس نرا جوش اور مستی یا ترک تعلقات واجبۃ الابقاء بزرگی نہیں ہو سکتا اور اگر اسی کا نام بزرگی ہے تو نشۂ شراب اور حالت جنون میں بھی بزرگی ہے کیونکہ ان دونوں میں یہ بات خوب حاصل ہو جاتی ہے (یعنی قطع تعلق)

(۶۴) بزرگی کا حقیقی معیار

صاحبو! بزرگی کا معیار یہ ہے کہ جتنی درویشی میں ترقی ہو جائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت بڑھتی جائے کیونکہ ولایت مستفاد عن النبوۃ ہے۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ علما کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اسلئے بہت سی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ

بزرگی کا ایک معیار یہ بھی تراش رکھا ہے کہ جو شخص آنکھیں چار ہوتے ہی بیہوش کرکے اٹھا کر زمین پر پٹک دے وہ بڑا بزرگ ہے حالانکہ یہ بالکل ہی لغو ہے اگر یہ بزرگی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو ضرور اسکو برتنا چاہیئے تھا، پھر کیا وجہ ہے کہ جب کفار نے آپ کو قتل کرنا چاہا تو آپ اسکے منتظر رہے کہ یہ لوگ غافل ہو جائیں تو میں نکلکر جاؤں کیوں آپ نے ایک ہی نگاہ میں سب کو مدہوش نہیں کر دیا۔

حکایت۔ جب مدینہ طیبہ تشریف لے چلے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چاروں طرف دیکھتے چلتے تھے سراقہ جو کہ آپ کی تلاش کے لئے بھیجا گیا تھا جب سامنے آگیا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ سراقہ چلا آرہا ہے آپ نے اسوقت بھی خدا تعالیٰ سے دعا فرمائی اللھم اکفنا شرہ (اے اللہ اسکے شر سے ہم کو بچائیے) چنانچہ پیٹ تک اسکا گھوڑا زمین میں دھنس گیا سراقہ نے کہا غالباً آپ نے میرے لئے بددعا کی ہے میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں قریش کو آپ کا پتہ نہ دونگا۔ چنانچہ آپنے دعا فرمائی اور اسکا گھوڑا زمین سے نکل آیا اور پھر اس نے کسی سے اطلاع نہیں کی۔

(۶۵) پہلے زمانہ میں صدق وایفاء عہد کی صفت عام تھی

اس واقعہ سے آجکل کے لوگوں کو سبق لینا چاہیئے کہ اس زمانہ کے کفار میں بھی صدق وایفاء عہد تھا آجکل کیطرح پولیٹکل چالیں نہ تھیں بلکہ آج سے چند روز پیشتر تک بھی یہ اوصاف اکثروں میں موجود تھے مگر صد حیف کہ آج بالکل مفقود ہیں اور بالخصوص مسلمانوں کیحالت تو اسوقت بہت ہی ناگفتہ بہ ہے دن میں سیکڑوں جھوٹے وعدے کرتے ہیں سیبیوں مکر کرتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ رنج کی بات یہ ہے کہ مقدسین بھی اس حالت سے پاک نہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

بقمارخانہ رفتم ہمہ پاکباز دیدم چو بصومعہ رسیدم ہمہ یافتم ریائی

کہ میں جو قمار خانہ میں گیا تو دیکھا کہ سب پاکباز جمع ہیں مطلب یہ ہے کہ قمارخانہ کے جو مقرر کردہ

اصول تھے سب کے سب ان پر چل رہے تھے اسمیں کسی قسم کا دخل نہ تھا اور بعنوان محاورہ کسی قسم کی بے ایمانی نہ تھی کیونکہ وفائے عہد کو لوگ ایمانداری کہتے ہیں، خلاصہ یہ کہ جن اصول پر قائم ٹھہرا تھا اسمیں خلاف عہد نہیں ہوتا تھا اور جب صومعہ میں گیا تو دیکھا کہ جن اصول پر یہاں حق تعالیٰ سے عہد کیا تھا اس میں وفا نہیں اور انکو پورا نہیں کیا جاتا۔ مثلاً عہد کیا تھا کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہم آپ ہی کی پرستش کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں) حالانکہ اس عہد کو وفا نہیں کیا جاتا کیونکہ دل میں ہزاروں غیر اللہ من وجہ درجہ معبودیت اور مستعانیت لئے ہوئے بھرے ہیں صاحبو! پہلے لوگ اسقدر سیدھے سادے بھولے بھالے ہوتے تھے کہ ان کو کسی قسم کی چالاکی آتی ہی نہ تھی۔

حکایت: ایک صاحب زمیندار تھے ایک مرتبہ کاشتکار اناج لایا ان زمیندار نے پوچھا یہ کس قدر ہے؟ کاشتکار نے نوے من بتلایا انھوں نے کہا ہم سے تو اسّی من ٹھہرا تھا کاشتکار نے کہا نہیں جناب نوے من ٹھہرا تھا' بہت دیر تک اس میں جھگڑا رہا آخر ان کے صاحبزادے نے بہت سی کنکریاں جمع کر کے ایک ڈھیر نوے کنکریوں کا اور دوسرا اسّی کنکریوں کا لگایا اور ان زمیندار صاحب سے گنگوا کر پوچھا کہ یہ اسّی زائد ہیں یا نوے انھوں نے نوے کو زائد بتلایا تو انھوں نے کہا کہ کاشتکار اس قدر من دینا چاہتا ہے جسقدر یہ نوے کنکریاں ہیں تب ان دونوں کا جھگڑا ختم ہوا سبحان اللہ کیسا اچھا وقت تھا کہ کفار میں بھی چالیں نہ تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ سراقہ نے جو عہد آپؐ سے کیا تھا اسکو پورا کیا اور جو شخص اس کو رستے میں ملتا گیا اس سے کہتا گیا کہ میں بہت دور تک دیکھ آیا ہوں اور ہرکہیں نہیں ملے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہایت امن و امان سے مدینہ پہونچ گئے: تو دیکھئے حضورؐ نے سراقہ کے ساتھ یہ نہیں کیا کہ اسکو ایک نظر میں اڑا دیتے یا گرا دیتے بلکہ خدا تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشویش سے معلوم ہوتا ہے کہ انکو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِسکا یعنی بیہوش کرنے کا کبھی احتمال نہ تھا ورنہ صدیق اکبرؓ پریشان نہ ہوتے بلکہ مطمئن رہتے کہ حضورؐ ایک نظر بھی کریں گے تو یہ فوراً لوٹ پوٹ ہوجائیگا

تو معلوم ہوا یہ کوئی کمال نہیں ہے۔

(۶۶) بزرگوں کی نظر و توجہ سے راہ پر لگ جاتا ہے آگے جو کچھ ہوتا ہے اپنے کرنے سے ہوتا ہے

ہاں نظر و توجہ سے صرف اس قدر ہوتا ہے کہ راہ پر لگا دیا جائے آگے جو کچھ ہوتا ہے اپنے کرنے سے ہوتا ہے۔

حکایت ۔ چنانچہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی بابت سنا ہے کہ بڑے امیرزادہ اور نظر کردہ تھے انکی حالت یہ تھی کہ متوحشانہ جنگلوں میں پھرا کرتے تھے ان کے والد انکو نکما بیکار سمجھا کرتے تھے حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ کو مکشوف ہوا کہ فلاں مقام پر فلاں رئیس کا ایک لڑکا ہے اسکی تربیت کرو حضرت نجم الدین کبریٰ تشریف لائے حافظ شیرازیؒ کے والد نے نہایت تعظیم و تکریم سے مہمان کیا، اور عرض کیا کہ کیسے تکلیف کی انھوں نے کہا کہ اپنے بیٹوں کو جمع کرو۔ چنانچہ انھوں نے حافظ کے سوا سب بیٹوں کو بلا کر پیش کیا آپ نے سب کو دیکھا اور فرمایا کیا اسکے سوا کوئی اور لڑکا نہیں حافظ کے والد حافظ کو کالعدم سمجھتے تھے اس لئے جواب دیا اور کوئی نہیں انھوں نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے اور وہ ان میں نہیں معلوم ہوتا تب انھوں نے کہا کہ ایک اور ہے مگر نہایت آوارہ وار جنگلوں میں پھرتا ہے حضرت نجم الدینؒ نے فرمایا کہ ہاں اسی کی ضرورت ہے حافظ کے والد کو بڑا تعجب ہوا کہ اس دیوانے سے حضرت کو کون سا کام ہوگا اور یہ خبر نہ تھی ع کہ آب چشمۂ حیواں درون تاریکیست ۔ چنانچہ تلاش کے بعد حافظ ملے وحشی خاک آلودہ اور ان کو حضرت نجم الدین کبریٰؒ کے سامنے پیش کیا گیا، حافظ نے جب حضرت کی صورت دیکھی تو بے اختیار زبان سے نکلا ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(جو حضرات کہ اپنی ایک نظر سے خاک کو کیمیا کر دیتے ہیں کیا ممکن ہے کہ اپنا ایک گوشۂ چشم اس خاکسار کی جانب بھی فرما دیں)

دردم نہفتہ بہ ز طبیبانِ مدعی باشد کہ از خزانۂ غیبش دوا کنند

(مرعی طبیعت اپنے درد کو چھپائے رکھنا ہی مناسب ہے ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے اس بیمار کی دوا فرمائیں)

آپ نے سینے سے لگاکر فرمایا کہ بہ تو نظر کردم۔ حضرت نجم الدین کبریؒ بہت بڑے شخص ہیں انکا انتقال اسطرح ہوا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے کسی کو کوئی شعر پڑھتے سنا اس کا ایک مصرع یہ تھا۔ ع۔ جاں بدہ و جاں بدہ و جاں بدہ ۔ آپ نے فرمایا کہ افسوس محبوب جاں طلب کر رہا ہے اور کوئی نہیں سنتا اور فرمایا کہ، جاں دادم و جاں دادم و جاں دادم اور اسی میں انتقال ہوگیا۔ غرض حافظ کو سینے سے لگا کر انھوں نے فیض دیا لیکن وہ فیض کافی نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد یا اس سے قبل مجاہدے کی بھی ضرورت ہوئی یہ دوسری بات ہے کہ قابلیت تامہ کیوجہ سے زیادہ مجاہدے کی ضرورت نہوئی ہو۔

(۷۶) قوی الاستعداد کو تھوڑا سا مجاہدہ بھی کافی ہے

چنانچہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ قوی الاستعداد ہوتے ہیں اُن کو تھوڑے کام میں بہت نفع ہوجاتا ہے۔

حکایت: حضرت سلطان نظام الدین اولیا قدس اللہ سرہٗ کے پاس آیا اور ایک ہفتہ میں خلافت لیکر چلا گیا آپ کے دوسرے مرید اسکو دیکھکر دل میں بہت خفا ہوئے اور یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ شیخ ہماری طرف پوری توجہ نہیں فرماتے آپ نے ان لوگوں کے انداز سے اس وسوسہ کو تاڑلیا اور انکے علاج کے لئے فرمایا کہ کچھ تر اور کچھ سوکھی لکڑیاں جمع کرو جب جمع ہوگئیں تو فرمایا گیلی لکڑیوں میں آگ لگاؤ سب نے بہت کوشش کی لیکن انمیں آگ نہ لگی اسکے بعد فرمایا کہ ان سوکھی لکڑیوں میں آگ لگادو چنانچہ اس میں فوراً آگ سلگ اٹھی آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے یہ لکڑیاں اسقدر جلد کیوں سلگ اٹھیں اور پہلی لکڑیوں میں آگ کیوں نہیں لگی۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ حضور پہلی لکڑیاں گیلی تھیں اور یہ سوکھی ہیں گیلی لکڑیوں میں آگ نہیں لگا کرتی۔ آپ نے فرمایا ظالمو! تم سب گیلی لکڑیاں ہو کر میری شکایت کرتے ہو اور اس سوکھی لکڑی کے جل اٹھنے پر تعجب کرتے ہو۔ وہ سوختہ ہوکر آیا تھا صرف ایک پھونک کی ضرورت تھی چنانچہ ایک ہی پھونک میں بھڑک اٹھا اور تم گیلی لکڑی ہو

کہ رات دن خوشحال ہوں مگر تم آگ ہی نہیں پکڑتے سو اس میں میری جانب سے کمی ہے یا تمہارا قصور ہے غرض بعض سوختہ دل ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انکو تھوڑے ہی کام میں بہت کچھ حاصل ہو جاتا ہے لیکن پہلے یا بعد کو کچھ نہ کچھ مجاہدہ ضرور کرنا پڑتا ہے۔

(۶۸) مجاہدہ پر بھی جو کچھ ملتا ہے فضل ہے

اور کرنے پر بھی جو کچھ ملتا ہے وہ محض فضل ہے کیونکہ خدا تعالیٰ پر کسی کا زور نہیں مگر عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ جو اُدھر توجہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اسی کو بہت کچھ دیتے ہیں من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعًا (جو شخص ہماری طرف ایک بالشت آتا ہے ہم اسکی طرف ایک ہاتھ آتے ہیں) کے یہی معنی ہیں، تو صاحبو! کیا یہ کچھ کم بات ہے کہ کام ایک پیسے کا کیا جائے اور ملے ایک اشرفی ؎

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را　　　کہ بیک گل می خری گلزار را

(کس کو ایسا بازار نصیب ہوتا ہے کہ ایک پھول دے کر ایک چمن ہی خرید لے)

کہ دیا تو ایک پھول اور اسکے عوض مل گیا ایک باغ خوب کہا ہے ؎

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد　　　انچہ در وہمت نیاید آں دہد

کہ آدھی جان لیکر سیکڑوں جانیں دیتے ہیں، غرض یہ ہے کہ جو تدبیر کرنے کی ہے لوگ اسے نہیں کرتے صرف ناتمام تدابیر پر اکتفا کرتے ہیں حالانکہ تدبیر پوری کرنی چاہئے تب فائدہ مرتب ہوتا ہے۔

(۶۹) غفلت عن الآخرۃ تعجب کی بات ہے

دیکھئے جب کسی سفر کا قصد ہوتا ہے تو اسکے لئے کس قدر سامان کرتے ہو مثلاً چار دن پہلے سے دھوبی کو حکم کرتے ہو کہ کپڑے جلدی دینا، ناشتہ کا سامان کرتے ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ نہیں کیا جاتا کہ عین وقت پر سارا سامان کیا جائے بلکہ اگر ایسا کیا جاتا ہے تو بیوقوف بنائے جاتے ہیں اور خود بھی اپنے کو بیوقوف سمجھتے ہیں۔

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

شمارہ ۵ مئی ۱۹۸۰ء جلد ۱۳

مکتبہ وصیۃ العلوم ۱۲۲ بخشی بازار الہ آباد

حامل مضامین تصوف و احسان ماہنامہ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

چندہ ششماہی ۹ روپے نو روپئے

چندہ سالانہ ۱۸ روپے اٹھارہ روپئے

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | ایک روپیہ

شمارہ ۵	مئی سنہ ء مطابق رجب المرجب سنہ ۱۴۰۰ھ	جلد ۳

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷-ڈی ۱۱۱

پیش لفظ

یاد رفتگاں گذشتہ ماہ کا رسالہ کتابت کی منزل سے گذر کر پریس جا چکا تھا کہ اپنے احباب خاص میں سے ایک صاحب کی مفارقت کا علم ہوا پھر دوسرے اور پھر تیسرے کی اطلاع ملی یہاں تک کہ مئی کا شمارہ پریس جاتے جاتے ایک اور مقامی محترم داغ مفارقت دیگئے دنیا میں اس سلسلۂ آمدورفت کو تو جاری رہنا ہی ہے اسلئے ہر ایک کا ذکر نہ ضروری ہے اور نہ رسالہ کا موضوع تاہم بعض وہ حضرات جنکا حضرت مصلح الامۃؒ سے یا ادارۂ ہذا سے مخصوص تعلق ہوتا ہے اسکا یہ حق ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انکا کچھ ذکر کر کے احباب سے انکے لئے دعائے مغفرت کی خصوصی درخواست کردی جائے ورنہ تو دعائے خیر کرنا ہر مومن کے حق میں ایک مومن کیلئے سعادت ہی کی بات ہے۔

۱۔ آہ! مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ پرنام بٹ مدراس

ماہ گذشتہ میں آپ کا اپنے وطن ہی میں اچانک قلبی دورہ کے پڑجانے سے انتقال ہوگیا خبر سنکر بڑا ہی رنج ہوا آپ ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ کے ایک ممتاز خلیفہ یعنی مجاز بیعت تھے اور سنا ہے کہ حضرت والا ہی کے طرز پر اپنے یہاں مدراس میں کام کر رہے تھے اور اس اطراف میں آپ کا فیض عام ہو رہا تھا۔ پہلے آپ کا تعلق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی سے تھا لیکن انکے پاکستان چلے جانے پر انکی اجازت سے حضرت مصلح الامۃؒ کی جانب رجوع فرمایا اور باطنی مناسبت ہونے کی وجہ سے حضرت اقدسؒ کا طریقہ بہت پسند آیا۔ حضرتؒ کی ہر ادا کے عاشق تھے اور ہر طرز پر فدا تھے اسلئے حضرت سے خوب ہی فیض حاصل کیا۔ فتحپور تال نرجا بھی تشریف لے گئے اور پھر اسکے بعد الہ آباد اور بمبئی میں تو کئی بار حاضری دی۔ حضرت اقدس کے پاس خطوط بہت اچھے اچھے اور خاصے طویل بھیجتے تھے اور کام کام کی بات لکھتے تھے جو وقتاً فوقتاً رسالہ میں طبع بھی ہوتے رہے ہیں اور لوگوں کو ان سے بہت نفع بھی ہوا ہمارے رسالہ کے ابتدائی دور ہی سے نہ صرف یہ کہ خود خریدار رہے بلکہ ۲۰ – ۲۵ عدد رسالے اپنے ہی پتہ سے طلب فرماتے تھے اور سب کا حساب فوراً دفتر کو بیباق فرما دیتے۔ علاوہ اسکے اپنے دیار کے لوگوں کو حضرت اقدسؒ کی تالیفات کے مطالعہ پر بہت زور دیتے تھے خود بھی انھیں لوگوں کو

سنتے سناتے تھے (یہی کام حضرت والا اپنے لوگوں سے چاہتے تھے) حضرت اقدس کے مسلک سے کامل توافق اور پورا اتفاق رکھنے کی وجہ سے ہم سب لوگوں کو بھی مولانا مرحوم سے ایک خاص انس تھا اور یہ انس اور تعلق اور زیادہ بڑھ رہا تھا کیونکہ وفات سے تقریباً ایک ماہ قبل مولانا کا ایک طویل خط حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کے نام آیا جس میں اپنی سابق بے تعلقی پر نہیں بلکہ قلت تعلق پر بھی معذرت فرمائی تھی اور ندامت کا بھی اظہار کیا تھا اور حضرت اقدسؒ کے سبھی متعلقین سے تجدید تعلق اور مزید تعلق کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا بلکہ اندر اور باہر ہر ایک کے لئے نام بنام مخصوص ہدایا ارسال فرماکر اپنی قلبی محبت اور دلی لگن کی ترجمانی فرمائی تھی۔ ہم لوگ بھی حضرتؒ کا دور دیکھے تھے لوگوں کی عقیدت، فریفتگی اور شیفتگی ہماری نظروں کے سامنے تھی اسلئے سچ تو یہ ہے کہ جی یہی چاہتا تھا کہ حضرت اقدس کے کم از کم مخصوص خدام اپنی اپنی جگہ کام کرنے کے ساتھ ساتھ اس مرکز سے بھی اپنی وابستگی کو باقی رکھتے کچھ اور نہ سہی تو کم از کم حضرت اقدس کی صاحبزادیوں ہی کی دلداری کے لئے کبھی کبھی حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کے واسطہ سے مزاج پرسی اور خیریت طلبی کرتے رہتے کہ شیخ کے بعد یہ بھی حق شیخ ہی میں شمار ہوتا ہے اور حضرت مصلح الامۃؒ کا معاملہ اپنے مرشد کے گھرانے کے ساتھ جو تھا وہ سب کو معلوم ہی ہے۔ بہرحال مولانا محمود حسن صاحب نے ہماری اس دلی آرزو اور مخفی تمنا کا فتح باب فرمایا۔ چنانچہ حضرت قاری صاحب مدظلہٗ بھی فرماتے تھے کہ مولانا کے اس جدید اور مخصوص طرز عمل کا قلب پر بیحد اثر ہوا لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ اس عزم نو کا محرک آخر کیا امر بنا اور یہ بھی فرماتے تھے کہ بڑا افسوس اسکا ہوا کہ مولانا کا خط مجھے بمبئی میں ملا تھا لیکن ٹکٹ یہاں آنے کا لے چکا تھا خیال کیا کہ اسکا جواب اطمینان سے الٰہ آباد ہی پہونچکر دونگا لیکن ادھر میں الٰہ آباد آیا ادھر مولانا بھی دوسرے الٰہ آباد تشریف لے گئے وفات کی خبر نے قلب پر نشتر کا کام کیا چنانچہ اسی مجروح اور شکستہ دل سے انکے لئے مغفرت کی دعا کی اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمادے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے، نیز مولانا سے وابستگان کیلئے انکے قلبی سکون کا ذریعہ اب اپنی اس نسبت کو بنادے جو انھیں مولانا مرحوم سے حاصل ہوئی ہے اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اس نسبت کی حفاظت فرمائے۔ راقم جامی عرض کرتا ہے کہ مولانا کو اس احقر سے اور احقر کو مولانا سے خاص تعلق تھا مولانا کی جدائی کا صدمہ ناقابل تلافی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت پر سب کو راضی رہنا ہے۔ ادارہ اور ارباب خانقاہ سب ہی حضرات، مولانا کے پسماندگان کے ساتھ ان کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس کو انکا ٹھکانا بنائے۔ آمین۔

۲ - آہ! مولانا نصرت علی صاحب ٹانڈوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا موصوف حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت تھے۔ ایک صاحب نے تو یہ بھی کہا کہ حضرتؒ کے مجاز صحبت تھے واللہ اعلم۔ بہرحال حضرت تھانویؒ کے وصال کے بعد آپ کا آنا جانا حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کی خدمت میں ہوتا رہا پھر حضرت پھولپوریؒ کے وصال کے بعد ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ حضرت اقدسؒ کچھ تو خود انکے تقدس اور پیرانہ سالی اور کچھ شیخین سابقین کی نسبت سے انکا بڑا لحاظ فرماتے تھے۔

مولانا بڑے نیک اور محبتی انسان تھے خانقاہ کے سب ہی حضرات سے محبت فرماتے تھے مولانا کا ایک احسان جسکے ناظرین عرفان بھی ممنون ہیں یہ ہے کہ رسالہ میں سلسلہ مکتوبات اصلاحی کا دوبارہ اجراء کے محرک مولانا ہی ہیں۔ خط لکھا کہ "حضرت مصلح الامتؒ کے اصلاحی مکتوبات پہلے شائع ہوا کرتے تھے اب وہ کیوں بند ہوگئے ان سے ہم جیسے لوگوں کو بہت نفع ہوتا تھا اگر پھر اس سلسلہ کو شروع فرمادیں تو عین کرم واحسان ہوگا" چنانچہ اسکے بعد سے دوبارہ یہ سلسلہ شروع کردیا گیا۔

اب سے چند ہفتہ قبل فیض آباد سے گورکھپور احباب سے ملنے ملانے کیلئے تشریف لے گئے کہ اچانک وہاں پہونچکر بیمار ہوگئے اور اسی مرض میں انتقال ہی ہوگیا اور گورکھپور ہی میں مدفون ہوئے۔ سچ فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ واقعی کوئی انسان یہ نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اسے موت آئیگی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور انکے متعلقین کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ مولانا مدرسہ کنز العلوم ٹانڈہ میں پہلے درس بھی دیتے تھے

۳ - آہ! ڈاکٹر یونس صاحب مرحوم مقیم بمبئی

اس ماہ میں آپ کا بھی انتقال ہوگیا۔ بمبئی میں دانت کے ڈاکٹر تھے۔ کسی کا دانت درست کر رہے تھے کہ اچانک "ہمریج" کا دورہ پڑگیا گر کر بیہوش ہوگئے اسپتال میں داخل کیا گیا کئی دن غشی ہی طاری رہی بالآخر ہوش ہی نہ آیا اور یہی مرض ان کے لئے مرض وفات ہی بن گیا

آپ بھی حضرت والا سے بیعت تھے بمبئی کے زمانۂ قیام میں حضرت اقدس نے دانت جو بنوائے تھے وہ آپ ہی کے بنائے ہوئے تھے۔ مزاج میں ظرافت بہت تھی۔ پیر بھائیوں میں سے جو شخص بھی ان سے اپنے دانت کی کچھ شکایت کرتا تو یہی کہتے کہ دوکان پر آجائیے دانت نکال دونگا وہ کہتا کہ نہیں توڑ دیئے نہیں دوا سے اسکی اصلاح کر دیجئے۔ اسپر کہتے کہ بھائی میں اگر کسی کی اس معاملہ میں رعایت کرتا تو اپنے شیخ کی کرتا لیکن جب انکی بھی میں نے اس باب میں رعایت نہیں کی تو اور کسی کی کیا کرونگا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت نصیب فرمائے اور پسماندگان کو اجر جزیل سے نوازے۔

۴- آہ! ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی پروفیسر الٰہ آباد یونیورسٹی۔ الٰہ آباد

آپ مضافات الٰہ آباد کے باشندے تھے مدرسہ عالیہ مصباح العلوم الٰہ آباد سے امتحانات کامل و فاضل وغیرہ پاس کئے۔ والد صاحب مرحوم کے خاص احباب میں سے تھے مگر پروفیسر صاحب خود یہ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا سراج الحق صاحب میرے استاد تھے۔ جب حضرت مصلح الامۃ الٰہ آباد تشریف لائے تو پروفیسر صاحب بھی برابر خدمت والا میں حاضر ہوتے تھے غالباً حضرت سے شرف بیعت بھی آپکو حاصل تھا، کیونکہ حضرت کے وصال کے بعد" داشیخاہ " کے عنوان سے پروفیسر صاحب نے ایک مرثیہ عربی نظم میں کہا تھا جو رسالہ میں بھی شایع ہو چکا ہے لیکن چونکہ دنیا کا دستور یہی ہے کہ ایکدن دوسروں کا مرثیہ کہنے والے کو خود بھی مرثیہ کہے جانے کا مصداق ہو جانا پڑتا ہے ایسا ہی ہوا یعنی ۲مئی سنہ ۸۰ء کو میڈیکل کالج الٰہ آباد میں پروفیسر موصوف کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ حضرت مصلح الامۃ ہی کی مسجد پر نماز ہوئی اور محلہ اکبرپور کے مقبرہ میں بعد عصر سپرد خاک کر دیا گیا۔

آپ جدید علوم کے علاوہ عربی کے ایک جید ادیب تھے۔ نہایت ہی خلیق مسکین صفت انسان تھے اور آخر عمر میں تو کثرت عبادت اور قلت اختلاط اپنا مشغلہ ہی بنا لیا تھا۔ رب اکبر انکی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون: بلاشبہ ہم سب خدا کی ملک ہیں اور ہم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

(ادارہ)

گذارش واعتذار

۱۔ ہمارے احباب کو "وصیۃ العرفان" سے جیسا کچھ دلی تعلق ہے وہ ہمارے علم میں ہے۔ رسالہ کیلئے دو چار ہی دن کی تاخیر بہت سے حضرات کیلئے پریشان کن ہو جاتی ہے چہ جائیکہ ہفتہ دو ہفتہ کی تاخیر یہ تو انکے لئے جیسی کچھ تکلیف کا باعث ہوگی ظاہر ہے لیکن کیا کیا جائے آپ کے سامنے عصر حاضر کی مشکلات بھی ضرور ہونگی ان حالات میں دیر سویر کسی طرح بھی رسالہ کا چھپ جانا بھی بس اللہ تعالیٰ کا فضل ہی سمجھئے۔ چنانچہ اس دفعہ بھی رسالہ کو بعض عوارض سے دوچار ہونا پڑا جس کے سبب میں نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ اس بار دو ماہ کا شاید یکجا ہی طبع کرانا پڑے لیکن خیر امید ہے کہ عشرہ دوم میں نہ سہی عشرہ سوم کے اندر ہی اندر انشاء اللہ آپ تک پہونچ جائے گا۔ ہماری کوشش تو یہی ہے کہ آئندہ ماہ کا رسالہ اپنے وقت ہی پر آپ کو ملجائے۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے۔ آپ بھی دعا سے ہماری مدد فرمائیں۔

۲۔ جن حضرات کے ذمہ چندہ باقی ہے ان سے گزارش ہے کہ وہ جلد از جلد اپنا سابق حساب دفتر کو بیباق فرمادیں۔ ابھی خاصی تعداد ابھی ایسے لوگوں کی باقی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکی وجہ سے اس غریب رسالہ پر جو گذر جائیگی وہ محتاج بیان نہیں

۳۔ "تالیفات مصلح الامۃ" کی جلد دوم سر دست ختم ہو چکی ہے۔ اب آپکو صرف اول و سوم ہی مل سکتی ہے۔ دونوں کی مجموعی اور رعایتی قیمت اب تیس ۳۰ روپیہ ہے۔

۴۔ متفرق شمارے پانچ روپیہ میں پندرہ عدد حاصل کرکے اپنے احباب، دینی مدارس و دار المطالعہ میں انکو پہونچائیے اور دوہرے اجر کے مستحق ہو جئے۔

(مدیر)

ومنهم من لانصيب له البتة وهو المنافق الحقيقي۔ ومنهم من تأثر ظاهره دون باطنه وهو المرائي وبالعكس وهو المومن الذي لايقرأ

وابراز هذه المعاني وتصويرها الى المحسوسات ما هو مذكور في الحديث ولم يجد مايوافقها ويلائمها اقرب ولا احسن ولا اجمع من ذلك لان المشبهات والمشبه بها وارد على تقسيم الحاصل لان الناس اما مؤمن او غير مؤمن والثاني اما منافق صرف او ملحق به والاول اما مواظب على القراءة او غير مواظب عليها فقس الاثمار المشبه بها

(وفي رواية المؤمن الذي يقرأ القرآن ويعمل به كالاترجه)

قيل لايدخل الجن بيتا فيه اترج ومنه يظهر زيادة حكمة تشبيه قاري القرآن وقال ابن الرومي ـه

اور بعض ایسے بدنصیب ہوتے ہیں کہ انکو اس چیز سے مطلق حصہ نہیں ملا ہوتا نہ ظاہری اور نہ باطنی یہی شخص منافق حقیقی ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ انکے ظاہر میں تو اسکا اثر ہے مگر باطن میں کچھ نہیں یہ ریاکار ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انکے ظاہر میں تو کوئی اثر نہیں مگر باطن متأثر ہوتا ہے یہ وہ مومن عامل ہے جو تلاوت سے عاری ہے

(جب یہ تقسیم (اور حصر عقلی) ذہن نشین ہوگئی تو اب سمجھو کہ ایسے معانی کا اظہار اور اس امر عقلی کو محسوس مثالوں سے حدیث شریف میں بیان فرمایا گیا ہے کہ ان سے زیادہ مناسب، اوفق اقرب، احسن اور اجمع امثلہ متصور نہیں اسلئے کہ قاری قرآن کی اقسام اور انکی امثلہ مذکورہ بالا تقسیم کے عین مطابق ہیں کیونکہ لوگ مؤمن ہیں یا غیر مومن پھر غیر مؤمن یا خالص منافق ہوگا یا شبیہ بالمنافق اور مؤمن یا تو مداوم علی القرأۃ ہوگا یا غیر مداوم۔ اسی قیاس پر مثالوں کو بھی سمجھ لیا جائے (کہ یا تو پھل ظاہر و باطن ہر دو لحاظ سے عمدہ ہوگا یا دونوں لحاظ سے خراب۔ یا ظاہر اچھا باطن خراب یا بالعکس)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے وہ مثل نارنگی کے ہے۔

صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ جس مکان میں نارنگی ہوتی ہے وہاں جن کا گذر نہیں ہوتا اس سے قاری قرآن کو نارنگی کے ساتھ تشبیہ دینے کی حکمت اور بھی ظاہر ہو جاتی ہے (یعنی جس گھر میں قرآن کی تلاوت کیجائیگی وہ جن اور شیطان کے اثر سے محفوظ رہے گا و اللہ تعالیٰ اعلم)

کل خلال التی فیکم محاسنکم
تشابهت فیکم الاخلاق والخلق
کانکم شجر الاترج طاب معًا
حملا و نوراً وطاب العود والورق
(مرقات ۲۵۵ ج)

اس تشبیہ کی خوبی ابن رومی کے اس شعر سے بھی ظاہر ہے۔ (ترجمہ) تمہارے اندر جتنے بھی خلق ہیں سب عمدہ اور بہتر ہیں صورت اور سیرت ہر دو کی خوبی کی وجہ سے، تمہارے خُلق اور خَلق باہم مشابہ ہوگئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نارنگی کے درخت ہو جو کہ سراپا خوشگوار ہی خوشگوار ہے کہ پھل بھی اسکے نہایت خوبصورت، کلیاں بھی اسکی سبحان اللہ کیا کہنا حتیٰ کہ لکڑی اور پتے بھی اسکے نہایت ہی بہتر اور عمدہ ہوتے ہیں۔

دوسری حدیث سنئے:۔

عن عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماھر بالقرآن مع السفرۃ الکرام البررۃ والذی یقرء القرآن ویتتعتع فیہ وھو علیہ شاق لہ اجران

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن میں ماہر ہو وہ رسل و ملائکہ کے ساتھ ہوگا اور جو شخص کہ قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہو اور اس طرح سے پڑھنا اسکو دشوار بھی معلوم ہوتا ہو تو اسکے لئے دُہرا اجر ہے۔

دیکھئے اس حدیث میں ماہر بالقرآن کی کسقدر فضیلت آئی ہے کہ وہ انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین کے سلک میں منسلک ہوگا اسکی وجہ یہی ہے کہ جس طرح سے انبیاء علیہ السلام اور ملائکہ کرام نے اس قرآن کو حق تعالیٰ کے یہاں سے لاکر مؤمنین تک پہونچایا ہے اسی طرح سے ماہر قرآن بھی کرتا ہے کہ اسکو یاد کرکے اور اسکی تلاوت کرکے دوسرے مسلمانوں کو بھی اس سے مستفید کرتا ہے۔ ماہر کے متعلق صاحب مرقاۃ نے علامہ طیبی وغیرہ کا نہایت عمدہ کلام نقل فرمایا ہے اسکو بعینہ درج کرتا ہوں۔ لکھتے ہیں کہ:۔

وقالت طیبی ھو الکامل الحفظ الذی لا یتوقف فی القراءۃ ولا یشق علیہ قال الجعبری فی وصف ائمۃ القراءۃ کل من

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ ماہر اسکو کہتے ہیں جو حفظ میں کامل ہو اور قراءۃ میں رکتا اور اٹکتا نہ ہو اور نہ یہ اس پر دشوار ہو۔ علامہ جعبری ائمہ قرأت کے وصف میں فرماتے ہیں کہ۔ ہر وہ شخص ہے جس نے حفظ قرآن کو

اتقن حفظ القرآن وادمن درسه واحكم تجويد الفاظه وعلم مبادیه ومقاطعه وضبط روایة قرأته وفهم وجوه اعرابه ولغاته ووقف على اشتقاقه وتصريفه ورسخ في ناسخه ومنسوخه واخذ حظا وافرا من تفسيره وتاويله وصان نقله عن الرای وتجافی عن مقاییس العربية ووسعته السنه وجلله الوقار وغمره الحياء وكان عدلا متيقظا ورعا معرضا عن الدنيا مقبلا عن الآخرة قريبا من الله فهو الامام الذی یرجع اليه ويعول عليه ويقتدى باقواله ويهتدی بافعاله

نہایت مستحکم کر لیا ہو اور اسکی تلاوت پر مداوم ہو اسکے الفاظ کی تجوید کو خوب درست کیا ہو اسکے مبادی اور مقاطع کا علم رکھتا ہو (یعنی یہ کہ کہاں سے ابتدا ہو اور کہاں پر وقف کیا جائے اسکو جانتا ہو) اسکی قرأت کی روایت سے واقف ہو، وجوہ اعراب اور اختلاف روایات کا شناسا ہو، حقیقت اشتقاق اور تصریفات کلمہ کو جانتا ہو اسکے ناسخ اور منسوخ کا علم رکھتا ہو۔ نیز آیات کی تفسیر و تاویل سے اسکو حظ وافر حاصل ہو اسکی نقل رائے سے خالی ہو۔ عربیت کے قیاسات سے اجتناب کرنیوالا ہو۔ سنت کا احاطہ کئے ہوئے ہو۔ جیا رکی چادر اور وقار کا جُھل (یعنی جھول) اسپر پڑا ہوا ہو۔ عادل ہو متیقظ اور بیدار مغز ہو۔ پرہیز گار ہو۔ دنیا سے اعراض کرنے والا اللہ آخرت کی جانب توجہ کرنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جس کی یہ شان ہو وہ (ماہر اور) امام ہے اس کی جانب رجوع کیا جاتا ہے اور اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ایسے ہی شخص کے اقوال کی اقتدا کیجاتی اور اسی کے افعال سے ہدایت حاصل کیجاتی ہے

۳۔ ایک اور حدیث سنئے:-

عن جابر قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نقرء القرآن وفينا الاعرابي والعجمي فقال اقرؤا فكل حسن وسيجئ اقوام يقيمونه كما يقام القدح يتعجلونه

حضرت جابرؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے در آنحالیکہ ہم سب قرآن شریف پڑھ رہے تھے اور ہم میں عرب کے دیہاتی اور اہل عجم بھی تھے (جو کہ قرآن اپنے اپنے لہجہ میں پڑھ رہے تھے) آپ نے فرمایا پڑھو سب لوگ ٹھیک پڑھ رہے ہو۔ عنقریب ایک قوم ایسی آئیگی جو اسکے الفاظ کو تو اس طرح سے درست کریگی جیسے تیر کو سیدھا اور درست کیا جاتا ہے

ولا یتأجلونہ۔ مگر وہ لوگ اسکا نفع دنیا ہی میں حاصل کرنا چاہیں گے اور انکو آخرت کے ثواب کی فکر نہ ہوگی۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ:۔

(فقال اقرؤا فکل حسن) (آپ نے یہ جو فرمایا کہ سب ٹھیک ہے) اسکا مطلب یہ ہے

ای فکل واحدۃ من قرأتکم حسنۃ مرجوۃ للثواب اذا آثرتم الاجلۃ علی العاجلۃ ولا علیکم ان لا تقیموا السنتکم اقامۃ القدح وھو السھم قبل ان یراش (وسیجئی اقوام یقیمونہ) ای یصلحون الفاظہ وکلماتہ ویتکلفون فی مراعاۃ مخارجہ وصفاتہ (کما یقام القدح) ای یبالغون فی عمل القرأۃ کمال المبالغہ لاجل الریاء .... والسمعۃ والمباحات والشھرۃ ....

کہ تم میں سے ہر ایک کی قرأت ٹھیک ہے اور سب پر ثواب کی امید ہے جبکہ تم لوگ دنیا پر آخرت کو ترجیح دو۔ اور تم پر کچھ ملامت نہیں اس بات پر کہ تم اپنی زبانوں کو مانند تیر کے سیدھا اور درست نہ کرو۔ اور قدح تیر کی لکڑی کو کہتے ہیں جب تک اس میں پر نہ لگا ہو (آئندہ کچھ لوگ ایسے ہونگے جو اسکو درست تو کرلیں گے) یعنی اسکے الفاظ اور کلمات کی اصلاح کریں گے اور اسکے حروف کو ان کے مخارج اور صفات کے ساتھ ادا کرنے میں تکلف سے کام لیں گے اور قرأت میں کمال مبالغہ کریں گے اور مقصد اس سے محض ریا، وسمعہ۔ فخر و مباہات شہرت وناموری ہوتی ہے۔

قال الطیبی وفی الحدیث رفع الحرج وبناء الامر علی مساھلۃ وتحری الحسبۃ والاخلاص فی العمل والتفکر فی معانی القران والغوص فی عجائب امرہ

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ امت سے حرج رفع ہے اور امر کی بنار مساہلہ پر ہے اور یہ کہ عمل کو اخلاص کے ساتھ طلب ثواب کی نیت سے کرنا چاہئے نیز یہ کہ قرآن شریف کے معانی میں تفکر اور اسکے عجائب میں گھسنے اور غوطہ لگاکر معانی عجیبہ کے نکالنے کی ترغیب ہے۔

واما قول ابن حجر ومع	باقی ابن حجرؒ کا یہ کہنا کہ — اس طرح سے الفاظ
ذلك هم مذمومون لانهم	قرآن کو عمدہ پڑھنے کے باوجود ان لوگوں کی جو مذمت
راعوا هذا الامر السهل و	کی گئی ہے تو اس لئے کہ انھوں نے سہل کی
زادوا فی القبح انهم ضموا	رعایت کی اور انکی قبح میں مزید اضافہ اس سے ہوجاتا
الى هذه الغفلة انهم	ہے کہ انھوں نے اپنی اس غفلت کے ساتھ ساتھ یہ بھی کیا کہ
يقرءونه لاجل حطام الدنيا	اسکو حطام دنیا کے لئے پڑھنے لگے — یہ پسندیدہ نہیں
فغير محمود اذليس الذم	ہے اس لئے کہ انکی مذمت اسئے امر سہل کی رعایت
على مبالغتهم فی مراعاة الامر	میں مبالغہ کرنے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مذمت اس پر
السهل بل الذم من جهة	ہے کہ ان لوگوں نے امر اہم کو ترک کر دیا تھا
ترك الامر المهم (يتعجلونه)	قرآن شریف کی تلاوت کو دنیا بنا لیا تھا کہ
ای ثوابه فی الدنيا (ولا	اس سے مقصود صرف دنیا کی تعریف وغیرہ
يتأجلونه) بطلب الاجر	چاہنا رہ گیا تھا، تاجیل یعنی اجر کو آخرت
فی العقبى بل يوثرون	میں لینا یہ مد نظر نہیں تھا بلکہ دنیا ہی کو آخرت پر
العاجلة على الآجلة	ترجیح دیتے تھے اور اس سے تأکل کرتے تھے
ويتأكلون ولا يتوكلون.	اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں کرتے تھے۔

(مرقات ص۱۷۶ ج ۲)

اس وقت آپ کے سامنے تلاوت قرآن سے متعلق تین احادیث بیان کی گئیں، ایک وہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کرنے والوں کی چار قسمیں فرماکر ہر ایک کی مثال بھی بیان فرمائی۔ دوسری وہ جس میں ماہر بالقرآن کو درجہ میں سفرہ کرام کے ارشاد فرمایا ہے اور تیسری وہ روایت جس میں ایمان واخلاص اور قلب کی شرکت کے ساتھ جو تلاوت ہو اسکی تحسین فرمائی ہے اور صرف زبان صاف کر لینے اور محض الفاظ درست کر کے پڑھنے والوں پر نکیر فرمائی ہے جبکہ وہ فہم وتدبر اور قلب کی شرکت سے عاری ہو اور محض ریاء اور سمعۃ ہو۔

جب آپ نے ان روایات کو مع انکی شرح کے ملاحظہ فرمالیا تو اب یہ سمجھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاری قرآن کی جو یہ تقسیم فرمائی اور پھر ماہر قرآن کی مدح و تعریف فرمائی اور آئندہ آنیوالی ایک قوم کی اسکی لسانی قرأت پر نکیر فرمائی غرض امر قرأت اور تلاوت قرآن کو اسقدر اہتمام کے ساتھ جو بیان فرمایا تو اسی لئے کہ اس سے بتلانا منظور ہے کہ ـــــ تمام ترقیات مؤمن ومسلم کی نظر شارع میں تلاوت قرآن ہی سے وابستہ ہے ـــــ دین کی سعادت کا اسپر موقوف ہونا تو ظاہر ہی ہے، دنیوی زندگی میں بھی راحت وآرام چین وسکون اگر میسر ہو سکتا ہے تو بھی اسی سے کیونکہ تلاوت قرآن میں وہی معتبر ہے جو دل سے ہو یعنی تدبر اور فکر کے ساتھ ہو، اور ظاہر ہے کہ جب اس طرح سے کلام اللہ کی تلاوت کیجا ئیگی جو کہ افضل الذکر ہے تو اس سے طمانینت قلب حاصل ہوگی جو کہ ساری راحتوں کی اصل ہے چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت ابوبکر جصاص رازیؒ نے اپنی کتاب احکام القرآن باب وجوب ذکر اللہ تعالیٰ میں ذکر کی ایک قسم فکر کو بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ

ذکرہ بالفکر فی دلائلہ وآیاتہ	ایک صورت ذکر کی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے دلائل
وقدرتہ وعظمتہ وھذا افضل	اور اسکی نشانیوں میں نیز اسکی قدرت اور عظمت میں تفکر
الذکر وسائر وجوہ الذکر مبنیۃ	کرے اور یہ سب انواع ذکر سے افضل ہے کیونکہ بقیہ تمام
علیہ وتابعۃ لہ وبہ یصح معناھا	وجوہ ذکر اسی پر مبنی ہیں اور اسی کے تابع ہیں بلکہ اسی
لان الیقین والطمانینۃ بہ	سے ان کے معنی کی صحت وابستہ ہے اس لئے کہ
تکون قال اللہ تعالیٰ اَلَا بِذِكْرِ	یقین اور طمانینت کا حصول اسی سے ہوتا ہے اور
اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی	اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ سن لو! اللہ ہی کے ذکر سے قلوب
واللہ اعلم ذکر القلب الذی	کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ (حقیقت حال تو خدا ہی بہتر
ھو الفکر فی دلائل اللہ تعالےٰ	جانتا ہے بظاہر) اس ذکر سے مراد ذکر قلبی ہی ہے جس کا
وحججہ وآیاتہ وبیناتہ و	دوسرا نام اللہ تعالیٰ کے دلائل میں تفکر اور اسکی حجج اور آیات
کلما ازددت فیھا فکراً	اور بیّنات میں تدبر کرنا ہے۔ چنانچہ تم جس قدر بھی ان امور میں
ازددت طمانینۃ وسکوناً	اپنے تفکر کو زیادہ کروگے اپنے قلبی سکون اور اطمینان کو

وهذا هو افضل الذكر لان سائر الاذكار انما يصح ويثبت حكمها بثبوته (احکام القرآن ص۶۳ ج۳)

پڑھتا ہوا پاؤ گے اور یہ سب ذکروں سے افضل ہے اسلئے کہ دیگر اذکار کی صحت اور ان کے حکم کا ثبوت اسی پر موقوف ہے۔

دیکھئے امام کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ طمانینت قلب اسی ذکر سے حاصل ہوتی ہے جو قلب سے ہو اس لئے قرآن شریف بھی جو ذکر کا اعلیٰ و افضل فرد ہے وہ بھی جب دل سے یعنی فہم و تدبر کے ساتھ پڑھا جائے گا جب ہی مثمر نفع و برکات ہوگا۔ باقی رہی یہ بحث کہ آیا محض لسانی تلاوت اور ذکر کسی درجہ میں بھی مفید ہے یا نہیں اس پر ہم آگے کلام کریں گے۔ اسوقت صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تلاوت میں اصل وہی ہے جو دل سے ہو یعنی جو اپنے قاری کے قلب کو رنگین کردے چنانچہ تکرار تلاوت کا یہی فائدہ علماء نے بیان فرمایا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی جنہیں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب حکیم الامۃ کہتے تھے اپنی کتاب الفوز الکبیر میں اسی مضمون کو نہایت ہی بلیغ عنوان سے بیان فرمایا ہے۔ ایک سلسلۂ کلام میں فرماتے ہیں:۔

آنچہ خواہم کہ سامع را افادہ نمائم دو قسم باشد یکے آنکہ مقصود آنجا مجرد تعلیم مالا یعلم بود پس مخاطب حکم را نمی دانست و ذہن او ادراک آں نہ کردہ بود باستماع ایں کلام مجہول معلوم میشود آں نادانستہ دانستہ گردد۔

جب ہم مخاطب کو کسی بات کا افادہ چاہتے ہیں تو اسکی دو صورتیں ہوا کرتی ہیں ایک تو یہ کہ ہمارا مقصد صرف اسقدر ہوتا ہے کہ جس بات سے وہ ناواقف ہے اسکی ہم اسکو تعلیم کردیں پس مخاطب چونکہ پہلے سے کچھ جانتا نہیں بلکہ اسکا ذہن بالکل خالی ہوتا ہے اسلئے ہمارے اس کلام کے سننے ہی سے اسکا جہل مبدل بہ علم ہوجاتا ہے اور نہ جانی ہوئی بات اسکو معلوم ہوجاتی ہے۔

دوم آنکہ مقصود اظہار صورت آں علم در مدرکہ او باشد تا ازاں لذت فراواں گیرد و قوائے قلبیہ و ادراکیہ دراں علم فانی شوند و رنگ ایں علم بر ہمہ غالب آید چنانچہ معنی شعرے راکہ ما آنرا دانستہ مکرر می گوئیم و ہر بار لذت می یابیم و براۓ

اور دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود صرف تعلیم ہی نہ ہو بلکہ اس علم کی صورت اسکی قوت مدرکہ میں مستحضر کرانا منظور ہوتا کہ وہ اس سے خوب لذت حاصل کرے اور اسکے ادراک اور قلب کے قوی اسمیں فنا ہوجائیں اور اس علم کا رنگ اسکے تمام قویٰ پر غالب آجائے بالکل اسطرح جیسے کسی شعر کے معنی و مطلب

ایں لذت تکرار آں دوست میداریم و قرآن عظیم بہ نسبت ہر یک مطالب فنون خمسہ ہر دو قسم افادہ ارادہ فرمود. تعلیم مالا یعلم بہ نسبت جاہل و رنگین ساختن باں علوم بہ سبب تکرار بہ نسبت عالم اللہم الا اکثر مباحث احکام کہ تکرار دراں حاصل نہ شود زیرا کہ افادہ دوم آنجا مطلوب نبود لہذا در شریعت تکرار تلاوت امر فرمودند بمجرد فہم اکتفا نہ فرمودند۔

(الفوز الکبیر ص۳۷)

جاننے سمجھنے کے باوجود ہم کبھی اسکو بار بار پڑھتے ہیں اور اس سے ہر بار لطف اندوز ہوتے ہیں بلکہ اسی لذت اور لطف کیلئے اسکے بار بار پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔ الغرض افادہ کی ان دونوں ہی صورتوں کا قرآن عظیم نے اپنے بیان کئے ہوئے فنون خمسہ میں ارادہ فرمایا ہے یعنی تعلیم مالا یعلم بھی مقصود ہے مگر یہ جاہل کے اعتبار سے، اور نفوس کو ان علوم کے ساتھ انکے تکرار بیان کے ذریعہ رنگین کرنا بھی منظور ہے اور یہ عالم کے اعتبار سے ہاں یہ ضرور ہے کہ (فنون خمسہ میں سے) احکام کے مباحث کو تکرار کے ساتھ نہیں بیان فرمایا گیا وہ اسلئے کہ افادہ کی قسم ثانی یعنی باطن کو یہاں رنگین کرنا نہیں مقصود ہوتا۔ مگر اور جگہوں میں چونکہ وہ بھی مقصود ہے اسلئے شریعت میں بار بار تلاوت کرنیکا حکم وارد ہے اور صرف فہم معنی پر اکتفا نہیں فرمایا گیا۔

دیکھئے شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کے نزول کا اہم مقصد قلوب کو اسکے مضامین سے رنگین کرنا ہے اور اسکا ذریعہ یہی تلاوت ہے جبکہ لسان کے ساتھ ساتھ قلب کی بھی شرکت ہو، کیونکہ قرآن شریف کی تلاوت کا صحیح فائدہ جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ آدمی اس سے دل پر اثر لے اور اسکے معنی میں تدبر کرے کہ یہی اسکا بطن ہے اور صرف لسانی قرأت اسکا ظہر ہے۔ اسی طرح سے اوپر قرآن شریف کے افادے کے دو درجات جو بیان ہوئے ہیں تعلیم مالم یعلم یہ اسکا ظہر ہے اور دوسرا یہ کہ علم کے رنگ سے رنگین کرنا یہ اسکا بطن ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے الفوز الکبیر میں مضامین قرآن کے ظہر اور بطن کے متعلق خوب عمدہ کلام فرمایا ہے اسکو یہاں بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ

باید دانست کہ ظہر ایں علوم پنجگانہ چیز یست کہ مدلول کلام و منطوق آں باشد و بطن در تذکیر بالآء اللہ

جاننا چاہئے کہ جن علوم خمسہ کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے انکا ظہر تو وہی ہے جو ان کلاموں کے مدلولات اور انکے صریح مفہومات ہیں مگر بطن ہر ایک کا جدا ہے۔ چنانچہ

تفکر است در آلاء و مراقبۂ حق است و در تذکیر بایام اللہ معرفت مناط مدح و ذم ثواب و عذاب است از ان قصص پند پذیرفتن و در تذکیر بالجنۃ والنار ظہور خوف و رجا و آں امور را بعین ساختن و در آیات احکام استنباط احکام خفیہ بفحاوی و ایمادات۔ و در مخاصمت فرق ضالہ معرفت اصل آں قبائح و لاحق ساختن مثل آں بآں۔ و مطلع ظہر معرفت لسانِ عرب و آثار متعلقہ بفن تفسیر و مطلع بطن لطفِ ذہن و استقامت فہم بانور باطن و حالت سکینہ است واللہ اعلم۔ (الفوز الکبیر ص۴۶)

تذکیر بآلاء اللہ کا بطن اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر اور حق تعالیٰ کا مراقبہ ہو۔ اور تذکیر بایام اللہ کا بطن مدح و ذم اور ثواب و عذاب کے مناشی اور اسباب کی معرفت اور ان قصص سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا ہے اور جنت و دوزخ کے ذکر کا بطن ان امور کے مشاہد طور پر خوف و رجا کا پیدا ہو جانا ہے اور آیات احکام کا بطن مضمون کلام اور اشارات سے مخفی اور پوشیدہ احکام کا استنباط کرنا ہے فرق ضالہ کیساتھ مخاصمہ جو کیا گیا ہے اسکا بطن ان قبائح کی اصل اور انکے بواعث کا سمجھنا ہے جنمیں وہ مبتلا تھے تاکہ ان جیسے دوسرے افعال و عقائد کو انکے ساتھ حکم میں لاحق کر دے دیتو شرح تم لکل آیۃ منہا ظہر و بطن کی اب لکل حد مطلع کو سمجھئے کہ ظہر کا مطلع تو یہ ہے کہ عربی زبان اور ان آثار سے واقف ہو جائے جو فن تفسیر متعلق ہیں اور بطن کا مطلع یہ ہے کہ ذہن کو لطف اور فہم کو استقامت حاصل ہو جائے نور باطن اور سکینہ کے ساتھ۔ واللہ اعلم

مقصد اس بیان سے یہ ہے کہ آپ اس بات کو سمجھ لیں کہ تلاوت کے درجات مختلف ہیں اور میں نے یہ جو کہا ہے کہ "نظر شارع میں مؤمن و مسلم کی تمام ترقیات تلاوت قرآن سے وابستہ ہیں" تو اس سے مراد محض لسانی تلاوت اور زبانی قرأت نہیں ہے بلکہ حقیقی، اصلی، باطنی اور قلبی تلاوت ہے۔ جیساکہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کے اعتبار سے انسانوں کے چار درجات قائم فرمائے ہیں۔

ایک تو مومن باعمل کی قرأت ہے جو کہ ظاہر سے بھی ہوتی ہے اور باطن سے بھی یعنی یہ شخص لسان سے بھی تلاوت کرتا ہے اور دل سے بھی اسکے مضامین و مفاہیم کی تصدیق کرتا جاتا ہے اور اپنے جوارح کو اسکے مطابق کام میں لگائے جاتا ہے یہی اسکی باطنی تلاوت ہے اور ایسا اسلئے ہوتا ہے کہ مؤمن کیلئے جس طرح سے ایک زبان اسکے جسم میں ہوتی ہے اسی طرح سے ایک زبان اسکے قلب میں بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ ظاہری لسان اسی قلبی لسا

ترجمان ہوتی ہے دیکھئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ لایزال لسانك رطباً من ذکراللہ کی شرح میں صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ لسانك ای القالبی او القلبی یعنی یہ جو فرمایا کہ ماری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہنی چاہیئے تو مراد اس سے دونوں ہیں یعنی اہ وہ قالبی زبان ہو یا قلبی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن کی ایک لسان اسکے قلب میں بھی .تی ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ منافق کا قلب اسکی زبان پر ہوتا ہے (یعنی اسکے بس بان ہی زبان ہوتی ہے دل گویا ہوتا ہی نہیں)

چنانچہ اس مومن قاری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اترجہ یعنی نارنگی کے ساتھ شبیہ دی ہے کہ اسکا ظاہر بھی خوش رنگ اور خوشبودار ہوتا ہے اور باطن بھی نہایت ہی .ش ذائقہ گویا یہ اپنے مزے اور رنگ کے اعتبار سے خود بھی کامل ہے اور اپنی خوشبو کا .ض چونکہ دوسروں کو بھی پہونچاتا ہے اسلئے مکمل بھی ہے۔ دوسرا درجہ اس مومن عامل کا ہے جو تلاوت نہیں کرتا اسکو حدیث شریف میں تمرہ سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی مزہ تو اسکا یریں ہے مگر خوشبو اس میں کچھ نہیں ہے۔ اس مثال میں اسکی مدح بھی ہے اور اس کے یک نقص کا بھی بیان ہے اس طور پر کہ اس نے اپنے باطن کو چونکہ قرآن کے علم سے آراستہ .رکھا ہے چنانچہ اسکے حرام و حلال پر عامل بھی ہے اسکی وجہ سے اسکو ایمان کی حلاوت اور مل کی لذت تو نصیب ہے مگر تلاوت نہ کرنے کی وجہ سے قرآن شریف کی خوشبو سے وہ محروم ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو تمر کے ساتھ تشبیہ دی کہ وہ بھی ظاہراً وصف سے خالی ہوتا ہے کہ اس میں خوشبو وغیرہ کچھ نہیں ہوتی مگر باطن کے اعتبار سے عمدہ ہوتا ہے .نہایت شیریں اور بہت لذیذ ہوتا ہے۔

قاریٔ قرآن میں خوشبو کا ہونا اور غیر قاری کا اس سے محروم رہنا بایں وجہ ہے کہ خوشبو تلاوت ہی کا اثر و برکت اور اسکا ثمرہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو ثمرہ کسی شے کا ہوتا ہے وہ بدون اس شے کے کیسے حاصل ہو سکتا ہے قاعدہ ہے کہ جو برکت جس عمل کی ہوتی ہے وہ اسی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور جب اس عمل کو نہ کیا جائے گا تو اس برکت سے محرومی یقینی ہے۔

مدرسہ میں جہاں تقریر ہو رہی تھی جلسہ گاہ کے قریب ایک بڑا سا نیب کا درخت تھا مولانا نے حاضرین سے فرمایا کہ آپ سب حضرات اس درخت کو دیکھ رہے ہیں بتلائیے اسمیں شاخیں متعدد زیادہ ہیں اور جڑ سب کی ایک ہے اصل ایک ہی ہے اور تنہ سے تمام شاخیں شرقاً غرباً، شمالاً وجنوباً ہر چہار طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ اب کوئی عقل کا دشمن یہ کہنے لگے کہ اگر پورب والی شاخ اس درخت کی ہے تو پچھم والی نہیں ہوگی یا دکھن والی شاخ اسکی ہوگی تو اتر والی نہ ہوگی تو بتلائیے کہ سب لوگ اسکو سوائے احمق اور جاہل کے اور کیا کہیں گے۔ سب لوگ متفقہ طور پر یہی کہیں گے کہ تمام شاخیں صرف ایک ہی جڑ سے نکلی ہوئی ہیں۔ بس ٹھیک اسی طرح سے آپ لوگ سمجھ لیجئے کہ مذاہب اربعہ کی جڑ کتاب وسنت ہی ہے۔ قرآن وحدیث ہی سے چاروں مذاہب کے تمام مسائل اصول وفروع نکلے ہوئے ہیں سرمو تفاوت نہیں ہے۔ اور یہ چاروں مذاہب بھی مدینہ منورہ گنبد خضرا تک پہونچتے ہیں، ہاں انہیں سے نجد تک کوئی نہیں پہونچا۔ مولانا کے اس بیان سے پوری بستی میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور جماعت اہلحدیث کے بہت سے لوگ حنفی ہو گئے اور انکی جماعت میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ ان کے عوام نے اپنے مولوی صاحبان کو جواب کے لئے بہت گھیرا مگر کوئی آیا نہیں۔

ٹھیک اسی طرح سے اس دور میں کیا عوام اور کیا خواص کیا اہل علم اور کیا غیر اہل علم کل کے کل نفس کا شکار ہو گئے ہیں الا ماشاء اللہ، ایسے فتنۂ عام وضلالۃ عیار میں اللہ کا ایک خاص بندہ اللہ ورسول کی خالص وہ بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے امیوں اور وحشیوں میں پیش فرمایا تھا، صبغۃ اللہ وصبغۃ الرسول میں پوری طور پر پہلے خود کو رنگ کر بلاکم وکاست اسی طرز وانداز سے امت کو بیدار کر رہا ہے اور صاف صاف بتلا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ صرف یہی ہے کہ نفس وشیطان سے الگ ہو کر ان کے فرمائے ہوئے راستہ پر لگ جاؤ، اس راستہ میں نہ غار میں جانا ہے اور نہ کسی بھٹ میں نہ کوئی جنگل پکڑنا ہے نہ پہاڑوں پر چلہ کشی کرنا ہے بلکہ سیدھے سادے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رستہ پر کسی محقق اور کامل کے زیر عاطفت ہو کر لگ جاؤ، نہ گدڑی پہننے کی ضرورت ہے اور نہ فاقہ کشی کی بلکہ سہ

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا بشیری ہے آئینہ دار نذیری

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی کہ ہوں اک جنیدی ہوں یا اڈ دشیری

بندہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کو انکے وقت کے تقاضوں کے مطابق معجزے عطا فرماتے ہیں اسی طرح سے انکے نائبین کو بھی تقاضائے وقت کے مطابق کرامات وخوارق عادات عطا فرمائے جاتے ہیں تاکہ جو سعید روحیں ہیں انکو دیکھ لیں اور فوراً جھک پڑیں، جیسا کہ حضرت والا نے الیواقیت سے حافظ ابن حجرؒ اور شیخ عُبادہ مالکیؒ کے واقعات بیان فرماکر قلب پر نقش کالحجر فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ اس عاجز اور اسکے گھر والوں اور تمام مسلمانوں کو اب سے حضرت کی طرف یا حضرت کے رنگ کے کامل اور محقق کیطرف دل سے مائل ہوکر سب کچھ درست فرمالینے کی توفیق دیں، ورنہ سوائے تضییع اوقات کے اور کچھ حاصل نہیں۔ بندہ کے ایک محب جو حضرت والا کے صحبت یافتہ اور خادم رہ چکے ہیں ایک عربی مدرسہ کے مدرس اول ہیں انکو حافظ ابن حجرؒ اور شیخ عبادہ مالکیؒ کا واقعہ بتلایا تو عش عش کرنے لگے اور ان حضرات کی حقانیت اور للّٰہیت پر بیحد مسرور ہوئے۔ خدا کرے ان صادقین کرام کے سچے احوال ہم جیسوں کو بھی اسکے فضل سے نصیب ہوں۔ لیکن جس طرح یہ راستہ آسان ہے اسی طرح نفس بدخو کیلئے مشکل بھی ہے کہ وہ اپنی خودرائی میں پھنسا ہوا ہے اور یہاں کسی اور کے تابع ہونا پڑے گا اور اپنی تمام خودرائیوں کو ختم کرنا ہوگا۔ اور ہر موقع کی دعائیں ان کے موقع پر پڑھی جائیں اور ان سے قرب الٰہی اور قرب رسول حاصل کیا جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ محبت خدا اور رسولؐ طبیعت ثانیہ بن جائے کہ بدون اطاعت اللہ ورسول قلب کو سکون نہ مل سکے اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ اپنے کو اللہ ورسول کیلئے ختم اور گمنام کردے۔

حضرت دعاء فرمائیں اس خادم کو اللہ تعالیٰ قلب سلیم وفہم عطا فرمائیں اور شریعت وسنت کے راستوں پر لگا کر تمام نعمتوں سے نوازیں اور خاتمہ ایمان پر فرمائیں۔

(ص ۲۶۲ رجسٹر مکتوبات ج ۱۹)

تحقیق: حضرت والاؒ نے یہ خط سنا کر فرمایا کہ اس کو نقل کرلو۔ (اسلئے ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے)

(مکتوب نمبر ۱۸۲)

حال: اتوار کو کرلا میں خدام والا کی مجلس ہوئی، میں دردِ سر کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب اور قاری عبد السلام سے معلوم ہوا کہ بہت آدمی (تقریباً) سو ڈیڑھ سو آدمی حاضر تھے۔ انھوں نے بیان کیا کہ (اسی لطف و کرم کے ماتحت جو مجھ روسیاہ پر ہے) وہاں لوگ مجھے پوچھتے رہے۔ حضرت اقدس کے فیوض کی اب خدا چاہے اہل بمبئی پر سلطنت قائم ہو رہی ہے۔ یہاں مکان پر ہر شنبہ کو پچاس اک آدمی آجاتے ہیں اور دلجمعی کے ساتھ آنے والے حضرت کے ملفوظات سنتے رہتے ہیں خدا کرے اس روسیاہ قسی القلب پر بھی اثر ہو۔ والسلام

بندہ مسعود (حکیم اجمیری صاحبؒ)

تحقیق: عنایت فرمائے بندہ جناب حکیم صاحب دام عنایتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامہ آیا گویا عیسیٰ آیا　　تن مردہ میں جی سا آیا

ع۔ اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی ــ محبت نامہ ملا باعث مسرت ہوا اہل بمبئی کو اگر دین کیجانب توجہ ہوگئی ہے تو الحمد للہ میرے قلب میں بھی انکی محبت پیدا ہوگئی ہے۔ اسکے متعلق اور کیا کہوں، حضرت مولانا (تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

ادائے حق محبت عنایتیست ز دوست　　وگرنہ بندۂ مسکیں بہ ہیچ خرسندہ است

والسلام خیر ختام وصی اللہ عفی عنہٗ

(ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ جناب حکیم صاحب کے اس جملہ سے مسرور ہوگئے کہ "حضرت اقدس کے فیوض کی اب خدا چاہے تو اہل بمبئی پر سلطنت قائم ہو رہا ہے" اور حضرت کے فیض کا مطلب یہی تھا کہ اب حضرت سے اہل بمبئی کو قلبی تعلق ہو رہا ہے جس کے نتیجہ میں انکو اب دین کی جانب توجہ ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے نسبت حاصل کرنے

راستہ کی جستجو اور فکر پیدا ہو گئی ہے، علم دین کے حصول کا اہتمام ہو گیا ہے، اخلاق کی اصلاح پر نظر اور حصول اخلاص پر توجہ ہو گئی ہے۔ حضرت اقدسؒ نے بھی اس پر اپنی مسرت کا اظہار ان لفظوں میں فرما دیا کہ "میرے قلب میں بھی انکی محبت پیدا ہو گئی ہے اور یہ سب کچھ خدا کا فضل وکرم اور انکی عنایت ہے ورنہ ایک بندۂ مسکین کر ہی کیا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مکتوب نمبر ۱۸۳)

حال: یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ حضرت والا بصحت وعافیت الہ آباد تشریف لے آئے حق تعالیٰ بایں فیوض وبرکات قائم ودائم رکھے۔ مزاج گرامی کیسے ہیں۔ الحمد للہ کہ احقر بھی آجکل بخیر ہے اور معمولات حسب سابق ادا ہو رہے ہیں۔ اکثر اوقات کسی نہ کسی طرح یاد حق رہتی ہے۔ ہفتہ وار ایک مجلس میں سالہا سال سے ترجمۂ قرآن کریم بھی ذوق وشوق سے جاری ہے احباب سننے کے واسطے جمع ہو جاتے ہیں، گاہے گاہے اور بھی وعظ کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ گذشتہ ہفتہ ہردوئی میں مولانا ابرار الحق صاحب نے مدعو فرمایا تھا وہاں بھی تین بیان ہوئے اخلاص نیت کی تجدید کرتا رہتا ہوں، خود بھی عمل کا لحاظ رکھتا ہوں حضرت والا سے دعائے خیر کی درخواست ہے، نیز مناسب سمجھیں تو کچھ ہدایت سے بھی سرفراز فرمائیں، انشاء اللہ تعمیل کی سعی کیجائیگی، جی چاہتا ہے کہ تادم آخر حق پر اور دین پر قیام رہے۔

تحقیق: مولانا سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ الحمد للہ اچھا ہوں آپ کے احوال اور معمولات پر مطلع ہوا اللہ تعالیٰ سب میں برکت فرمائیں۔ آپ کو ہدایت کیا لکھوں ماشاء اللہ ہدایت یافتہ ہیں اور لوگوں کو آپ سے ہدایت مل رہی ہے۔ مزید کی دعا اپنے لئے اور آپ کیلئے کرتا ہوں اور آپ سے بھی دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ والسلام۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ یہ خط کسی عالم کا معلوم ہوتا ہے۔ عجب نہیں کہ حضرت حکیم الامتؒ کے کسی مسترشد خاص یعنی مجاز کا ہو۔ ایسے ایسے حضرات بھی حضرت مصلح الامتؒ کے

ساتھ کیسی عقیدت و محبت رکھتے تھے اور حضرت والا بھی انکا کسقدر احترام فرماتے اور ان کے ساتھ کس قدر تواضع سے پیش آتے تھے مذکورہ بالا خط اور اسکا جواب اسکا مظہر ہے)۔

(مکتوب نمبر ۱۸۴)

حال: الحمد للہ حضرت کی صحبت کی برکت سے دل میں ذکر و حیوٰۃ طیبہ کے آثار پاتا ہوں — اللہ تعالیٰ دوام عطا فرمائیں۔ تحقیق: الحمد للہ۔ آمین

حال: حضرت کی مسلسل صحبت کی ضرورت ہے تاکہ رسوخ ہو جائے۔ تحقیق۔ آمین

حال: جناب ..... صاحب اور جناب ..... صاحب کو خط لکھا ہے کہ دیوبند آنے کیلئے دن اور تاریخ مقرر فرمائیں جواب آتے ہی انشاء اللہ تعالیٰ حاضر ہوں گا اور حضرت کا پیغام پہونچاؤنگا۔ بقیہ معمولات جاری ہیں۔ مولانا ..... صاحب کام میں اخلاص سے ساتھ دے رہے ہیں اور لوگ جو کہ کچھ کام کر سکتے ہیں نہیں آتے بلکہ کہتے ہیں کہ حضرت کے یہاں کافی بندش رہتی ہے اور تم یہاں بھی بندش لگانا چاہتے ہو، ہمیں آزاد رہنے دو، افسوس ہوتا ہے کہتے ہیں کہ بس حضرت کے یہاں لے چلا کرو اسکے آگے کچھ نہیں۔

تحقیق: بندش کے لئے جو آپ نے لکھا اسکا جواب تو آپ کو معلوم ہی ہے ان لوگوں کو جواب دیدیتے میرے پاس لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ بھائی دین تو خود ہی بندش کا نام ہے اسکو کیا کہئے گا (چنانچہ اسلام کے معنی ہی قلادہ دادن در گردن بطاعت کے ہیں) میرا سارا وقت تو لوگ لے لیتے ہیں اب کیا چاہتے ہیں اگر لوگوں کو گراں گذرتا ہے تو لوگ مجھکو معاف کریں یہاں نہ آدیں۔

رہا کہیں آپ کا آنا جانا تو میں اپنی جانب سے نہ تو کہیں جانے کیلئے کہتا ہوں اور نہ کچھ کہنے سننے کو کہتا ہوں آپ اپنے طور پر کہیں جائیے اور کہئے یا نہ کہئے۔ میں فتنوں سے اور ایسی جگہوں سے (جہاں فتنہ ہو) بہت گھبراتا ہوں۔

(اسکے ساتھ یہ تحریر بھی گئی)

ہم لوگ (حاضرین خانقاہ) تو یہاں رہتے ہی ہیں۔ دیکھتے ہی ہیں کہ حضرت والا آنے جانے والوں کو اپنے اوقات میں سے بہت سا حصہ دیتے ہیں۔ نماز فجر کے بعد کچھ پڑھنے کا معمول ہے اسی لئے باہر تفریح (کے نام سے خاص اس کام کے لئے تشریف لے جاتے ہیں پھر ناشتہ۔ پھر مجلس۔ پھر عام ملاقات۔ پھر قدرے استراحت کے بعد طعام وقیلولہ۔ پھر بعد ظہر بھی ملاقات کا سلسلہ رہتا ہے۔ اب اسکے بعد بھی کوئی اسکو بندش سے تعبیر کرے تو ایسے لوگ یہاں کیوں آتے ہیں کہیں اور جائیں جہاں بندش نہ ہو۔ حضرت والا فرماتے تھے کہ بات یہ ہے کہ لوگ چاہتے ہیں مجھے خرید لیں اور اپنا تابع بنالیں تو یہ نہیں ہوسکتا۔ والسلام۔

(احقر جامع عرض کرتا ہے کہ اصل یہ ہے کہ ہر زمانہ میں اور بالخصوص اس زمانہ میں ابنائے زمانہ کا حال یہ ہوگیا ہے کہ لوگ خود کو آزاد رکھنا چاہتے ہیں اور مشائخ کو پابند کرنا چاہتے ہیں چنانچہ انکی خواہش تو یہی ہوتی ہے کہ شیخ اگر دسترخوان پر کھانے کے لئے بھی بیٹھا ہو اور ہم آجائیں تو ملاقات کے لئے اسی وقت اندر بلالے اور استنجے بھی اگر جارہا ہو اور ہم اس سے رخصت ہوکر جانا چاہیں تو اپنی قضائے حاجت کو موخر کر کے پہلے ہماری حاجت پوری کردے یعنی رخصتی کا مصافحہ ہم سے کر کے ہمکو فارغ کردے اور اگر کہیں بازار یا اسٹیشن پر بھی اس سے ملاقات ہو جائے اور ہم درخواست کریں تو ہم کو وہیں تعویذ بھی لکھکر دیدے۔

یہ باتیں احتمالی اور فرضی نہیں ہیں بلکہ مشاہدہ ہے کہ آجکل کے جاہل اور بے ادب لوگ مشائخ کو اسی طرح تنگ کرتے ہیں جسکی وجہ سے ان حضرات کو بیحد ضیق بھی ہوتی ہے لیکن بہت سے اللہ کے نیک بندے قوم کی اس بے اصولی کو برداشت کرتے ہیں اور اپنے نفس پر تعب اٹھاتے ہیں ان کے اس تخلق کا اللہ تعالٰے کے یہاں انکو اجر ضرور ملیگا، لیکن لوگوں کی بدحالی بدستور قائم رہتی ہے اور وہ تعریف کر کرکے ان بزرگوں کیلئے مستقل دردِ سر بنے رہتے ہیں، انکی صحت تک خراب ہوجاتی ہے، ان کے لئے بیمار ہو جاتے ہیں مگر انکو ذرا عبرت ونصیحت اس سے نہیں ہوتی۔

اب اگر کہیں کوئی شیخ قوم کی اس بدحالی پر نکیر کردیتا ہے تو بد خلقی چونکہ انکا طرح

بن چکی ہوتی ہے اسلئے اسکی یہ روک ٹوک ناگوار طبع ہوتی ہے اور بقول قائل ؎

ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے　　میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

چنانچہ اسی جذبہ نے یہاں بھی لوگوں کی زبان سے یہ نکلوا ہی دیا کہ "حضرت کے یہاں بہت بندش ہے" اسپر حضرت اقدس نے پہلے تو صاحب مکتوب کو تنبیہ فرمائی کہ ان کہنے والوں کی بات آپ نے مجھ سے کیوں نقل کی، خود آپ نے انکو جواب کیوں نہ دیدیا خوامخواہ کیلئے انکی جانب سے میرے قلب کو مکدر کیا آپ کو یہ نہیں چاہیئے تھا۔ اور پھر سمجھایا کہ بھائی قید و بندش تو دین میں ہے ہی اس سے دیندار کہاں بچ سکتا ہے؟ اور دنیادار بھی نہیں بچا ہے فرق یہ ہے کہ دین کی قید میں خدا و رسول کی قید میں ہے اور وہ اپنے نفس کی قید میں ہے اور ابلیس کی قید میں ہے یہ سب بددینی کی باتیں ہیں اور طلب اخلاص نہ ہونے کے ثمرات ہیں جب دین مطلوب نہیں ہے تو قید سے گھبراتے ہیں تو جہاں قید نہو وہاں جائیں۔ ع۔ جسکو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں۔ باقی اصلاح کے لئے بندش اور قید کو گوارا کرنا ہی ہوگا۔ اگر صرف نرمی سے کام چل جایا کرتا تو اللہ تعالیٰ خلق مجسم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نہ نازل فرماتے کہ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ اے نبی آپ ان لوگوں سے جہاد کیجئے اور ان پر ذرا درشتی و سختی کیجئے۔ بہرحال۔ ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است　　چوں رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است)

(مکتوب نمبر ۱۸۵)

حال: ہفتہ عشرہ سے گذشتہ زندگی کے بیکار جانے کا افسوس دامنگیر ہے اور اپنی فاصکر اپنی شہرت پسندی کی حماقت پر جی کڑھنے لگتا ہے بحمداللہ اپنی بے لیاقتی اور کم استعدادی نظر میں جچنے لگی ہے اور حضرت والا کی توجہات سے فنا اور خمول کی تمنا دل میں پیدا ہونے لگی ہے لہٰذا حق تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ الٰہی حضرات مشائخ چشت رحمہم اللہ کے طفیل میں مجھے عجب و حب جاہ و ہوی سے بقیہ زندگی میں دور رکھئے اور فنا و خمول و محبت سے حصہ دیجئے۔ نماز میں رکوع و سجود میں بھی دعا کرتا ہوں

فنار و خمول کے حصول کی اور اسکی کہ یہ سب مجھے محبوب ہو جائیں (اور میرے لئے) آسان ہو جائیں اور اسکے اسباب مہیا ہو جائیں کچھ عرصے خلوت میں اپنی ناپاک پیدائش کا اپنی ناپاک حالت و عادات کا حق تعالیٰ کے احسانات کا اپنے گناہوں کا مراقبہ کیا کرتا تھا لیکن ادھر کچھ دنوں سے چھوٹ گیا ہے حضرت والا دعا فرمائیں کہ وہ مراقبہ کا حال پھر مجھے واپس ملجائے اور اسپر دل لگ جائے اپنی حالت کے تحریر سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ جو کچھ خیر و صلاح کا حصہ اس نالائق کو ملا ہے وہ حضرت والا ہی کی توجہات، ہمت، دعا و شفقت ہی کی وجہ سے ملا ہے اس شفقت و توجہ کو مرتے دم تک باقی رکھے آمین۔

تحقیق: آپ نے تحریر کیا ہے کہ فنار و خمول کی تمنا پیدا ہونے لگی ہے الحمد للہ یہ سب تو طریق کے افامنہ سے ہیں اور عجب و حبِ جاہ کی جڑ کاٹنے والے ہیں۔ الحمد للہ کہ اب آخر عمر میں آپ کو ان سب امور کا خیال ہونے لگا ہے یہ حسن خاتمہ کی علامت ہے۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

نہ دید نجات از حبوب درست　　　مگر خاک بروے بگردد نخست
ترا با حق آں آشنائی دہد　　　کہ از دست خویشت رہائی دہد
کہ تا در خودی در خودت راہ نیست　　　وزیں نکتہ جز بے خود آگاہ نیست

اس میں کلی فنا ہی کی طرف اشارہ ہے (مطلب یہ کہ دیکھو دانہ میں سے پودا ٹھیک طور سے جب ہی نکلتا ہے جبکہ پہلے اسکے اوپر خاک پڑ جائے یعنی وہ اپنے کو خاک میں ملا دے یہ فنا رہی تمکو بھی حق تعالیٰ کی معرفت اور عرفان حق تک پہونچاتا ہے اور تم کو اپنے ہاتھوں ہلاک ہونے سے نجات دیدیتا ہے اور یہ سمجھ لو کہ جب تک تم اپنے کو فنا نہ کر دگے بلکہ تم میں خودی (انانیت) موجود رہے گی تم اپنی حقیقت تک نہیں پہونچ سکو گے اور لطف یہ ہے کہ یہ نکتہ بھی اسی کی سمجھ میں آتا ہے جو خودی سے چھوٹ چکا ہوتا ہے۔ یعنی خودی کا نفع خودی کے ترک کرنے کے بعد ہی کھلتا ہے)۔

خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں کہ ــــ ورشبان روزے یک دو وقت برائے عزلت معد باید ساخت و ذکر زلات و تقصیرات و توبہ و استغفار و نفی وجود و سائر کمالات، و نفی مرادات از خود دراں وقت از مغتنمات باید شمرد و باقی وقت در افادہ و استفادہ صرف باید کرد۔ (یعنی رات دن میں دو ایک گھڑی اسکے لئے بھی نکالنا چاہیئے کہ اسوقت میں تنہائی میں رہے اور اپنی لغزشوں اور تقصیرات کو یاد کر کے توبہ استغفار کرے اور اپنے سے اپنے وجود ہی کی اور سارے کمالات و مرادات کی نفی کرے اور اسکو غنیمت سمجھے پھر اسکے علاوہ بقیہ اوقات کو افادہ و استفادہ میں صرف کرنا چاہیئے) والسلام

(۳)

(پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے اسلئے کہ اصلاح صلاح کی فرع ہے)

عرض: خدا کا شکر ہے کہ آخرت کا خیال غالب ہوتا جارہا ہے۔ اہتمام و فکر اسباب دنیا کسی قدر کم ہوتی جارہی ہے۔ بیوی کہتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم ویرانہ (یعنی جنگل) اختیار کروگے یاد الٰہی (الحمد للہ) تھوڑی تھوڑی بڑھ رہی ہے۔ غصہ میں ایک دن اپنے بچہ کو مارا یا ایک ضد کی بنا پر اسکی عمر ۶ سال کی ہے جو کہ حد تادیب سے کم ہے۔ قوت غضبیہ کا اشتعال تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے دور فرمادے۔

ایک دن ایک صاحب نے بڑی محبت سے بلایا اور کہا کہ چار پی لو جماعت کا وقت ہورہا تھا قدرے انتظار کرکے میں چلدیا ان کے لڑکے نے روکا' میرے منھ سے بات سخت نکل گئی کہ مجھے غرض نہیں ہے تمھیں غرض (بلانے کی) ہو تو مسجد میں لاؤ چنانچہ عصر کے بعد وہ چائے لایا اور کہا کہ مجھے غرض تھی اسلئے میں لایا' مجھے (اسپر) ندامت ہوئی۔

اسی مجلس میں انکے والد صاحب نے کہا کہ میرے لئے دعا کرو۔ اس وقت بھی میرے منھ سے بات سخت نکلی کہ خدا نے تمکو منھ نہیں دیا ہے (تم خود دعا کرو) خدا تو سب کی سنتا ہے۔ حالانکہ عادۃً میرا معاملہ ایسا کبھی نہ تھا۔ (اب) اگر کوئی پاس بیٹھتا ہے تو وحشت ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ جی چاہتا ہے کہ کہدوں کہ چلے جاؤ۔ ہر معاملہ میں اعتدال کی راہ بہت مشکل معلوم ہوتی ہے: بعض دفعہ جی گھبراتا ہے کہ کہاں چلا جاؤں۔

ایک دن ایک صاحب نے جو تبلیغی جماعت کے آدمی ہیں اور سرگرم کارکن بھی مجھ سے بڑی منت سماجت سے کہا کہ آج اجتماع میں تم کچھ کہدو آج کوئی کہنے والا نہیں ہے میں نے کہا کہ یہ کام میں چھوڑ چکا ہوں' اس معاملہ میں میں نے اپنے اوپر جبر نہیں کیا طبیعت خود تقریر کرنے سے رک گئی۔ پھر انھوں نے کہا کہ مشکوٰۃ ہی سنا دینا۔ میں نے صاف کہدیا کہ میں آپ لوگوں کے کام کا نہیں رہ گیا آپ کو کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا۔ اب تبلیغی طور طریق کے آدمی جو مجھ سے کچھ تعلق رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ —— ہاں بھائی تم ٹھیک کہتے ہو کہ اپنی اصلاح پہلے ضروری ہے۔

ایک اور بات ہے جو کھٹک رہی ہے کہ کہیں یہ سب میرے راستے میں دانہ و دام تو نہیں ہے کہ آگے پھانس لیں۔

ایک صاحب کہتے تھے کہ تمہاری وجہ سے تمہارے شیخ سے انس معلوم ہوتا ہے (حالانکہ) یہاں کی انجمن نے بہت سے مشاہیر علماء بلوائے مگر کسی کی طرف میرا میلان نہیں ہوا (سمجھے) بڑا ڈر یہ ہے کہ میں اپنے بزرگوں کی بدنامی کا ذریعہ نہ بنوں۔ لوگ مجھ جیسے لوگوں سے جو بزرگوں کے طریق پر اپنے کو بتلاتے ہیں بزرگوں کو پہچاننے کی کوشش کریں گے، انھیں مبادا (میری بدعملی سے) یہ خیال ہو کہ ان کے بزرگ بھی ایسے ہی ہوں گے۔ چنانچہ ان صاحب کی آمد و رفت میرے پاس بڑھ گئی ہے اور مجھ سے بڑا تاثر ظاہر کرتے ہیں۔۔۔۔ کوئی خط حضرت والا کی خدمت میں بھی انکا پہونچا ہوگا معلوم ہوتا ہے وہ دل سے محبت کرتے ہیں کوئی دن مشکل ہی سے ناغہ جاتا ہوگا کہ وہ کچھ نہ کچھ میرے گھر کھانا بھیج نہ دیں باوجود میرے منع کرنے کے ابتک یہی کرتے ہیں کہتے ہیں کہ جی نہیں چاہتا کہ کوئی چیز گھر میں پکے ہم کھائیں اور تمھارے بچے نہ کھائیں۔

کل بعد عصر مسجد میں تلاوت کر رہا تھا اسوقت فکر آخرت غالب تھی۔ سورہ مریم شروع کی خلاف عادت توجہ بجائے لفظ کے معنی کی طرف رہی حضرت ذکریا علیہ السلام کا واقعہ۔ اولاد کیلئے دعاء۔ بھائی بندوں سے خوف اور آل یعقوب و اسحٰق کی وراثت کا ذکر بڑی سرعت سے دل میں اتر گیا، بس کھو گیا میں اس میں ایسا انہماک مجھے تلاوت قرآن پاک میں کم ہوا ہوگا عجب تاثر تھا، قریب تھا کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے دل بھر آیا اسی حال میں اچانک وہی صاحب گرم گرم پھلوریاں لئے ہوئے آگئے اور مزہ تھوڑی دیر کے لئے بدل گیا۔

اسوقت سے ابتک یہ فکر غالب ہے کہ جو کوتاہیاں تم نے عبادت میں کی ہیں وہ کیسے معاف ہوں گی جو گناہ یاد بھی نہیں وہ کیسے معاف ہوں گے؟ ابتک تمہارے ہاتھ اور زبان سے تکلیف جن جن کو پہونچی انکی معافی کی کیا صورت ہے؟ ان میں سے کتنے لوگ دنیا سے جا چکے اور کتنے ایسے ہیں جن سے ملاقات کی توقع نہیں۔ یہ خیال اور غم معلوم ہوتا ہے کہ کھا جائیگا اب اسکے سوا سمجھ میں نہیں آتا کہ ان سب کیلئے دعائے مغفرۃ کرتا رہوں اور گاہے آیتوں کا

ایصال ثواب بھی کرتا رہوں شاید اللہ تعالیٰ کو رحم آجائے اور انکو راضی کردے اور استغفار کے ساتھ پختہ عہد کروں کہ دونوں حقوق ادا ہوں اور خدائے برتر کی رحمت سے توفیق نصیب ہو جی چاہتا ہے کہ بہت جلد جلد حاضری دوں۔ اللہ تعالیٰ اسباب مہیا فرما دیں اور موانع قطع فرمائیں۔ والسلام۔

الحمد للہ کہ آخرت کا خیال غالب اور فکر دنیا مغلوب ہو رہی ہے ــــ

ارشاد مرشد: کیوں؟ بیوی ایسا کیوں کہتی ہے، ویرانہ اختیار کرنا کوئی کمال تھوڑا ہی ہے۔ کیا اس نے اپنے یا کسی کے حقوق میں کچھ کمی دیکھی؟ غیر مخلوق سے وحشت کا ہونا تو خالق سے انس کی علامت ہے لیکن ان کے ساتھ اس قسم کی سخت کلامی مناسب نہیں ہے

الحمد للہ کہ تبلیغی لوگ بھی متاثر ہیں اور طریق کار انکی سمجھ میں بھی آگئے ہیں

یہی بات ہے جو آپ نے لکھی ہے کہ پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے پھر دوسروں کی اسلئے کہ اصلاح تو صلاح کی فرع ہے۔ ہاں آپ کے ان دوست کا خط آیا تھا۔ تجربہ سے اس قسم کے اختلاط (یعنی یہی کھانے پینے) کی زیادتی کچھ مضر ہی ثابت ہوتی ہے اور مولوی تو یوں بھی کھانے پینے میں بدنام ہیں اسلئے اجتناب ہی میں سلامتی ہے بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ کوئی اعتقاد بھی ظاہر کرے بقول آپ کے یہ چیزیں واقعی دانہ و دام ہی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ (ترجمہ) مضر ترین شے (ایک سالک کیلئے) دوسرے لوگوں کا اسکو اثبات اور تبرک کی نظر سے دیکھنا ہے۔ اسلئے کہ لوگ تو ان باتوں کو سمجھتے بوجھتے نہیں (کہ کون شخص واقعی خدا رسیدہ ہے اور کون نہیں ہے۔ ظاہری حالات دیکھکر ایک شخص کے معتقد ہو جاتے ہیں) حالانکہ اسکی ارادت تک ابھی درست نہیں ہوئی ہوتی تو پھر بھلا اسکو متبرک بنا لینا کب درست ہے۔ لہٰذا اہل سلوک کیلئے حب جاہ سے نکلنا واجب ہے اسلئے کہ یہ تو انکے لئے سم قاتل ہی ہے اور جو شئے سم قاتل ہو اسکے حصول کا سبب بننا کب روا ہے) (قشیریہ)

آخر میں آپنے حقوق العباد سے سبکدوشی کا طریقہ دریافت کیا ہے تو طریقہ اس کا یہی ہے کہ جو لوگ موجود ہوں انکے حقوق کو ادا کردیا جائے یا اُن سے معاف کرا لیا جائے اور جو موجود نہیں ہیں تو اگر حقوق معلوم ہوں تو معلوم ہونے کی صورت میں انکی جانب سے

صدقہ کردیا جائے ورنہ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار اور ان کے لئے دعائے مغفرت کیجائے ممکن ہے کہ اسی احسان کے بدلے میں کل کو حشر میں اللہ تعالیٰ اسکو اس سے راضی فرمادے وما ذلک علی اللہ بعزیز ۔ (رجسٹر ۳ صفحہ ۲۰۵)

(۴)

(کار خود کن کار بیگانہ مکن)

عرض حال: — حج سے واپسی پر میں نے ابتک آپ کو اطلاع نہیں دی

ارشاد مرشد: — آپ نے اس سے پہلے متارکت کردی تھی (یعنی ترک تعلق سا کر رکھا تھا)

عرض حال: — برابر خیال لگا رہا کہ حاضر ہو کر قدمبوسی حاصل کروں ۔ بہرکیف معافی کا خواستگار ہوں ۔

ارشاد مرشد: — خیال سے کیا ہوتا ہے اسکی تفصیل پرچۂ ملحقہ میں ملاحظہ ہو۔

عرض حال: — الحمد للہ یہاں جامع مسجد میں درس قرآن کا سلسلہ چند ماہ سے شروع ہوا ہے اس میں تفسیر کلی بیان ہوتی ہے ۔ ایک صاحب بیان کرتے تھے لیکن چار جمعہ سے وہ نہیں تھے میں نے آپکی دعا اور اللہ رب العزت کی ہدایت سے بیان کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ایک زمانہ آپکی توجہ کا وہ تھا کہ میں نے وطن میں نماز وغیرہ کی تلقین شروع کی اسکا بہت اثر ہوا اگر اسی قسم کی توجہ پھر فرمادیں تو یہ درس قرآن کی مجالس حقیقت میں میرے لئے اور دیگر مومنین کیلئے نجات کا ذریعہ ثابت ہوں ۔

شاید آپؒ خیال فرمائیں کہ میں نے اتنے بڑے کام یعنی " تفسیر القرآن " بیان کرنے کا ذمہ کیوں لیا تو عرض ہے کہ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ الآیہ کچھ تو جسارت فطرت انسانی میں داخل ہے اور کچھ یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور تبلیغ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۔ میں نے ہمت کی، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے اور آپ خلوص کیلئے دعا فرمائیں

ہدایت مرشد (پرچہ ملحقہ پر) آپ نے بہت دنوں بعد یاد فرمایا اور تشریف

لائے ہوئے اس سے بھی زیادہ زمانہ گذر گیا یہاں کی حاضری کا مقصد آپ نے اصلاح تجویز فرمایا تھا اور میرے متعلق بھی آپ نے اپنی جانب سے محبت وعقیدت ظاہر فرمائی تھی ایک طرف تو یہ سب سلسلہ رہا لیکن ابھی تک آپ نے طریق اولا اصلاح میں قدم بھی نہیں رکھا کہ اب دوسروں کی اصلاح کا بیڑا اٹھالیا یہ کیسا ہے ؟ حالانکہ مثل مشہور ہے" اول خویش بعدہٗ درویش" ابھی خویش ہی کے خانہ میں صفر تھا تو پھر درویش کی باری کیسے آگئی ؟ آخر یہ کیا بات ہے کہ لوگوں کو دوسروں کی اصلاح کی تو فکر ہوتی ہے لیکن خود اپنی اصلاح کی طرف سے بےفکر ہوتے ہیں، حالانکہ اسکو سمجھتے ہیں کہ اصلاح فرع ہے صلاح کی۔ یعنی پہلے صلاح ہوگی پھر دوسروں کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ مگر آپ نے اپنی اصلاح وغیرہ تو کچھ کی نہیں اور دوسروں کی اصلاح میں لگ گئے یہ تو قبل از وقت کسی کام کا کرنا ہوا اسکے متعلق یہی کہتا ہوں کہ ——— "کار خود کن کار بیگانہ مکن" ——— آپ حضرات اہل فہم ہیں جب آپ ہی ایسا کریں تو دوسروں سے کیا توقع رکھی جاسکتی ہے۔ (رجسٹر ۳ صـ ۱۹۹)

(راقم عرض کرتا ہے کہ ہدایت ہذا میں حضرت اقدسؒ کا یہ اصول نمایاں ہے کہ حضرت والا اصلاح نفس کو اصلاح ناس سے مقدم خیال فرماتے تھے اسطرح سے کہ اول کے زمانہ میں ثانی میں لگنے کو پسند نہیں فرماتے تھے خواہ وہ شعبۂ وعظ وبیان تفسیر ہو یا دعوت وتبلیغ ہو اور اپنے اس اصول میں حضرت والا کامل بصیرت پر تھے۔ نیز سالک مذکور کے عرض حال سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس باب میں انسان کا نفس کیسا کیسا زور لگاتا ہے دیکھئے اپنی تفسیر بیان کرنے کے کیسے دلائل فراہم کئے کہ شیخ اگر بصیرت پر نہ ہو تو اسکو اجازت ہی دینی پڑ جائے لیکن ناصح ومشفق اور حاذق طبیب نے کس قدر نرمی سے مدلل طور پر بات سمجھانے کی سعی فرمائی جسکو کوئی کوئی تو سمجھ لیتا تھا اور کوئی اعتراض کرتا تھا کہ دیکھئے صاحب تفسیر قرآن بیان کرنے سے روکتے ہیں۔ والتوفیق من اللہ)۔

⑤

(دوسروں کی اصلاح کیلئے اپنا دینی زیاں مناسب نہیں)

عرض حال: — یہاں تبلیغی جماعت قائم ہے جسکا ہفتہ واری اجتماع مدرسہ کی مسجد میں

ہوتا ہے۔ مہتمم صاحب و دیگر ہمدردان مدرسہ مجھے مجبور کرتے ہیں کہ ہفتہ میں ایک دفعہ جماعت کے ساتھ باہر جاؤں۔ یہی چند آدمی ہیں جو معین ہیں اگر مصلحتاً اس معاملہ میں انکا ساتھ دیتا ہوں تو اپنی رائے کے خلاف عمل ہوگا جو میرے خیال سے ایک قسم کا نفاق ہی ہے۔ ابتک میں ان سے اپنے کو الگ نہ کر سکا یہ جماعت یہاں پانچ سات برس سے قائم ہے مگر نتیجہ صفر کے برابر ہے وقتی طور سے کچھ دین کی ہما ہمی ہو جاتی ہے پھر جیسے سیلاب کے بعد پانی نکل جائے۔ اجتماع میں اپنے انداز کی کتابیں پڑھا کرتے تھے آخیر میں جہاد کی آیات پڑھکر باہر نکلنے کی ترغیب کرتے تھے لوگ ڈر سے اپنا نام پیش کرتے تھے اب تو بہت تھوڑے آدمی شریک ہوتے ہیں۔ جب سے میرے ذمہ لوگوں نے یہ کام کیا ہے میں مشکوٰۃ کی احادیث پڑھ دیتا ہوں اور بس مگر اب انشاء اللہ تعالیٰ اپنے کو جلد ان سے علیٰحدہ کرلونگا دوسروں کی اصلاح کے زعم میں اپنا معمول ترک کر کے اپنی گردن شیطان کے دام میں کون کسائے۔

ارشاد مرشد: بیشک

عرض حال: — اور بارش کی امید پر اپنے گھڑے کا پانی کون انڈیلے (یعنی گرائے)

ارشاد مرشد: — خوب۔ (رجسٹر ۳ ص ۱۶۷)

(۶)

(حدود شرکت کی تعیین پر حضرت مصلح الامۃ کی تحسین)

عرض حال: — حضرت والا نے احقر کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ — "دیانۃً جو دینی کام مفید ہو کیجئے" — تو حضرت یہی دیانت ہی تو سیکھنے کے لئے حضرت سے تعلق پیدا کیا ہے — میں اور میری سمجھ ہی کیا؟ البتہ خداوند تعالیٰ کی توفیق اور آپ بزرگوں کی دعائیں شامل حال رہیں تو انشاء اللہ یقین ہے کہ صحیح دیانت سمجھنے کی توفیق ہوجائیگی

ارشاد مرشد: — بیشک، بیشک بہت خوش ہوا۔

عرض حال: — اپنی زندگی بھر تو یہی سبق سیکھنا ہے اگر عمر نوح ہو تب بھی نفس کی اصلاح سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ خداوند تعالیٰ کید نفس سے محفوظ رکھے۔

ارشاد مرشد :۔ بیشک بیشک ۔ آمین

عرض حال :۔ اپنے اقوال و احوال میں خلوص کی اور (انکو) لوجہ اللہ بنانے کی سعی کرتا ہوں ۔ خدا کی ذات سے امید ہے کہ اگر مستعدی اور تفکر سے کام لیا گیا تو انشاء اللہ ضرور اخلاص پیدا ہوگا ۔ ارشاد مرشد : بیشک

عرض حال :۔ لیکن یہ کام پہلے تبلیغی جماعت میں بہت آسان معلوم ہوتا تھا لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر پوری زندگی میں بھی نفس کی کما حقہ اصلاح ہوجائے تو سب سے بڑی کامیابی ہے ۔ ارشاد مرشد ، الحمدللہ

عرض حال :۔ تبلیغی جماعت کے متعلق احقر نے جو فیصلہ کیا ہے بغرض اصلاح لکھ رہا ہوں جو غلطی ہو اس سے متنبہ فرمائیں ۔ وہ یہ کہ جہاں تک ہوسکے تخلیہ اختیار کیا جائے اور پوری جد و جہد کے ساتھ اصلاح نفس کی فکر میں لگ جایا جائے اور جلسہ جلوس سے جس درجہ احتیاط برتی جاسکے ضروری ہے ۔

ارشاد مرشد : الحمدللہ ۔ مبارک ہو ۔ بڑا خوش ہوا ۔

عرض حال : ہمارے تبلیغی احباب جب بھی ملتے ہیں میں ان سے بہت اخلاق سے ملنے کی کوشش کرتا ہوں ، بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ انکا خیال رکھتا ہوں اور میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ کسی ملاقات میں بھی ان حضرات سے مناظرانہ گفتگو نہ کی جائے ۔

ارشاد مرشد : الحمدللہ ۔ خوب

عرض حال ، چنانچہ اس رویہ کا یہ اثر ہوا کہ میرے بعض دوست بہت متاثر ہوئے ان میں سے بعض حضرات محترم ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کے یہاں بھی آتے ہیں ۔ میں نے بھی یہ ارادہ کیا ہے کہ اگر کسی خاص موقع پر وہ حضرات جو میرے تبلیغی جماعت کے رفیق کار ہیں تبلیغی سلسلہ میں مجھ سے (کچھ) مشورہ لیں گے تو مشورہ بھی دونگا ۔

ارشاد مرشد : بہتر ہے ۔

عرض حال :۔ لیکن جہاں تک ہوسکے گا احتیاط ضروری ہے ۔ تحقیق ۔ الحمدللہ ۔

عرض حال :۔ آج چار مہینہ ہو رہا ہے کہ تبلیغی جماعت میں شرکت نہیں کی اور

ایسا موقع دیاکہ ان لوگوں نے ضد کیا ہو۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کام کو خدا کیلئے کیا جائے یا ترک کیا جائے تو یقیناً خداوند تعالیٰ کی طرف سے ایسے اسباب خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں جس سے وہ محفوظ رہ سکے ۔ ارشاد مرشد : بیشک ۔

عرض حال : اگر غلطی ہو تو اصلاح فرماکر معاف فرمائیں ۔ تحقیق : خوب، صحیح ہے۔

عرض حال : اور حضور والا دعا فرمائیں کہ خداوند قدوس دینی سمجھ اور اپنے احکام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ ارشاد مرشد : نہایت دل سے دعا کرتا ہوں ۔

(۷)

(یہ ضروری نہیں ھے کہ ھم ھر کام میں شریک ھی ھو جائیں)

ہدایت شیخ (معلوم ہوتا ہے کہ کسی صاحب نے جماعت میں شرکت کے متعلق حضرت والا سے کچھ دریافت کیا تھا حضرت نے انکو جو جواب دیا وہ آپکے سامنے ہے حضرت والا کی اجازت یا عدم اجازت، رضا یا عدم رضا کس بات کا علم اس سے ہوتا ہے اسے آپ خود استنباط فرمالیجئے ۔ باقی گذشتہ نمبر میں جس حد تک اجازت معلوم ہو رہی ہے تو وہ بزرگ وہی تھے جو پہلے سے اس طریق کار کے دلدادہ اور اپنے یہاں کی تبلیغ کے روح رواں رہ چکے تھے) ۔

ان صاحب کو تحریر فرمایا کہ ۔ آجکل جو جماعتیں تبلیغی کام کر رہی انمیں شرکت کیلئے اپنے رجحان قلب کو دیکھنا چاہیئے اگر رجحان ہے اور کسی قسم کا کھٹک و تردد نہیں ہے تو شرکت کی ممانعت نہ سمجھنا چاہیئے ورنہ بدون کسی منازعت کے (یعنی کسی سے لڑے جھگڑے، بحث و مباحثہ، مناظرہ و مجادلہ کئے بغیر) سب سے علحدہ رہنا چاہئے اور کہدینا چاہیئے کہ دین کا کام سب کو اپنی مقدرت اور اختیار بھر کرنا چاہیئے ہر شخص اپنی ذمہ داری پر کرے اور اسیکا وہ مکلف بھی ہے ۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس جواب سے آپکی تسلی ہو جائیگی ۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر کام میں شریک ہو جائیں ۔ دین کیلئے مسلمانوں کی فلاح کیلئے دعا کرنا بھی تو انکے ساتھ شرکت ہے اگر سمجھ میں آگیا ہو تو تحریر فرمایئے (کہ آپ نے کیا سمجھا؟) والسلام

(باقی آئندہ)

ودر شارستان دوم طبلی ساختہ بودند هرکرا چیزی گم شدی بران طبل بزدی ازاں آوازی برآمدی کہ گم شدۂ تو در فلاں موضع است و فلاں بردہ است و در شارستانِ سوم آئینہ ساختہ بودند هرکرا مسافری مفقود بودی در آئینہ بدی حال مسافر مفقود در هر شهر و هر کجا کہ بودی معائنہ کردی و در شارستان چهارم حوضی بود کہ نمرود مردود در هر سال یک روز معین برلب حوض جشن کردی هرکہ بیامدی نوعی از اشربہ باخود بیاوردے و دراں حوض انداختی و کسی آب آوردی و کسے گلاب آوردی و کسے شربت و کسی شراب چوں ازاں حوض جام پر کردی و بگردانیدی بدست کس همان آمدی کہ آوردہ بودی و در شارستانِ پنجم غدیرے بود پُرآب برآں نشستہ قطع دعاوی و خصومات کردندی هرگاہ کہ دو کس بدعوی آمدندی هر دو در آب رفتندی آنکہ باطل بودی در ساعت آب از سر او در گذشتی چنانچہ بیم غرق شدن شدی و در

اور دوسرے شہر میں ایک طبل (ڈھول) بنا رکھی تھی (جسکا کام یہ تھا کہ جبکی کوئی چیز گم ہو جاتی تھی تو وہ اسی طبل پر آکر چوب مارتا تو اس سے آواز نکلتی کہ تمہاری گمشدہ چیز فلاں جگہ موجود ہے اور فلاں شخص اسکو چرا کرلے گیا ہے۔ اور تیسرے شہر میں ایک بڑا سا آئینہ بنا رکھا تھا (اس کا کام یہ تھا) کہ جس شخص کا کوئی مسافر کہیں بھٹک جاتا تو اس سے اس مسافر کا حال معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ کس شہر یا کس جنگل میں موجود ہے (جیسے آج ٹیلی وژن پر دوسری جگہوں کی چیز دیکھ لی جاتی ہے پس یہ کچھ نئی چیز نہ ہوئی نمرود کے دور میں ایجاد ہو چکی ہے) اور چوتھے شہر (یا محل) میں ایک حوض تھا کہ نمرود مردود ہر سال کے ایک مقررہ دن میں اس حوض کے کنارے آکر ایک جشن (میلا) مناتا (جس میں ایک تفریح یہ ہوتی کہ) جو شخص وہاں بادشاہ کے پاس آتا وہ پینے کی اشیاء میں سے کوئی ایک چیز اپنے ہمراہ لاتا اور اسی حوض میں ڈال دیتا تھا چنانچہ کوئی تو صرف پانی ہی لاتا، کوئی عرق گلاب لاتا، کوئی شربت (روح افزا) لاتا، کوئی شراب لاتا، جب حوض بھر جاتا اور اس میں سے پینے کا دور چلتا تو اسی سے گلاس بھر بھر کر سب لوگ پیتے تو لطف کی جو بات تھی وہ یہ تھی کہ جس شخص نے اس حوض میں جو چیز ڈالی تھی اسکے گلاس میں ہر دور میں وہی وہی چیز آتی (پانی والا پانی پاتا اور شربت والا شربت) اور پانچویں شہر میں ایک بڑا سا حوض (تالاب) بنایا تھا جو پانی سے لبریز تھا اسی کے کنارے بیٹھکر نمرود مقدمے فیصل

شارستان ششم درختی بود اگر یک کس بزیر آں درخت بایستادی درخت بر و سایہ کردی تا ہزار، اگر یکی از ہزار زیادہ شدے ہمہ در آفتاب شدندی و اصلا سایہ بر سر ایشاں نیفتادی و در شارستانِ ہفتم حوضی بود مدور و در اطراف او صورت شہرہای کہ در مملکت او بودی نگاشتہ اگر اہل شہرے بے فرمانی کردندی و او خواستی تا ایشاں را عذاب کند جوی ازاں حوض جانب آں شہر بکشادی آں شہر دراں سال غرق شدے بادشاہ تعالیٰ و تقدس اورا چنیں ملکی داد و او شکر نعمت بجا نیاورد بلکہ دعوی دیگر کردن گرفت لاجرم دید آنچہ دید ؎

قطعہ

نخشبی شکر کارہا دارد
شکر نعمت قوی نکو چیزیست
تا توانی شکور باش بہ ہر
ہر کہ شکر می کند ہمو چیزیست

کرتا تھا جب کسی مقدمہ میں مدعی اور مدعا علیہ لائے جاتے تو اسی حوض میں ڈالے جانے کا حکم کرتا جو ناحق پر ہوتا فوراً پانی اوپر ہو کر اسکے سر سے اونچا ہو جاتا ایسا کہ اسکے ڈوب جانے کا اندیشہ ہو جاتا (اس سے معلوم ہو جاتا کہ یہ مجرم ہے) اور چھٹے شہر میں ایک درخت تھا ایسا کہ اگر ایک شخص اسکے سایہ میں کھڑا ہوتا تو درخت کا سایہ صرف اسی پر پڑتا (اور دو شخص ہوتے تو دونوں سایہ میں ہوتے) اسی طرح سے ہزار تک سایہ بڑھتا رہتا اور اگر ہزار پر ایک کی بھی زیادتی ہو جاتی تو سب دھوپ میں ہو جاتے سایہ غائب ہو کر کسی ایک پر بھی نہ رہ جاتا۔ اور ساتویں محل میں ایک گول حوض تھا اسکے کنارے پر اسکی مملکت کے سب شہر نظر آتے اور یہ کہ کہاں کیا ہو رہا ہے چنانچہ اگر کسی شہر کے لوگ نافرمان اور باغی ہو جاتے اور کوئی حرکت خلافِ حکومت کرنے کا ارادہ کرتے اور نمرود یہ چاہتا کہ انکو سزا دے تو ایک نالی اسی حوض سے اس شہر کیجانب نکالدی جاتی اسکے سبب سے اس سال اس شہر میں طغیانی (باڑھ) آجاتی اور سب کے سب غرق ہو جاتے حق تعالیٰ شانہ تقدس نے جو اس عالم کے شاہنشاہ ہیں اسکو ایسا ملک عطا فرما رکھا تھا اور اس بدبخت نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر نہیں ادا کیا بلکہ دوسرے قسم کا (یعنی خدائی کا) دعوی کرنے لگا پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ لامحالہ وہ دیکھنا پڑا جو کچھ کہ اس نے دیکھا ؎

"اے نخشبی شکر سے بڑا کام نکلتا ہے، نعمت کا شکر ادا کرنا بہت ہی بڑی چیز ہے، جہاں تک تم سے ہو سکے تم زمانہ میں شکر گذار بندہ ہو کر رہو، جو شخص شکر ادا کرتا ہے تو یہی تو ایک چیز ہے"

سلک صد و چہارم

طائفہ کہ فکرت شعار ایشان است وعبرت دثار ایشان چنیں گویند الفکرۃ دلیل الانتباہ وصیانۃ عن الاشتباہ و بعضی گویند الفکرۃ معیار صدق القول ومضمار قبول الفعل آری فکرت بمثابہ آئینہ است کہ صاحب فکرت چہرۂ حسنات وسیّآت خود را درو معاینہ ومشاہدہ می کند حضرت عیسیٰ گفت صلوات اللہ وسلامہ علیہ در خلق ہمہ عالم تفکر کردم طائفہ کہ در گوشہ عدم اند ایشان را خوشتر ازاں یافتم کہ در صحرای وجود اند اہل معرفت گویند عاقل کسی است کہ دہ چیز را بدہ چیز بدل کند جزع را بصبر و نسیان را بذکر و کفران را بشکر و عصیان را بطاعت و بخل را بجود و شک را بیقین و ریا را باخلاص و اصرار را بتوبہ و کذب را بصدق و غفلت را بتفکر۔ عزیز من! اولوا الابصار در ہرچہ بنگرند بتفکر بنگرند بشنو بشنو چنیں گویند کہ در بنی اسرائیل رسم بود چوں عابد شصت سال با اخلاص عبادت کردے

سلک نمبر ۱۰۴ (تفکر کی اہمیت)

بزرگوں کی وہ جماعت کہ فکر قلبی جنکا شعار ہوتا ہے اور کسی واقعہ سے عبرت حاصل کرنا جنکا طریقہ ہوا کرتا ہے وہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ فکر کا ہونا بیداری کی نشانی اور شبہات میں واقع ہوجانے سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ فکر قول کی سچائی کا معیار اور فعل کی مقبولیت کا میدان ہے اور بیشک فکر ایک آئینہ کی مانند ہے کہ فکر والا اپنی خوبیوں اور خامیوں کا اس میں معائنہ اور مشاہدہ کرسکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوات والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عالم کی تمام مخلوقات میں تفکر کیا تو ان لوگوں کو جو ملک عدم میں جاچکے ہیں ان سے کہیں بہتر پایا جو کہ صحرائے وجود میں موجود ہیں۔ اہل معرفت یہ فرماتے ہیں کہ عقلمند وہ شخص ہے جو دس چیزوں کو دس چیزوں سے بدل لے۔ جزع و فزع کو صبر سے اور نسیان کو یاد سے اور کفران نعمت کو شکر سے اور نافرمانی کو طاعت سے۔ بخل کو سخاوت سے۔ شک کو یقین سے اور ریا کو اخلاص سے اور معاصی پر اصرار کو توبہ سے اور جھوٹ کو سچائی سے اور غفلت کو تفکر سے۔ عزیز من! اہل بصیرت جس کو دیکھتے ہیں بہ نظر تفکر دیکھتے ہیں۔ سنو سنو! بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی عابد ساٹھ سال تک اخلاص کے ساتھ عبادت کرتا تھا تو اس پہ ایک سفید بادل معلق ہوکر سایہ کئے رہتا تھا۔ ایک دفعہ ایک عابد نے ساٹھ سال عبادت کی اور یہ سعادت اسے حاصل نہ ہوئی دوسرے عابدوں کا اس پر گذر ہوا

بر سر او ابر سپید سایہ کردی وقتی عابدی شصت سال عبادت کرد و او این سعادت نداوند عابد ان دیگر بروفتند کہ تو چگونہ عبادت کردۂ کہ ازیں سعادت محروم ماندۂ گفت من در مدت شصت سال ہیچ چیز خلاف این راہ نکردہ ام مگر آنکہ یکبار بی تفکر سوی آسمان نظر کردم گفتند دریں راہ گن ہی عظیم تر دگر چہ خواہد بود انیہمہ از شومی آں نظر است

قطعہ

نخشبی فکر کار ہا دارد
عاقلاں از بلا حذر نکنند
آں عزیزاں کہ چشم دل دارند
جز بفکرت بکس نظر نکنند

اس سے پوچھا کہ تو نے کس طرح عبادت کی کہ اس سعادت سے محروم رہ گیا۔ اس نے کہا کہ میں نے ساٹھ سال کی مدت میں کوئی کام خلاف طریق نہیں کیا ہے مگر یہ کہ ایک مرتبہ میں نے آسمان کی طرف نظر کی جو کہ تفکر سے خالی تھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ اس راہ میں اس سے زبردست اور کون سا گناہ ہوگا؟ (تو نے الذین یتفکرون فی خلق السماوات والارض کے خلاف کام کیا) چنانچہ یہ محرومی اسی نظر (بے تفکر) کا اثر ہے۔

ترجمہ قطعہ

"اے نخشبی فکر سے بڑا کام بنا کرتا ہے عاقل لوگ بلا سے بچنے کی زیادہ فکر نہیں کرتے (بس فکر کا اہتمام کرتے ہیں) وہ اللہ والے جو کہ قلب کی آنکھ رکھتے ہیں جس چیز کو دیکھتے ہیں تفکر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔"

سلک صد و پنجم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرب الناس الی اللہ تعالےٰ یوم القیامۃ من طال حزنہ بزرگے را پرسیدند حزن چیست؟ گفت الحزن حمی القلب اذا کان لاجل

سلک نمبر ۱۰۵ (حزن وغم)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمام لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قریب تر بروز قیامت وہ شخص ہوگا جو دنیا میں طویل الحزن رہتا ہو (یعنی آخرت کا غم اس پر ہر وقت سوار رہتا ہو) ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا حضرت حزن کسے کہتے ہیں؟ فرمایا کہ حزن کو یکھو

خلق و سرور القلب اذا کان لاجل بخالق عزیز من! روزی کہ از تونگران طلب اندوہ کنند گویند الحمد للہ الذی اذہب عنا الحزن و روزی کہ از درویشاں طلب شادی کنند گویند الحمد للہ الذی اعطانا الحزن ای بقیمت دو عالم نالہ درد را دکان راہ محبت نیک قیمتی باشد ان اللہ یحب کل قلب حزین، چنیں گویند راہی کہ سالک با درد دریک روز قطع کند سالک بیدرد دریک ماہ قطع کند و در ہر عصری یک اندوہگین باشد کہ ہمہ عالم در پناہ درد او بگذرند بزرگی گویند لما مات الفضیل ذہب الحزن من الارض یکی از صفات حضرت رسالت پناہ آنست کہ او متواصل الحزن و دائم الفکر بودے۔ آری وقتی دو کس منازعت می کردند یکی میگفت من عرف اللہ تعالیٰ زالت احزانہ و دیگر میگفت من عرف اللہ تعالیٰ طالت احزانہ۔ خواجہ سری سقطی را جنید رحمہا اللہ وقت نزع بمروحہ باد می کرد سری میگفت ای فرزند تو مرا

کہ وہ قلبی بخار ہے جب کہ مخلوق کے سبب سے ہو اور دل کا سرور ہے جبکہ خالق کے لئے ہو۔

عزیز من! جس دن کہ امیروں سے انکے رنج و غم کو دور کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ شکر ہے اس ذات کا جس نے ہم سے سارا غم دور کر دیا اور درویشوں کا یہ حال ہے کہ جس روز ان سے مسرت اور خوشی کو دور کر کے غم دیتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ شکر ہے اس ذات کا جس نے کہ ہمیں حزن و غم سے نوازا ہے مطلب یہ کہ طریق کی دکان اور محبت کی منڈی میں نالہ درد کی قیمت دونوں جہان سے بھی بڑھکر ہے اسلئے کہ ارشاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قلب محزون (وغمگین) کو محبوب رکھتا ہے۔ اہل تجربت ایسا کہتے ہیں کہ جس راستے کو سالک درد و غم کے ساتھ ایکدن میں طے کر لیتا ہے سالک بیدرد اسکو ایک ماہ میں قطع کرتا ہے۔ چنانچہ ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی ایک شخص ایسا غم واندوہ رکھنے والا ضرور موجود ہوتا ہے کہ سارا عالم اسی کے درد کی پناہ میں زندگی گذارتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جب حضرت فضیلؒ کا انتقال ہو گیا تو دنیا سے حزن و غم ہی کا گویا خاتمہ ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی تھی کہ آپ دائم الحزن والفکر (ہمیشہ ایک رنج و فکر میں رہا کرتے) تھے۔ ہاں بھائی سنو ایک مرتبہ دو شخصوں میں باہم اختلاف ہوا ایک کہتا تھا کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا تو اسکا سارا رنج و غم دور ہو گیا۔ دوسرا کہتا تھا کہ نہیں بلکہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا تو اسکا رنج و غم اور بڑھ گیا۔ حضرت خواجہ سری سقطی کو بوقت نزع حضرت جنیدؒ پنکھا جھل رہے تھے حضرت سری سقطیؒ

بادمیکنی و دود تنور سینۂ من آتش
(اندوہِ شوق افروختہ اند نمیدانی کہ
آتش از باد زیادہ گردد عزیز من
ہیچ اندوہی راحت آمیز تر از اندوہ
اہل محبت نیست بشنو بشنو یکی از
پیران طریقت می گوید وقتی دہ سال
آب گریستم و دہ سال خون گریستم
اکنون دہ سال دیگر است کہ می خندم

قطعہ ؎

نخشبی شادماں ز اندوہ است
دل جز ین شادی طلب نکند
آنچہ اندوہ کرد در دل من
در دلِ دیگری طرب نکند

سلک صد و ششم

توانگرانِ عالم فقر گویند
چنیں دانم توانگری ہمیں درویشی
است و درویشی ہمیں توانگری ای
درویش زنہار گوہر درویشی خود را
بشبہ توانگری بدل نہ کنی کہ اگر توانگران
را درجۂ درویشاں مقرر شود صد بار
اطلس کسوت توانگری بژندہ و گلیم درویشی

نے فرمایا کہ صاحبزادے تم مجھے پنکھا جھل رہے ہو (کہ میری ظاہری گرمی
دور ہو جائے) لیکن میرے سینہ میں غم و اندوہ کی بھٹی سلگ رہی ہے اور
تم نہیں جانتے ہو کہ ہوا دینے سے آگ اور زیادہ بھڑکتی ہے عزیز من
کوئی مصیبت، اہل محبت کی مصیبت سے بڑھکر راحت آمیز بھی نہیں ہے
(مگر ہاں نہیں یہ در دکچھ بھلا بھی ہے) سنو سنو! پیران طریقت میں سے ایک
بزرگ فرماتے تھے کہ دس سال تک میں نے اپنی آنکھوں سے پانی
کے آنسو بہائے پھر اسکے بعد دس سال تک خون کے آنسو روئے
اب اس کے بعد دس سال ہو رہے ہیں کہ الحمد للہ ہنس رہا ہوں۔

ترجمہ قطعہ

"نخشبی بھی اپنے غم کیوجہ سے خوش ہے اور اسکا دل بس
اسی خوشی کا خواہاں ہے۔ میرے قلب پر یہ رنج و غم (خوشی و
مسرت کا) جو کام کر گذرتا ہے دوسروں کے دل میں (اتنی مسرت)
کسی نشاط والے کام سے بھی نہیں ہوتی"۔

سلک ۱۰۶ (فقیری امیری سے بہتر ہے)

عالم فقر کے جو امیر لوگ ہیں (یعنی بزرگان دین) انکا یہ فرمانا
ہے کہ ہمیں تو ایسا لگتا ہے کہ امیری بس اسی درویشی ہی کا نام
ہے (جس سے اہل اللہ متصف ہوتے ہیں اور) فقر و درویشی اسی امیری
کو کہا جاتا ہے (جو اہل دنیا کو حاصل ہوتی ہے) اے درویش سن
خبردار خبردار کبھی اپنی درویشی کو شبہ امیری کے ساتھ بھی نہ بدلنا
کیونکہ اگر امیروں کو درویشوں کی راحت کا صحیح حال معلوم ہو جائے
تو سو مرتبہ امیری کے اطلسی لباس کو درویش کی کمبلی سے بدلنا گوارا

فروختہ باشند توانگراں را از توانگری چہار چیز رسد رنج تن و مشغولی دل و نقصان دین و حساب قیامت و درویشاں را نیز از درویشی چہار چیز رسد آسائش تن و فراغت دل و سلامتی دین و رستگاری قیامت تا توانگران از گفت گوی منکر و نکیر خلاص باشند درویش فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر رسیدہ باشد۔ بشنو بشنو! شبلی رحمۃ اللہ علیہ را بعد از فوت در خواب دیدند گفتند از سوال منکر و نکیر چہ گونہ خلاص یافتی گفت ای بیخبراں چہ جای ایں سخن است اگر آں ساعت شما آں جا می بودید نظارہ می کردید کہ ایشاں از پیش من چگونہ خلاص یافتند و بیروں شدند چوں با من آغاز کردند کہ خدای تو کیست گفتم ای فرشتگاں مرا میگوئید کہ خدای تو کیست! خدای من خدای است کہ شما را با ہمہ ملائکہ پیش تخت پدر من سجدہ کنانیدہ کہ اُسْجُدُوْا لِآدَمَ و من آں ساعت در صلب پدر خویش با ہمہ برادران شما را

کریں (یعنی انکے ایک لباس کے بدلے اپنا سو لباس دیدیں کیونکہ) امیروں کو امیری سے چار چیزیں (نقصان دہ) حاصل ہوتی ہیں۔ تن بدن کی تکلیف۔ قلب کی مشغولی۔ دین کا نقصان۔ قیامت کا حساب اسی طرح سے درویشوں کو بھی درویشی سے چار چیزیں (نفع بخش) حاصل ہوتی ہیں۔ بدن کی راحت۔ فراغت قلبی۔ دین کی سلامتی اور قیامت میں چھٹکارا۔ کیونکہ جب تک امیر لوگ منکر و نکیر کے سوال وجواب سے فراغت حاصل کریں درویش لوگ مقعد صدق (عمدہ راحت فزا بیٹھنے کی جگہ) میں مَلِک مقتدر (قدرت والے بادشاہ) کے پاس پہونچ چکے ہوں گے۔ سنو سنو! حضرت شبلیؒ کو لوگوں نے انکے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا دریافت کیا حضرت منکر و نکیر کے سوال وجواب سے کیونکر خلاصی پائی انہوں نے فرمایا کہ ارے او بے خبر! کیا پوچھتے ہو اگر تم اس موقع پر موجود ہوتے تو دیکھتے کہ وہ لوگ خود میرے پاس سے کس طرح بچکر باہر گئے ہوا یہ کہ جب ان لوگوں نے مجھ سے پوچھنا شروع کیا کہ "من ربک" تمہارا رب کون ہے تو میں نے کہا کہ حضرت میرا رب وہی ہے جس نے کہ تم سے تمام ملائکہ کے ساتھ میرے باپ کو سجدہ کرایا تھا اور فرمایا تھا کہ اُسْجُدُوْا لِآدَمَ (آدم کو سجدہ کرو) اور میں اس وقت اپنے باپ کی پشت میں موجود تھا اور اپنے سب بھائی بہنوں کے ساتھ تم لوگوں کا تماشا دیکھ رہا تھا (یہ سنکر) ان لوگوں نے آپس میں کہا کہ ہم کو انکے پاس سے چلدینا چاہیئے کیونکہ ہم تو صرف ان سے سوال کر رہے ہیں اور وہ تمام اولاد آدم کی طرف سے جواب دے رہے ہیں۔

می دیدم گفتند مارا از پیش ایں باید
رفت کہ سوال از ومی کنیم و او
جواب جملہ ذریاتِ آدم می دہد۔ قطعہ
نخشبی فقر خوب تر ز غنا
مرد رہ را ہزار پیشا نیست
چوں اسیری بہ از امیری شد
ایں نہ موری است ایں سلیمانی است

" اے نخشبی! فقر جو ہے وہ غنا سے کہیں بہتر شے ہے۔ راہِ طریق کے چلنے والے کے لئے ہزاروں چیزیں مدمقابل آتی ہیں غرض جب اسیری (یعنی فقیری) امیری سے بہتر ٹھیری تو پھر یہ فقر چونٹی ہونا نہیں ہے بلکہ سلیمان بننا ہے "

سلک صد و ہفتم

عاملاں عمل صالح گویند
کارکناں عمل صالح چوں کاری کنند
آنرا ناکردہ انگارند حکی عن بعض
الصالحین الصادقین من اہل واسط
انہ صام سنین کثیرۃ وکان یفطر کل
یوم قبل غروب الشمس الا فی
رمضان و آں شنیدہ باشی
کہ وقتی ماہی گیری ماہی بگرفت
ماہی با او آغاز کرد کہ من مسبحم
مرا از تسبیح چرا مانع میشوی
ماہی دیگر با وی گفتن گرفت
اتمن علی اللہ بتسبیحک۔

سلک ع ۱۰۷ (نیکی پر نظر نہ ہونا)

عمل صالح کرنے والے حضرات کہتے ہیں کہ جو لوگ کہ عمل صالح کرنے والے ہیں انکا طور یہ ہے کہ جب وہ کوئی نیک عمل کرتے ہیں تو اسکو ناکردہ شمار کرتے ہیں بیان کرتے ہیں کہ اہل واسط کے صالحین صادقین (نہ کیا ہوا) میں سے کسی بزرگ نے چند سال مسلسل روزہ رکھا اور یہ کرتے تھے کہ غروب سے ذرا پہلے ہر دن علاوہ رمضان کے افطار کر دیتے اپنا روزہ توڑ دیتے تھے (تاکہ عجب پیدا ہو)۔ اور وہ واقعہ تو تم نے سنا ہی ہوگا کہ ایک مرتبہ کسی ماہی گیر نے ایک مچھلی پکڑی مچھلی اس سے کہنا شروع کیا کہ (ارے ظالم) میں خدا کی تسبیح پڑھا کرتی ہوں تو مجھے اس کام سے کیوں مانع ہوتا ہے یہ سنکر دوسری مچھلی اندر سے بولی کہ یہ تو اللہ تعالیٰ پر اپنی تسبیح خوانی کا احسان جتلانا ہوا۔ (اسلئے ایسا نہ کہو)

کیوں صاحب جب اس چھوٹے سے سفر کیلئے اتنے پیشتر سے سامان فراہم کیا جاتا ہے تو یہ موت کا اتنا بڑا سفر کتنے پہلے اور کتنا بڑا سامان چاہتا ہوگا کیونکہ یہ وہ سفر ہے کہ اس سے پھر کبھی واپسی ہی نہ ہوگی پھر اسکے لئے کیا سامان مہیا کیا۔ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو اطاعت خداوندی میں سرگرم ہیں دوسرے وہ جو مخالفت میں پھنسے ہیں، پہلی قسم کے لوگوں کے لئے یہ سفر، سفر رغبت اور دوسری قسم کے لوگوں کیلئے سفر رہبت ہے اور یہ دونوں صورتیں دنیا کے سفروں میں بھی ہوتی ہیں۔ پس دیکھ لیجئے اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کا مدعو ہو جو کہ سفر رغبت ہوگا تو اسکے لئے کیا کچھ سامان پہلے سے کرے گا اپنے پاس نہ ہوگا تو دوسروں سے قرض لیکر مستعار مانگ کر چیزیں جمع کرے گا اور ہر طرح درست ہوکر ارادۂ سفر کریگا اسی طرح اگر کسی شخص نے مثلاً چوری کی ہو اور گورنمنٹ کی طرف سے اسکے نام سمن آگیا تو غور کیجئے کہ جانے سے پہلے وہ کیا کیا سامان کرے گا اپنی صفائی کے گواہ جمع کرے گا وکلا سے ملکر مشورہ کرے گا' دوست احباب سے رائے لے گا وغیرہ وغیرہ غرض دونوں قسموں کے سفر میں مختلف طرح کے سامان کئے جاتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ جب یہی دونوں صورتیں آخرت کے سفر میں بھی محتمل ہیں اس میں کیوں سامان نہیں کیا جاتا اور سہل انگاری برتی جاتی ہے۔ صاحبو یہ تو یقینی ہے کہ سفر آخرت آنیوالا ہے پس اگر ہم مطیع ہیں تو یہ سفر ہمارے لئے رغبت کا سفر ہوگا ورنہ رہبت اور خوف کا سفر ہوگا پس بتلائیے کہ آپ نے رغبت کے کیا سامان جمع کئے اور خلاصی کی کون سی صورتیں پیدا کی ہیں کونسی عبادت کی ہے کتنے حق العباد ادا کر دیئے ہیں بلکہ اگر غور سے دیکھو تو سفر آخرت ہر مسلمان کے لئے رغبت اور رہبت دونوں پہلو لئے ہوئے ہے کیونکہ ایمان بین الخوف والرجا ہے یعنی نہ خدا تعالیٰ پر ناز ہو سکتا ہے اور نہ مایوس ہونا چاہیئے ؎

غافل مرو کہ مرکب مردان زہد را | در سنگلاخ بادیہ پے ہا بریدہ اند

(غافل ہو کر مت چلو کہ اہل زہد کی سواریوں کے کوچ اس راہ میں کاٹ ڈالے گئے ہیں)

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش | ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

(اور نا امید بھی مت ہو جاتا کیونکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک رند بادہ نوش کو اسکی ایک خروش ہی کے ذریعہ منزل مقصود تک پہنچا دیا گیا ہے)

(۷۰) ہر مسلمان کو رغبت و رہبت دونوں کی ضرورت ہے

مسلمانوں کی اصل حالت یہ ہونی چاہیئے کہ رغبت اور رہبت ملی ہوئی ہو چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی حالت بیان فرماتے ہیں یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا یعنی یہ دونوں وصف انہیں جمع ہیں حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اگر میدان قیامت میں ندا ہو کہ صرف ایک شخص جنت میں جائیگا تو مجھے یہ امید ہوگی کہ وہ شخص میں ہوں اور اگر یہ ندا ہو کہ صرف ایک شخص جہنم میں جائیگا تو مجھے یہ اندیشہ ہوگا کہ وہ شخص میں ہی ہوں غرض مسلمان کو ہر وقت رغبت بھی ہونی چاہیئے اور رہبت بھی اور جب یہ ہے تو ہر وقت استغفار بھی کرتے رہنا چاہیئے اور اعمال میں بھی پوری کوشش ہونی چاہیئے اور رہا جو ایک آدھ وقت کر لینے سے کام نہیں چلتا ضرورت اسکی ہے کہ روز کا دھندا ہو جائے فرماتے ہیں یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ یعنی اسکو سوچو کہ کل کیلئے کیا کر رکھا ہے

(۷۱) فکر آخرت سے مراد دنیا کے سب کام چھوڑ دینا نہیں ہے

مگر اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا کے سب کام چھوڑ کر معطل ہو جاؤ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسکی دھن لگ جائے اگر روزانہ نصف گھنٹہ بھی اس تفکر کیلئے نکال لیا جائے تو انشاء اللہ بہت کم نافرمانی ہوگی اور دنیا کی محبت جاتی رہیگی پھر انشاء اللہ تعالیٰ یہ حالت ہوگی کہ تم دنیا کے سب کام کروگے لیکن ان کاموں میں جی نہ لگے گا۔ اور اسکے بعد دو چیزوں کی اور ضرورت ہوگی ایک تو بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنے کی سو بحمد اللہ اب اسکا سامان بہت میسر ہوگیا اور ہر شخص کو ہر جگہ رہ کر اسکا سیکھنا آسان ہے اسکے لئے یہ کرو کہ کوئی جامع رسالہ لیکر اس کو کسی عالم سے پڑھنا یا اگر پڑھنے کا موقع نہ ہو تو نہایت غور سے دیکھنا شروع کردو اور ہمیشہ اسکا ورد رکھو ، دوسرے یہ کہ کسی اللہ والے سے تعلق پیدا کرو مگر تعلق دین کیلئے پیدا کرنا دنیا طلبی کیلئے اہل اللہ سے تعلق نہ پیدا کرنا چاہیئے ہاں شاذ و نادر اگر کوئی دنیا کا کام بھی اسنے نکل جائے تو مضائقہ نہیں۔

(۷۲) اہل اللہ سے دنیا کیواسطے تعلق مت پیدا کرو

لیکن محض دنیا ہی کو نصب العین بنا کر اہل اللہ سے راہ و رسم پیدا نکرنا چاہیئے مثلاً بعض لوگ اہل اللہ سے اسلئے ملتے ہیں کہ انکی ملاقات بڑے لوگوں سے ہے انکے ذریعے سے ہمارے کام نکلیں گے یا بعضے لوگ تعویذ گنڈوں کیلئے ملتے ہیں حالانکہ اہل اللہ سے اس قسم کے کام لینے کی ایسی مثال ہے کہ کسی سنار سے کھرپا بنانے یا لوہار سے زیور بنانے کی فرمائش کیجائے بعض لوگ مشورہ لیا کرتے ہیں کہ ہم کس قسم کی تجارت کریں اناج کی تجارت کریں یا کپڑے کی؟ خدا جانے یہ لوگ اہل اللہ کو خدا تعالیٰ کا سررشتہ دار سمجھتے ہیں کہ انکا بتلانا خدا کا بتلانا ہوگا اور جب خدا بتلا دیگا تو اس کام میں نفع ضرور ہوگا یا خدا تعالیٰ کا راز دار سمجھتے ہیں کہ یہ مشورہ کر کے بتلا دینگے۔ صاحبو! اس دربار میں انبیاء کا پتہ بھی پانی ہوتا ہے۔ دوسروں کی تو کیا مجال ہے

ہست سلطانی مسلّم مر ورا نیست کس را زہرۂ چون و چرا

(واقعی بادشاہت تو بس اسی ذات کیلئے مسلم ہے اور اس کے حکم کے خلاف کسی کو چوں وچرا کرنے کی مجال نہیں ہے)

فرماتے ہیں قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۞ (آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے کسی کو کیا تاب و مجال ہے جو دم مار سکے اگر وہ حضرت مسیح یعنی ابن مریم اور انکی والدہ (مریم) کو اور جو بھی روئے زمین پر ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہے)۔

تو انبیاء کی نسبت جب یہ کہا جا رہا ہے تو دوسرے کس شمار میں ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے یاد نہیں رہا کوئی دنیوی فرمائش کی میں نے کہا یہ کام مجھکو نہیں آتا کہنے لگے اللہ والوں کو سب آتا ہے میں نے کہا اگر سب کچھ آتا ہے تو کل ایک چارپائی بھی لے آنا کہ اسکو بن دیجئے۔ غرض مولویوں سے اللہ تعالیٰ کے صرف احکام پوچھئے اور اہل طریقت سے اللہ تعالیٰ کا نام پوچھئے دنیا کی فرمائش کسی سے نہ کیجئے ہاں دنیا کے لئے دعا کرانے کا مضائقہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے کاموں میں کسی قسم کا انکا دخل سمجھنا سخت غلطی ہے۔

(۷۳) اپنے کام کیلئے دعا خود بھی کرو

دعا کے متعلق بھی یہ نہ کرو کہ صرف ان ہی پر ڈال دو بلکہ تم خود بھی اپنے لئے دعا کرو اور بزرگوں سے بھی دعا کراؤ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ میں اس قابل ہی نہیں کہ خود دعا کروں میں نے کہا کلمہ پڑھتے ہو یا نہیں کہنے لگے کہ پڑھتا ہوں، میں نے کہا اسکی کیا وجہ کہ تم کلمہ پڑھنے کے قابل تو ہو مگر دعا کرنے کے قابل نہیں یہ شیطان کی شرارت ہے کہ دل میں یوں ڈالتا ہے کہ دعا کے قابل نہ سمجھنا تواضع ہے۔ ایک صاحب نے یہ فرمائش کی تھی کہ تم ہی استخارہ دیکھ دو۔ غرض اپنے اوپر کسی قسم کی تکلیف نہ ہو سب کچھ دوسرے ہی کردیں۔ کھانے میں کبھی یہ نہ سوجھا کہ بزرگوں سے کہتے کہ آپ ہی کھالیا کیجئے ہمارے کھانے کی ضرورت نہیں تو خلاصہ تدبیر کا یہ ہے کہ کام دین کا خود کرو اور بزرگوں سے صلاح و مشورہ لیتے رہو۔

(۷۴) آخرت کی فکر دائماً ہونی چاہیئے

اور عمر بھر اسی تدبیر میں لگے رہو یہ نہ کرو کہ چار دن کیا اور چھوڑ دیا کیونکہ ہم کو تو جہنم روگ لگا ہے اسکے لئے عمر بھر کی ضرورت ہے۔ عارف رومی فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش   تا دم آخر دمے فارغ مباش

(اس راستہ میں تو بس ہر وقت تراش و خراش ہی جاری رہتا ہے اسلئے آخر وقت تک کسی بھی لحظہ فارغ نہیں رہنا ہے)

تا دم آخر دمے آخر بود   کہ عنایت با تو صاحب سر بود

(اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ جب تک تیری آخری گھڑی آئے آئے اس سے پہلے پہلے کسی اللہ والے کی عنایت تیرے حال زار پر ہو جائے)

(۷۵) عوام اکثر شیخ کامل کی شناخت میں غلطی کرتے ہیں

عوام اکثر شیخ کامل کی شناخت کرنے میں غلطی کرتے ہیں مثلاً اگر ایک شخص تمام رات جاگتا ہے کسی سے بات بھی بہت کم کرتا ہے اور ایک دوسرا شخص ہے جو کہ صرف فرائض و واجبات و سنن ادا کرتا ہے رات کو گھنٹہ دو گھنٹہ جاگ لیتا ہے، حفاظت دماغ کی تدابیر بھی کرتا ہے

نصیحت و پند بھی کرتا ہے خلق کی دلجوئی کیلئے لوگوں سے ملتا بھی ہے بچوں سے مزاح بھی کرلیتا ہے تو عوام الناس اسکے مقابلہ میں پہلے شخص کو زیادہ کامل سمجھیں گے چنانچہ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا عابد ہے (بلکہ عابد کی جگہ معبد کہتے ہیں خدا جانے یہ لغت کہاں سے ایجاد کیا ہے) اور دوسرے شخص کو چونکہ دیکھتے ہیں کہ زیادہ عبادت نہیں کرتا اسلئے اسکو کامل نہیں سمجھتے۔ حالانکہ ممکن ہے کہ عابد واقع میں یہی شخص ہو کیونکہ عابد عبد بننے کو کہتے ہیں اور عبدیت بجاآوری احکام کا نام ہے جس وقت بھی جو حکم ہو۔ پس اختلاط خلق اغراض صالحہ سے نیز عبادت میں داخل ہے۔

(۷۶) تحقیق ماہیت عبدیت

عبدیت کے متعلق حضرت حاجی صاحب کی ایک تحقیق بیان کرتا ہوں فرمایا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (نہیں پیدا کیا ہم نے انسان اور جن کو مگر عبادت کرنے کے واسطے) تو باوجود اسکے کہ ملائکہ، حیوانات، جمادات اور نباتات جواہر و اعراض سب کے سب عبادت میں مصروف ہیں جیسا کہ آیات سے معلوم ہوتا ہے فرشتوں کے بارے میں ارشاد ہے یُسَبِّحُوْنَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ (رات دن اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور سست نہیں ہوتے) حیوانات وغیرہ کے بارے میں فرماتے ہیں وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (نہیں ہے کوئی شے مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم لوگ انکی تسبیحات کو سمجھتے نہیں ہو) اسکے علاوہ اور متعدد آیات سے ہر ایک چیز کا عبادت میں مشغول ہونا معلوم ہوتا ہے پھر انسان اور جن کی تخصیص عبدیت میں کیوں فرمائی گئی۔ فرمایا کہ ایک تو نوکر ہوتا ہے اور ایک غلام ہوتا ہے نوکر کی خدمات ہمیشہ معین ہوا کرتی ہیں یعنی اگرچہ کتنے ہی مختلف کام نوکر سے لئے جائیں لیکن کوئی کام ایسا ضرور ہوتا ہے کہ جس میں نوکر عذر کر دے اور کہدے کہ میں اس کام کے لئے نہیں ہوں مثلاً اگر کوئی شخص اپنے نوکر سے کہنے لگے کہ تو ہتر کا کام بھی کیا کر تو وہ ہرگز منظور نہ کریگا اور عذر کر دیگا علی ہذا اور بہت سے ایسے کام نکلیں گے جنمیں نوکر کی جانب سے عذر ہوگا بلکہ اولاد بھی

جس پر نوکر سے زیادہ قبضہ اور تسلط ہوتا ہے بعض کاموں میں انکار کر دیتی ہے۔
حکایت: چنانچہ ہمارے ایک خاندانی سید و معزز دوست نے ایک ایسے موقع پر کہ سقوں نے پانی بھرنا چھوڑ دیا تھا اپنے لڑکے کو کہا کہ بھائی سقوں نے تو پانی بھرنے سے جواب دیدیا ہے اہل محلہ کو سخت تکلیف ہوتی ہے تم ہی لوگوں کے یہاں پانی بھر آیا کرو وہ لڑکا بہت خفا ہوا۔ (کہا کہ میں کیوں پانی بھروں میں کوئی سقہ ہوں کیا)

برخلاف غلام کے کہ اسکا کوئی خاص کام مقرر نہیں ہوتا بلکہ اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک وقت آقا کی نیابت کرتا اور زرق برق لباس میں ہوتا ہے اور دوسرے وقت آقا کے نجس کپڑوں کو صاف کرتا ہے۔ ایک وقت بھنگی کا کام کرتا ہے تو دوسرے وقت سفارت کا کام کرتا ہے پس غلام نوکر بھی ہے بہتر بھی ہے سفیر بھی ہے خلیفہ بھی ہے۔ پس انسان اور جن تو بمنزلہ غلام کے ہیں اور دوسری مخلوقات مثل نوکر کے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دوسری مخلوقات کی عبادت کو تسبیح و تقدیس اور سجدہ وغیرہ الفاظ سے فرمایا اور انسان اور جن کی عبادت کو بلفظ عبدیت فرمایا اور جب انسان اور جن عبد اور غلام ہیں تو انکی کوئی خاص خدمت نہ ہوگی بلکہ ایک وقت نماز روزہ کرنا عبادت ہوگا تو دوسرے وقت سونا اور قضائے حاجت کرنا لوگوں سے ملنا وغیرہ وغیرہ کام عبادت ہونگے چنانچہ حدیث میں ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم ان یصلی حاقنا او کما قال کہ جس وقت پیشاب پاخانہ کا دباؤ ہو اسوقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہے اور دفع فضلہ واجب ہے دیکھئے ایک وقت انسان کے لئے ایسا نکلا کہ اسکو مسجد جانا حرام اور بیت الخلا جانا واجب ہوا۔

(۷۷) شریعت میں اعمال کے حدود مقرر ہیں

اسی طرح اگر کوئی شخص اول وقت نماز پڑھنا چاہے اور اسکو شدت سے بھوک لگی ہو تو شریعت حکم کریگی کہ نماز کو مؤخر کرو اور کھانا کھاؤ اسی راز کو امام ابو حنیفہؒ نہایت پاکیزہ الفاظ میں فرماتے ہیں لان یکون اکلی کلہ صلوۃ خیر من ان یکون صلوتی کلھا اکلا (میرا سارا کھانا نماز ہو جاوے بہتر ہے اس سے کہ ساری نماز کھانا بن جاوے) کیونکہ جب

کھانا کھانے میں نماز کا برابر خیال رہا تو یہ سارا وقت انتظار صلوٰۃ میں گزرا اور انتظار صلوٰۃ میں صلوٰۃ کا ثواب ملتا ہے برخلاف اسکے اگر بھوک میں نماز شروع کردی جائے تو جوارح تو نماز میں مشغول ہونگے اور دل کھانے میں پڑا ہوگا تو نماز کھانے کی نذر ہو جاوے گی اور یہی فہم ہے جسکی بدولت ان حضرات کو فقیہ اور مجتہد کہا جاتا ہے۔ آج یہ فہم مفقود ہے ہم لوگ کتابیں ان سے زیادہ پڑھتے ہیں مگر وہ بات حاصل نہیں ہوتی ؏ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند ۔ اور اسی راز کی بنا پر ہمارے حاجی امداد اللہ صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر جسم ہند میں رہے اور دل مکہ میں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم مکہ میں رہے اور دل ہندوستان میں۔ غرض انسان کے لئے کوئی خاص عبادت مقرر نہیں کیونکہ اسکی شان عبدکی ہے اور جب یہ ہے تو ایک تو وہ شخص ہے کہ نماز پڑھکر کسی دیہاتی سے باتوں میں مشغول ہے اور کھیتی باڑی کے حالات پوچھ رہا ہے اور دوسرا شخص لا الٰہ الا اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے تو بظاہر یہ دوسرا شخص افضل اور اکمل معلوم ہوتا ہے لیکن غور کریں تو معلوم ہو کہ اگر پہلے شخص کی نیت درست ہے مثلاً مسافر کے انبساط کیلئے ایسا کر رہا ہے یا کوئی دوسری ایسی ہی نیت ہے تو یہ باتیں زیادہ افضل اور مقبول ہیں۔

(۷۸) کاملین کا ظاہر میں عامہ سے ممتاز نہ ہونا اور باطن میں انکا مشارک نہ ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ کھانے پینے حتیٰ کہ ایام جاہلیت کے تذکروں میں بھی صحابہؓ کے ساتھ شامل رہتے تھے اور ان لوگوں کے تذکروں کو سنکر آپ تبسم فرماتے تھے اور آپ کا ہنسنا تبسم سے زیادہ نہ ہوتا تھا اور کبھی کسی نے آپ کی آواز قہقہہ کی نہیں سنی اور وجہ اسکی یہ ہے کہ تجربہ ہے کہ جب کسی وجہ سے غم کا غلبہ ہوتا ہے تو ہنسی کی آواز نہیں نکلتی اگرچہ کم و بیش تبسم کی حالت ہو جائے ایک مقدمہ تو یہ ہوا جو تجربہ سے ثابت ہے اور ایک مقدمہ شمائل ترمذی سے ملائیے شمائل میں ہے کان دائم الفکرۃ متواصل الاحزان

(آپؐ دائمی فکر کرنے والے اور مسلسل غمگین رہنے والے تھے) اور وجہ اسکی خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ کیونکر چین سے رہوں حالانکہ صاحب صور تیار کھڑا ہے کہ اب حکم ہوا ور صور پھونک دوں گویا یہ حالت تھی کہ سہ

مرا در منزل جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم   جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا

(مجھے محبوب کی راہ میں بھلا امن و عیش کب نصیب ہو سکتا ہے جبکہ ہر آن گھنٹہ بجکر یہ اعلان کر رہا ہو کہ اٹھو اور رخت سفر باندھو) ہنسی تو ان لوگوں کو آسکتی ہے جو بالکل بے فکر ہوں سو اللہ والوں کو بیفکری کہاں البتہ دوسروں کی خاطر سے کبھی کچھ ہنس دیتے ہیں اسی مناسب حکایت ہے کہ :۔

حکایت ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت یحییٰؑ کی ملاقات ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کثیر التبسم تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کثیر البکا تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یحییٰ کیا تم خدا کی رحمت سے ناامید ہو گئے کہ کسی وقت تمہارا رونا ختم ہی نہیں ہوتا حضرت یحییٰ نے فرمایا کہ کیا تم خدا کے قہر سے بالکل مامون ہو کہ تم کو ہر وقت ہنسی آتی رہتی ہے آخر ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم تم دونوں میں فیصلہ کرتے ہیں اے عیسیٰ جلوت میں تو ایسے ہی رہو جیسے ابھی رہتے ہو لیکن خلوت میں یحییٰ کی طرح گریہ و زاری کیا کرو۔ اور اے یحییٰ خلوت میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب ہو لیکن لوگوں کے سامنے کچھ تبسم بھی کر لیا کرو کہ لوگوں کو میری رحمت سے مایوسی نہ ہو جائے کہ جب نبی کا یہ حال ہے تو ہمکو نجات کی کیا امید ہے۔

اور یہ حکایت اسلئے بیان کی گئی ہے کہ حضورؐ کا تبسم جو کچھ تھا وہ اسلئے تھا کہ آپکے ساتھ مصالح خلق کے وابستہ تھے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید تبسم بھی نہ ہوتا۔ غرض جسوقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باتوں میں ہنسی میں مشغول ہوتے تھے اسوقت حضورؐ کے کمال کی عوام کو کیا خبر ہوتی ہوگی اسی لئے کافر کہتے تھے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (یہ کیسے رسول ہیں جو کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں پھرتے ہیں) مولانا رومؒ فرماتے ہیں

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد   کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد

(تمام عالم اسو جہ سے گمراہ ہوا کہ ابدال زمانہ کے جو خدا کی طرف سے مقرر ہوتا ہے کم ہی لوگ واقف وعارف ہوتے ہیں)



شمارہ ۶ جون ۱۹۸۰ء جلد ۳

مکتبہ وصیۃ العلوم بخشی بازار الٰہ آباد

حامل مضامین تصوف و احسان ماہنامہ افادات وصی الٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الہ آباد

چندہ سالانہ ۱۸ روپے اٹھارہ روپئے

چندہ ششماہی ۹ نو روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ڈیڑھ روپیہ | مدیر: عبدالمجید عفی عنہ

شمارہ ۶	جون ۱۹۸۰ء مطابق شعبان ۱۴۰۰ھ	جلد ۳

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷۰ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

سال گذشتہ کے کسی شمارے میں پیش لفظ کی ابتدا راس شعر سے کی گئی تھی کہ ؎

نفس کی اصلاح، روحانی غذا، دل کا سکوں
آپکی مطلوب چیزیں سب اسی عرفاں میں ہیں

ہمارے بعض احباب نے اسکو بیحد پسند کیا اور واقعی مقتضائے حال کے مطابق ہونے اور اپنی صداقت کیوجہ سے ہے یہ اسی قابل کہ اسکو رسالہ کے سرورق ہی پر جگہ دی جائے۔ کیونکہ بات جب صحیح ہوتی ہے تو وہ انسان کے قلب میں جگہ پالیتی ہے، اسی طرح سے ہم نے وقتاً فوقتاً یہ جو عرض کیا کہ ؎

حضرت والا کے حالات و مقالات و خطوط
مصلح الامۃ کی سب باتیں اسی عرفاں میں ہیں

تو الحمد للہ اہل ادارہ اپنے اس دعوے نہیں بلکہ دعدے میں صادق ثابت ہوئے چنانچہ جب سے کہ اس رسالہ نے وصیۃ العرفان کی شکل اختیار کی ہے الحمد للہ بلا ناغہ رسالہ مسلسل ناظرین کی خدمت میں پہونچ رہا ہے اور انکے لئے سبب سکون و تسلی بن رہا ہے۔ ہم اس پر حق تعالیٰ کا جس قدر بھی شکر کریں کم ہے کہ جو بھی ہوتا ہے انھیں کے فضل و کرم سے ہوتا ہے۔

حضرت والا کے مضامین کا ذخیرہ ہمارے پاس مسودات کی شکل میں ابھی کافی موجود ہے اہل ادارہ کی قوت و صحت کیلئے دعا فرمائیں تاکہ انکی یہ خدمت عرصہ دراز تک آپ کیلئے نفع رسانی کا ذریعہ بنتی رہے۔

پہلے بھی عرض کر چکا ہوں مکرر عرض ہے کہ جن حضرات نے چندہ ادا نہ فرمایا ہو وہ جلد سے جلد اپنا زر تعاون ارسال فرمادیں تاکہ ادارہ کو کسی قسم کی مالی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ والسلام۔

(ادارہ)

آپ خود دیکھئے کہ صبر کی یا علم کی مثلاً جو برکتیں ہیں وہ صبر اور علم ہی سے حاصل ہوتی ہیں اسی طرح سے نماز روزہ کی جو برکات ہیں وہ ان اعمال کے کرنے ہی سے حاصل ہوسکتی ہیں لہٰذا جو شخص اس عمل کو کرتا ہے اسی کو وہ برکتیں نصیب ہوتی ہیں اور جسے نصیب ہوتی ہیں وہی ان برکتوں کو جانتا اور سمجھتا بھی ہے۔ چنانچہ اس باب میں اسی کا قول معتبر ہے اور جو شخص کوئی عمل ہی نہیں کرتا تو وہ اسکی برکتوں سے بھی محروم رہتا ہے بلکہ اسکو اس کا علم تک نہیں ہوتا اسلئے اسکے بارے میں اسکی بات کا بھی اعتبار نہیں۔ غرض وہ مؤمن جو باطن میں قرآن کے احکام پر عامل ہے لیکن اسکی تلاوت کا تارک ہے تو اس اعتبار سے وہ بلاشبہ پہلے درجہ والے سے کم ہے اور یہ اتنا نقص اس میں ضرور موجود ہے اسلئے اسکو یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ کامل تو ہے مگر مکمل نہیں ہے اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مشک کا ڈبہ ہو مگر اس پر کاگ (یعنی ڈاٹ بھی) خوب کس کر لگی ہوئی ہو کہ وہ خوشبو کی چیز سے لبریز تو ہے مگر منہ بند ہونے کی وجہ سے دوسروں کو اسکی خوشبو نہیں پہونچتی بخلاف مؤمن قاری کے کہ اسکی مثال اس ڈبہ جیسی ہے جو مشک سے بھرا ہوا ہو اور منھ بھی اسکا کھلا ہو جسکی وجہ سے خوشبو پھوٹتی ہو اور دوسروں تک پہونچتی ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں ان دونوں شخصوں کی یہی مثال آئی ہے ہم وہ حدیث اور مرقاۃ سے اسکی شرح نقل کرتے ہیں:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلموا القرآن فاقرأوہ فان مثل القرآن لمن تعلم فقرأ وقام بہ کمثل جراب محشو مسکا تفوح ریحہ کل مکان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن سیکھو اور اسکی تلاوت کرو اس لئے کہ قرآن کی مثال اس شخص کے اعتبار سے جو اسے سیکھے اور نماز وغیرہ میں اسکو پڑھے اور اس پر عمل کرے ایسی ہے جیسے کوئی مشکیزہ مشک سے لبریز ہو جس میں اسکی خوشبو نکل نکلکر تمام جگہ کو معطر کردے اور اس شخص کی مثال جسنے قرآن سیکھا تو مگر اپنے سینے ہی میں لیکر اسکو سو رہا (یعنی شب و روز کی گھڑیوں میں اسکی تلاوت نہیں کی) ایسی ہے جیسے

ومثل من تعلمہ فرقد وھو فی جوفہ کمثل جراب اوکی علی مسک۔

مشک سے بھرا تھیلا ہو اور اوپر سے اسکے منھ کو رسی سے باندھ دیا گیا ہو تا ہر ہے کہ پھر اسکی خوشبو باہر نہ نکل سکے گی

اس ارشاد کی وضاحت فرماتے ہوئے علامہ مظہر فرماتے ہیں :۔

من قرأ یصل برکتہ منہ الی بیتہ والی السامعین ویحصل استراحۃ وثواب الی حیث یصل صوتہ فھو کجراب مملوء من المسک اذا فتح رأسہ تصل رائحتہ الی کل مکان حولہ۔ ومن تعلم القرآن ولم یقرأ لم یصل برکتہ منہ لا الی نفسہ ولا الی غیرہ فیکون کجراب مشدود راسہ وفیہ مسک فلا یصل رائحتہ منہ الی احد

(مرقات ص۹۹ ج۲)

مطلب کہ جس شخص نے قرآن کی تلاوت کی تو اسکی وجہ سے اسکی برکت قاری سے متجاوز ہوکر اسکے گھر کو بھی پہونچی اور اسکے سننے والوں کو بھی پہونچی اور اسکے عمل کا ثواب اور اس سے راحت وہاں تک کے لوگوں کو پہونچی جہانتک اسکی آواز گئی پس شخص گویا مشکیزہ ہوا جو کہ مشک سے پُر ہے کہ اسکا منھ کھولا جائے تو اسکی بھی خوشبو آس پاس کے سب مقامات تک پہونچتی ہے۔ اور جس شخص نے قرآن پڑھا مگر اسکی تلاوت نہیں کی تو اسکی برکت نہ خود اسکو ملی اور نہ غیر کو لہٰذا یہ شخص اس تھیلے کے مثل ہوا جس میں مشک تو ہو مگر اسکا منھ اوپر سے رسی وغیرہ سے خوب بند ہو جسکی وجہ سے اندر کی خوشبو باہر کسی کو نہیں پہونچتی۔

دیکھئے کس قدر وضاحت کے ساتھ ان دونوں شخصوں کا فرق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایک دوسری مثال کے ذریعہ ذہن نشین فرما دیا کہ قرآن کو مُشک سے تشبیہ دی مومن کو ڈبہ یا برتن سے جس میں مشک بھرا ہوا اور اسکے تلاوت کو جو ظاہر ہے منھ کھلنے ہی سے ہوسکتی ہے ڈبہ کے منہ کے کھلے ہونے سے اور اسکی عدم قرأت کو کہ اس حالت میں لب بند ہوتے ہیں ڈبہ کے بند ہونے سے یا تھیلے کے رسی وغیرہ سے بندھے ہونے سے تشبیہ دی اور یہ فرمایا کہ تلاوت کرے گا تو اسکی برکات خود اسکو بھی ملینگی اور دوسرے بھی اس سے فیضیاب ہونگے اور نہ کرے گا تو خوشبو سے محروم رہے گا۔ اور اس میں شک نہیں کہ قاری جب تلاوت کرتا ہے تو خود بھی محظوظ ہوتا ہے اور دوسرے سننے والوں کو بھی بیخود بنا دیتا ہے۔ چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اسی امر کا اظہار اپنے اس شعر میں فرماتے ہیں کہ ؎

نغمۂ سرمدی سنا کے ہمیں　　مست و بیخود بنا دیا کس نے

بلا شبہ کلام اللہ نغمۂ سرمدی ہی ہے اور اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کی وجہ سے اسکا بھی مصداق ہے کہ ؎

بہارِ عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد   برنگ اصحاب ظاہر را بو ارباب معنی را
(اسکے حسن کی بہار (ہر شخص کے) دل و جان کو تازہ رکھتی ہے اہل ظاہر کو تو اپنے رنگ سے اور اہل باطن کو اپنی خوشبو سے (لطف اندوز کرتی ہے)

اور جیسا کہ کسی شاعر نے اپنے کسی ممدوح کے متعلق کہا تھا کہ

کانکم شجر الاترج طاب معاً   حملاً و نوراً و طاب العود والورق

(یعنی) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نارنگی کے ایک درخت ہو جو سراپا خوشگوار ہے کہ پھل بھی اسکے خوبصورت، کلیاں بھی اسکی بارونق حتیٰ کہ لکڑی اور پتے بھی اسکے نہایت عمدہ ہوتے ہیں۔
اسی طرح قرآن کے ظاہر و باطن کو دیکھکر یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

(یعنی) سر سے لیکر پاؤں تک جہاں سے بھی اسکو دیکھتا ہوں حسین ہی معلوم ہوتا ہے مگر اسکا ناز و انداز دل کے دامن کو اپنی جانب کھینچتا ہے کہ مجھے تو دیکھو اصل دیکھنے کی چیز میں ہوں۔
بہرحال مذکورہ بالا بیان سے یہ معلوم ہوا کہ تلاوت کا بھی شریعت میں ایک مرتبہ ہے اور آپ نے دیکھا کہ یہ لوگوں کی باطنی ترقی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اسی لئے علماء نے نہ صرف قرآن شریف ہی کی تلاوت پر امت کو تحریض کی بلکہ حدیث شریف کے ورد رکھنے پر بھی آمادہ کیا ہے۔ کیونکہ جس طرح سے قرآن شریف کی تلاوت سے ایمان کی ترقی ہوتی ہے اور اس کے مضامین ذہن نشین ہوتے ہیں اسی طرح سے حدیث شریف کا ورد رکھنا بھی دین کے احکام کے مستحضر رکھنے کیلئے ضروری ہے۔ اسلئے کہ قرآن شریف ہی کی شرح حدیث شریف ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اپنے وصایا میں فرماتے ہیں کہ:۔

اول وصیت ایں فقیر فی النصیحۃ   سب سے پہلی اس فقیر کی کتاب و سنت کے متعلق
والوصیۃ بکتاب سنت در اعتقاد و عمل   وصیت و نصیحت ہے کہ اعتقاد و عمل کو اسکے مطابق رکھو
و پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن   اور اسکے ساتھ ساتھ یکہ تدبیر اور فکر کے ساتھ ان دونوں
و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن و اگر   (یعنی قرآن و حدیث میں) مشغول ہوں، اور روزانہ ہر دو سے

طاقت خواندن ندارد ترجمہ و رسقے ہردو شنیدن ۔ ودرعقائد مذہب قدمائے اہلسنت اختیار کردن واز تفصیل وتفتیش آنچہ سلف تفتیش نکردند اعراض نمودن وبتشکیکات معقولیان خام التفات نکردند ودرفرع پیروئی علمار محدثین کہ جامع باشند میان فقہ وحدیث کردن و دائما تفریعات فقہیہ را برکتاب وسنت عرض نمودن انچہ موافق باشد درحیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن ۔ امت رادرہیچ وقت از عرض مجتہدات برکتاب وسنت استغنار حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہار کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ نہ شنیدن و بدیشاں التفات نکردن وقربت خدا جستن بدوری ایشاں ۔

کچھ کچھ مقدار تلاوت کیا کریں اور اگر خود نہ پڑھ سکیں تو دونوں کا ایک ایک ورق کسی دوسرے سے سن ہی لیا کریں اور عقائد کے باب میں قدمار اہلسنت کا مسلک اختیار کریں اور اسلاف نے جن امور کی تفصیل وتفتیش نہیں کی ہے اسکی تفتیش میں نہ پڑیں اور معقولیان خام کی تشکیکات خام کی جانب اصلا التفات نہ کریں اور فروعی مسائل میں محدثین علمار کا اتباع کریں اسلئے کہ یہ حضرات فقہ وحدیث کے جامع ہیں اور ہمیشہ فقہی تفریعات کو کتاب وسنت پر پیش کرتے رہیں جو انکے مطابق ہو اسکو تو قبول کرلیں اور جو خلاف ہو اسکو رد کردیں ۔ غرض امت کو کسی وقت بھی اپنی مجتہدات کو کتاب وسنت پر پیش کرنے سے چارہ نہیں ہے اور ان متقشف (غالی علمار) کی باتوں کو نہ سنے جنھوں نے کہ ایک عالم کی تقلید کو بس دستاویز بناکر اتباع سنت کو بس بالائے طاق رکھدیا ہے ۔ چنانچہ انکی جانب قطعی التفات نہ کریں بلکہ حق تعالیٰ کے تقرب کو ان سے دور ہی رہنے میں سمجھیں ۔

۴ – ایک اور حدیث سنئے :-

عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لاحسد الا علی اثنین رجل آتاہ اللہ القرآن فھو یقوم بہ آناء اللیل وآناء النھار و رجل آتاہ اللہ مالا فھو ینفق منہ آناء اللیل و آناء النھار (متفق علیہ)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسد جائز نہیں ہے مگر دو شخصوں پر ایک تو وہ شخص جسے اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف عطا فرمایا یعنی اسکے یاد کرنے کی توفیق دی پس وہ اسے رات کی گھڑیوں میں اور دن کی ساعات میں تلاوت کرتا رہتا ہے، اور دوسرا وہ شخص جسکو اللہ تعالےٰ نے مال نوازا ہو اور وہ اسکو شب وروز مصارف خیر میں صرف کرتا رہتا ہے

صاحب مرقاۃ اسکی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

(فهو يقوم) اى بتلاوته وحفظ مبانيه او بالتامل في احكامه ومعانيه او بالعمل باوامره و مناهيه او يصلى به ....

یقوم بہ کے معنی یہ ہیں کہ اسکی تلاوت کرتا ہے اس کے الفاظ کو حفظ کئے ہوئے ہے یا اسکے احکام اور معانی میں غور خوض کرتا ہے یا اسکے اوامر پر عمل کرتا ہے اور اسکے مناہی سے باز رہتا ہے یا اسکو نماز میں پڑھتا ہے اور اسکے آداب سے خود کو آراستہ کئے ہوئے ہے۔

قال ميرك الحسد قسمان حقيقي ومجازي فالحقيقي تمني زوال النعمة عن صاحبها وهو حرام باجماع المسلمين مع النصوص الصريحة الصحيحة و اما المجازي فهو الغبطة وهي تمنى مثل النعمة التي على الغير من غير تمنى زوال عن صاحبها فان كانت من امور الدنيا كانت مباحة وان كانت طاعة فهي مستحبة

میرک فرماتے ہیں کہ حسد کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور مجازی ۔ حقیقی تو اسکو کہتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت کے زوال کی تمنا کرنے لگے یہ باتفاق جمیع مسلمین حرام ہے اور اسکی حرمت نصوص صریحہ صحیحہ سے ثابت ہے اور حسد مجازی غبطہ کو کہتے ہیں جس میں غیر کی نعمت جیسی نعمت کی خود اپنے خود اپنے لئے تمنا کرتا ہو لیکن اس سے زوال کی خواہش نہیں ہوتی اسکا حکم یہ ہے کہ اگر دنیوی امور میں ہو تو مباح ہے اور اگر طاعت میں ہو تو مستحب ہے

والمراد في الحديث لا غبطة محمودة الا في هاتين الخصلتين ـ قال المظهر لا ينبغي ان يتمنى الرجل ان يكون له مثل صاحب نعمة الا ان تكون النعمة مما يتقرب الى الله تعالى كتلاوة القرآن وتصدق بالمال وغيرها من الخيرات

اور حدیث میں یہ مراد ہے کہ غبطہ محمودہ کسی بجز ان دو چیزوں کے اور کسی میں نہیں ہے ۔ چنانچہ علامہ مظہر فرماتے ہیں کہ انسان کو نہ چاہیئے کہ یوں تمنا کرنے لگے کہ میں فلاں صاحب نعمت جیسا ہو جاؤں مگر اسوقت جبکہ وہ نعمت اس قبیل سے ہو جس کے ذریعہ حق تعالیٰ کا قرب ڈھونڈھا جاتا ہے مثلاً تلاوت قرآن یا تصدق بالمال یا اور دوسری حسنات اور اعمال خیر۔

٥ ـ عن عمر رضـ بن الخطاب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کتاب (قرآن

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً و یضع بہ آخرین

کے ذریعہ بہت سی اقوام کو رفعت اور بلندی بخشیں گے اور کتنی قوموں کو اسی کی وجہ سے پست فرمادیں گے۔

اسکے تحت صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ :-

(بھذا الکتاب) ای بالایمان و تعظیم شانہ والعمل بہ والمراد بالکتاب القرآن البالغ فی الشرف و ظہور البرھان (اقواماً) ای درجۃ جماعات کثیرۃ فی الدنیا والآخرۃ بان یحییھم حیوٰۃ طیبۃ فی الدنیا ویجعلھم من الذین انعم اللہ علیھم فی العقبیٰ۔ (ویضع بہ آخرین) ای الذین کانوا علی خلاف ذلک عن مراتب الکاملین الی اسفل السافلین قال اللہ تعالیٰ یضل بہ کثیراً و یھدی بہ کثیراً فھو ماء للمحبوبین ودماء للمحجوبین وقال عزوجل و ننزل من القرآن ماھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین ولایزید الظلمین الاخساراً قال الطیبی

(اس کتاب کے ذریعہ) یعنی اس پر ایمان لانے اسکی تعظیم و تکریم کرنے اور اسکے احکام پر عمل کرنے کی وجہ سے اور کتاب سے مراد قرآن شریف ہے جو شرف و کرامت اور ظہور برہان کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہے۔ (اقوام کو رفعت بخشیں گے) یعنی ایک کثیر جماعت کو اسکی وجہ سے دین و دنیا میں بڑے بڑے مراتب ملیں گے اس طرح سے کہ دنیا میں انکو حیوٰۃ طیبہ عطا فرمادیں گے اور آخرت میں ان حضرات کے زمرہ میں شامل فرمادیں گے جن پر حق تعالیٰ کا خاص فضل و انعام ہوگا۔ اور جو لوگ ایسے نہونگے یعنی قرآن سے تعلق نہ رکھیں گے نہ علماً نہ عملاً نہ فہماً نہ تلاوۃً وہ کاملین کے مراتب سے اسفل السافلین میں گرادیئے جائیں گے اور یہ قرآن کا دو مختلف عمل ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسکے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت بخشتا ہے۔ الغرض یہ قرآن محبوبین کیلئے ماء (پانی) ہے اور محجوبین کیلئے دماء (یعنی خون) چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم قرآن میں ایسی چیز نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفاء و رحمت ہے اور نا انصافوں کو اس سے اور الٹا نقصان بڑھتا ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اسکو پڑھا اور اس پر اخلاص کے ساتھ

فمن قرأه وعمل به مخلصًا رفعه	عمل کیا اللہ تعالیٰ اسکو رفعت بخشیں گے اور جو شخص ریاکاری
الله ومن قرأه مرائيًا غير عامل	کے لئے تلاوت کریگا اور عمل بھی اس پر نکرے گا۔
وضعه الله (مرقات ص۴۵۳ ج۲)	اللہ تعالیٰ اسکو پست فرمادیں گے۔
۲ — عن عبد الله بن عمرو	حضرت عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ
قال قال رسول الله صلى الله	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت میں) قاری قرآن سے
عليه وسلم يقال لصاحب القرآن	کہا جائے گا کہ تلاوت کرتے جاؤ اور درجات پر چڑھتے جاؤ
اقرأ وارتق ورتل كما كنت	اور اسی طرح ترتیل کے ساتھ پڑھو جس طرح دنیا میں تم پڑھتے
ترتل في الدنيا فان منزلك	تھے اسلئے کہ تمھارا آخری مقام وہی ہوگا جہاں تمھاری
عند آخر آية تقرأها۔	آخری آیت ہو۔

صاحب مرقات اسکی شرح میں فرماتے ہیں کہ :-

(يقال) اى عند	(اس سے کہا جائیگا) یعنی بوقت داخلہ جنت کے
دخول الجنة وتوجه	جس وقت کہ سب عاملین اپنے اپنے عمل کے بقدر مراتب
العاملين الى مراتبهم	پاکر اسکی جانب متوجہ ہو رہے ہوں۔ اسوقت صاحب قرآن
على حسب مكاسبهم (لصاحب	سے یہ کہا جائیگا۔ اور صاحب قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو
القرآن) اى من يلازمه بالتلاوة	اسکی تلاوت پر مداوم رہا ہو اور اسپر عامل ہو نہ وہ شخص جو
والعمل لا من يقرؤه وهو يلعنه	قرآن کو اس طرح پڑھتا ہو کہ خود قرآن اس پر لعنت کرتا ہو۔
(اقرأ وارتق) اى الى درجات	(پڑھتے جاؤ اور چڑھتے جاؤ) یعنی جنت کے درجات اور
الجنة ومراتب القرب (ورتل)	قرب کے مراتب کی جانب (ورتل) یعنی ترتیل سے
اى لا تستعجل في قراءتك في	پڑھو اور جلدی نکرو بالخصوص جنت میں کہ یہ مقام تو محض
الجنة التي هي لمجرد التلذذ	تلذذ ہی کیلئے اور خالق اکبر کے مشاہدہ کے لئے ہے جیسے
والشهود الاكبر كعبادة الملائكة	فرشتوں کی عبادت کہ اس سے یہی مقصود ہے۔
(كما كنت ترتل) اى قراءتك وفيه	(جسطرح دنیا میں پڑھتے تھے) مطلب یہ کہ ٹھیر ٹھیر کر پڑھو
اشارة الى ان الجزاء على وفق الاعمال	اس سے معلوم ہوا کہ جزا بھی اعمال ہی کے مطابق ملے گی

كمية وكيفية (في الدنيا) من تجويد الحروف ومعرفة الوقوف الناشي عن علوم القرآن ومعارف الفرقان۔

کمیت کے اعتبار سے بھی اور کیفیت کے اعتبار سے بھی۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا میں تجوید کے ساتھ اور وقوف کے قواعد کی رعایت کرکے انسان پڑھتا ہے اور یہ اسی وقت ہوگا جب دنیا میں تلاوت کرے اور علوم قرآنیہ اور معارف فرقانیہ سے واقف ہو

قال الطيبي وقيل المراد ان الترقي يكون دائماً فكما ان قرأته في حال الاختتام استدعت الافتتاح الذي لا انقطاع له كذلك هذه القرأة والترقي في المنازل التي لا تتناهي وهذه القرأة لهم كالتسبيح للملائكة لا تشغلهم من مستلذاتهم بل هي اعظم مستلذاتهم (مرقات ج۳ ص۹)

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس مقام کی شرح میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسکی ترقی دائماً ہوتی رہے گی جس طرح سے کہ جب اسکی قرأت اور تلاوت دنیا میں ختم ہو جاتی تھی تو وہ دوبارہ شروع کرلیتا تھا اور اسمیں انقطاع نہ ہوتا تھا بلکہ یکے بعد دیگرے وہ مسلسل پڑھتا ہی رہتا تھا اسی طرح سے قیامت میں اسکی قرأت اور درجات کی ترقی غیر متناہی مدارج تک ہوتی رہیگی اور یہ قرأت انکے لئے بمنزلہ تسبیح ملائکہ کے ہوگی کہ کوئی دوسری لذیذ شے اس میں مارج نہوگی بلکہ اس سے بڑھکر ان کے نزدیک کوئی شے لذیذ ہی نہ ہوگی۔

۷ ۔ ایک اور حدیث سنیئے:۔

عن ابي سعيدؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الرب تبارك وتعالى من شغله القرآن عن ذكري ومسئلتي اعطيته افضل ما اعطي السائلين وفضل كلام الله على

حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے اور حدیث قدسی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو قرآن میری یاد سے اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول کردے یعنی اسکو قرآن میں مشغولی کیوجہ سے میرے ذکر کی اور مجھ سے سوال کرنے کی نوبت اور موقع ہی نہ آئے تو میں اسکو اس سے کہیں بہتر اور بڑھکر دونگا جو اپنے سے سوال کرنیوالوں کو دیتا ہوں

عربی	اردو
سائر الکلام کفضل اللہ علی خلقہ ۔	اور اللہ تعالےٰ کے کلام کو اور دوسرے کلاموں پر وہی شرف و برتری حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی خلق پر ہے ۔

صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ :۔

عربی	اردو
(من شغلہ القرآن) ای حفظہ و علم مبانیہ و تدبر معانیہ والعمل بما فیہ (افضل ما اعطی السائلین) قیل شغل القرآن القیام بمواجبہ وحقوقہ ومسئلتی عطف تفسیری ای لایظن المشغول بہ انہ اذا لم یسأل لم یعط حوائجہ علی اکمل العطاء فانہ من کان للہ کان اللہ لہ ۔	(قرآن مشغول کرلے) یعنی اسکا حفظ اسکے الفاظ کی تلاوت اسکے معانی کا تدبر اور اسکے احکام پر عمل ان امور میں منہمک ہونے کی وجہ سے ذکر اور دعا نہ کرسکے ایک قول یہ بھی ہے کہ شغل قرآن سے مراد اسکے تقاضے پر عمل اور اسکے حقوق کی ادائیگی ہے اور مسئلتی عطف تفسیری ہے ۔مطلب یہ کہ جو شخص قرآن شریف میں مشغول ہو وہ یہ خیال نکرے کہ جب تک وہ سوال نہ کریگا خاطر خواہ اسکی حوائج پوری نہ ہوں گی ایسا نہیں ہے بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہوجاتا ہے (جیساکہ یہ شخص) تو اللہ تعالیٰ بھی اسکے ہوجاتے ہیں یعنی بدون سوال کے اسکی حاجات کی کفالت فرماتے ہیں ۔
وعن الشیخ العارف ابی عبد اللہ بن خفیف قدس اللہ سرہ شغل القرآن القیام بموجباتہ من اقامۃ فرائضہ والاجتناب عن محارمہ فان الرجل اذا اطاع اللہ ذکرہ وان قلت صلاتہ وصومہ واذا عصاہ فقد نسیہ وان کثرت صلوٰۃ وصومہ	اور شیخ عارف ابو عبداللہ بن خفیف قدس اللہ سرہ سے منقول ہے کہ قرآن شریف کے ساتھ مشغولی یہ ہے کہ انسان اسکے موجبات کے ساتھ قائم ہو یعنی اسکے فرائض پر عامل ہو اور اسکے محارم سے مجتنب ہو کیونکہ انسان جب اللہ تعالےٰ کی اطاعت کرتا ہے تو گویا اسکا ذکر ہی کرتا ہے اگرچہ ظاہری اعمال و اذکار نماز و روزہ اسکے کم ہی کیوں نہ ہوں اور اسکی نافرمانی کرتا ہے تو یہ نسیان و غفلت ہے اگرچہ اسکا نماز روزہ زیادہ ہو
(کفضل اللہ علی خلقہ)	اور جسطرح سے کہ کلام اللہ کو دیگر کلام پر ایسی فضیلت

اى وكذالك فضل الاشتغال والمشتغل به على غيره — كان وجه الاستغناء عن ذكر الذاكرين بذكر السائلين انهم من جملتهم من حيث انهم سائلون بالفعل او القوة اذ لسان حال كل مخلوق ناطق بالافتقار الى نعم الحق وامداده بعد ايجاده (مرقات ص۵۹ ج ۲)

ہے جیسی کہ اللہ تعالیٰ کو اسکی مخلوقات پر — اسی طرح سے کلام اللہ کے ساتھ شغل یعنی تلاوت اور عمل کو نیز کلام اللہ کے ساتھ شاغل یعنی قاری اور عامل کو بھی غیر پر ایسا ہی شرف ہے — پہلے فرمایا تھا "عن ذکری ومسئلتی" مگر بعد میں صرف سائلین کا ذکر فرمایا اور ذاکرین کا تذکرہ نہیں لائے، تو اسکی وجہ یہ ہے کہ سائلین میں ذاکرین بھی داخل ہیں اسلئے کہ ذاکرین یا تو بالفعل سوال کرنے والے ہیں اور یا نہیں تو بالقوہ سائل ہیں ہی اسلئے کہ تمام مخلوق بزبان حال اپنے فقر اور حق تعالیٰ کی نعمتوں کی جانب اپنی احتیاج کی مظہر اور پیدا کرنے کے بعد اسکی امداد کی طالب ہے

۸ — ایک اور حدیث سنیئے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود قرآن شریف کے اوصاف بیان فرماتے ہیں۔

عن الحارث الاعور رضـ قال مررت فى المسجد فاذا الناس يخوضون فى الاحاديث فدخلت على علىؓ فاخبرته فقال اوقد فعلوها قلت نعم قال اما انى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الا انها ستكون فتنة قلت ما المخرج منها يا رسول الله قال كتاب الله فيه نبأ ما قبلكم وخبر ما بعدكم

حضرت حارث اعورؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میرا گذر مسجد میں ہوا دیکھا کہ لوگ ادھر ادھر کی بیکار باتوں اور قصہ کہانیوں میں مشغول ہیں یہ منظر دیکھکر میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسکی اطلاع کردی۔ فرمایا کیا واقعی لوگ ایسا کررہے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگو! سن لو کہ عنقریب فتنۂ عظیم ہونے والا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس وقت اس سے خلاصی کی کیا صورت ہوگی؟ فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کی کتاب" (ہی میں اسکی خلاصی ہے) اسلئے کہ اسکے اندر پہلے لوگوں کی خبریں ہیں اور آنے والوں کے حالات ہیں۔ تمہارے آپس کے

وحکم ما بینکم ھو الفصل	اختلافات کا حل اور فیصلہ ہے وہ ایک قطعی اور یقینی چیز
لیس بالھزل. من ترکہ من	ہے لغو اور ہزل نہیں ہے۔ جو جابر اسکو چھوڑ دیگا اللہ تعالیٰ اسکو
جبار قصمہ اللہ و من ابتغی	توڑ دیں گے اور جو شخص ہدایت کو اسکے غیر میں تلاش کرے گا
الھدی فی غیرہ اضلہ اللہ	اللہ تعالیٰ اسکو گمراہ فرما دیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک
وھو حبل اللہ المتین وھو	مستحکم رسی ہے اور اسکا ذکر حکیم ہے وہی صراط مستقیم ہے اور
الذکر الحکیم وھو الصراط المستقیم	ایک ایسی چیز ہے کہ اسکی موافقت کی وجہ سے خواہشات میں
ھو الذی لا تزیغ بہ الاھواء	کجی نہیں واقع ہو سکتی اور اسکے ساتھ زبانیں تلبیس نہیں کر سکتیں
ولا تلتبس بہ الالسنہ و	علماء کو اس سے سیری اور سیرابی نہیں حاصل ہوتی اور نہ یہ
لا یشبع منہ العلماء ولا یخلق	کثرت تکرار سے کبھی پرانا ہی ہوتا ہے اور اسکے عجائبات
عن کثرۃ الرد ولا ینقضی	کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ یہی وہ کلام ہے جسکو سنکر جن بھی
عجائبہ وھو الذی لم تنتہ	یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے
الجن اذ اسمعتہ حتی قالوا	جو راہ راست بتلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے۔ جس
انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی	شخص نے اسکے ذریعہ کوئی بات کہی اس نے سچ کہا۔ جس نے
الرشد فامنا بہ۔ من قال بہ صدق	اس پر عمل کیا وہ اجر دیا گیا اور جس نے اسکے ساتھ حکم کیا
ومن عمل بہ اجر ومن حکم بہ	اس نے عدل کیا اور جس نے اسکی جانب دعوت دی وہ سیدھے
عدل ومن دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم	رستہ کی جانب ہدایت کیا گیا۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ کیا اوصاف بیان فرمائے ہیں قرآن شریف کے بیشک وہ ایسا ہی ہے۔ ہمارے اسلاف نے اسکو ایسا ہی سمجھا تھا اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی قدر و منزلت کی تھی جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے انکو معزز کیا اور آج ہم نے اپنے اسلاف کا یہ سبق بھلا دیا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ کی بھی نظر اعتبار سے ساقط ہو گئے ہیں۔

روایات سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن شرعاً مطلوب اور ایک امر محمود ہے وہیں یہ بھی روایتوں میں آتا ہے کہ قرآن کی تلاوت کر کے دنیا کمانے والے پر حق تعالیٰ کی نہایت درجہ ناراضگی ہے اور وہ شخص مورد سخط ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ

عن بریدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ القرآن یتأکل بہ الناس جاء یوم القیامۃ ووجہہ عظم لیس علیہ لحم

حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں قرآن کو لوگوں سے کھانا حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا تو قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اسکے چہرہ پر گوشت نہ ہوگا

اور اسکی وجہ صاحب مرقات نے بہت عمدہ بیان فرمائی ہے سنیئے فرماتے ہیں کہ۔

لما جعل اشرف الاشیاء واعظم الاعضاء وسیلۃ الی ادناھا وذریعۃ الی اردئھا جاء یوم القیامۃ فی اقبح صورۃ واسوء حالۃ۔

جب کہ اس شخص نے اپنے اشرف اعضاء اور اعلیٰ ترین عضو کو ادنیٰ اور ردی شئے کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ بنایا تو (اسکی یہ سزا ہوگی کہ) یہ شخص قیامت میں بدترین شکل اور نہایت ہی مذموم حالت میں آئے گا۔

قال بعض العلماء استجرار الجیفۃ بالمعازف اھون من استجرارھا بالمصاحف - وفی الاخبار من طلب بالعلم المال کان کمن مسح اسفل مداسہ ونعلہ بمحاسنہ لینظفہ

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ گا بجا کر مردار دنیا کا حاصل کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے انسان دنیا کمائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے علم کے ذریعہ سے مال کمایا تو وہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنے جوتے کے تلے کو اپنی ریش سے صاف کرے۔

وروی عن الحسن البصری انہ قال البھلوان الذی یلعب فوق الحبال احسن من الذین یمیلون الی المال لانہ یأکل الدنیا بالدنیا وھولاء یاکلون الدنیا بالدین فیصدق علیھم قولہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْھُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَمَا كَانُوْا مُھْتَدِیْنَ وقد مدح الشاطبی القراء السبعۃ و

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ وہ نٹ یا مداری جو رسی پر چلکر (کھیل دکھاتا پھرتا ہے) ان علماء سے کہیں اچھا ہے جو کہ (علم کے ذریعہ سے) دنیا کماتے ہیں اسلئے کہ وہ تو دنیا کو دنیا کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور یہ لوگ دنیا کو دین کے ذریعہ کماتے ہیں پس ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بالکل صادق آتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ انھوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے سو سودمند نہوئی انکو یہ تجارت اور نہ یہ ٹھیک طریقہ پر چلے۔ اور علامہ شاطبی نے قراء سبعہ اور انکے رُواۃ کی اسی وصف کے ساتھ مدح

رواتهم بقوله ؎	فرمائی ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ ۔ " انکے ناقدنے ان حضرات
تخیرهم نقادهم کل بارع	کو ہر ماہر پر ترجیح دی اور سب سے بڑی بات جو اس جماعت
ولیس علی قرآنه متاکلا	میں تھی وہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے قرآن کو کھانا نہیں بنایا تھا۔

ایک دوسری حدیث سنیئے :۔

عن عمران بن حصین	حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ وہ ایک واعظ
انه مر علی قاص یقرأ ثم یسئل	(قصہ گو) کے پاس سے گذرے جو قرآن پڑھکر لوگوں سے سوال
فاسترجع ثم قال سمعت رسول اللّٰہ	کرتا تھا آپ نے یہ حال دیکھکر انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا
صلی علیه وسلم یقول من	اور یہ فرمایا کہ میں نے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے سنا ہے
قرأ القرآن فلیسأل الله به فانه	آپ یہ فرماتے تھے کہ جو شخص قرآن پڑھے اسکو چاہیئے کہ اللّٰہ تعالےٰ
سیجیٔ اقوام یقرأون القرآن	سے سوال کرے اس لئے کہ آئندہ زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو
یسألون به الناس۔	قرآن پڑھے گی اور اسکے ذریعہ سے لوگوں سے سوال کرے گی

اس کے تحت صاحب مرقات لکھتے ہیں ؛۔

فاسترجع ای عمران یعنی	"فاسترجع" یعنی حضرت عمران نے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون
قال انا لله وانا الیه راجعون لانه بدعة	پڑھا۔ اسلئے کہ یہ طریقہ بدعت تھا اور اظہار معصیت تھا
وظهور معصیة وامارة القیامة ۔	اور علامات قیامت میں سے تھا
(من یقرأ القرآن فلیسئل الله به)	"فلیسئل اللّٰہ بہ" یعنی قرآن پڑھو تو اسکے ذریعہ سے
ای فلیطلب من الله تعالی بالقرآن	اللّٰہ تعالیٰ ہی سے اپنی دینی اور دنیوی حاجات طلب کرو
ما شاء من امور الدنیا والآخرة لا من الناس	لوگوں سے مت طلب کرو
او المراد انه اذا مر بایة رحمة	یا مراد یہ ہے کہ جب آیت رحمت پر گذرے تو اللّٰہ تعالےٰ
فلیسألها من الله تعالی او بایة عقوبة	سے رحمت طلب کرے اور جب عقوبت کی آیات پر گذر ہو تو
فیتعوذ الیه بها منها۔	اللّٰہ تعالےٰ سے اس آیۃ کے ذریعہ پناہ مانگے
واما ان یدعو الله عقیب	یا مطلب یہ ہے کہ تلاوت ختم کرنے کے بعد منقول دعاؤں
القراءة بالادعیة الماثورة ۔	کے ساتھ دعا مانگے ۔

وینبغی ان یکون الدعاء فی امر الآخرۃ واصلاح المسلمین فی معاشھم ومعادھم

اور مناسب ہے کہ دعا آخرت کے امور اور عام مسلمین کی اصلاح معاش و معاد سے متعلق ہو۔

دیکھئے اس حدیث میں صاف ارشاد فرما رہے ہیں تلاوت قرآن کرکے انسان کو چاہئے کہ اپنی دینی و دنیوی جملہ حوائج کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرے اللہ تعالیٰ سے اس ہمکلامی کے بعد غالب یہی ہے کہ انسان جو بھی دعا کرے وہ قبول ہوگی۔ اور اسکو کس قدر ناپسند فرما رہے ہیں کہ آدمی خدا تعالیٰ کا تو کلام پڑھے اور اپنی حاجات کسی دوسرے سے طلب کرے۔

اب اس کے بعد کیا رہ جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو کیسا ذریعہ رحمت فرما دیا ہے اس پر بھی اگر ہم اُدھر متوجہ نہوں تو یہ ہماری انتہائی بدنصیبی ہے۔

ایک اور حدیث سنئے :۔

عن عبیدۃ الملیکی وکانت لہ صحبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اھل القرآن لاتتوسدوا القرآن واتلوہ حق تلاوتہ من اناء اللیل والنھار وافشوہ وتغنوہ وتدبروا مافیہ لعلکم تفلحون ولا تعجلوا ثوابہ فان لہ ثوابا۔

حضرت عبیدہ ملیکی سے روایت ہے اور یہ صحابی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل قرآن! قرآن کو تکیہ نہ بنالینا بلکہ اسکو تلاوت کرنا دن اور رات کی گھڑیوں میں اور اسکی اشاعت کرنا اور اسکے ذریعہ غیر سے مستغنی ہوجانا اور اسکے مضامین میں تدبر کرنا شاید کہ تمکو فلاح نصیب ہوجائے اور اسکا ثواب دنیا ہی میں نہ طلب کرنے لگنا اس لئے کہ اسکے لئے اجر ہے اور اسکی جگہ آخرت ہے۔

قال الطیبی لاتتوسدوا یحتمل وجھین احدھما ان یکون کنایۃ رمزیۃ عن التکاسل ای لاتجعلوہ وسادۃ تنامو بل قوموا واتلوہ اناء اللیل واطراف النھار وھذا معنی قولہ فاتلوہ حق تلاوتہ ثانیھما ان یکون کنایۃ تلویحیۃ عن التغافل

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ لا تتوسدوا جو فرمایا تو اسکے دو مطلب ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ کنایہ رمزیہ ہو تکاسل سے یعنی اسکو تکیہ نہ بناؤ کہ جس پر سوؤ بلکہ اسکے ساتھ قیام کرو اور رات دن کی ساعات میں اسکی تلاوت کرو یہی معنی ہیں فاتلوہ حق تلاوتہ کے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ کنایہ ہو تغافل سے۔

(مکتوب نمبر ۱۸۶)

حال: یوں تو جب کبھی حضرت یہاں سے تشریف لیجاتے تھے تو طبیعت پریشان ہو جاتی تھی لیکن ابکی دفعہ دوبارہ اسقدر جلد حضرت سے جدائی بہت زیادہ شاق گذر رہی ہے وہ تو حضرت والا کے چند تسلی بخش کلمات ہیں جو تسلی دیتے رہتے ہیں اسی سے کچھ تسلی ہے مجلس اوقات حضرت والا کے مقفل حجرے کے بند دروازوں کو دیکھ دیکھکر دل کا عجب عالم ہو جاتا ہے اور معلوم نہیں کیا گذر جاتی ہے، بس حضرت والا صبر و سکون کی دعا فرمائیں۔ حضرت والا ابکی یہاں قیام میں قلب پہ ایک خاص تاثر رہا اور ایک عجیب کیفیت طاری رہتی تھی جو بیان سے باہر ہے مجالس عالیہ سے بہت کچھ علمی و عملی ظاہری و باطنی فوائد محسوس ہوئے خصوصاً حضرت والا نے جو نفس کی بحث پھر سنت کی بحث فرمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ادعیہ پر تحضیض و ترغیب فرمائی اس سے بہت نفع پایا اور مختلف اوقات میں جو دعائیں حضرت والا نے تعلیم فرمائیں انکو اپنا معمول بنالیا۔ اللہ تعالیٰ اسکے ثمرات عطا فرمائے۔

اس بحث کو چھیڑ کر حضرت والا نے جس طرح سنت نبویہ کے ایک باب کا احیاء فرمادیا ہے اسی طرح ہم ضعفاء پر بھی احسان عظیم فرمایا کہ قرب و قبول کا ایک نیا باب مفتوح فرمادیا اور سہل و اقرب طریق واضح فرمادیا اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عروۃ الوثقیٰ پکڑا دیا۔

حضرت والا دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری ساری زندگی سنت کے سانچے میں ڈھال دے اور شیخ کی معرفت سنت کی معرفت اور اپنی معرفت نصیب فرمائے اور حضرت والا کے صدر مبارک میں جو سنت مصطفویہ ہے اس سے بہرہ نصیب ہو احقر کی حالت میں کوئی قابل ذکر بات نہیں۔ نہ تو کوئی جوش و خروش ہے اور نہ قبض کی کیفیت ہے۔ ایک معتدل حالت ہے۔

تحقیق: یہ اعتدال محمود ہے جو کہ اقرب الی العبدیۃ ہے۔ اعتدال ہر امر میں اچھا ہے

(مکتوب نمبر ۱۸۷)

حال: بمبئی کی آٹھ روز کی حاضری پھر ۴۴-۴۵ روز الہ آباد میں حاضری خدمت سے جو نفع ہوا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ جو مضامین خاص اس زمانہ میں حضرت نے بیان فرمائے یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کا فرض ہونا۔ نفس کو مارنا اسکے مکائد سے بچنا سنت نبوی کا بشریت کے ہر کاموں میں اتباع کرنا اچھی طرح مستحضر ہوگیا۔ تلاوت و نماز، ذکر وغیرہ شعور وآگہی کے ساتھ قریب قریب ادا ہونے لگے ہیں۔ حضرت والا کی یاد دل میں بسی ہوئی ہے، رات کو خواب میں بھی اکثر دیکھتا ہوں۔ اس مرتبہ حضرت کی تشریف آوری سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ آخری روز مجلس کی کیفیت اور تمام لوگوں کا متاثر ہوکر ڈھاڑیں مار کر رونا کبھی نہ بھولے گا پھر تشریف لیجاتے وقت اسٹیشن پر اتنا بڑا ازدحام والہانہ کیفیت کے ساتھ کبھی نہ دیکھنے میں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو بایں کرامات و فتوحات قوت و توانائی کے ساتھ زمانۂ دراز تک زندہ و سلامت رکھیں اور امت محمدیہ کی حضرت والا کے ذریعہ خوب خوب اصلاح و ہدایت ہو

تحقیق: آپ کے خط کے مضمون سے بہت خوش ہوا۔ الحمد للہ آپ نے جو حالات اپنے لکھے ہیں بہت اچھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکو فائدہ ہوا اور باطنی ترقی کا راستہ کھلا جس کا میں منتظر تھا انشاء اللہ تعالیٰ اور نفع اور ترقی دیکھئے گا۔ آخر میں کہ خدا سے ملنے کا وقت قریب آرہا ہے اس قسم کے حالات کا پیدا ہونا محض خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور باطنی ترقی کے آثار ہیں۔

اگر الہ آباد میں اور کسی کو نفع نہیں پہونچا آپ ہی کو مجھ سے یہ نفع ہوا تو میں اسکو بھی کم نہیں سمجھتا اور اسکو اپنے لئے سعادت سمجھتا ہوں۔ آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۱۸۸)

حال: فی الوقت خانقاہوں میں سجادہ نشینوں نے جس عبرت انگیز طور پر قبروں کی تجارت

کر رکھی ہے اور شرک و بدعت کو فروغ دے رکھا ہے انکے درمیان حضور اپنی ضیاء پاشیوں سے جسطرح۔ ع: بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست" کی شمع جلاکر شرک و بدعات کی تاریکیوں کو دور کرتے جارہے ہیں وہ امت محمدیہ کے لئے باعث ہدایت وباعث فلاح ہے۔ احقر حضور کا عقیدت مند بالخصوص اسلئے ہے کہ حضور "والا احسان خالص" کے داعی و رہنما ہیں۔ تمنا ہے کہ احقر کو حضور کا دیدار بھی حاصل ہو اور حضور اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: حضور کی خیریت . . . . . سے معلوم کرتا رہتا ہوں۔

تحقیق: ضرور کرتے رہیئے۔

حال: اب جی چاہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا مزاج خط کے ذریعہ سے معلوم کروں۔

تحقیق: الحمدللہ اچھا ہوں۔ اعصابی تکالیف ختم ہورہی ہیں اب ایک میل روزانہ چل بھی لیتا ہوں

حال: حضور اپنے نرم نرم ہاتھوں سے تحریر فرمادیں تاکہ والا نامہ کو چوموں اور ہاتھوں سے لیکر آنکھوں میں لگاؤں۔ تحقیق: اپنے ہاتھ سے لکھ رہا ہوں۔

حال: ہمارے حضور جس سے محبت فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے اللہ کو بقا ہے تو حُب فی اللہ کو بھی بقا ہے اور ہماری محبت ہوتی ہے ناقص اسلئے صبح و شام اس میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔ تحقیق: بیشک۔

حال: مجھ گنہگار پر حضور کا بڑا احسان ہے۔ طریق کی حقیقت (حضور نے) سبقاً سبقاً سکھائی۔ طریق سے مناسبت تنہائی میں بٹھلا بٹھلا کر کرائی۔ قرآن کریم سے ذوق رمضان المبارک میں دن دن بھر پاس بٹھلا کر پیدا کرایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت پیدا کرائی۔ علم معاش علم معاد کا بیان کر کرکے حق تعالیٰ کی محبت دلیں سجائی

تحقیق: الحمدللہ۔

حال: جس وقت حضور کا رسالہ پڑھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم دنیا کے سب سے بڑے دارالعلوم میں بیٹھے ہیں اور شیخ العالم تقریر فرمارہے ہیں اور ہمارا دل خدا سے قریب ہوتا جارہا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: اور ایسے مضمون پر تو مثلاً ـــ اللہ تعالیٰ اپنے مخلصین کو ضائع نہیں کرتے ـــ آنکھیں آنسو بھی بہاتی ہیں ـ تحقیق: الحمدللہ

حال: الحمدللہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ناکارہ کو حضرت والا کی دعاء و توجہ کی بدولت خدمت اقدس میں حاضری کا موقع ملا۔ حضرت والا کے ارشادات کا عجیب انداز ہے۔ اللہ اکبر۔ سوائے کتاب وسنت اور بزرگان دین کے واقعات اور اخلاق و اخلاص (کی تعلیم کے) کچھ نہیں، دنیادار لوگوں کی طرح نہیں۔

تحقیق: الحمدللہ۔

حال: بار بار ایک ایک آیۃ ایک ایک حدیث کو سمجھانا طریقہ رسول کے مطابق۔ کیا کیا لکھا جائے میرا قلم تو قاصر ہے جتنا بھی لکھا جائے تھوڑا ہے ـ آخر میں تلذذ اور تنعم کے بارے میں کیا اصلاح فرمائی ہے (سبحان اللہ) دودھ اور امرود کی مثال سے کہ بغیر شکر کے لذیذ نہیں معلوم ہوتا اسکی اصلاح نہیں ہوتی اور شکر ملانے سے کیسی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سے کھانے میں اگر نیت کرلی جائے کہ اس کھانے سے غرض بدن کو طاقت پہونچانا (تقوی علی الطاعۃ) اور اس سے عبادت کرنا اعمال حسنہ کرنا ہے تو اس نیت کے ملانے سے کھانا بھی طاعت ہو جاتا ہے۔

جب سے حضرت والا کی خدمت سے روانہ ہوا ہوں اسی وقت سے وہ منظر سامنے رہتا ہے ـ تحقیق: الحمدللہ۔

(مکتوب نمبر ۱۸۹)

حال: آقا کی دعاؤں کی بدولت دفعۃً بہت نفع محسوس ہوا جیسے سب نفع اکٹھا ہو رہا تھا اور یکبارگی پھوٹ پڑا ـ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: حضرت والا کی یاد میں بہت زیادتی، موت کی یاد، قبرستان کا حساب وکتاب (پیش نظر)، رجاء کا غلبہ، حسن ظن بہ خالق، قرآن و حدیث کی دعاؤں کو یاد کرنے اور انکو بشدت الحاح پڑھنے سے بیحد دلچسپی اور شوق، تو بڑے شوق محبت کو نفع

نفع وغیرہ ایسی نعمتیں مل گئی ہیں کہ میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہے تحقیق الحمدللہ

حال: اسم ذات کا چھ ہزار ورد روزانہ پورا ہوجاتا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: حق تعالیٰ کے حاضر وناظر سمیع وبصیر ہونے کا عقیدہ اب تیقن کے ساتھ پیدا ہوگیا ہے قلب کی طرف دھیان رہتا ہے کہ اسی میں بیٹھے ہوئے ہیں اس تصور سے بڑی خوشی ہوتی ہے دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ کی محبت بدرجۂ اتم پیدا ہوجائے۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں (اللہ تعالیٰ مکان سے منزہ ہیں ہاں قلب مومن انکی خاص تجلی گاہ ہے)

حال: توبہ روز کرتا ہوں مفید چیز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا انا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الخ روزانہ پڑھتا ہوں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے قلب میں اتار دیں۔ تحقیق: ماشاء اللہ تعالیٰ دعا کرتا ہوں

حال: من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی جو تفسیر حضرت نے بیان فرمائی ہے اس سے بیحد خوشی ہوئی بیحد نفع بخش ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اس زمانہ میں یہ سب باتیں کون بتاتا ہے؟ عرصہ سے یہ اشکال تھا الحمدللہ ثم الحمدللہ حضرت کی توجہ کی برکت سے حقیقت ومعرفت کا ایک بہت بڑا باب مفتوح ہوا

تحقیق: الحمدللہ۔

حال: اور دل سے دعا نکل رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شمع نور نبوت کو بصحت عاجلہ مثمرہ عافیت کے ساتھ رکھے۔ تحقیق: آمین

(مکتوب نمبر ۱۹)

حال: حضرت والا جب کبھی عریضہ لکھنے کا ارادہ ہوتا ہے تو برابر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں اپنا حال اچھا یا برا جو کچھ ہو اسے بھی ضرور لکھنا چاہیئے اور سوچ کا ایک سلسلہ لگ جاتا ہے لیکن سب سے بڑی بدحالی تو یہی ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا عرض کروں بس غور وخوض سے اتنا سمجھ سکا ہوں کہ اللہ کا شکر ہے کہ حضرت سے جو تعلق ہے اس میں ظاہر وباطن کے تخالف کی آمیزش نہیں ہے

تحقیق: الحمدللہ

حال: قلب میں تعلق واقعی جگہ کئے ہوئے معلوم ہوتا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اسلئے یاس اور قنوط نہیں ہے بلکہ اس بات کی امید غالب ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ اسی طرح شدہ شدہ اسی تعلق کے واسطے سے اخلاص کا قدر نصیب حصہ ضرور ملیگا

تحقیق: انشاءاللہ تعالیٰ

چوں نشینی بر سر کوئے کسے — عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

گفت پیغمبرؐ کہ چوں کوبی درے — عاقبت زاں در بروں آید سرے

(یعنی جب تم کسی کے دروازہ پر اسکی ملاقات کے انتظار میں بیٹھو گے تو انجام کار کوئی سر اور چہرہ تمھیں نظر آئے ہی گا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی کا دروازہ کھٹکھٹاؤ گے تو اسکے بعد کوئی سر نظر آئے ہی گا)۔

حال: میرا خیال ہے خدا کرے صحیح بھی ہو کہ جب سے اس حقیر نے اس تعلق پاک کو ناپاک آمیزشوں سے اغراض کے غل وغش سے پاک کرنے کی سعی شروع کی ہے حضرت والا کو اس بے مایہ کی جانب سے انشراح بھی ہونے لگا ہے جس کا ایک خاص اثر یہ ہے کہ قلب کو یکسوئی کی ایک خاص کیفیت نصیب ہوئی۔

تحقیق: ہاں۔ ہاں۔ الحمدللہ۔

حال: بس دل حضرت والا کی صورت وسیرت کے سوا کچھ اور کم ہی سوچتا ہے تحقیق: الحمدللہ

حال: اس مراقبہ اور تصور کیلئے خلوت چونکہ بہت ضروری ہے اسلئے خلوت سے اُنس دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: حضرت والا سے دوری کے خیالات برابر ستاتے ہیں لیکن ہمیشہ یہی مراقبہ تسلی اور تسکین کا سامان بنتا ہے۔ تحقیق: یہ محبت ہے۔ الحمدللہ

(مکتوب نمبر ۱۹۱)

حال: عرض ہے کہ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ حضرت والا کی کرم فرمائیوں اور عنایتوں نے

بہت مسرور فرمایا اور دل منت گذار بہت متاثر ہوا

تحقیق: علیٰ ہٰذا میں بھی آپ کی محبت سے بہت مسرور ہوا اور محظوظ بھی ہوا۔

حال: امید بندھ گئی ہے کہ حضرت والا کی توجہات سے انشاء اللہ بیڑا پار ہو جائے گا۔ الہ آباد والوں پر آپ کے جس قدر احسانات ہیں انکا شکریہ نہیں ادا ہو سکتا۔ بس اللہ تعالیٰ ہی اسکی جزائے خیر عطا فرمائیں گے نہ معلوم کتنے بندگان خدا کا رشتہ مالک حقیقی سے جوڑ دیا، دین کی وہ وہ حقیقت وانکشاف فرمائیں کہ جو مستور و محجوب تھیں قرب خداوندی کا سہل ترین راستہ دکھلا کر اس پر گامزن کر دیا۔

تحقیق: الحمد للہ علی احسانہ

حال: کلام اللہ کی عظمت و بزرگی اور برتری اس نرالے انداز سے ذہن نشین کرائی کہ کسے نہ دیدہ نہ شنیدہ (کسی نے آجتک دیکھا اور سنا بھی نہ تھا) بس بے ساختہ دل کی گہرائیوں سے یہی صدا نکلتی ہے کہ ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی　　مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

(یعنی اللہ تعالیٰ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپنے ہماری آنکھیں کھولدیں اور ہمکو ہمارے محبوب سے آشنا کر دیا)۔ اے برتو ہزاراں ہزار رحمت باد (خدا آپ پر ہزاروں ہزار رحمتیں نازل فرمائے) فرائض کے مرتبہ کو اس اس طرح بیان فرمایا کہ جو فرائض کے شایان شان تھا جس سے اسکی بالاتری اور علو نوافل پر بدرجہا فوقیت لے گیا ان سب شفیقتوں پر پردہ پڑا ہوا تھا جبکہ حضرت والا کی منفردانہ کاوشوں نے آشکارا کرکے ہدایت اور رہنمائی فرمائی

تحقیق: الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوا۔

حال: نفاق کو ایک زمانہ تک اسقدر زیادہ بلاغت سے بیان فرمایا کہ واقعی جب حضرت والا نے بیان فرمایا تھا کہ "نفاق کو اتنا بیان کرونگا کہ لوگوں کو اس سے گھن (نفرت) آنے لگے" تو ایسا ہی ہوا۔

تحقیق: الحمد للہ۔

حال: اسکے بعد اخلاص کے ایک ایک گوشے کو اتنا اجاگر کیا کہ اس نے دلوں میں جگہ کرلی۔

تحقیق: الحمد للہ

حال: اور آخر میں محبت الٰہی کا فرض ہونا اور نفس کے مکائد سے بچنا اسکو اتنی خوبی اور دل میں اتار دینے والے انداز میں بیان فرمایا کہ ان محبت کے بیانات کے سنتے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جان رگ رگ سے سمٹ کر کانوں میں آگئی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: ایک محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا اور ہوا یہ کہ ؎

دل کو آزار محبت کے مزے آنے لگے صدقے اس ساقی کے جس نے درد پیدا کردیا

تحقیق: الحمد للہ۔

حال: حضرت والا کی صحت کے متعلق معلوم ہوتا رہتا ہے جس سے بیحد مسرت ہوتی ہے جب یہ سنا کہ اس مرتبہ حضرت روزہ بھی رکھتے ہیں اور کھڑے ہو کر تراویح میں قرآن بھی سنتے ہیں تو دل پر سرور وانبساط کا وہ عالم طاری ہوا کہ جسم میں خون بڑھ گیا اور تن مردہ میں جان آگئی۔

تحقیق: الحمد للہ، بارک اللہ۔

حال: اللہ تعالیٰ اور زیادہ صحت اور سلامتی عطا فرمائیں اور حضرت والا کے فیض سے اس تہی دامن کو بھی اپنی محبت اور مروت کے بحر بیکراں کا ایک قطرہ عطا فرمائیں۔

تحقیق: آمین۔ آمین

گذشتہ شمارہ بہت تاخیر سے شایع ہوا اسکی وجہ سے احباب نے جو خطوط لکھے اس سے انکے شدتِ انتظار اور قلبی تعلق کا اندازہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انکے اس حب للہ فی اللہ میں یوماً فیوماً ترقی عطا فرمائے۔ الحمد للہ کہ پیش نظر رسالہ اپنے وقت سے پہنچ رہا ہے۔ امید کہ یہ مسرت گذشتہ کلفت کی تلافی کردے گی۔

راقم عرض کرتا ہے کہ بس یہ تھا حضرت مصلح الامۃ کا طریق دربارۂ تبلیغ حاضرہ جو گویا "انکار می کنم و نہ ایں کار می کنم" کا مصداق تھا یعنی حضرت کا اپنا اصلاحی نصاب اور اصلاحی نظام مستقل تھا جس میں کسی بھی دینی کام کرنے والے سے مزاحمت تو بالکل نہ تھی اور یہ بھی پسند نہ تھا کہ کوئی دوسرا بھی ہمیں چھیڑے اور ہمارے کام کو ناکافی قرار دے اسی امر کے اظہار کیلئے یوں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ طریقہ یعنی ایک جگہ جم کر کام کرنا اور اصلاح نفس کو مقدم جاننا اسکو سمجھ بوجھکر اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ہر شخص کو اپنے دین کا اختیار ہے پھر اپنا تجویز کردہ نظام دوسروں پر مسلط کرنے کا کسی کو کیا حق ہے۔

لیکن افراط و تفریط تو ہر جگہ بری شئے ہے اور سبب فساد بن جایا کرتی ہے اسلئے حضرت اقدس اول تو اس قسم کی بات زبان سے نکالتے نہ تھے کہ مبادا لوگ میری بات کو نہ سمجھکر افراط و تفریط کا شکار ہو جائیں اسلئے کبھی کبھی ان لوگوں سے دریافت بھی فرمالیتے تھے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس سے آپ کیا سمجھے؟ اپنے الفاظ میں اسکو دہرائیے تاکہ میں بھی سمجھ لوں کہ آپ نے بات سمجھ لی ہے اور غلط فہمی کا شکار تو نہیں ہو گئے ہیں۔ مبادا میری اصلاحی معروضات کو سبب فساد بنالیا جائے)

(۸)

(میری تعلیمات کا خیال آپ لوگوں کو ضروری ہوگا)

عرض حال برادر موصوف الصدر نے پہلے بھی مجھ سے مشورہ لیا تھا اور حضرت والا کا والانامہ دکھایا جس میں تبلیغ کے متعلق یہاں کے حالات کے باب میں رائے لینے کا حکم ہے میں نے ان سے کہا تھا کہ خیر اس حیلہ سے اسکول کے اساتذہ اور طلبہ کو کچھ اپنی باتیں کہنے سننے کا موقع نکل آئیگا' مگر چند باتوں کا خیال بہت ضروری ہے:-

ایک یہ کہ اسکا سب سے زیادہ خیال رہے کہ کہیں خدانخواستہ ؎

شد غلامے کہ آبجو آرد   آب جو آمد و غلام ببرد

(ایک بچہ دریا سے پانی لینے کیلئے گیا اسکی ایک موج ایسی آئی کہ بچہ ہی کو بہا کرلے گئی اور ڈبو دیا)

کا مصداق نہ ہو جائے مطلب کا اسکا خیال رہے کہ دوسروں کی خاطر اپنا نقصان نہ ہو۔

دوسرے[۲] یہ کہ آجکل کی تمام خرابی نفاق عملی کی اور صدق و اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے ہے اس تشخیص کے ماتحت علاج کی فکر ہو۔

تیسرے[۳] یہ کہ جس سے ملو اور جہاں جاؤ اپنے اکابر کے مسلک سے ذرہ برابر نہ ہٹو یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ دوسرے تمہارے اثر کو لینے والے ہوں اور تم کسی سے متاثر نہ ہو کہیں کسی جگہ تم سے زیادہ اثر رکھنے والا ساتھ ہو تو اسوقت کچھ عذر کر کے تم ہمراہ نہ جاؤ

چوتھے[۴] یہ کہ جماعت کے طریقۂ کار کی پابندی کا لحاظ نہ رکھو اور اسکی مخالفت بھی نہ کرو۔ ہاں ایک بات ضروری ہے کہ جماعت کے بعض کارکنوں کے اندر یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ مدارس غیر ضروری ہیں اور نفس کی اصلاح جماعت کے کارکنوں کی خوب ہو جاتی ہے مشائخ کے یہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ بعض ایسے لوگوں کو جو مشائخ کے پاس جانا چاہتے تھے کچھ لوگوں نے ورغلایا (یہ کہکر) کہ ہم نے دیکھا ہے کہ خانقاہوں میں رہنے والوں کے نفس کی اصلاح نہیں ہوئی، اور جماعت میں کام کرنے والوں کی ہو گئی۔ میں نے اس شخص سے جس نے مجھے یہ آکر سنایا یہ کہا کہ خانقاہ میں رہنے والوں میں سے جبکی اصلاح نہیں ہوئی تو یا تو وہ خانقاہ اصلاحی خانقاہ نہ ہو گی یا جانے والے نفاق عملی میں مبتلا ہوں گے۔ شیخ کو دھوکا دیکر (وہاں سے) نفاق میں ترقی لیکر آئے ہوں گے۔ غرضیکہ یہ دونوں خیالات نہایت خطرناک ہیں۔ حکمت عملی کے ساتھ اسکی اصلاح نہایت ضروری ہے۔

ایک[۵] بات یہ ہے کہ اس میں غلو نہ ہو اور دور نہ جائیے گا، گاہے ماہے فرصت کے وقت ایک آدھ دن کیلئے تبلیغ کیلئے نکل سکتے ہیں پھر اسکے بعد جب ساتھ آنیوالے متوجہ نظر آئیں تو ضرور اپنے یہاں پاؤ آدھ گھنٹہ کوئی وقت مقرر کر کے ان کے اندر رسوخ پیدا کرنے کیلئے "وصیۃ الاحسان" وغیرہ سنایا کریں حضرت والا کے "متفرق ملفوظات" جو طویل مضمون کی شکل میں تھیں وہاں سے نقل کر کے لایا تھا وہ بھی برادر موصوف کے حوالہ کر دیا ہے کہ اسکو بھی سنایا کرو۔

ارشاد مرشد، آپ خود فہیم ہیں اور آپ کے برادر بھی۔ میری تعلیمات کا خیال

آپ دونوں حضرات کو ضروری ہوگا۔ بس۔ وصی اللہ عفی عنہ

(۹)

(اب آپ لوگ بھی میرے طریقے کو نہ سمجھیں گے تو کس سے توقع رکھوں)

عرض حال: آجکل یہاں مولانا محمد یوسف صاحب تبلیغی جماعت کے جلسے میں تشریف لائے ان کے بعض مواعظ میں شرکت کا موقع ملا۔ ان کے اخلاص اور للّٰہیت کا دل پر اثر ہے مواعظ بھی مؤثر تھے۔ وہ مجھے بھی اس جماعت میں شرکت کیلئے ساعی ہوئے اور دوسرے بااثر احباب کے ذریعہ بھی مُصر ہوئے لیکن میں نے صرف یہ عرض کیا کہ آپ کے کام سے مجھے محبت ہے لیکن اپنے آپ کو تبلیغی جماعت میں داخل ہوکر کام کرنے کا اہل نہیں پاتا۔ میں ناقص ہوں اسلئے دوسروں کی تکمیل کا سبب نہیں بن سکتا۔ رہے چلے گذارنا تو خدا رکھے اسکے لئے میرے شیخ کا در زندہ ہے اور میں اپنی تکمیل کا واحد مقام اپنی مرشد کی درگاہ ہی کو سمجھتا ہوں اگر ہو سکا تو وہیں چلے گذاروں گا۔ احباب کے اصرار پر میں نے کہا کہ بھائی یہاں فوج تیار ہوتی ہے مگر میرے مرشد کے یہاں سپہ سالاروں کی تربیت ہوتی ہے اسلئے "مرا مرشد من بس است" میں سپہ سالار بننے کے بجائے سپاہی کیوں بنوں۔ خدا گواہ انھیں دیکھنے اور ان کے جلسے کی بھیڑ بھاڑ اور دھوم دھام دیکھنے کے بعد حضور والا کی محبت و عظمت پہلے سے بھی کہیں زیادہ محسوس ہونے لگی فالحمد للہ علی ذلک والسلام

ارشاد مرشد: الحمد للہ بخیریت ہوں۔ آپ کے جوابات سے خوش ہوا۔ اب آپ لوگ بھی میرے طریقے کو نہ سمجھیں گے تو کس سے توقع رکھوں۔

(رجسٹر نقل خطوط ص۱۷۱ ج ۹)

(راقم عرض کرتا ہے کہ صاحب عریضہ ایک عالم دین ہیں حضرت اقدسؒ کے تلمیذ اور مسترشد ہیں بچپن میں حضرت والا کی تربیت میں عرصہ تک رہے ہیں، حضرت والا نے انکے لئے جو طریق پسند فرمایا وہ جواب میں نمایاں ہے انکی فہم اور جواب پر مسرت کا اظہار فرمایا اور آخر میں جو جملہ ارقام فرمایا ہے وہ کسقدر حسرت اور محبت میں ڈوبا ہوا ہے حضرت اقدس

سے محبت اور عقیدت رکھنے والوں کیلئے تو بس ایک تازیانۂ عبرت ہی ہے کیونکہ حضرت والا یہی چاہتے تھے کہ لوگ میرے طریقے کو خود سمجھیں مجھے اپنی زبان سے نہ کہنا پڑے کہ تم یہ کرو اور وہ نہ کرو، باقی اہل علم اور خواص میں بھی مجھ سے تعلق کے بعد اگر اتنی بھی فہم نہیں پیدا ہو سکی ہے تو افسوس ہے اور اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں دین کے کسی بہتر طریقے سے انکو روکتا ہوں تو اپھر مزید افسوس ہے کہ یہ بات تو عقیدت کے بھی خلاف ہے)

(۱۰)

(جو لوگ حضرت کے طریق پر نہیں ہیں مجھے ان سے مناسبت نہیں ہے)

عرض حال: الحمد للہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہتا ہوں کہ حضرت والا کا طریق تعلیم و تلقین اور طرز امتیازی کہ سب سے زیادہ نظر خلوص و صدق پیدا کرانے کیطرف رہتی ہے اور اصلاح اخلاص کا نہایت درجہ اہتمام اور پھر مجھ سیاہ کار کا حال اور مشاغل میں منہمک (شخص کے) اندر جو انقلاب ہو رہا ہے کہ اپنے عیوب برابر پیش نظر رہتے ہیں اس کھلی کرامت کو دیکھ رہا ہوں تو میرا اعتقاد ہے کہ بجز اس طریقہ کے اور طریقوں میں تضییع عمر ہے۔

ارشاد مرشد: اعتقاد ہی اس طریق میں نافع ہے مگر جبکہ معرفت و بصیرت کے ساتھ ہو (اور یہ جو فرمایا کہ اور طریقوں میں تضییع عمر ہے تو یوں کہنا چاہئے کہ) خلوص کے بغیر تضییع عمر ہے (مطلب یہ کہ خلوص کے ساتھ تو اور طریقے بھی مفید ہو سکتے ہیں اور خلوص ہی نہو یا اعتقاد و بصیرت ہی نہو تو یہ طریقہ بھی چنداں مفید نہیں)۔

عرض حال: کسی سے حضرت والا کے مناقب سنتا ہوں تو اس سے مجھے بڑی راحت تو ہوتی ہی ہے (لیکن) بڑی خوشی بھی حاصل ہوتی ہے کہ واللہ میں عقیدت اور بصیرت میں ان مناقب بیان کرنیوالوں کا محتاج نہیں ہوں۔ اسمیں تو میرا عقیدہ یہ ہے کہ ع۔ زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است (ہمارے ناتمام اور ناقص عشق سے ہمارے یار کا جمال بے نیاز ہے)۔ **ارشاد مرشد:** الحمد للہ۔ بیشک۔

عرض حال: جو لوگ مشائخ اور علماء میں سے (بلکہ) حضرت والا کے طرز و طریق پر نہیں ہیں مجھے تو ان سے ذرہ بھر مناسبت نہیں ہے۔ ویسے کسی مصلحت کی بنا پر (کہ خوامخواہ شورش اور فتنہ نہ ہو) وہ یہاں آتے ہیں تو ان کے پاس جاکر مل لیتا ہوں۔ حضرت مولانا ...... صاحب اہتمام کے ساتھ صرف مجھ سے ملنے کیلئے دو دفعہ تشریف لائے مگر حضرت اقدس مولانا تھانوی کے طریق سے ذرا ہٹے ہوئے نظر آئے اور انھوں نے بار بار فرمایا کہ میرے متعلق تجھے کوئی بات کھٹکتی ہو تو صاف کہدے اسلئے میں نے کہا کہ بس یہی بات کھٹکتی ہے کہ آپ حضرت اقدسؒ کے خلیفہ ہیں اور فرما رہے کہ فلاں صاحب سے بیعت ہوکر آرہا ہوں۔ آپ کی یہ بیعت اُن سے، اپنے اتنے بڑے شیخ و مجدد فن کی توہین سی معلوم ہوتی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے صرف ...... کے سلسلہ میں بیعت کی ہے۔ میں نے کہا کہ عام لوگوں کو کیا معلوم ہوگا اور وہ کیا فرق کریں گے (وہ تو) بس یہی سمجھیں گے کہ حضرت تھانویؒ قدس سرہٗ سے جو کچھ حاصل ہوا ہے اسمیں کسر باقی رہی تھی اب یہاں اسکی تکمیل ہوئی ___ میری اس گفتگو سے بہت متاثر معلوم ہوئے۔ **تحقیق**: الحمدللہ

عرض حال: اور مجھ سے فرما گئے کہ اب میں تیری جیسی رائے ہے اسی کے مطابق وطن جاکر بیٹھ جاؤں گا باہر نہ نکلونگا وہیں بیٹھکر تبلیغ کرنے والوں کو کچھ ہدائیں کرتا رہوں گا۔ **ارشاد مرشد**: بہتر ہے۔ خدا کرے اس پر عمل کریں۔

عرض حال: اسکے پیش نظر کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک مجھے احساس ہے کسی سے متاثر نہیں ہوتا ہوں۔ **ارشاد مرشد**: الحمدللہ۔

عرض حال: اور کسی سے خود جاکر حضرت والا کے متعلق دریافت بالکل نہیں کرتا خود ہی کوئی یہاں آکر اپنے طور پر کچھ کہدے تو اس میں اگر حضرت کی ذرہ توہین ہوئی تو اس میں مداہنت بالکل نہیں ہوتی۔

ارشاد مرشد: الحمدللہ۔

(۱۱)

(آپ لوگوں کی بدفہمی سے تو میں عاجز آگیا ہوں)

تبلیغی جماعت کا ایک اجتماع یہاں شہر میں ہونے والا تھا۔ ہمارے

عرض حال: محلہ کی مسجد میں بھی جماعت کے چند اصحاب آئے ہوئے تھے۔ بعد مغرب مولوی۔۔۔۔ صاحب نے وعظ فرمایا، وعظ کا ماحصل تو دین کی اہمیت اور دنیا سے نفرت ہی تھا اس سلسلہ میں اپنا طریقہ کار پیش کیا وعظ کے ختم پر فرداً فرداً جماعت کے اصحاب جماعت کی تبلیغ کرنے (جانے) کے لئے وقت کا وعدہ کرانے میں کوشاں ہوئے مجھ سے بھی ایک صاحب نے نہایت نرمی ہی سے کہا۔ میں نے انکو یہی جواب دیا کہ ـ "اپنی خیرخواہی رہنے دیجئے میں نے مولانا صاحب کا سن لیا ہے اب میں خود فیصلہ کرونگا (ہاں دفعتاً یہ کلمات بیدھڑک اور تیزی میں نکلے) اسکے بعد وہ بھی خاموش ہوگئے اور میں نماز میں مشغول ہوگیا۔ اس واقعہ میں میری غلطی تیز لہجہ میں جواب دینا ہے یا بالکل جواب ہی نہ دیا ہوتا

ارشاد مرشد: یہ ٹھیک تھا (کہ خاموش ہی رہتے اور تیز جواب نہ دیتے)

ایسا اتفاق پڑتا تو ہے لیکن بہت کم حتی الوسع میں رعایت ملحوظ رکھتا ہوں

عرض حال: تبلیغ میں نکلنے کے اسقدر فضائل بیان ہوتے ہیں گویا قیامت میں اللہ تعالیٰ اسی کی پرسش فرمائیں گے۔ اہل اللہ کی خدمت میں ایک لمحہ کے لئے بیٹھنا بہتر کہ اس سے بڑھکر تبلیغ میں نکلنا ہے۔ میرے نزدیک تو اہل اللہ کی صحبت کے مقابلہ میں کوئی عبادت نہیں (یک زمانے صحبتت اولیاء ✦ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا) حضرت میری اصلاح فرمائیں۔

ارشاد مرشد: خود جانتے ہو۔

(جواب کے ساتھ یہ تنبیہ بھی فرمائی)

آپ لوگوں کی بدفہمی سے تو میں عاجز آگیا ہوں۔ اخلاق سکھاتے سکھاتے تھک گیا لیکن جب سنتا ہوں تو کوئی نہ کوئی بدخلقی کر لیتے ہیں۔ آپ لوگوں کو اسکا احساس بھی نہیں ہے

اسکا اثر اور ضرر کہاں تک پہونچتا ہے۔ قرآن شریف پڑھتے ہیں اس میں ہے کہ قولٌ معروفٌ و مغفرةٌ خیرٌ من صدقةٍ یتبعھا اذیً (یعنی خوبصورتی کے ساتھ کچھ کہدینا اور سائل کی ضد اور ہٹ کو معاف کردینا اس صدقہ سے کہیں بہتر ہے جس کے بعد اسکو ایذا بھی دیجائے) لیکن وقت پر کسی سے نرم بولی بولنے پر جیسے (آپ لوگ) قادر ہی نہیں ہیں۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ عبادت گذار ہونا آسان ہے مگر اخلاق کے ساتھ متصف ہونا بڑا دشوار کام ہے۔ خلیق آدمی مخالف کو بھی موافق کرلیتا ہے اور بدخلق موافق کو بھی مخالف بنالیتا ہے۔ حسن خلق کی مدد سے لوگ کیسے کیسوں کو نبھا دیتے ہیں اور آپلوگوں کیلئے چار آدمیوں کے ساتھ زندگی گذارنی مشکل ہے۔ آپ کا یہ معاملہ (یعنی یہ تیز جواب) پسند نہیں ہوا۔ اب بھی بات سمجھ میں آئی یا نہیں۔ نہ سمجھوگے تو یہاں آنے کی بھی اجازت نہ دونگا۔ جب کچھ سمجھنا ہی نہیں ہے تو کہیں آنے جانے سے فائدہ؟

(راقم عرض کرتا ہے کہ یہ تھا حضرت مصلح الامۃ کا اعتدال کہ علاً گو کار تبلیغ میں تیز نہیں تھے لیکن ان حضرات کے ساتھ اپنے لوگوں کی اس نوع کی بدخلقی بھی پسند نہ تھی دیکھئے سالک مذکور پر کیسا مواخذہ فرمایا اور یہ ظاہر ہے کہ یہ مواخذہ انکی تیز کلامی ہی پر ہوا تھا کہ یہ طرز و عمل آئین خانقاہ اور وضع صوفی کے خلاف تھا اور لوگوں کو حضرت اقدس رح ہی سے بدگمان کردینے کے مرادف تھا اسلئے کہ آجکل لوگ مرید سے اس قسم کے امور کا مشاہدہ کرکے براہ راست اسکی نسبت شیخ ہی کی جانب کردینے میں بھی تکلف نہیں کرتے۔ پس جس معاملہ میں حضرت والا سکوت اختیار فرمانا چاہتے ہوں اور اپنی زبان سے کچھ نہ کہنا چاہتے ہوں وہاں جس طرح سے اس خاموشی سے تائید اور شرکت کا استنباط صحیح نہیں ہے اسی طرح سے غیر عالم اور عوام کے لئے دوسروں سے رد و قدح بھی ناپسند تھا رہے علماء تو اگر وہ کسی امر منکر پر دلیل شرعی کی رو سے نکیر کریں تو یہ انکا منصب ہے۔ باقی مرید کے افعال کی نسبت پیر کیجانب کرنا یہ کچھ صحیح طریقہ بھی نہیں کیونکہ لوگ نبیؐ کے امتی ہوکر بھی خلاف سنت کام کرتے اور اللہ تعالیٰ کے بندے ہوکر بھی معصیت کرتے ہیں تو اس سے معاذ اللہ اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کیا الزام لیکن اہل زمانہ کا حال چونکہ ایسا ہی ہے اسلئے حضرت اقدس کسی خلاف کام کرنے کو من عال سے بھی پسند فرماتے تھے

(۱۲)

(الدّینُ النصیحۃ)

(ہدایت مصلح الامۃؒ برائے متعلقین و منتسبین خصوصاً و عامۃ المومنین عموماً)

مجھے مختلف مقامات سے اور معتبر ذرائع سے یہ بات پہونچی ہے کہ کہیں لوگ اسوقت تبلیغی جماعت سے کچھ الجھ رہے ہیں، ایک دینی کام کو نہ خود ہی (اپنے طور پر ہی) انجام دیتے ہیں اور نہ دوسرے ہی لوگوں کو کرنے دیتے ہیں بلکہ طرح طرح سے انکے کام میں روڑا اٹکاتے ہیں میں اسکو نہایت ہی بُرا سمجھتا ہوں کہ آدمی نہ تو خود کوئی کام کرے اور نہ کسی دوسرے کو کرنے دے بلکہ کام کرنے والوں پر اعتراضات کی اسقدر بھرمار کرے کہ وہ ان سے گھبرا کر اس کام ہی کو ترک کر دے۔

اس زمانہ میں دینی کام کرنے کی جسقدر ضرورت ہے ظاہر ہے اور اسکے لئے کسقدر زیادہ کام کرنے والوں کی حاجت ہے یہ بھی مخفی نہیں ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ہر زمانہ میں کچھ نہ کچھ اللہ کے بندے ایسے ضرور رہیں گے جو اسکے دین کی خدمت اور اسکی حفاظت دل و جان سے کریں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس ایک ہی مقصد کے لئے طریق کار مختلف ہوں۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی علماء اہل حق شکر اللہ مساعیہم اپنے اپنے صوابدید کے موافق دینی جد جہد فرما رہے ہیں۔

اب اگر کسی کو کسی خاص طریق کار سے کچھ اختلاف ہو تو زیادہ سے زیادہ وہ یہ تو کر سکتا ہے کہ اپنے طریقہ اور ہمت کے مطابق کام کرے لیکن دوسرے دینی کام کرنے والوں کی بھی ہمت افزائی نصرت اور انکے لئے دعائے خیر کرنا ضروری ہے اور اگر انکے کسی تسامح پر مطلع ہو تو بطور نصح و خیر خواہی کے نرمی سے اسکو سمجھا دے نہ یہ کہ اس جماعت ہی پر طعن شروع کر دے اور بعض افراد یا عوام کی بد سلیقگی کیوجہ سے جماعت کے اکابر کو بھی مورد الزام قرار دینے لگے۔ میں اسکو نہایت ناپسند کرتا ہوں اور اس زمانہ میں اسکو بھی مسلمانوں کی تفریق کا موجب سمجھتا ہوں اور یہ وقت ان سب باتوں کا نہیں ہے۔

(باقی آئندہ)

بشنو بشنو! حضرت رسالت مآب
صلی اللہ علیہ وسلم در شب معراج
کہ روز بازار او بود چون قدم در
عالم بالا نہاد فوجی از ملائکہ پیش آمدند
گفتند یا رسول اللہ مارا پندی بدہ
حضرت رسالتؐ فرمود بباید کہ بار دیگر
گستاخ وار مگوئید نحن نسبح بحمدک
ونقدس لک چنین گوئید آن ملائکہ
از خجالت چنان سر در پیش افگندند
کہ تا قیامت ہمچنان سر افگندہ خواہند
بود قطعہ

نخشبی ذکر کار خویش مکن
یار منت نہندہ یار مدان
گر بخواہی کہ کار پیش رود
کار می کن ولیک کار مدان

سنو سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جو کہ روز روشن کے مشابہ تھی جب قدم عالم بالا میں رکھا تو فرشتوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمیں کچھ نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ دیکھو خبردار اب کبھی دوبارہ گستاخی کے طور پر نہ کہنا کہ ہم تو آپ کی حمد کی تسبیح پڑھتے ہیں اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ یہ سنکر ان فرشتوں نے شرم کی وجہ سے سر نیچا کرلیا اور اسی طرح سے قیامت تک سرنگوں رہیں گے۔

ترجمہ قطعہ

"اے نخشبی! اپنے کسی کئے ہوئے کام کا ذکر نہ کیا کرو۔ جو دوست کہ احسان رکھنے والا ہو اسکو دوست نہ سمجھنا چاہیئے اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا کام آگے بڑھے اور مقبول ہو تو کام کرو اس طرح پر کہ اسکو کوئی کام نہ جانو"

سلک صد و ہشتم

ارباب معرفت گویند
اگر درویشی در خاطر گذراند در ہمہ
عالم کسی از من بدتر نیست او را
متکبر خوانند زیرا کہ معنئ این ہم دعوی
است سبحان اللہ طائفہ کہ ایشان
مسکین وبیچارہ خود را خوانند

سلک ۱۰۸ (مذلت دعوی)

ارباب معرفت بیان فرماتے ہیں کہ اگر کوئی سالک درویش اپنے دل میں یہ خیال لائے کہ تمام دنیا میں کوئی شخص اس سے ب (برا) نہیں ہے (یعنی میں سب سے اچھا ہوں) تو ارباب معرفت اسکو متکبر کہتے ہیں۔ اسلئے کہ اسکے اس قول میں دعو ٹپکتا ہے۔ سبحان اللہ! وہ گروہ جو کہ اپنے کو مسکین و بیچ سمجھتا ہو وہ بھی جب اپنے آپ کو عتاب سے خالی نہ

ایشاں از عتابی غافل نیند طبقہ کہ
کہ در دعویٰ نخوت و رعونت اند
حال ایشاں چگونہ شود بشنو بشنو
مجروح وشنہ وعصیٰ آدم ربہ در
خوردن دانۂ گندم قصدی صحیح و عزمی
درست نداشت بنا برآنکہ از وقت
نہی وقت خوردن دانہ پانصد سال
برآمدہ بود کہ تا او نہی کردہ فراموش
ساختہ بود ولہذا قرآن در حق او
ایں نوید میدہ فنسی و لم نجد لہ
عزما با اینہمہ معذور ندا شتند
زیراکہ ناسی جائزۃ المواخذہ است
اما ایں مواخذہ از یں امت بدعاء
صاحب امت دفع شدہ است
ربنا لاتواخذنا ان نسینا عزیزمن
آدم علیہ السلام نسیان یکبار
ذلتی کرد با وچندیں عتاب شد
توکہ عمداً چندیں گناہ کبیرہ می کنی
نمیدانم کہ با تو چہ معاملہ خواہد گذشت
نخشبی حال تو چہ خواہد شد
آدمی ہمہ دریں نمونہ بود
در محلی کہ نیکو ان ترسند
حال چوں تو کسی چگونہ بود

سمجھتے تو وہ طبقہ جو کہ غرور و تکبر میں سرشار رہتا ہے اسکا کیا انجام ہوگا۔ سنو سنو وعصٰی آدم ربہ کے طعن سے مجروح یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی نیت گیہوں کے دانہ کے کھانے سے بالقصد مخالفت حکم الہٰی نہ تھی اس لیے کہ ممانعت کے وقت سے لیکر کھانے کے وقت تک پانچسو سال کا وقفہ گذر چکا تھا یہاں تک کہ وہ ممانعت ذہن سے فراموش ہو چکی تھی اسی لئے تو قرآن شریف میں انکے متعلق یہ صفائی بھی فرمائی گئی ہے کہ فنسی ولم نجد لہ عزماً آدم بھول گئے تھے قصداً ایسا نہیں کیا تھا تو دیکھو اس صورت حال کے باوجود اسکو معاف نہیں کیا گیا اسلئے کہ نسیان والے سے بھی مواخذہ کرنا جائز ہے مگر یہ مواخذۂ نسیاں اب اس امت سے صاحب امت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی برکت سے اٹھا لیا گیا ہے کہ آپنے دعاء فرمائی تھی کہ اے ہمارے رب ہماری بھول چوک پر ہم سے مواخذہ نہ فرمائیے گا تو عزیز من دیکھو جبکہ حضرت سیدنا آدمؑ سے ایکبارہ وہ بھی بھولکر ایک لغزش ہوگئی اور انکے ساتھ کیسا مواخذہ فرمایا گیا اور تم ہو کہ کتنے کتنے گناہ صغیرہ نہیں کبیرہ نسیاناً نہیں قصداً کرتے رہتے ہو نہیں معلوم تمھارے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا (اللہ تعالیٰ ہی معاف فرمائے)

" اے نخشبی تیرا کیا حال ہوگا؟ حضرت آدمؑ کو
اس کے لئے نمونہ بنایا گیا ہے۔ پس جس مقام
میں کہ نیک لوگ بھی ڈرتے ہوں تجھ جیسے کا
اس مقام پر کیا حال ہوگا؟"

سلک صد و نہم

مسیح قدماں گویند اگر در مسجد باشی با حق باشی و اگر در کلیسا باشی با حق باش کسی کہ در کلیسا باشد و با او باشد بہتر از کسی کہ در مسجد باشد و بی او باشد، چنیں گویند وقتی در بنی اسرائیل چہار سال باراں نبارید و دعا کسی مستجاب نشد گفتند خداوندا چونست کہ دعائی کسی مستجاب نمیشود پیغامبر آں عہد را خطاب رسانیدند ایں قوم کوچہا خود را پاک نمی کنند و ہمدراں راہ بمسجد می روند و مسجد را آلودہ می کنند ازاں سبب ادعیۂ ایشاں را اثر نیست عزیز من! در امم سابق بعضی مرداں اگر در مسجد می رفتند مسجد را ملوث می کردند و دریں امت اگر بعضی در کلیسا می روند کلیسا را پاک می گردانند بشنو بشنو! روزی مریدے چند از مریدان خواجہ خیر نساج بہ نظارۂ کلیسائی رفتند چوں از آنجا بیامدند شیخ فرمود از کلیسا چہ آوردہ اید گفتند

سلک نمبر ۱۰۹ (تاثیر اخلاص)

جو لوگ کہ مسیح قدم گذرے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ اگر مسجد میں رہو تو حق کے ساتھ رہو اور گرجے میں رہو تو حق کے ساتھ رہو، اب جو شخص کہ گرجے میں ہو اور حق کے ساتھ ہو (یعنی خدا کا ڈر اپنے اندر رکھتا ہو) وہ اس شخص سے (بظاہر) اچھا ہے جو کہ مسجد میں ہو اور خدا کے ساتھ نہ ہو (یعنی منافق ہو یا کار اور دنیا دار ہو) بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایکمرتبہ چار سال تک بارش نہیں ہوئی اور کسی کی دعا بھی قبول نہیں ہوئی. لوگوں نے عرض کیا کہ یا اللہ یہ کیا بات ہے کہ کسی کی بھی دعا قبول نہیں ہوتی ہے نبی وقت پر وحی آئی کہ یہ لوگ اپنے مکان کے باہری حصے اور گلیوں کو صاف نہیں کرتے (گندی رہتی ہیں) اور یہ لوگ اسی راستہ سے مسجد کو آتے جاتے ہیں اور مسجد کو بھی خراب و ناپاک کرتے ہیں اسلئے انکی دعائیں بے اثر ہیں۔ عزیز من! پہلی امتوں کا یہ حال تھا کہ بعض لوگ اگر مسجد میں بھی جاتے تھے تو اسکو ناپاک کر دیتے تھے اور اس امت کے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اگر وہ گرجے کے اندر بھی داخل ہونگے تو اسکو بھی کفر و شرک سے پاک کر دیں گے۔ سنو سنو! ایکدن خواجہ خیر نساج کے چند مرید کسی گرجے کی سیر کو گئے جب وہاں سے واپس آئے تو شیخ نے دریافت کیا کہ گرجے سے کیا لیکر آئے ان لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت (دولت تو یہاں ملتی ہے) ہم گرجے سے کیا لیکر آتے۔ شیخ نے فرمایا آؤ میں تمھیں گرجا جانا سکھلاؤں (یہ کہکر اپنے ساتھ سب کو گرجا لے گئے) جب

از کلیسا چہ تواں آورد شیخ گفت بیائید
تا من شمارا پیش کلیسا رفتن بیاموزم
چوں آنجا رسیدند دیدند آں قوم
صورت عیسیٰؑ و مریمؑ بر دیوار کلیسا
نقش کردہ اند و می پرستند شیخ
بانگ برآں صورت زد و گفت
أأنت قلت للناس اتخذونی و امی
الٰہین من دون اللہ در حال آں
صورتہا از دیوار کلیسا فرو ریختند و
از ہر ذرۂ ایشاں آواز می آمد لا واللہ
لا واللہ قطعہ

نخشبی خلق تا چہ سنگدل اند
آنکہ معبود خود ز سنگ کنند
گر بتاں را زباں بود ہردم
باپرستندہ تا چہ جنگ کنند

وہاں پہونچے تو دیکھا کہ اس قوم نے حضرت عیسیٰؑ
اور حضرت مریمؑ کی تصویریں گرجے کی دیوار پر
بنا رکھی ہیں اور سب لوگ اسی کی پرستش کر رہے
ہیں۔ شیخ نے اس تصویر کو مخاطب کرکے زور سے
فرمایا کہ أأنت قلت للناس اتخذونی و امی الٰہین
من دون اللہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے
اور میری ماں کو اللہ کے ماسوا خدا بناؤ اسی وقت
وہ تصویریں تو گرجے کی دیوار سے نیچے گر گئیں اور
وہاں کے ذرہ ذرہ سے آواز آئی کہ لا واللہ
لا واللہ یعنی بخدا نہیں۔ بخدا نہیں۔

ترجمہ قطعہ

اے نخشبی یہ مخلوق بھی کتنی سنگدل ہے جو کہ اپنا معبود
پتھر کو قرار دیتی ہے اگر ان بتوں کے زبان ہوتی تو اپنے
پوجنے والوں سے ہر وقت خوب خوب جنگ کرتے (اور انکو کوستے) یعنی
خدا کا مقابل بننے میں انکو شرم آتی ہے اور نہ آئی تو بنانے والوں کو

سلک صد و دہم

سالکان ملک طریقت و
مالکان مملکت حقیقت کہ از نفس
چناں بروں آمدہ اند کہ مار از پوست
چنیں گویند راہ حق راہی است
کہ در وے بار رخت وجود قدم نتواں نہاد

سلک نمبر ۱۱۰ (لی مع اللہ وقت)

ملک طریقت کے سالک حضرات اور مملکت حقیقت
کے مالک صاحبان جو کہ نفس سے اس طرح سے نکل چکے ہوتے
ہیں جیسے سانپ اپنے کینچل سے نکل جاتا ہے وہ لوگ
یہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا راستہ ایسا راستہ ہے کہ اسمیں
اپنے وجود کے سامان کو لیکر قدم نہیں رکھنا چاہیئے

الله الله چه مشکل راهی و طرفه بارگاهی
که درو این کس را هم این کس مزاحم
نماید بشنو بشنو! چون حضرت
رسالت صلی الله علیه وسلم که این راه
را جز او کسی بمنزل نرسانیده خود
فرمود لی مع الله وقت لا یسع فیه
ملک مقرب جبرئیل علیه السلام
شکسته باطن شد باز فرمود خاطر جمع دار
ولا نبی مرسل واز این نبی مرسل
خود را خواست بنا بر آنکه در عهد
دولت او قفل ختم بر درجک نبوت
او نهاده بودند و نبی مرسل و غیر مرسل
نمانده ای جبرئیل اگر گویم مرا
با حضرت جلال احد وقتی است
که درو ملک نه گنجد شکسته مشو که آنجا
محمد نیز نمی گنجد بشنو بشنو! چون
کمان کش قاب قوسین او ادنیٰ
از عالم قاب قوسین باز گشت
جبرئیل علیه السلام می پرسید یا محمد
از آن عالم که می آئی در چه دیدی
او می گفت ای برادر چه جای
این سوال است که محمد از محمد هم
همی پرسید که چه دیدی علم من

اللہ اللہ یہ کس قدر دشوار گذار راہ ہے اور کیسی عجیب بارگاہ
ہے کہ اسمیں ایسے طالب کیلئے بھی خود اس کی ذات (یعنی
اسکا نفس ہی) مزاحم ہوتی ہے۔ سنو سنو! جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ہی (کہ آپکے سوا اور کوئی اس راہ کو جیسا کہ اسکا حق ہے
طے کر کے منزل تک نہیں پہونچ سکا ہے) یہ فرمایا کہ میرے لئے
اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسمیں
کسی مقرب فرشتہ کی بھی گنجائش نہیں ہوتی تو حضرت جبرئیل
علیہ السلام یہ سنکر بہت ہی شکستہ دل ہوئے آپ نے یہ دیکھکر فرمایا
جبرئیل خاطر جمع رکھو اسوقت میں (ملک تو خیر ملک ہی ہے) کسی
نبی مرسل کی بھی گنجائش نہیں ہوتی چنانچہ اس نبی مرسل سے
مراد خود آپ کی اپنی ہی ذات شریفہ تھی کیونکہ آپکے
زمانۂ مبارک میں نبوت کا دروازہ بند ہو چکا تھا کسی
اور نبی کے ہونے کا احتمال ہی کیا تھا جو اس وقت میں موجود
ہو سکتا پس آپ نے مرسل اور غیر مرسل سب ہی کے اعتبار
سے نبوت کے ڈبہ پر قفل لگا رکھا تھا اور فرمایا کہ بلے جبرئیل سنو
اگر میں نے یہ کہدیا کہ میرے لئے حضرت جلال احد کے ساتھ ایک
ایسا وقت بھی ہوتا ہے کہ اسمیں کسی فرشتے کی بھی گنجائش نہیں
ہوتی تو تم اسکی وجہ سے شکستہ خاطر نہ ہو کہ اس وقت میں
وہاں خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بھی گنجائش نہیں ہوتی (یعنی میں بھی
فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو جاتا ہوں) سنو سنو! جب
قاب قوسین او ادنیٰ کی کمان کھینچنے والے (صلی اللہ علیہ وسلم
عالم قاب قوسین (یعنی معراج) سے واپس تشریف لائے تو جبرئیل
آپ سے دریافت کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جس عالم سے واپس

علم و فہم من فہم۔ قطعہ

نخشبی راز وصل دوست مپرس
بو العجب عاشقی کہ وا گوید
آنکہ از خویش بیخبر باشد
خبر از دیگری کجا گوید

آئے ہیں وہاں کیا دیکھا؟ آپنے فرمایا کہ بھائی میرے اسکو کچھ نہ پوچھو کیونکہ مجھ بھی محمد سے یہی پوچھتے ہیں کہ تم نے وہاں کیا دیکھا جانا جس نے کہ جانا اور سمجھا جس نے کہ سمجھا — "نخشبی سے اسکے وصل یار کا حال نہ پوچھو وہ عاشق عجیب عاشق ہے جو اسکو بیان کرے، بھلا جس شخص کو خود اپنی ہی خبر نہو وہ دوسرے کا حال کیا بیان کر سکتا ہے۔

سلک صد و یازدہم

اہل قبول گویند التواضع قبول الحق من الحق للحق عزیز من اگر آدمی بداند کہ اول او چہ بود و آخر او چہ خواہد بود او نباشد مگر متواضع بزرگی را پرسیدند مرد متواضع کرا گویند گفت کہ او خود را و خاکی را کہ پی سپر خلق است یکساں داند آدمی مرد خاکی کسی است کہ میان او و میان خاک ہیچ بیگانگی نباشد و وقت نشستن و خاستن میان او و میان خاک جامہ واسطہ نگردد لہٰذا بزرگی را پرسیدند درویش بچہ ماند گفت بزمین گفت از چہ وجہ گفت ہر چہ از نیک و بد بدو رود جمع باشد وقد کان قوم من اصحاب الصفۃ

سلک نمبر ۱۱۱۔ (تواضع)

مقبولین کا یہ کہنا ہے کہ تواضع کہتے ہیں حق سے حق کو حق کیلئے قبول کرنا۔ عزیز من! اگر انسان یہ جان لے کہ اول درجہ اسکا کیا تھا اور آخر کیا ہوگا تو وہ یقیناً متواضع ہی ہو جائے گا ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت مرد متواضع کسے کہتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ متواضع وہ شخص کہلاتا ہے جو خود اپنے کو اور اس خاک کو جو کہ تمام مخلوق کی اصل ہے برابر جانے۔ ہاں ہاں مرد خاکی تو بس اصل وہی ہے کہ اسکے اور خاک کے درمیان کچھ بھی بُعد اور بیگانگی نہ ہوئے۔ چنانچہ اٹھتے بیٹھتے وقت اسکے اور مٹی کے درمیان لباس کا بھی حجاب نہ ہو۔ اسی لئے کسی بزرگ سے جب لوگوں نے دریافت کیا کہ درویش کی مثال کیا ہے تو فرمایا کہ وہ زمین کی طرح ہوتا ہے۔ پوچھا گیا کس وجہ سے؟ فرمایا کہ جو کچھ بھی بھلا یا بُرا اس پر پیش آتا ہے وہ سبکا تحمل کرتی ہے (اور درویش بھی ایسا ہی ہوتا ہے) چنانچہ اصحاب صُفہ میں ایک جماعت ایسی تھی جو کہ اپنے اور زمین کے درمیان کسی چیز کے حائل ہونیکو پسند نہیں کرتی تھی۔

یکرہون ان یجعلوا بینہم وبین التراب حائلا عزیزمن! طائفہ کہ امروز ہمہ بر بساط منقش می نشینند نمیدانیم ایشاں را فردا برکدام بساط خواہند نشاند وفرقہ کہ اینجا ہمہ لباس ملون میپوشند ہیچ معلوم نہ کہ حشر ایشاں را کدام لباس خواہند پوشانید بشنو بشنو بزرگی میگوید در بغداد مرد می بود کہ درزمستاں وتابستاں یک جامہ پوشیدے او را گفتند چرا جامۂ دیگر نپوشی گفت من پیش ازیں ہمچناں می کردم تا شبی مرا بہشت در خواب نمودند گروہی یارانِ خود را دیدم در مقامی رفیع برسر مائدہ نشستہ من برفتم ومیان ایشاں بنشستم فرشتگاں مرا از آنجا دور کردند گفتم ایشاں یارانِ من اند مرا از ایشاں چرا دور می کنید گفتند میان تو و میان ایشاں فرقِ بسیار است ھٰؤلاء اصحاب ثوب واحد ولک قمیصان فانتبہتُ ونذرتُ ان لا البس الا ثوبا واحدا عزیزمن در عالم ظاہر ہرکہ یک جامہ بپوشد او پوشیدہ شود در عالم باطن و ہرکہ دو جامہ

عزیزمن! جو لوگ کہ آج دنیا میں نرم منقش بستروں پر بیٹھے ہوئے ہیں نہیں کہہ سکتا کہ کل (بروز قیامت) انکو کس قسم کے بستر پر بٹھایا جائے گا اسی طرح سے جو لوگ کہ آج رنگ برنگ کے زرق برق لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کل کو انکو کیسا لباس پہنایا جائیگا۔ سنو سنو! ایک بزرگ فرماتے تھے کہ بغداد میں ایک درویش تھا جو گرمی سردی ہر موسم میں بس ایک ہی لباس پہنے رہتا تھا اس سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ اپنا لباس تبدیل کیوں نہیں فرماتے انھوں نے فرمایا بھائی پہلے میں بھی ایسا ہی کرتا تھا (یعنی لباس بدل لیا کرتا تھا) لیکن ایک مرتبہ میں نے خواب میں جنت کو دیکھا اور یہ دیکھا کہ میرے احباب خاص میں کی ایک جماعت ایک بلند مقام پر ایک دسترخوان پر جمع ہے۔ میں بھی جاکر ان کے ساتھ بیٹھ گیا، فرشتے آئے اور مجھے اٹھا دیا میں نے کہا ارے یہ سب لوگ میرے احباب ہیں آپ مجھے ان سے علٰحدہ کیوں کر رہے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ تم میں اور ان لوگوں میں بڑا فرق ہے وہ یہ کہ وہ سب لوگ تو وہ ہیں جنھوں نے دنیا میں زندگی صرف ایک کپڑے پر بسر کی ہے اور تمھارے پاس تو دو قمیصیں ہیں (سردی کی الگ اور گرمی کی الگ) یہ منظر دیکھکر میں بیدار ہوگیا اور اس دن سے طے کیا کہ اب سے صرف ایک ہی قمیص ہمیشہ پہنونگا عزیزمن عالم ظاہر میں تو جو ایک لباس پہن لے وہ اسکی وجہ سے مستور پوش ہو جاتا ہے (یعنی لباس اسکا ساتر بن جاتا ہے) لیکن عالم باطن میں جو شخص دو لباس پہن لے

بپوشد او برہنہ گردد قطعہ

نخستی زاں پیاز گندہ شدہ است
کہ جوش ندارد از یک پوست
ہر کہ او را دو پیرہن باشد
نزد اصحاب دیں برہنہ ہوا است

سلک صد دوازدہم

بباید دانست کہ نفس بمثابہ بیماری است و آرزوی او بدو رسانیدن زہر قاتل است کہ ہیچ تریاق او نیست مگر ہوار او از و باز داشتن آدمی ہر کہ پا می برہواہد او بباد رود جان خود را در سر ہوا کند اکنون بداں کہ نفس بر سہ نوع است یکی را مطمئنہ گویند وھی التی اطمأنت بطاعۃ اللہ تعالیٰ ولا یطلب مخالفۃ امرہ دوم را لوامہ گویند وھی التی تلوم صاحبہا علی معاصیہ و سوم را امارہ گویند وھی التی تامر بالسوء وتدعوا الی الہلاک عزیز من اسلامتی نفس در مخالفت او باشد و بلاہا در متابعت او۔

تو وہ عریاں ہو جاتا ہے (یعنی اسکی دنیاداری عیاں ہو جاتی ہے)

* اسے نخستی یہ پیاز بدبودار اسی وجہ سے ہوئی کہ اسکی ذات کے اوپر ایک ہی پوست (یعنی ایک ہی لباس) نہیں ہے (بلکہ پوست بر پوست ہے) چنانچہ سمجھ لو کہ جس کے پاس دو پیرہن ہے تو اہل طریق اسکو عریاں اور ننگا ہی سمجھتے ہیں

سلک نمبر ۱۱۲ (اقسام نفس)

جاننا چاہئے کہ نفس ایک بیمار کی طرح ہے چنانچہ اسکی خواہشات کو اسے دینا بمنزلہ سم قاتل ہے۔ اسکا علاج تو بجز اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ اسکی خواہشات کو اس سے روکا جائے ہاں جس شخص نے اپنے قدم کو خواہشات نفسانی ہی سے متمتع ہونے میں ڈال رکھا ہو وہ خاک میں ملے یا ہلاک ہو وہ جانے۔ اب یہ سمجھو کہ نفس کی تین قسمیں ہیں ایک کا نام نفس مطمئنہ ہے اور یہ وہ نفس ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کر کے اپنے اندر اطمینان اور سکون حاصل کرے اور اللہ کی مخالفت اسکا شیوہ نہ رہ جائے۔ دوسری کا نام نفس لوامہ ہے یہ وہ نفس ہے جو اپنے صاحب کو اللہ تعالیٰ کی معصیت کرنے پر ملامت کرے اور تیسری کا نام نفس امارہ ہے یہ اسکو کہتے ہیں جو انسان کو برائیوں کا حکم کرے اور اسکو ہلاکت کی جانب بلائے۔ اسے میرے عزیز! خوب سمجھ لو کہ نفس کی سلامتی اسکی مخالفت ہی میں ہے اور اسکی متابعت سراسر بلا و مصیبت ہے۔

(باقی آئندہ)

ہمسری با انبیاء بر داشتند　　　اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

(انبیاء علیہم السلام کے ساتھ برابری کا دعویٰ کرتے تھے اور اولیاء کو اپنی ہی طرح کا انسان سمجھتے تھے)

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر　　　ما و ایشاں بستہ خوابیم و خور

(یعنی یہ کہتے تھے کہ جس طرح سے ہم بشر ہیں یہ بھی بشر ہیں چنانچہ کھانے اور سونے کے پابند ہماری طرح سے یہ لوگ بھی ہیں)

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ　　　در میاں فرقے بود بے منتہا

(لیکن ان لوگوں نے اپنی کور باطنی کیوجہ سے یہ نہ جانا کہ ان دونوں کے کھانے میں بے انتہا فرق ہے)

ایں خورد گردد پلیدی زوجدا　　　واں خورد گردد ہمہ نور خدا

(یعنی یہ لوگ جو کھاتے ہیں تو وہ نجاست بنکر ان سے جدا ہوتا ہے اور وہ لوگ جو کھاتے ہیں تو وہ سراپا خدا کا نور بنجاتا ہے)
کہ ایک کھاتا ہے تو اس سے پلیدی نکلتی ہے دوسرا کھاتا ہے تو اس سے نور خدا نکلتا ہے میں جب حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مثنوی پڑھا کرتا تھا تو اس شعر میں مجھے خیال ہوا کہ یہ فرق محض شاعرانہ طور پر مولانا نے فرما دیا ہے کیونکہ واقعی فرق تو اسوقت ہو سکتا ہے جب اہل اللہ کے پیٹ سے فضلہ نہ نکلتا جب سبق شروع ہوا تو حضرت قبلہؒ نے کیا خوب فرمایا کہ پلیدی سے مراد اخلاق ذمیمہ ہیں اور نور خدا سے مراد اخلاق حسنہ ہیں مطلب یہ کہ اہل اللہ کھاتے ہیں تو انکو اخلاق حمیدہ میں مدد ملتی ہے اور دوسرے لوگ کھاتے ہیں تو انکو اخلاق ذمیمہ میں مدد ملتی ہے تو باوجود اس فرق عظیم کے کفار نے نہ سمجھا اور انبیاء کو اپنی مثل کہا کیونکہ انہیں کوئی انوکھی بات نہ تھی وہ کھانا بھی کھاتے تھے پانی بھی پیتے تھے۔

(۷۹) کھانا پینا چھوڑنے کا نام بزرگی نہیں ہے

آجکل بھی ایسے لوگوں کو جو کھانا چھوڑ دیں پانی چھوڑ دیں بہت بزرگ سمجھا جاتا ہے میں کہتا ہوں کہ اگر پانی کے یا کھانے کے چھوڑنے پر بزرگی کا مدار ہے تو سُرسری اور سانڈا جو ایسے جانور ہیں بہت بزرگ ہیں کیونکہ سُرسری پانی بالکل نہیں پیتی اور سانڈا نہ کھانا کھاتا ہے اور نہ پانی پیتا ہے صرف ہوا اسکی غذا ہے۔ صاحبو! بزرگی تو وہ چیز ہے کہ ؎

میان عاشق و معشوق رمزیست　　　کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

(عاشق اور معشوق کے درمیان ایک ایسا خفی تعلق ہوتا ہے کہ کراماً کاتبین کو بھی اسکی خبر نہیں ہوتی)
یعنی بزرگی نسبت مع اللہ کا نام ہے جبکی پوری حقیقت کا بعض دفعہ فرشتوں کو بھی پتہ نہیں
نہیں لگتا البتہ اسکی ظاہری علامت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ تمام افعال اقوال و
حرکات میں تشبہ ہو یعنی جس طرح نماز ادا کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کیجاسے
اسی طرح آپس کے برتاؤ روزمرہ کی باتوں میں سونے جاگنے میں غرض ہر ہر بات میں حضورؐ کے
اتباع کی کوشش کیجائے اور یہ اتباع عادت ہو جائے کہ بے تکلف سنت کے موافق
افعال صادر ہونے لگیں۔ تو بزرگی اور نسبت کی علامت تو یہ ہے اور کم کھانے یا کم پینے
کو اس میں کچھ دخل نہیں۔

(۸۰) کم کھانے کی اصلی حقیقت

دوسرے کسی شخص کی نسبتہ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بہت کھاتا ہے یا کم کھاتا ہے
تو قطع نظر بزرگی کی علامات ہونے کے خود اسکا حکم بھی مشکل ہے کیونکہ کم کھانا یہ ہے کہ بھوک سے
کم کھائے تو ممکن ہے کہ جس کو تم بہت کھانے والا سمجھے ہو اسکی بھوک خوراک سے دونی ہو
تو وہ تو کم کھانے والا ہوا۔

حکایت: ایک شیخ سے انکے مریدوں نے ایک دوسرے مرید کی شکایت کی کہ حضرت
یہ بہت کھاتا ہے چالیس پچاس روٹیاں کھا جاتا ہے شیخ نے اسکو بلاکر کہا کہ بھائی اتنا نہیں کھایا
کرتے خیر الامور اوسطہا اس مرید نے کہا کہ حضرت ہر ایک کا اوسط الگ ہے یہ صحیح ہے کہ میں
اتنی مقدار کھا جاتا ہوں لیکن یہ غلط ہے کہ میں زیادہ کھاتا ہوں کیونکہ اصلی خوراک میری اس
سے بہت زیادہ ہے جب تک مرید نہ ہوا تھا اس سے دونی کھایا کرتا تھا۔ تو اس حکایت
سے معلوم ہوا ہوگا کہ بعض آدمیوں کی خوراک ہی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اصلی خوراک سے
وہ بہت کم کھاتے ہیں۔ تو یہ معیار صحیح نہیں ہے۔

(۸۱) قلت طعام و منام کی شرح اور ہر ایک کیلئے اسکا مناسب نہ ہونا

اگر کسی کو شبہ ہو کہ بزرگوں نے قلتِ طعام اور قلتِ منام کا حکم فرمایا ہے تو سمجھو کہ اول تو ہر ایک کی قلت جدا ہے جیسا کہ حکایت بالا سے معلوم ہوا دوسرے ہر ایک کے لئے قلت کو تجویز بھی نہیں کیا جا سکتا بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انکے لئے کسی بڑے مفسدہ کے دفع کرنے کیلئے کسی خفیف مکروہ کے ارتکاب کو بھی جائز رکھا جاتا ہے جبکہ اس کے ذریعہ سے کسی گناہ کبیرہ سے بچانا مقصود ہو۔

حکایت: چنانچہ ایک چور کسی بزرگ سے بیعت ہوا اور چوری کرنے سے توبہ کی لیکن چونکہ مدت کی عادت پڑی ہوئی تھی اس لئے ہر شب چوری کرنے کا سخت تقاضا طبیعت میں پیدا ہوتا اور اسکو دبانے کے لئے وہ یہ کرتا کہ تمام ذاکرین کے جوتے اٹھا کر گڈ بڈ کر دیتا اس کے جوتے کیساتھ اسکا اُسکے جوتے کے ساتھ اسکا، غرض کسی ایک کا جوتہ بھی اپنے ٹھکانے نہ ملتا آخر لوگوں نے دق ہو کر ایک شب بیدار رہ کر دیکھا معلوم ہوا کہ یہ نو گرفتار ہیں صبح ہوئی تو شیخ سے شکایت کی انھوں نے بلا کر اس سے دریافت کیا، اس نے کہا حضور میں بیشک ایسا کرتا ہوں لیکن اسکی وجہ یہ ہے کہ مدت سے مجھے چوری کرنے کی عادت تھی اب میں نے توبہ کرلی ہے لیکن رہ رہ کر طبیعت میں تقاضا پیدا ہوتا ہے جسکو میں یوں پورا کرتا ہوں۔ اب اگر آپ مجھے اس سے منع فرمائیں گے تو میں اضطراراً پھر چوری کرونگا، غرض میں نے چوری سے توبہ کی ہے ہیرا پھیری سے نہیں کی ہے۔ شیخ نے کہا کہ بھائی تجھے اسکی اجازت ہے، تو ہیرا پھیری کر لیا کر۔ لیکن ان مراتب کو سمجھنا بڑی بصیرت پر موقوف ہے۔

(۸۲) سالک کیلئے بعض اوقات قطع تعلقات و معاش مضر ہوتے ہیں

ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ ترک ملازمت اور قطع تعلقات کی ہرگز اجازت نہ دیتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ ابھی تو صرف ایک بلا میں گرفتار ہے چھوڑ دیگا تو خدا جانے کیا کچھ کریگا اور کس قسم کی آفات کا شکار ہوگا تو اتنی بلاؤں سے ایک ہی بلا اچھی ہے۔ اب لوگ اس سے

خوش ہوتے ہیں کہ پیر صاحب لنگوٹا بندھوا دیں اور بیوی بچوں کو چھڑا دیں۔ ایسے لوگوں کو تنخواہ پیر صاحب تو دینے سے رہے نتیجہ یہ ہوتا ہے اور ہونا چاہئے کہ جب حوائج ضروری پوری نہیں ہو پاتیں، آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا تو جھوٹی شہادتیں دینا، جھوٹے مقدمے لڑانا، قرض لیکر دبالینا غرض اسی طرح کے صدہا آفات میں گرفتار ہو جاتا ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ملازمت ترک کرانے کی کیا ضرورت خدا تعالیٰ کا نام جب دل میں جگہ کریگا وہ خود ہی چھڑا دیگا کیونکہ ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت ہر کہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(عشق وہ شعلہ ہے کہ جب یہ اٹھتا ہے تو پھر سوائے معشوق کے ہر شئے کو جلا دیتا ہے)

تیغ لا در قتل غیر حق براند در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

(پس لا کی تلوار کو غیر حق پر چلاؤ اور پھر دیکھو کہ لا کے بعد کیا رہ جاتا ہے)

ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

(صرف الا اللہ ہی رہ جائے گا اور باقی سب جل جائیگا اے عشق تو کیا ہی شرکت سوز ہے تیرا کیا کہنا)

مشہور ہے کہ آب آمد تیمم برخاست پس آب کو تو آنے دو تیمم خود ہی جاتا رہیگا۔ یہی راز تھا جس کے لئے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ چھڑانے کی کیا ضرورت ہے وقت پر خود ہی چھوٹ جائیگا اور یہ حکم ایسے شخص کیلئے تھا جس کے کھانے پینے کی کوئی سبیل نہو کہ ایں بلا دفع بلاہائے بزرگ۔ اور اگر کسی کے پاس ایسا کوئی ذریعہ موجود ہو تو اسکو یہی مناسب ہے کہ اسپر قناعت کرلے اور یاد خدا میں مشغول ہو۔ مولانا نظامی فرماتے ہیں ؎

خوشا روزگارے کہ دارد کسے کہ بازار حرصش نباشد بسے

(کیا ہی اچھا وقت اس شخص کا ہے کہ جس کے اندر زیادہ حرص دنیا موجود نہو)

بقدر ضرورت یسارے بود کند کارے ار مرد کارے بود

(بقدر ضرورت وسعت اور فراخی اسکو حاصل ہو اب اگر وہ طالب خدا ہو تو کچھ کام کر کے جائے یعنی اگر ضرورت کے لائق موجود ہو اور اس پر قناعت کرکے کام میں مشغول ہو جائے تو یہ بہت اچھا ہے۔ تو اس فرق کو دریافت کرنا اور لوگوں کے حالات اور طبائع کا اندازہ کرنا

کامل ہی کا کام ہے

(۸۳) مشیخت حقہ کی حقیقت

اور یہی شان مشیخت ہے ورنہ کسی بزرگ کے ملفوظات یاد کر لینے یا تصوف کے مسائل ازبر ہونے سے شیخ نہیں ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

حرف درویشاں بدزدد مرد دوں تا کہ پیش جاہلاں خواند فسوں

(بزرگوں کے الفاظ چراتا ہے کمینہ شخص تاکہ جاہلوں کے سامنے انکو مانند منتر کے استعمال کرے

باتوں کے یاد کر لینے سے کچھ نتیجہ نہیں اگر کسی شخص کو بہت سی مٹھائیوں کے نام یاد ہوں اور نصیب ایک بھی نہ ہو تو اسکو فقط اسماء سے کوئی فائدہ نہیں لیکن اگر نام ایک کا بھی یاد نہ ہو اور کھانے کو دونوں وقت ملتی ہوں تو سب کچھ حاصل ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

میم و واو و میم و نوں تشریف نیست لفظ مؤمن جز پے تعریف نیست

(میم واو اور میم اور نون (یعنی صرف لفظ مؤمن) کے اطلاق سے شرف نہیں ملاکرتا یہ تو محض ایک ظاہری شناخت کیلئے ہی (شرف اور کمال اوصاف میں ہے نہ نام میں)

کہ نام تو صرف پہچان کے لئے ہے ورنہ اس میں کیا رکھا ہے اصل تو معنی ہیں اور وہ اس سے بفراسخ دور ہیں۔ آج یہ حالت ہے کہ دو چار تعویذ گنڈے یاد کر لئے جھاڑ پھونک سیکھ لی اور شیخ وقت بن گئے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

اے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی تا راہ بیں نباشی و کے راہبر شوی

(اے بیخبر کوشش کرتا کہ ایکدن تو صاحب خبر ہو جائے۔ خود کیونکر جبتک راستہ دیکھے ہوئے نہ ہوگے رہبر کیسے ہو جاؤ گے)

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

(اور طریقہ اسکا یہ ہے کہ) مکتب حقیقت میں عشق کے معلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرو اور خوب کوشش کرو تاکہ تم خود فرع سے اصل ہو جاؤ)

تو پہلے پسر تو بن لیں اسکے بعد پدر بننے کی نوبت آئیگی۔ یہ تو پیروں کی حالت ہے مریدوں کی یہ حالت ہے کہ انھوں نے انتخاب کے معیار عجیب و غریب اختراع کر رکھے ہیں جس میں ذرا ہو حق پاتے ہیں اسکو بزرگ سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ محض گرمی طبع سے ہونے لگتا ہے۔

حکایت، ایک شخص شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت میرا قلب

جاری ہوگیا آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ دل کے دھڑکنے کو قلب کا جاری ہونا نہیں کہتے قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ ہر وقت خداوند تعالیٰ کی یاد دل پر حاضر رہے۔ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ کی بوٹیاں تھرکتی ہیں یہ بہت کامل ہیں اور جن لوگوں میں یہ بات نہیں ہوتی انکی نسبت کہتے ہیں کہ نیک بخت ہیں یعنی ان میں کمالات باطنی نہیں حالانکہ کمالات باطنی بالکل مخفی ہیں اور انکو بوٹیوں کے تھرکنے سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

(۸۴) کمالاتِ واقعیہ جو مدار مشیخت ہیں

وہ کمالات یہ ہیں کہ فن میں ماہر ہو، امت کے لئے حکیم ہو، شریعت کا پورا پابند ہو یہ باتیں نہ ہوں تو ہزار مجاہدہ و ریاضت ہو کچھ نہیں۔ جفاکش کہیں گے محنتی کہیں گے لیکن بزرگی سے کچھ علاقہ نہیں بہرحال عوام الناس اپنے اعمال میں بھی غلط معیار پر چلتے ہیں اور انتخاب بھی غلط معیار سے کرتے ہیں کہ انکی بدولت اکثر حقوق واجبہ بھی تلف اور ضائع ہو جاتے ہیں۔

حکایت: ایک سرحدی عابد کی نسبت سنا ہے کہ آخر شب میں تہجد ادا کرنے کے لئے مسجد میں آئے اتفاق سے اس روز مسجد میں کوئی مسافر بھی سو رہا تھا، آپ نے نماز شروع کی لیکن مسافر کے خراٹوں کے سبب سے نماز میں مرضی کے موافق یکسوئی اور اجتماع خیالات نہ ہوسکا آپ نے نماز توڑ دی اور مسافر کو خواب سے جگا دیا کہ ہماری نماز میں خلل پڑتا ہے اسکے بعد پھر آکر نیت باندھ لی مسافر چونکہ تکان سے بہت خستہ ہو رہا تھا تھوڑی دیر میں پھر سو گیا اور خراٹوں کی آواز پھر شروع ہوئی آپ نے پھر نماز توڑ کر اسکو بیدار کیا اور اسکے بعد نماز شروع کی تیسری بار پھر ایسا ہی ہوا تو آپ کو بہت غصہ آیا اور چھری لیکر اس غریب مسافر کو شہید کردیا اور پھر بفراغت نماز پڑھی۔ صبح کو نماز کیلئے لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو لاش کو دیکھا تعجب سے پوچھا کہ اس شخص کو کس نے قتل کیا تو عابد صاحب فرماتے ہیں کہ اس نے ہماری نماز میں خلل ڈالا اسلئے ہم نے قتل کردیا یہ تو بالکل کھلی حماقت تھی اس لئے لوگوں نے اس پر نفرین کی ہوگی لیکن آج اس سے بہت بڑی بڑی حماقتیں لوگ کرتے ہیں اور انکی طرف ذرا

التفات نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس سے غافل ہوتی ہیں

(۸۵) کیفیات و مواجید کمال مقصود نہیں

اور سبب اس غلطی کا یہ ہے کہ لوگ کیفیات کو مطلوب سمجھتے ہیں کہ اگر ہم خدا کے مقبول نہ ہوتے تو ہم پر یہ کیفیات کیوں طاری ہوتیں، حالانکہ یہ کفار پر بھی طاری ہوتی ہیں اسکی حقیقت ایک واقعہ سے سمجھ میں آجائیگی

حکایت: ایک سجادہ نشین نے مجلس عرس میں صاحب کلکٹر اور صاحب جج کو مدعو کیا وہ چونکہ خلیق تھے شریک ہو گئے آخر تن تن شروع ہوئی اور قوالوں نے گانا شروع کیا کچھ ایسا سماں بندھا کہ صاحب جج پر محویت کے آثار طاری ہونے لگے اور وہ بے اختیار ہو کر گرنے لگے تھوڑی دیر تو تحمل کیا جب نہ سنبھل سکے تو صاحب کلکٹر سے کہا کہ مجھکو کیا ہوا کہ میں گرا جاتا ہوں، صاحب کلکٹر نے کہا کہ میری بھی یہی حالت ہے آخر وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئے اور چلدیئے۔ تو صاحبو! کیا یہ صاحب کلکٹر اور صاحب جج بھی بزرگ تھے، معلوم ہوا کہ کیفیات کا مدار قبول اور بزرگی نہیں ہے وہ ایک انفعال ہے جو کہ ذکر و شغل اور دوسرے اسباب سے بھی پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح بعض اشغال سے ذکر میں یکسوئی بھی زیادہ ہوتی ہے اور خطرات کم ہونے لگتے ہیں کیونکہ ان اشغال سے رطوبات کم ہو جاتی ہیں تو یہ سب اسباب طبعیہ کے دخل سے ہوتی ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ کیفیات محض بیکار ہیں ہرگز نہیں لیکن مقصود یہ ہے کہ اس میں زیادہ دخل اسباب طبعیہ کو ہے۔

حکایت: ایک بزرگ کو دیکھا گیا کہ وہ اپنے بڑھاپے میں روتے تھے سبب پوچھا گیا تو کہنے لگے کہ جوانی میں لذت زیادہ ہوتی تھی میں سمجھتا تھا کہ یہ نسبت کا اثر ہے لیکن اب وہ حالت نہیں رہی معلوم ہوا کہ وہ سب جوانی کا نشاط تھا اب چونکہ وہ نہیں رہی اس لئے وہ کیفیت بھی نہیں رہی اور نسبت کی گرمی بڑھاپے میں جاکر اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے ؎

خود قوی تر می شود خمر کہن ۔۔۔ خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

(پرانی شراب یوں خود بھی بہت قوی اور تیز ہوتی ہو بالخصوص وہ شراب جو کہ من لدن ہو یعنی خداوندی عطیہ ہو)

دوسرے بزرگ فرماتے ہیں ؎

ہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

(اگرمیں بڈھا ضعیف اور ناتواں ہوگیا ہوں لیکن اب بھی یہ حال ہے کہ جب بھی تیرے چہرے پر نظر کرلیتا ہوں جواں ہوجاتا ہوں)

غرض یہ نفسانی کیفیات نہ محمود ہیں نہ مذموم ہیں البتہ اگر یہ آلہ مقصود کا بن جائیں تو پھر محمود ہوجاتی ہیں ورنہ ہیچ ہیں مثلاً بعض کیفیات یہودیوں کو چھوڑ کر بھی باقی رہتی ہیں اور اسلئے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم مقبول اور خاصان خدا میں ہیں لیکن یاد رکھو کہ وہ مذموم ہیں اور یہ عقیدہ یہودیوں کا تھا کہ مخالفت احکام پر بھی دعویٰ مقبولیت کا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ یعنی ہم مثل بیٹے کے ہیں کہ جس طرح باپ اپنے بیٹے کو ہر حال میں چاہتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ ہم کو ہر حال میں چاہتے ہیں خدا تعالیٰ ان کے اس خیال کا رد فرماتے ہیں کہ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ تو اس امت میں بھی بعض لوگ اس خیال کے موجود ہیں مگر سمجھ لینا کہ قیامت میں ایسے لوگوں کی گردن ناپی جائیگی ان اعمال کی وہاں کچھ بھی قدر نہ ہوگی کیونکہ مقصود عبادات ہیں مجاہدات و ریاضات مقصود نہیں

(۸۶) مجاہدات و ریاضات کی مصلحت

لیکن چونکہ ہم لوگوں کو عبادات میں وہ خلوص مطلوب پیدا نہیں ہوتا اسی لئے یہ مجاہدات کئے جاتے ہیں کہ ہماری نمازوں میں اور نیز دوسری عبادات میں صحابہؓ کی عبادات کی شان پیدا ہوجائے پس یہ ریاضات مقصود بالغیر ہوئے۔

حکایت ۔ لکھا ہے کہ حضرت جنیدؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ حضرت وہ تصوف کے نکات جو زندگی میں بیان ہوتے تھے یہاں بھی کچھ کام آئے فرمایا کہ سب نثار ہوگئے ہاں کچھ نماز آخر شب میں پڑھ لیتا تھا وہ البتہ کام آئی ما نفعنا الا رکیعات فی جوف اللیل لوگ خدا جانے ان کیفیات کو کیا کچھ سمجھے ہوئے ہیں ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(میاں صاحب سمجھتے ہیں کہ نیکیوں کا ایک ذخیرہ اپنے پاس موجود ہے حالانکہ وہ ذخیرہ عجب و پندار کا ہے اور کچھ نہیں)

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

شمارہ ۷ جولائی ۱۹۸۰ء جلد ۳

وصیۃ العرفان

حاملِ مضامین تصوف و احسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ ششماہی		چندہ سالانہ
لعہ ۹		عہ ۱۸
نو روپئے		اٹھارہ روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ
مدیر: عبد المجید عفی عنہ

فی پرچہ ... ایک [illegible]

شمارہ	رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۱ھ مطابق جولائی سنہ ۱۹۸۱ء	جلد ۳

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر نیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۔ ۹۔ ۱۷۔ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

بروقت یاد آگیا کہ یہ رسالہ رمضان شریف کے بالکل اوائل ہی میں آپ حضرات کی خدمت میں انشاء اللہ تعالیٰ پہونچ رہا ہے (ظاہر یہی ہے ویسے حقیقت حال خدا ہی کے علم میں ہے کیونکہ گذشتہ شمارہ ۱۱ر جون کو ڈاکخانہ میں بھیجا جا چکا تھا لیکن وہاں ہی کے کسی عذر سے ۲۰ر کو روانہ ہوا) ہمارے حضرت مصلح الامتؒ ہر سال شہر رمضان کے شروع ہی میں چند ایام مسلسل یہی تقریر فرماتے تھے جو اس بار رسالہ میں ہدیہ ناظرین ہے گو یہ مضمون رسالہ میں پہلے بھی الصوم الحقیقی اور پھر اسکی تلخیص حقوق رمضان کے نام سے یوں دو مرتبہ طبع ہو چکا ہے لیکن احباب کا اصرار ہوا کہ حضرت اقدسؒ کے اسی مضمون کو پھر سہ بارہ جدید ترتیب کے ساتھ شائع کر دیا جائے۔ وقتی مسئلہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو اس سے نفع پہونچے گا اور حضرتؒ کا انداز بیان چونکہ نہایت دلآویز ہوتا ہے اسلئے اس میں کشش زیادہ ہے پیش نظر مضمون میں اسکی حفاظت کی پوری سعی کی گئی ہے۔ نیز مضمون کو یکجا باقی رکھنے کیلئے سارا مضمون ایک ہی قسط میں شائع کیا گیا جسکی وجہ سے مکتوبات اصلاحی اس دفعہ حذف کرنا پڑا۔ بہرحال اس ترتیب جدید کے بعد یہ انشاء اللہ ایک مستقل چیز ہو جائیگی جو ناظرین کے ہمیشہ کام آئیگی اللہ تعالیٰ اسکا نفع عام و تام فرما دے اور مرتب کو اجر خاص سے نوازے اور ناظرین کو نیز خود احقر کو اس ماہ مبارک کی برکات خصوصی سے فیضیاب فرمائے۔ آمین

الحمد للہ مدرسہ وصیۃ العلوم۔ الہ آباد کا یہ تعلیمی سال بخیر و خوبی انجام کو پہونچا۔ چار طلبہ نے حفظ قرآن میں فراغت حاصل کی۔ چھ طلباء عربی کے درجۂ اخیر میں تھے، جلالین اور ہدایہ ختم کرکے یہاں سے فارغ ہوگئے اللہ تعالیٰ ان کے علوم کی تکمیل فرما کر ان کو اپنے دین کے کام کے لئے منتخب فرما لے۔ آمین طلبۂ امدادی کی تعداد بھی امسال پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی اور مدرسین کی تعداد بھی وہی گیارہ رہی جو سال گذشتہ تھی۔

آج عام طور سے دینی مدارس کا دینی حال ابتر ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ناظرین کرام سے خصوصی درخواست ہے کہ اس ماہ مبارک میں مدارس دینیہ اور دین متین کی خدمت کرنے والوں کے لئے خاص طور سے دل سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب انکو اپنی اس مخصوص خدمت میں لگایا ہے تو اسکا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ناشکری سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔ والسلام

(ادارہ)

برکاتِ صوم

تمہید فرمایا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مأتہ شہید قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے من تمسک کا ترجمہ ہرکہ لازم گیرد سے کیا ہے اور عند فساد امتی کا ترجمہ درزمانہ غلبۂ کفر ومعاصی۔ مطلب یہ کہ جو شخص میری سنت کو محکم پکڑے گا کفر ومعاصی کے غلبہ کے زمانہ میں اسکو سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا اور صاحب مرقاۃ نے عند فساد امتی کی شرح عند غلبۃ البدعۃ والجہل والفسق سے فرمائی ہے ان دونوں بزرگوں نے جو کچھ فرمایا صحیح فرمایا۔ لیکن میں کہتا ہوں فساد کی شرح اگر حب دنیا اور عدم حب آخرت، غلبۂ نفس اور غلبۂ ہوا و ہوس سے کیجائے تو بات زیادہ واضح ہوجائے اسلئے کہ ہم اس زمانہ میں انھیں چیزوں کا دور دورہ دیکھ رہے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ آج زمانہ میں جہل بھی موجود ہے اور ایسا جہل کہ آدمی ایک کام کو کرتا بھی ہے مگر اسکے آداب و شرائط سے قطعی ناواقف ہوتا ہے جسکی وجہ سے اعمالِ خیر کرنے کے باوجود اسکی برکتوں سے وہ محروم ہوتا ہے، اور فسق بھی موجود ہے اور ترکِ سنت بھی موجود ہے اسی کا دوسرا نام بدعت ہے۔ بس ان امور کی موجودگی کو دیکھکر کچھ شبہ نہیں رہ جاتا کہ یہی وہ زمانۂ فساد ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترغیب دے رہے ہیں کہ ایسے وقت میں تمسک بالسنۃ اجر کثیر کا موجب ہے۔

لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ آخر یہ بدعت یا جہل یا فسق کا جو شیوع ہوگیا ہے تو اسکا منشا کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اسکا منشا حب دنیا اور عدم خوف آخرت اور غلبۂ نفس ہی تو ہے۔ اسی کا اثر ارتکاب معصیت بھی ہے اور اسی کا ایک اثر احکام شریعت سے غفلت بھی ہے۔ اسی کو میں نے کہا ہے کہ آج لوگوں کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ جس کام کو نہیں کرتے اسکی حدود و شرائط سے تو کیا واقف ہوتے جن امور کو انجام دیتے ہیں اسکی بھی نہ حقیقت سے واقف ہوتے ہیں نہ شرائط سے اسلئے ایک کام کو کرتے ہیں، مشقت اٹھاتے ہیں اور اپنا

دانست میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہوگئے لیکن آخرت میں چل کر معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ مقبول نہیں ہوا۔ منجملہ ان اعمال کے جن کو ادا کرنے کے باوجود اس میں حدود و شرائط کا لوگ لحاظ نہیں کرتے ایک عمل روزہ بھی ہے۔ جو لوگ روزہ رکھتے ہی نہیں وہ تو اسلئے کہ نفس اور جہالت کے سبب، وہ اسکی اہمیت اور فضیلت ہی سے ناواقف ہیں، مگر جو لوگ کہ روزہ رکھتے ہیں انہیں بھی بہت سے ایسے ہیں کہ جن کے متعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ انکے ہاتھ اپنے روزہ سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ نہیں لگتا۔ یہ بہت برا حال ہے اور اسمیں شک نہیں کہ خسران عظیم کا سبب ہے اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔ اس وقت اسی کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ غور سے سنیئے:۔

فضائل حضرت سلمان فارسیؓ روایت کرتے ہیں کہ شعبان کی آخری تاریخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ دیا اس میں یہ فرمایا کہ اسے لوگو! تم پر ایک مبارک مہینہ سایہ فگن ہوا ہے وہ ایسا مہینہ ہے کہ اس میں ایک رات ایسی ہے جو کہ ہزار راتوں سے بڑھکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزوں کو فرض کیا ہے اور اسکے قیام کو نفل قرار دیا ہے۔ جو شخص کہ اس مہینہ میں کوئی بھی نفل کام کرے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اسکے غیر میں فرض کا ادا کرتا اور جو شخص اس میں کوئی فرض ادا کرے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اسکے غیر میں اس سے ستر فرض ادا کئے ہوں۔ اور فرمایا کہ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا صلہ جنت ہے۔ اور یہ مواساۃ (غمخواری اور جود و سخا) کا مہینہ ہے اور ایسا مہینہ ہے کہ جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ اور جو شخص اس ماہ میں کسیکو افطار کرائے تو یہ اسکے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنے گا اور ایسا ہوگا کہ گویا اس نے جہنم سے ایک رقبہ کو آزاد کیا اور اسکو اس روزہ دار کے ثواب کے برابر ثواب بھی ملیگا بغیر اسکے کہ اسکے اجر میں کچھ کمی ہو۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے بہت سے لوگ تو ایسے نادار ہیں کہ کسی روزہ دار کو افطار کرانے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اسے بھی عطا فرمائے گا جو کسی روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ

یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی ہی سے افطار کرا دے۔ باقی جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کھانا کھلا دے تو اللہ تعالیٰ اسکو میرے حوض سے ایسا پانی پلائیں گے کہ پھر وہ دخول جنت تک پیاسا نہ ہوگا اور فرمایا کہ یہ ایسا مہینہ ہے کہ جسکا اول رحمت ہے اور وسط اسکا مغفرت ہے اور آخر اسکا دوزخ سے رہائی ہے اور جو شخص اس ماہ میں اپنے غلام سے کام لینے میں تخفیف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسکی مغفرت فرما دیں گے اور اسکو دوزخ سے رہائی دینگے

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت رمضان کیلئے شروع سال سے سجائی جاتی ہے، چنانچہ جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے جنت کے پتوں سے گذر کر اور حور عین پر گذرتی ہے وہ کہتی ہیں کہ اے ہمارے رب اپنے بندوں میں سے ہمارے لئے ازواج بنا دیجئے، جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہم سے انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ چنانچہ ہم کو یہ ہوا اور حوروں کی یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ملی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک کا نام باب الریان ہے اس میں بجز روزہ داروں کے اور کوئی داخل نہیں ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کا روزہ ایمان کے ساتھ اور ثواب حاصل کرنے کے لئے رکھا تو اسکے پچھلے گناہ سب معاف کر دیئے جائیں گے اور جس شخص نے رمضان میں قیام کیا (تراویح اور نوافل پڑھیں) ایمان کے ساتھ اور ثواب حاصل کرنے کیلئے تو اسکے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اسی طرح جو شخص لیلۃ القدر میں ایماناً اور احتساباً کھڑا ہوا اسکے گذشتہ گناہ سب معاف کر دیئے جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کی آخری شب میں اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے صائمین کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا وہ لیلۃ القدر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں مگر بات یہ ہے کہ مزدور کی مزدوری کام ختم ہو جانے پر دی جایا کرتی ہے

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو یہ ماہ مبارک ہمارے پاس آیا ہے اس میں ایک رات ہے جو ہزار راتوں سے بڑھکر ہے جو اس سے محروم رہا وہ ہر قسم کے خیر سے محروم رہا اور اس کے خیر سے نہیں محروم رہا کرتا مگر وہی شخص جو بے نصیب اور عبادت سے بے ذوق ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صیام اور قرآن دونوں بندے کی شفاعت کریں گے چنانچہ روزہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار میں نے دن میں اسے کھانے پینے اور شہوات سے روک رکھا تھا لہٰذا اسکے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیے۔ اور قرآن کہے گا کہ میں نے اسکو رات میں سونے سے روک رکھا تھا لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرمائیے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قال اللہ تعالیٰ احب عبادی الی اعجلہ فطراً یعنی حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندوں میں سے سب سے زیادہ محبوب میرے نزدیک وہ لوگ ہیں جو افطار میں جلدی کرتے ہیں (یعنی وقت آجانے کے بعد پھر تاخیر نہیں کرتے)

اسی طرح سے ایک دوسری حدیث میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا لایزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر یعنی لوگ ہمیشہ خیر پر رہیں گے جب تک کہ افطار میں جلدی اور تعجیل کرتے رہیں گے یعنی جب تک اس ہیئت پر قائم رہیں گے شر و فساد سے مامون رہیں گے علامہ تورپشتی نے لکھا کہ یہ اسلئے کہ تعجیل فطر میں اہل کتاب کی مخالفت ہے اسلئے کہ وہ لوگ غروب ستارے کھیل جانے تک انتظار کرتے ہیں چنانچہ ہماری ملت کے اہل بدعت (اہل رفض وغیرہ) کی یہی عادت ہوگئی ہے (جو سنت کے قطعی خلاف ہے) اور یہ تعجیل محبوب اسلئے ہے کہ اس میں بندہ کی عاجزی کا اظہار ہے جو کہ عبودیت کے مناسب ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے رخصت اور اجازت پاکر اسکی نعمتوں کی جانب مبادرت ہے آگے علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے کہ متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی صراط مستقیم ہے۔ جو شخص اس سے کج ہوا تو اس نے گویا گمراہی کی کجی اختیار کی اگرچہ وہ

عبادت ہی میں کیوں نہو۔

حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں سحری کھانے کیلئے یہ فرماتے ہوئے بلایا ھلم الی الغذاء المبارک یعنی آؤ جی مبارک کھانا کھاؤ۔ دیکھئے اسمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری کو مبارک کھانا فرمایا۔

نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ تسحروا فان فی السحور برکۃ یعنی لوگو! سحری کھایا کرو اسلئے کہ اس میں برکت ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ مراد برکت سے اگلے دن کے روزہ پر قوت کا حاصل کرنا ہے اسلئے کہ دوسری روایت میں آپ نے فرمایا ہے استعینوا بمقایلۃ النھار علی قیام اللیل وبا کل السحور علی صیام النھار یعنی تقویت حاصل کرو دن کے قیلولے سے رات کے قیام پر اور رات کی سحری سے دن کے صیام پر یا مراد برکت سے زیادتی ثواب ہے اس لئے کہ اس نے مرسلین کا طریقہ اختیار کیا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزہ کے درمیان جو چیز فارق ہے وہ یہی سحری کا کھانا ہے (کہ ہم سحری کھاتے ہیں اور وہ لوگ نہیں کھاتے)

حدیث شریف میں آتا ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افطر قال اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت یعنی اے اللہ میں نے آپ کے سلئے روزہ رکھا اور آپ ہی کے دیئے ہوئے رزق پر افطار کیا۔ اس کے تحت صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ میں روایت ہے ان للصائم عند فطرہ دعوۃ لاترد یعنی روزہ دار کے لئے اسکے افطار کے وقت ایک ایسی دعا ہوتی ہے جو رد نہیں کیجاتی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت یہ دعا مانگا کرتے تھے یَا وَاسِعَ الْفَضْلِ اِغْفِرْلِیْ یعنی اے وسیع فضل والے میری مغفرت فرما۔ نیز بوقت افطار آپ سے یہ دعا بھی ثابت ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعَانَنِیْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِیْ فَاَفْطَرْتُ یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میری اعانت کی تو میں نے روزہ رکھا اور اسی نے مجھکو رزق دیا تو میں نے افطار کیا۔

دیکھا آپ نے یہ دعائیں تو آپ نے مانگی تو کیا سنی بھی نہ ہونگی اسی سنت پر عمل کیجئے اور ایک دعار تو افطار کے وقت مانگ لیجئے۔ فرماتے ہیں کہ دعار اسوقت رد نہیں ہوتی، اور رد اس لئے نہیں ہوتی کہ اس نے روزہ رکھا تو جب روزہ قبول ہوا تو دعار بھی قبول فرما لیتے ہیں۔ پس ایک تو دعار عبادت، دوسرے عبادت کے اندر اس کو شامل کیا اسلئے وہ بھی مقبول اور روزہ چونکہ افطار کے وقت ختم ہو جاتا ہے اسلئے اسی وقت دعار کی تاکہ اسکا جب یہ عمل صالح اوپر جائے تو ساتھ ساتھ دعار بھی جائے انبیار علیہم السلام چونکہ عارف کامل ہوتے ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ کے شیون سے پورے واقف ہوتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کے ختم پر یہ دعار اسلئے فرمائی کہ یہ عبادت یعنی روزہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے تو انکی محبوب شئے کے ساتھ اپنی اس حاجت کو بھی پیش کردیا کہ انکی ذات کریم ہے اور وہ یہ نہیں کریں گے کہ جو ان سے متعلق ہے اسکو تو لے لیں اور دعار کو رد کردیں جو بندہ سے متعلق ہے۔ اسلئے روزہ کے ساتھ ساتھ دعار بھی لے لی جاتی ہے۔ اسی واسطے آپ نے اسوقت دعا مانگ کے امت کو یہ تعلیم فرمائی ہے کہ کریم سے مانگنے کا سلیقہ اور طریقہ بھی سیکھنا چاہیئے کیونکہ آدمی جب طریقہ سے مانگتا ہے تو کامیاب ہو جاتا ہے

اسی لئے کہتا ہوں کہ سنت کا علم حاصل کرو کیونکہ عمل بدون علم کے ہو نہیں سکتا اور بدون سنت کے جانے ہوئے اور طریق سنت پر چلے ہوئے راستہ بہت دشوار ہو جائیگا اور بہت محنت اٹھانے اور مجاہدہ کرنے کے بعد بھی جہاں کے تہاں ہی رہو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا راستہ سنت پر منحصر ہے ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا　　تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید
درین بحر جز مرد داعی نرفت　　گم آں شد کہ دنبال داعی نرفت

(یعنی سعدی یہ نہ سمجھنا کہ راہ صفا یعنی خدا کا راستہ بدون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلے طے کیا جا سکتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ کے خلاف جو شخص راستہ اختیار کرے گا

کبھی بھی اسکی رسائی منزل مقصود تک نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اس بحر ناپیدا کنار میں سوا آپ کے اور کوئی چل نہیں سکا۔ لہٰذا جو بھیڑ کہ راعی کے پیچھے پیچھے نہیں چلے گی راستہ گم کر دے گی)

اور سنئے روزہ کی فضیلت میں حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ہر انسان کی نیکیوں کا ثواب ایک کا دس اور دس کا سات سو تک ملا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ اس سے مستثنیٰ ہے اسلئے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اسکا بدلہ دونگا کیونکہ بندہ اپنی شہوت کو اپنے کھانے پینے کو میری ہی خاطر چھوڑتا ہے۔

اور فرمایا کہ روزہ دار کیلئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی تو اسکو افطار کے وقت ہوتی ہے اور دوسری خوشی اسوقت ہوگی جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا۔

اور فرمایا کہ روزہ دار کے منھ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بڑھکر ہے۔ اور فرمایا کہ روزہ ڈھال ہے۔ اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص روزہ سے ہو تو بیحیائی کی باتیں نہ کرے، نہ شور وشغب مچائے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس سے گالی گلوچ کرنے پر یا لڑنے پر اتر آئے تو یہ کہدے کہ میرا روزہ ہے (اور وہاں سے ہٹ جائے)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ روزہ کتنی عظیم الشان عبادت ہے میں کہتا ہوں کہ عبادات میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے لیکن اسکا بھی یہ حال ہے کہ وہ پیشاب پاخانہ اور سونے سے ختم ہو جاتی ہے مگر روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے کہ آپ جاگ رہے ہوں تو روزہ دار سو رہے ہوں تو روزہ موجود پیشاب پاخانہ جائیں تو روزہ آپ کے ساتھ ساتھ۔ غرض کسی حال میں یہ آپ سے جدا نہیں ہوتا اور یہ اسی کی خصوصیت ہے اس شان کی کوئی دوسری عبادت نہیں اور ایک بڑی خصوصیت اس عبادت کی آپ نے یہ ملاحظہ فرمائی کہ اللہ تعالےٰ نے اسکو اور عبادتوں سے مستثنیٰ کر کے یہ فرمایا کہ الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ مطلب یہ کہ اور دوسری طاعات کا بدلہ تو فرشتوں کے ذریعہ دلوایا جائے گا مگر روزہ کا بدلہ حق تعالیٰ خود بہ نفس نفیس عطا فرمائیں گے۔

ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ مجلس میں اسی حدیث پر ایک تقریر فرما رہے تھے

بیان کرتے کرتے اچانک رک گئے اور مجلس سے اٹھکر کتب خانہ میں تشریف لے گئے اور حدیث کی کوئی کتاب نکالکر اسی مقام کو دیکھا پھر آکر حاضرین سے فرمایا کہ مجھے بیان کرتے کرتے یہاں ایک کھٹک پیدا ہوگئی تھی وہ یہ کہ اول حدیث اور آخر حدیث کے مضمون میں کچھ ربط سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیونکہ ابتدائے حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرما رہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ ہر آدمی کا عمل دس گنے سے لیکر سات سو گنے تک زیادہ ہوتا ہے، پھر اسی کے بعد ہے کہ قال اللہ تعالیٰ الا الصوم فانہ لی الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث قدسی ہے تو شبہ یہ ہوا کہ اگر یہ حدیث قدسی ہے تو شروع ہی میں قال اللہ تعالیٰ ہونا چاہئے تھا اور اگر نہیں تو درمیان میں قال اللہ تعالیٰ کیسا اسی کو کتاب میں دیکھا تو یہ نکلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا ہی قول ارشاد فرمانا شروع کیا، چنانچہ ثواب عمل کا قانون بیان فرماتے ہوئے ایک کلیہ ارشاد فرمایا کہ نیکی کا ثواب دس گنے سے لیکر سات سو گنے تک ملا کرتا ہے یہ کلیہ سب عبادات کے لئے عام تھا کہ اسی اثناء میں آپ پر وحی آگئی اور اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اس سے مستثنیٰ فرماتے ہوئے فرمایا کہ الا الصوم الخ یعنی بجز روزے کے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی روزہ دار کو جو ثواب اور جتنا ثواب دینا چاہونگا دونگا (چونکہ یہ حق تعالیٰ کا ارشاد تھا اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قبل قال اللہ تعالیٰ فرمادیا تاکہ حدیث نبوی اور حدیث قدسی میں خلط نہ واقع ہو)۔ واقعی نہایت عمدہ توجیہ ہے اور اب اسکے بعد حدیث کا مفہوم بالکل واضح ہوگیا اور یہ حدیث نہایت عمدہ ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے روزہ دار بندوں سے جو تعلق ہے اور انکی اس عبادت کی اللہ تعالیٰ کے یہاں جو قدر و منزلت ہے وہ اس حدیث کے مضمون سے خوب ظاہر ہے۔

اسی حدیث کو قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے مالابدمنہ میں نقل کیا ہے اسکے تحت محشی مالابدکے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ لفظ "اجزی" روایت میں معروف و مجہول دونوں طرح آیا ہے چنانچہ مصنف نے بروایت مجہول ہی ترجمہ فرمایا ہے یعنی "اَنَا اُجْزیٰ بِہٖ" یعنی یعنی من خود جزائے روزہ ہستم یعنی اس کے روزہ کی جزا میں خود ہوں۔ مطلب یہ کہ اسکے

روزہ کی جزا آخرت میں میرا دیدار اور دنیا میں میری معرفت ہے۔ آگے محشی لکھتے ہیں کہ
بیہقی کی روایت میں ہے کہ کسی شخص نے سفیان ابن عیینہؒ سے اس حدیث قدسی کے معنی
دریافت کئے انھوں نے فرمایا کہ یہ حدیث نہایت ہی صحیح اور مستند ہے اور مطلب یہ ہے کہ
قیامت میں جب لوگوں کے اور ان کے خصوم کے مابین فیصلہ کیا جائیگا تو اگر کسی کے ذمہ کچھ
حقوق العباد ہونگے تو انکے بدلہ میں اسکی نیکیاں اہل حقوق کو دیدی جائیں گی یہاں تک کہ
اسکا کوئی نیک عمل باقی نہیں رہیگا مگر جب نوبت روزہ کی آئیگی تو حق تعالیٰ اسکے حقوق کو
روزہ کے عوض نہ دیں گے اور یہ فرمائیں گے کہ اسے چھوڑو کیونکہ یہ تو خالص میرے لئے ہے اور اس
روزہ دار کے دوسرے بقیہ مظالم کو خود رکھ لیں گے اور اہل حقوق کو اپنے پاس سے ثواب دیکر
راضی فرمادیں گے۔ پس روزہ صاحب روزہ کے ہمراہ ہو کر اسکو جنت میں کھینچ لے جائے گا (کذافی
فتح العزیز)

اور بعض علماء نے تخصیص صوم کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اور جملہ اعمال خیر یعنی
نماز، تلاوت، ذکر، اعتکاف، حج اور جہاد یہ سب اپنی ایک ظاہری اور محسوس صورت رکھتے
ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص محض ریاکاری کے طور پر انکی صورت اختیار کرے یعنی انکو عمل میں
لے آئے تو وہ ایسا کر سکتا ہے بخلاف روزہ کے کہ اسکی کوئی مخصوص صورت ہی نہیں کہ مخلوق
اس پر مطلع ہو سکے سوائے اسکے کہ روزہ دار خود ہی اپنی زبان سے کہے کہ میں روزہ سے ہوں
بلکہ اس کہنے میں بھی وہ متہم ہو سکتا ہے کہ شاید یہ جھوٹ کہہ رہا ہو یا بطور شیخی کے کہہ رہا ہو، پس
اس عمل میں ریاکاری کا گذر نہیں ہے یعنی مخلوق کو اسکے ذریعہ دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ اور
اگر کوئی کہے کہ روزہ پر اللہ تعالےٰ کے علاوہ کراماً کاتبین تو مطلع ہو جاتے ہیں تو میں کہوں گا
کہ کراماً کاتبین کو اطلاع اس امر کی تو ہو سکتی ہے کہ اس نے کھایا نہیں پیا نہیں اور کوئی بعض
صوم نہیں لایا لیکن روزہ بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتا اور نیت کی انھیں خبر نہیں ۔ میں کہتا ہوں
کہ یہ جو فرمایا کہ نیت کی اطلاع کراماً کاتبین کو بھی نہیں ہوتی اسی مضمون کو کسی نے یوں ادا
کیا ہے ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست   کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

یعنی عاشق و معشوق کے درمیان ایک ایسا رمز ہوتا ہے کہ کراماً کاتبین کو بھی اسکی خبر نہیں ہوتی
سبحان اللہ کیسی حدیث ہے حق تعالیٰ کے کرم و عنایات اور الطاف بے غایات کو ظاہر کرنیوالی۔ گندے بندے کی یہ عبادت یعنی روزہ انکے دربار میں اتنی وقیع ہے اور ذات مقدس کو اتنی پسند ہے کہ اسے بندے کے اعمال میں سے الگ نکال لیتے ہیں اور اسکی قدر افزائی کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ میرے لئے خاص ہے اور میں خود اسکا بدلہ دونگا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ والوں پر اس مژدہ کو سنکر کیا گذر جاتی ہوگی یہ حضرات اس موقع پر یہی کہتے ہیں۔ ع۔ بریں مژدہ گرجاں فشانم رواست۔ یعنی اس خوش خبری پر اگر جان بھی نثار کردوں تو روا ہے۔

آپ کو جب یہ حدیث ہی نہ معلوم ہوگی تو آپ روزہ کی کیا قدر کریں گے اسی لئے کہتا ہوں کہ عمل کے لئے پہلے علم کی ضرورت ہے۔ علم سے اعتقاد درست ہوتا ہے رغبت اور شوق پیدا ہوتا ہے کسی چیز کی عظمت اور اسکا درجہ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ علمائے مصلحین امت اصلاح اسی طرح سے کرتے ہیں کہ پہلے انکو علم سے واقف کراتے ہیں اب شریعت چونکہ خدا کی ہے اللہ تعالیٰ نے خود اسمیں حسن رکھا ہے اور کشش پیدا فرمائی ہے اگر عالم دین صرف خدا اور رسول کی بتلائی ہوئی باتیں سیدھے سادے طریقہ پر لوگوں کے سامنے پیش کردیں تو شریعت سے لوگوں کو محبت پیدا ہوجائے۔ چنانچہ سنیئے کہ:-

فرضیت صوم کی اصل غرض حصول تقویٰ ہے

مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث آئی ہے

من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ و شرابہ۔ یعنی روزہ رکھکر جو شخص قول زور[1] اور عمل زور کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اسکے صرف کھانے اور پانی کے چھوڑ دینے کی کچھ حاجت نہیں[2] کیونکہ کھانے پینے سے وہ منزہ ہے لہٰذا اسکے ترک سے یہ تو ہے نہیں کہ اللہ کو کچھ فائدہ یا اسکی حاجت روائی ہوتی ہو اسلئے اسپر نظر قبول نہیں کیونکہ جو چیز مقصود سے خالی ہے وہ لغو ہی ہے۔

صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ قول زور سے مراد قول باطل ہے یعنی جس کے ارتکاب

یہی گناہ ہو اب خواہ وہ کذب بیانی ہو یا کفر کا قول ہو۔ شہادت زور ہو یا افتراء و بہتان ہو یا غیبت و شکایت ہو یا قذف یعنی تہمت زنا ہو یا سب و شتم اور لعن طعن ہو یہ سب چیزیں اسمیں داخل ہیں اور عمل زور سے مراد فواحش اعمال ہیں اور انکو زور اسلئے کہا کہ ان میں گناہ ہوتا ہے جطرح سے کہ زور اور کذب میں گناہ ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ زور اگرچہ اصالۃً قول کی صفت ہے مگر چونکہ جارحۂ لسان کا یا ایک عمل بھی ہے اسلئے بطور عطف تفسیری قول زور کی شرح "والعمل بہ" سے فرما دی۔

اور اس حدیث میں تو قول زور ہی کا تذکرہ ہے لیکن ایک دوسری حدیث میں یہ فرمایا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جو کہ روزہ اور وضو دونوں کے لئے ناقض ہیں وہ یہ ہیں۔ جھوٹ بولنا۔ غیبت کرنا۔ چغلی کھانا۔ بدنظری اور جھوٹی قسم کھانا۔ پھر ان معاصی میں سے بعض سخت ہیں چنانچہ غیبت کے متعلق خاص کر جب کہ روزہ میں کیجائے حدیث شریف میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ افطر من ظل یاکل لحوم الناس۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔ واسحاق بن راھویہ وزاد اذا غتاب الرجل افطر (فتح القدیر) یعنی جو شخص لوگوں کی غیبت کیا کرتا ہے اس نے اپنا روزہ توڑ دیا اور افطار کر دیا اس شخص نے جس نے غیبت کی۔

اسی طرح سے ہدایہ میں حاشیہ پر محشی نے ایک اور حدیث نقل کی ہے جسکا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے پاس سے گذرے کہ ان میں ایک دوسرے کے پچھنے (سینگی) لگا رہا تھا ان میں سے ایک نے کسی کی غیبت کی اسکو دوسرے شخص نے سنا اور اس پر نکیر نہیں کی اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ افطر الحاجم والمحجوم یعنی حاجم اور محجوم دونوں نے اپنا روزہ افطار کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (راوی حدیث) فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ یہ افطار حجامت کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ غیبت کرنے اور سننے کی وجہ سے ہوا۔

دیکھئے! اس حدیث سے روزہ دار کے لئے غیبت کرنے اور غیبت سننے کی کیسی شناعت معلوم ہوتی ہے کہ اسکی وجہ سے روزہ ہی جاتا رہتا ہے ظاہر ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہی ہوگا کیونکہ ایک حکم دینی کو

صحابہ محض اپنی رائے سے نہیں بیان کر سکتے تھے

افطر الحاجم والمحجوم کا یہ مطلب اسکے مشہور معنی کے خلاف ہے کیونکہ مشہور تاویل تو اس حدیث کی یہی ہے کہ حاجم (سینگی لگانے والے) کا روزہ افطار ہونے کے قریب ہوگیا اسلئے کہ وہ خون چوستا ہے جس میں امن نہیں کہ اسکا کچھ حصہ اسکے حلق میں بھی نہ چلا جائے ۔ اسی طرح سے محجوم (سینگی لگوانے والا) کا روزہ بھی افطار ہونے کے قریب ہو جاتا ہے کیونکہ عجب نہیں کہ خون زیادہ نکل جانے کے سبب اسکو ایسا ضعف لاحق ہو جائے جس کے ازالہ کیلئے اسے دوا استعمال کرنی پڑ جائے اور اسکا روزہ ختم ہو جائے ۔

خیر یہ بحث تو ضمناً آگئی تھی بیان یہ کر رہا تھا کہ روزہ میں اور معصیت میں منافات ہے روزہ کے ساتھ وہ جمع نہیں ہو سکتے احادیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے ۔ چنانچہ صاحب مرقاۃ نے اس شخص کے روزہ کی (جو معاصی مذکورہ کا مرتکب ہو) عدم قبولیت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ کھانا پینا یہ دونوں چیزیں فی الجملہ مباح ہیں پس انھیں ترک کرکے اور ایسی چیز کا ارتکاب کرکے جو اپنی ذات کی رو سے حرام ہیں یہ شخص غضب الہٰی کا مستحق ہوا اور لائق ہے کہ اس کی طاعت کو اسکے منہ پر مار دیا جائے کیونکہ روزہ دار سے مطلوب مطلقاً معاصی کا ترک تھا نہ یہ کہ بعض کو اختیار کرے اور بعض کو ترک کرے ۔

جامع صغیر میں ہے کہ پانچ خصلتیں ایسی ہیں جنکی وجہ سے روزہ افطار ہو جاتا ہے کبر و غیبت ، نمیمہ ، نظر بشہوت اور یمین کاذبہ آپ سمجھتے ہونگے کہ ہم نے تو یہ سب باتیں نہیں سنیں تو اسکے متعلق کہتا ہوں کہ کہاں سنتے ؟ کچہری یا بازار میں مطلب میرا یہ ہے کہ جب تم سننے کی جگہوں پر جاؤگے اور کوئی تمھیں سنائیگا تبھی تو سنوگے ۔ اچھا تو سنو !

آگے صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ قاضی فرماتے ہیں کہ مقصود صوم سے کسر شہوت ہے اور یہ کہ نفس امارہ نفس مطمئنہ بن جائے تو جب ارتکاب معصیت کے سبب صوم سے یہ بات نہ حاصل ہو سکی تو اللہ تعالیٰ کو اسکے صوم کی کچھ پرواہ نہیں اور اسکی طرف نظر عنایت سے نہ دیکھیں گے ۔ اسلئے کہ کسقدر نادانی اور حماقت کی بات ہے کہ جو چیز غیر ایام صوم میں مباح تھی یعنی کھانا پینا وہ تو اس نے ترک کیا اور جو چیز کہ ہر زمانہ میں حرام تھی یعنی غیبت وغیرہ

اسکا مرتکب ہوا۔

آگے صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ حاکم کی ایک حدیث میں ہے کہ لیس الصیام من الاکل والشرب فقط انما الصیام من اللغو والرفث یعنی روزہ صرف کھانا اور پانی ہی چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے بلکہ روزہ لغو اور بیحیائی کی باتوں کے ترک کا نام ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ صاحب مرقاۃ نے حدیث شریف کی خوب ہی شرح فرمائی اور اسمیں شک نہیں کہ اس مقام کا حق ہی ادا کر دیا اسکی مزید وضاحت کرتا ہوں ۔ سنئے :-

صوم کا ایک تو ظاہر ہوتا ہے اور ایک اسکا باطن ہوتا ہے ظاہر تو یہی ترک اکل و شرب ہے لیکن آپ سمجھ سکتے ہیں کہ روزہ صرف استنے کا نام کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ ترک اکل و شرب بالذات انسان کے لئے محمود نہیں ہے اسلئے کہ ایسا تو آدمی غصہ میں بھی کر لیتا ہے پس روزہ سے مقصود ترک اکل و شرب کا ثمرہ و نتیجہ ہے یعنی محرمات شرعیہ سے بچنا اور حرام کا ارتکاب نکرنا یعنی کذب و غیبت وغیرہ سے بچنا اسی کا نام تقویٰ ہے اور یہی صوم کی حقیقت اور اسکا باطن ہے اور مشروعیت صوم سے یہی مقصود ہے اسکے متعلق نص موجود ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ یعنی اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی ہو جاؤ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرضیت صوم کی حقیقی غرض حصول تقویٰ ہے ۔ یعنی انسان کی شہوت کا کسر ہو اور اسکا نفس امارہ مطمئنہ بن جائے اور اسکے اندر ملکات حسنہ، خصائل سنیہ اور فضائل حمیدہ پیدا ہو جائیں ۔ اگر یہی چیزیں نہ حاصل ہوں اور صرف بھوک اور پیاس ہو اور نام ہو روزہ کا یہ تو ایک لغو سی بات ہے ایسے روزہ کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر و منزلت نہیں اور ایسے روزہ پر فقیہ چاہے حکم صحت لگا دے اور شرعی فتویٰ کی رو سے چاہے اسکو صحیح قرار دیدیا جائے مگر اللہ و رسول کے نزدیک یہ روزہ مقبول نہیں ہے اسلئے کہ اللہ و رسول نے ایسا روزہ مشروع ہی نہیں فرمایا جو مثمر تقویٰ نہ ہو ۔ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث آتی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ اپنے روزہ سے انکے حصہ میں صرف پیاس ہی آتی ہے اور بہت سے رات کو قیام کرنے والے ایسے ہیں کہ انکے حصہ میں بجز شب بیداری کے اور کوئی چیز نہیں پڑتی صاحب مرقاۃ اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے مگر ان کے

الفاظ یہ ہیں کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ اپنے روزہ سے انکے حصہ میں صرف بھوک آتی ہے۔ عند مرقاۃ لکھتے ہیں کہ اول حدیث میں ظما یعنی پیاس کا تذکرہ فرمایا باقی مراد جُوع وغیرہ بھی ہے اور اس کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مشقت زیادہ ہے۔ اسی طرح سے قائم کے لئے سہر یعنی بیخوابی کا تذکرہ کیا ہے اور مراد وہ سب چیزیں جو اسکے مانند ہوں مثلاً پاؤں کی تھکاوٹ چہرہ کی زردی اور بدن کا ضعف وغیرہ۔

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ روزہ دار اگر ثواب کی نیت سے اور اخلاص کے ساتھ روزہ نہ رکھے اور معاصی مثلاً جھوٹ، غیبت اور بہتان وغیرہ سے نہ بچے تو اسکو سوائے بھوک اور پیاس کے روزہ سے کچھ حاصل نہیں اگرچہ فریضہ سر سے اتر جائیگا اور یہی حال مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنے کا ہے یا بلا کسی عذر کے بغیر جماعت نماز پڑھنا کہ قضا تو اس سے بھی ساقط ہو جاتی ہے مگر ثواب نہیں ملتا ابن ملک کہتے ہیں کہ یہی حال تمام عبادات کا ہے مثلاً حج وزکوٰۃ کہ جب وہ اخلاص سے خالی ہو تو ان کے کرنے سے بجز مال کے خسارہ کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور تعب بدن میں نقد وقت ہوگا۔

ظاہر یہ ہے کہ حدیث سے مبالغہ مقصود ہے یعنی اسکی نفی نفی کمال پر محمول ہے مطلب یہ کہ اس پر پورا ثواب نہیں ملیگا یا مراد وہ اعمال ہوں جو بطور ریا کے کئے گئے ہوں اس میں ثواب بالکل نہیں ملتا۔ بہرحال حدیث سے معلوم ہوا کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ انکے لئے روزہ سے کچھ حاصل نہیں بجز بھوک پیاس کے، اور یہ وہی لوگ ہیں جو روزہ سے بھی ہیں اسلئے کھانا پانی ترک کئے ہوئے ہیں مگر تقویٰ نہیں اختیار کیا جسکے لئے روزہ فرض کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں روزہ مقبول ہوتا ہے تقویٰ سے اور تقویٰ حاصل ہوتا ہے مامورات شرعیہ پر عمل کرنے اور ممنوعات ومحظورات سے اجتناب کرنے سے۔ یہ شخص اپنے طور پر خوش ہوتا ہے کہ اس نے بڑا کام کیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا کام یہی ہے کہ آدمی بھوک اور پیاس پیدا کرلے اس پر ثواب کا وعدہ ہے نہیں بلکہ ثواب ملتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے اور کسی عمل کو اس کے منشا کے مطابق ادا کرنے سے۔

پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے قربانی کے متعلق فرمایا ہے کہ لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاءُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس تمھاری ان قربانیوں کا گوشت

پوست اور خون نہیں پہونچتا بلکہ اسکے پاس پہونچنے والی چیز تو صرف تمہارا تقویٰ ہے ۔ اسی طرح سے یہاں بھی سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ اس لئے فرض فرمایا ہے کہ اس سے شہوت کا کسر ہو اسکی آگ بجھے نفس امارہ نفس مطلئنہ بنے اور انسان کے اندر صلاح و تقویٰ پیدا ہو لیکن جب روزہ رکھنے پر اسکا فائدہ ہی مرتب نہ ہوا تو اب جو تم بھوکے پیاسے رہے تو خدا اور رسول کے حکم کے منشار کے خلاف رہے ۔ لہٰذا تم جانو اور تمہارا کام جانے اور اس پر جو تعب تمھیں ہو اسکے تم خود ذمہ دار ہو حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس شخص نے قول زور نہیں چھوڑا اور اس پر عمل کرنا ترک نہیں کیا تو اللہ تعالےٰ کو اس کے روزہ کی کچھ پروا نہیں ہے کہ اس نے اپنا کھانا چھوڑا یا پانی ۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ صرف کھانا پانی چھوڑ دینا تو آسان ہے لیکن جب ایسا روزہ رکھئے گا جس میں جھوٹ نہ ہو، غیبت نہ ہو تو مشکل پڑ جائیگی ۔ چنانچہ بہت سے لوگ یہاں دنیا میں روزہ کی مشقت برداشت کر رہے ہیں مہینہ بھر کا روزہ رکھکر سوکھ کر کانٹا ہو جاتے ہیں مگر چونکہ اسی کے ساتھ غیبت، شکایت اور کذب وغیرہ کے بھی مرتکب ہوتے رہتے ہیں اسلئے آخرت میں اسکا ثواب بھی نہ پائیں گے اور یہاں کھانے پینے سے الگ محروم رہے خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو گئے ۔

غرض روزہ کی خاص شان ہے ۔ یہ دین کا ایک فریضہ اور شعائر اسلام ہے اسلئے اسکا اہتمام بھی زیادہ ہے چنانچہ آدمی اگر اس کا حق ادا کرے تو اجر بھی اسکا بہت زیادہ ہے اور وہ حق یہی ہے کہ یہ سمجھے کہ یہ پورے بدن کی عبادت ہے یعنی کھانا پینا تو ترک کرنا ہی ہوگا زبان کی بھی حفاظت کرنی ہوگی کہ غیبت نکرے اور جھوٹ نہ بولے اور یہ زبان کا روزہ ہے اور کان کی عبادت یہ ہے کہ غیبت نہ سنے اور اسی میں آنکھ کی بھی عبادت ہے کہ نامشروع محل میں اسکو استعمال نکرے ۔ جب انسان ان سب امور کا لحاظ رکھے گا تو یہ علامت ہوگی اسکی کہ تقویٰ اسکے قلب میں موجود ہے اور مقصود صوم اسے حاصل ہو رہا ہے اور ظاہر معاصی کا ترک یہ تو تقویٰ کا پہلا درجہ ہے اور دوسرے درجات اسکے آگے ہیں وہ یہ کہ اس میں فرشتوں سے مشابہت ہو جاتی ہے گویا کہ انسان کو ملکیت حاصل ہو جاتی ہے کہ آدمی نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے ہر وقت ذکر اللہ ہی میں رطب اللسان رہتا ہے

ظاہر بات ہے کہ یہ ایک بڑا درجہ ہے اور اس سے بڑھکر یہ ہے کہ انسان متخلق باخلاق اللہ ہوجاتا ہے یہ اسلئے کہ کھانے پینے کا عدم منجملہ صفات الٰہیہ کے ہے اور بندہ بحالت روزہ اس سے متصف ہوتا ہے۔ بہرحال یہ مقامات تو عالیہ ہیں انکو بڑے لوگوں کے لئے رہنے دیجئے آپ تو صرف یہی کریں تو بہت ہے کہ اپنے آپ کو معاصی سے بچالیں اور گناہ نہ کریں۔ اسی لئے میں ان لوگوں کو غنیمت سمجھتا ہوں جو روزہ میں سوتے رہتے ہیں اسلئے کہ یہ سمجھتا ہوں کہ یہ شخص گو اس وقت کوئی ظاہری طاعت تو نہیں کررہا ہے تاہم غیبت اور معصیت سے تو بچا ہوا ہے اسے اجر گو کم ملے گا مگر اسکا روزہ نامقبول تو نہ ہوگا اور یہ اس لئے کہتا ہوں کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ روزہ بھی رکھے ہوئے ہیں اور دو دو گھنٹے چار چار گھنٹے غیبت میں بھی گذار دیتے ہیں اور لطف یہ کہ اسکو برا بھی نہیں جانتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ صاحب اگر اس طرح نہ کریں تو روزہ کیسے کٹے۔

اللہ والوں نے تو اپنا روزہ کاٹا تھا اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کرکے تم سے یہ سب تو ہوتا نہیں اسلئے تم اپنا روزہ کاٹتے ہو غیبت کرکے اور لوگوں کا گوشت کھا کرکے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کرنے کو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو بہت گمان کرنے سے بچو اسلئے کہ بعض ظن گناہ ہوتا ہے اور تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے کیا وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، یعنی ظاہر ہے کہ تم اسکو ناپسند کرتے ہوگے پس غیبت کرنے کو بھی ایسا ہی سمجھو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص کسی کی غیبت کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا تم نے جو غیبت کی ہے اسکی وجہ سے مجھے تمھارے منہ سے کچے گوشت کھانے کی بو آرہی ہے۔

اسی طرح سے لوگوں کو دیکھا کہ روزہ رکھکر تاش وغیرہ کھیلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم روزہ بہلا رہے ہیں ظاہر ہے کہ جب دین سے دور ہوکر ذکر اللہ اور تلاوت سے مناسبت ختم کرلوگے تو پھر اپنا روزہ ادھر ادھر کی بکواس اور تاش کھیلنے سے نہ بہلاؤگے تو اور کیا کروگے؟ جب اچھی چیزوں کو ترک کروگے تو بری چیزیں انکی جگہ لے ہی لیں گی جب سنت کو چھوڑ دوگے تو بدعت

اسکی جگہ آجائیگی یہ لوگ یہی کرتے ہیں کہ کچھ وقت تو اپنا سونے میں گذارتے ہیں اور کچھ غیبت اور شکایت میں اور عصر کے بعد کا وقت عمدہ افطاری کی تیاری میں، میں کہتا ہوں افطاری کی تیاری بھی بیشک مشروع ہے اور اچھی نیت سے ہو تو موجب اجر و ثواب بھی ہے چنانچہ روزہ دار جب شام کو افطاریاں سجا کر اذان کے انتظار میں بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اسکی یہ ادا بہت پسند آتی ہے کہ دیکھو کھانے پینے کی خواہش موجود اور سامنے کھانا پانی بھی موجود مگر اذن الٰہی کا منتظر ہے کھا پی نہیں رہا ہے جو اسکا غایت درجہ کا انقیاد اور انتہائی عبودیت کا مظاہرہ ہے اسلئے یہ عمل موجب اجر و ثواب ہے مگر کس کے لئے اسکے لئے جس نے روزہ کا حق ادا کیا ہو یعنی اپنے سارے اعضاء اور جوارح کو روزہ میں شریک رکھا ہو آنکھ کو بھی زبان کو بھی، کان کو بھی قلب و ذہن کو بھی یعنی اس نے محض اللہ کے لئے اسکے حکم و منشار کے مطابق کھانے پینے کو چھوڑا ہو تو بلا شبہ اسکے لئے افطار کا وقت غایت خوشی اور انتہائی فرحت و مسرت کا وقت ہے۔ حدیث شریف میں اس خوشی کا ذکر آتا ہے کہ روزہ دار کو ایک خوشی افطار کے وقت ہوتی ہے۔ باقی جس شخص نے غروب سے پہلے ہی اپنا روزہ غیبت سے، کذب سے، نمیمہ سے بدنظری سے یا جھوٹی قسم سے افطار کر لیا ہو اسکے لئے بھلا کیا خوشی کا مقام ہے کیونکہ اس نے تو اپنے اوپر معصیت کا ایک انبار جمع کر لیا ہے ایک تو یہ کہ دن ہی میں قبل از وقت روزہ افطار کر لیا دوسرے یہ کہ افطار بھی کیا تو کسی جائز اور حلال چیز سے نہیں بلکہ ایک حرام شے غیبت یا نمیمہ وغیرہ سے یہ اس نے ستم بالائے ستم کیا اور تیسرا گناہ یہ کہ اپنے اس معصیت بھرے عمل پر خوش بھی ہے اور سمجھ رہا ہے کہ میرا روزہ مقبول ہے حالانکہ اسکو چاہیئے تو یہ تھا کہ اپنے ایسے عمل پر روتا توبہ و استغفار کرتا اسکے بجائے وہ معصیت پر خوش ہو رہا ہے برخلاف اس کے مومن متقی کا جو روزہ ہوتا ہے وہ معاصی تو بجائے خود رہے انکو لغویات سے بھی بچاتا ہے چنانچہ وہ جب افطار کرتا ہے تو طاعت کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اور اسکی یہ خوشی کچھ افطار کرنے کی خوشی نہیں ہوتی بلکہ اس بات کی ہوتی ہے کہ روزہ جو اللہ تعالیٰ کا فریضہ ہے خیریت سے ادا ہو گیا یعنی معاصی سے بچا رہا پس اسکی یہ خوشی ایمانی خوشی ہوتی ہے اور دن بھر تعب پر صبر کرنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے انواع و اقسام کی نعمتیں اپنے

اپنے سامنے دیکھتا ہے اور ان کے استعمال کا اذن یعنی اجازت پاتا ہے تو زبان حال سے یہی کہتا ہے کہ سہ

للہ الحمد نہ مُردیم و رسیدم بدوست آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما

یعنی خدا کا شکر ہے ہم مرے نہیں اور دوست تک پہونچ گئے ہماری اس ہمت مردانہ پر آفریں ہے

آج جو ہم لوگوں کو روزے نماز کی قدر نہیں ہے اسکا منشا شریعت سے جہل ہے۔ قرآن و سنت میں اسکے فضائل موجود ہیں لیکن لوگ بیان نہیں کرتے ظاہر ہے کہ جب کسی چیز کو بیان ہی نہ کیا جائیگا تو لوگوں کو اسکا علم کیونکر ہوگا اور جب علم نہ ہوگا تو اس پر عمل کیسے کریں گے اور جب عمل نہ ہوگا تو اسکی برکات کیا ملیں گی؛ ہمارے اسلاف ایسے نہیں تھے بزرگان دین رمضان شریف کے ایام کی بڑی قدر کرتے تھے اور اس ماہ میں طاعات وغیرہ کا بڑا اہتمام کرتے تھے کیونکہ جو شخص ٹھیک ہوتا ہے وہ اسی مہینہ میں ٹھیک ہوتا ہے اور جیسا عمل اس مہینہ میں کوئی شخص کر لیتا ہے سارا سال اسی طرح رہتا ہے

بہرحال روزہ رکھنا اور صحیح طریقہ سے اسکو رکھنا کچھ کم فرحت کی چیز نہیں ہے مگر مشکل ضرور ہے پھر جب بندے سے کے اخلاص کیوجہ سے اسکا کوئی عمل قبول ہو جاتا ہے تو اسکی ہر چیز قبول ہو جاتی ہے اور جب مقبول ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بڑی قدر دانی فرماتے ہیں چنانچہ کسی کا روزہ جب اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوگیا تو اسکی وجہ سے جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں سب اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ روزہ دار کے منھ کی بدبو بھی جو انسانوں کے نزدیک ایک ناخوشگوار چیز ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بڑھکر محبوب ہے۔

اسی لئے کہتا ہوں کہ طریق بہت آسان ہے اس میں کچھ زیادہ مجاہدہ کی ضرورت نہیں ہے بس آپ اپنا یہی نماز روزہ ٹھیک کر لیجئے یعنی نماز وقت سے پڑھئے، روزہ کو حکم الٰہی سمجھکر اسکے مطابق ادا کیجئے یعنی ان ایام میں طعام کو، شہوت کو، معاصی کو یعنی صغیرہ وکبیرہ سب کو چھوڑ کر دیکھئے کہ آپ کو کیا لطف آتا ہے اور اُدھر سے کتنی عزت افزائی کیجاتی ہے اللہ والے اپنے قلب سے مشاہدہ کرتے ہیں کہ کتنا تقرب ہوا اور کتنی صفائی دل میں پیدا ہوئی

اور کتنی مشابہت اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ بڑی قدر کا مہینہ ہے بزرگوں نے اسکو ماہِ مجاہدہ بھی کہا ہے یہ اسلئے کہ رہاں کہ اب بھی موقع ہے اسکو پہچانو اور کچھ کرنا چاہو تو کرلو اور نہیں تو جو جی چاہے کرو۔ جو لوگ اسکی قدر کو پہچان لیتے ہیں وہ اسی رمضان کو پاکر بہت بہت ترقی کر جاتے ہیں اور جو نہیں سمجھتا اس پر کتنے رمضان آتے ہیں اور گذر جاتے ہیں (مگر وہ جہاں کا تہاں ہی رہ جاتا ہے یہ بہت افسوس کی بات ہے)۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے ممبر پر تشریف لے جانے لگے اور جب پہلے زینہ پر قدم رکھا تو زور سے آمین کہا پھر دوسرے زینہ پر جب قدم رکھا تو پھر آمین کہا اسی طرح سے تیسرے زینہ پر جب چڑھے تو پھر آمین کہا، صحابہؓ نے بعد میں آپؐ سے اسکی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ جب میں نے پہلے زینہ پر قدم رکھا تو جبرئیلؑ نے دعا کی کہ اس شخص کیلئے ہلاکت ہو جسکے روبرو آپ کا نام نامی لیا جائے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے میں نے کہا آمین۔ دوسرے زینہ پر انھوں نے کہا اس شخص کا برا ہو جس نے اپنے والدین کا زمانہ پایا اور انکی خدمت کر کے جنت نہ حاصل کرلی، میں نے کہا آمین۔ اور تیسرے زینہ پر چڑھنے لگا تو انھوں نے کہا اس شخص کا ناس ہو جائے جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اپنے کو خدا سے بخشوا نہ لیا اپنی مغفرت نہ کرالی میں نے اسپر بھی آمین کہا۔ ایسے لوگ ہم سے آکر کہتے ہیں کہ کیا باتیں کریں کہ اثر ہو؟ میں کہتا ہوں کہ قرآن شریف میں جنت و دوزخ کا اور اہل جنت اور اہل دوزخ کا ذکر اسی لئے تو کیا گیا ہے کہ لوگ اس سے متاثر ہوں۔ اسی طرح سے احکام کے متعلق نصوص میں ایسی ایسی ترغیبات موجود ہیں کہ اگر ان میں سے خود اثر لیکر بات کو سمجھایا جائے تو سب کے سب شریعت کے عاشق ہو جائیں۔ چنانچہ دیکھئے روزہ ہی کے متعلق کیسے کیسے فضائل بیان کئے گئے ہیں کیا اثر لینے کیلئے یہ ارشادات نبویہ کچھ کم ہیں؟ انکو بیان کیجئے اور انکے ذریعہ لوگوں پر اثر ڈالئے اثر ہی لینے کیلئے تو قرآن اتارا گیا ہے اسمیں زبردست تاثیر رکھی گئی ہے مگر اثر ڈالنے کیلئے شرط یہ ہے کہ انسان جوان کو پیش کرے وہ پہلے خود ان سے متاثر ہو تب انھیں پیش کرے تو دوسروں پر بھی اثر ہوگا اور ضرور ہوگا آپ اگر عوام الناس پر اثر ڈالنا چاہتے ہیں تو اسکی واحد صورت یہی ہے کہ قرآن مجید کو سمجھ کر ان کے مضامین سے پہلے خود اثر لیجئے اسکے بعد دوسروں کے سامنے اسکو پیش کیجئے۔ اور میں تو یہی تاثیر دیکھ رہا ہوں کہ اس طریق سے مسلمانوں کو نفع ہو رہا ہے۔ فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذالک۔

فانه من جعل بالقرآن وسادة یلزم منه النوم فیلزم منه الغفلة یعنی لاتغفلوا عن تدبر معانیه وکشف اسراره ولاتتوانوا فی العمل بمقتضاه والاخلاص فیه وهذا معنی قوله حق تلاوته

مطلب یہ کہ اسکے معانی میں تدبر کرنے اور اسرار کے کشف کرنے سے غافل نہ ہو اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنے سے سست نہ ہو۔ اور اس میں اخلاص کے ساتھ لگے یہی معنی ہیں حق تلاوته کے۔

(وافشوه) ای بالجهر والتعظیم۔

اور وافشوہ کے معنی ہیں کہ اسکی جہراً تلاوت کرو اور دوسروں کو پڑھا کر اسکی اشاعت کرو اسپر عمل کرو اسکو لکھوا اور چھاپو اور اس کی تعظیم کرو۔

(ولاتعجلوا) ای لاتستعجلوا ثوابه - قال الطیبی ای لاتجعلوا من الحظوظ العاجلة (فان له ثوابا) ای ثبوته عظیمة اجلة

اور اسکے ثواب کی جلدی مت کرو۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ اسکو دنیوی حظوظ نہ بنا لو بلکہ اسکو ذخیرۂ آخرت بناؤ کیونکہ آخرت میں اسکے لئے بڑا اجر ہے۔

جس تلاوت کا مطالبہ مسلمانوں سے ہے وہ وہ ہے جو قلب کی شرکت کے ساتھ ہو محض لسانی قرأت اور لہجہ کا درست کرنا اور قلب کا غافل رہنا یہ شارع کے نزدیک نہایت ہی ناپسندیدہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ

اقرؤا القرآن بلحون العرب واصواتها وایاکم ولحون اهل العشق ولحون اهل الکتابین وسیجیٔ بعدی قوم یرجعون بالقرآن ترجیع الغناء والنوح لایجاوز حناجرهم مفتونة قلوبهم وقلوب الذین یعجبهم شانهم

قرآن کو عرب کے لہجہ اور انکی آوازاور طرز سے پڑھا کرو اور اہل عشق اور یہود ونصاریٰ کے لہجوں سے بچو۔ میرے بعد ایک ایسی قوم آئیگی جو قرآن کو گانے اور نوحہ کے طور پر منہ میں گنگنائے گی مگر وہ ان کے گلے سے آگے نہ تجاوز کرے گا۔ ان لوگوں کے قلوب بھی مفتون ہونگے اور ان کے بھی جنکو انکا پڑھنا اچھا معلوم ہوگا اور شوق سے اسکو سنیں گے۔

قال الطیبی لحون جمع

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ لحون لحن کی جمع ہے

لحن وھوالتطریب و ترجیع الصوت۔ قال صاحب جامع الاصول ویشبہ اَن یکون مایفعلہ القرآء فی زماننا بین یدی الوعاظ من اللحون العجمیۃ فی القرآن مانھی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جس کے معنی گانے اور آواز کو منہ میں لوٹانے کے ہیں صاحب جامع الاصول فرماتے ہیں کہ یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ ہمارے زمانے کے قاری صاحبان (جلسہ وغیرہ میں) واعظوں کے وعظ سے پہلے عجمی لہجہ میں قرآن کو گا گا کر پڑھتے ہیں اور گلا پھاڑ پھاڑ کر آواز نکالتے ہیں اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

(لایجاوز حناجرھم) قال الطیبی ای لایصعد عنھا الی السماء ولا یقبلہ اللہ منھم ولا ینحدر عنھا الی قلوبھم لیدبروا آیاتہ ویعملوا بمقتضاہ۔

لایجاوز حناجرھم - طیبی کہتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ انکی یہ قرأت آسمان کی جانب نہ چڑھے گی یعنی اللہ تعالی اسکو انسے قبول نہ فرمائیں گے اور نہ اثر کرنے کیلئے ان کے قلوب ہی کے اندر اترتی ہے کہ وہ تدبر کریں اور اسکے مقتضی پر عمل کریں۔

(مفتونۃ) ای مبتلی بحب الدنیا وتحسین الناس۔

مفتون ہیں یعنی حب دنیا میں اور تعریف پسندی میں یہ لوگ مبتلا کر دیئے گئے ہیں۔

(یعجبھم شأنھم) ای یستحسنون قرأتھم ویستمعون تلاوتھم۔

یعجبھم شأنھم یعنی جنکو انکی قرأت اچھی لگے اور جو لوگ انکی قرأت کو سنیں ان سب کا وہی حال ہوگا جو خود انکا ہوگا کہ سب مفتون القلب ہوں گے۔

باقی تلاوت یوں اگر ان منکرات سے خالی ہو تو اسکو حسن صوت سے پڑھنا یہ امر مطلوب ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ:۔

حسنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنًا۔

تلاوت قرآن کو اپنی آواز کے ساتھ زینت دو یعنی اچھی آواز سے اسکو پڑھو اس لئے کہ اچھی آواز سے قرآن کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

دیکھئے کس قدر اعتدال ہے کہ اہل عشق اور اہل کتاب کے نغمے سے پڑھنے کو منع فرمایا لیکن اہل عرب کے لہجے کے ساتھ پڑھنے کا امر فرمایا اور خوش آوازی کے ساتھ قرأت

کرنے کو قرآن کا زیور بھی فرمایا۔

اس مقام پر ایک بات یہ بھی یاد رکھئے کہ تلاوت کی اسقدر فضیلت سننے کے بعد جی تو یہ چاہتا ہوگا کہ ہر وقت تلاوت ہی کرتا رہے لیکن دنیوی مشاغل سے چھٹکارا نہیں ملتا اسلئے ہم کرتے یہ ہیں کہ جب زیادہ نہیں کرپاتے تو کم کو بھی ترک کر دیتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے لوگوں کی نیز ضعفار اور کم پڑھے لکھے لوگوں کی بھی رعایت فرمادی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:-

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یستطیع احدکم ان یقرأ الف آیۃ فی کل یوم قالوا ومن یستطیع ان یقرأ الف آیۃ فی کل یوم قال اما یستطیع احدکم ان یقرء الھٰکم التکاثر۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم لوگ اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں تلاوت کرلیا کرو؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں کون روزانہ ایک ہزار آیات تلاوت کرسکتا ہے (یہ تو بہت زیادہ ہے) آپ نے فرمایا کیا تم لوگ اتنی بھی استطاعت نہیں رکھتے کہ (ہر روز) الھٰکم التکاثر پڑھ لیا کرو۔

اس قسم کی بہت روایتیں ہیں نمونہ کے لئے ہم ایک اور روایت لکھتے ہیں

عن سعید بن المسیب مرسلاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ قل ھو اللہ احد عشر مرات بنی لہ بھا قصر فی الجنۃ ومن قرأ عشرین مرۃ بنی لہ بھا قصران فی الجنۃ فقال عمر بن الخطاب واللہ یا رسول اللہ اذا لنکثرن قصورنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اوسع من ذلک

حضرت سعیدؓ بن مسیب سے مرسلاً روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے قل ھو اللہ احد دس مرتبہ پڑھ لیا تو اسکے عوض اس کیلئے جنت میں محل بنایا جائے گا اور جس شخص نے بیس دفعہ اسکو پڑھا اسکے لئے جنت میں دو محل بنائے جائیں گے یہ سنکر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس صورت میں تو ہم بہت سے محل بنالیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں کی کمی ہے؟ وہ تو بہت زیادہ دینے والا ہے۔

(باقی آئندہ)

مضمونِ اخوّت

(حصہ دوم)

(حضرت مصلح الامۃؒ کی ایک مجلس ۲۰ صفر ۱۳۸۳ھ مطابق ۸ستمبر ۱۹۶۳ء یوم جمعہ)

فرمایا ۔۔۔۔۔۔ "مضمون اخوت" کے متعلق اخبار "الجمعیۃ" دہلی مجریہ ۲۹ اگست ۱۹۶۳ء میں یہ مضمون شایع ہوا:۔

" اخوت" یہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم کی ایک تقریر ہے جو مصنف کی جانب سے قلمبند کرلی گئی تھی اور انجمن اصلاح المسلمین الہ آباد کے انتیسویں سالانہ جلسہ کے تیسرے اجلاس میں پڑھکر سنائی گئی اسمیں آیۃ کریمہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کی تفسیر عالمانہ انداز میں کی گئی ہے اور نہایت خوبی سے اخوت کے معنی اور مطلب اخوت کی اہمیت اور اسکے مؤیدات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اخوت کے زبانی دعوے اور عمل میں تضاد اور اس سلسلہ میں اہل ملت کی افسوسناک کمزوریوں پر تنبیہ کی گئی ہے۔ انجمن اصلاح المسلمین نے اسکو شایع کرکے ایک قابل قدر اصلاحی اور تبلیغی خدمت انجام دی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مسلمانوں کو مطالعہ کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین"۔

اسکو سنکر فرمایا کہ ۔۔۔۔۔۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ اس آیہ کو قرآن شریف میں اقتتال کے ذکر کے بعد فرمایا ہے کیونکہ اسکی پہلی آیت میں ہے کہ وَاِنْ طَائِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا الآیہ اس سے معلوم ہوا کہ اقتتال اخوت کے منافی ہے اور باہم اقتتال چونکہ منع ہے اسی کو اس طرح سے سمجھایا کہ انما المؤمنون اخوۃ یعنی مومن سب بھائی بھائی ہیں اور ان میں قتال بہت برا ہے۔ لہٰذا اگر دو مسلمان آپس میں لڑ رہے ہوں تو ان میں صلح کرا دینے کا حکم ہے جیسا کہ آگے ارشاد ہے کہ فاصلحوا بین اخویکم یہاں 'اخوین' جو فرمایا تو یہ دو افراد پر بھی صادق ہے اور دو جماعت پر بھی صادق ہے یعنی جس طرح سے کہ دو اشخاص انفرادی طور سے ایک دوسرے کے بھائی ہیں

اسی طرح سے اجتماعی طور پر دو جماعتیں بھی ایک دوسرے کی بھائی ہیں اور ان دونوں ہی میں نزاع و قتال ہوتا ہے اور دونوں ہی میں صلح کرانے کا حکم ہے اور خطاب فاصلحوا میں سلطان یا امیر کو ہے یا ہر اس شخص کو ہے جو ان میں صلح کرا سکتا ہو مثلاً قوم کا چودھری اور عالم یا شیخ وغیرہ۔

میں بہت دنوں سے اس بات کو بیان کر رہا ہوں مگر لوگ سمجھنا تو درکنار سمجھنے کا ارادہ تک نہیں کرتے اور جب پوچھتا ہوں کہ سمجھے تو زور زور سے گردن جھٹکا دیتے ہیں کہ ہاں سمجھ گئے اور انکا حال بس ایسا ہی ہے جیسا بُزِ اخفش کا کہ اخفش نحوی کی باتوں کو وہ کچھ بھی نہیں سمجھتی تھی۔ بُزِ اخفش کا قصہ آپکو معلوم ہے؟ اخفش نامی ایک نحوی گذرا ہے مشہور ہے کہ اس نے ایک بکری پال رکھی تھی بُز کہتے ہیں بکری کو، اور نحو کا کوئی مسئلہ لیکر بکری کا کان پکڑ کر اسکے سامنے اسکی تقریر کرتا اور اسکے کان چھوڑ کر اس سے پوچھتا کہ سمجھی؟ بکری کا قاعدہ ہوتا ہے کہ اسکے کان پکڑنے کے بعد جب چھوڑ دیئے تو وہ سر ہلا کر کان کو پھٹپھٹاتی ہے لہٰذا اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس نے سمجھا کہ یہ نہیں سمجھی لہٰذا پھر اس مسئلہ کی اور واضح تقریر کی اور پھر کان چھوڑ کر اس سے کہا کہ سمجھی؟ اس نے پھر سر ہلا دیا یہ سمجھا کہ پھر نہیں سمجھی پھر تقریر کرتا۔ اسی طرح کرتے کرتے وہ تو نہایت محقق نحوی ہو گیا اور وہ بکری بکری ہی رہ گئی۔ بُرا نہ مانیئے گا اسی طرح سے آپ لوگوں کا حال ہے کہ آپ لوگوں کی وجہ سے معلوم کتنے لوگ مقرر ہو گئے اور انکی تقریریں صاف ہو گئیں کیونکہ انھوں نے آپ کے سامنے تقریر کی آپ نے واہ واہ کیا آپ کی تعریف کرنے کی وجہ سے انھوں نے دوسری مرتبہ اور اچھی تقریر کی اس پر اور زیادہ تعریف ہوئی تو انھوں نے اور زیادہ اچھی کی۔ اسی طرح کرتے کرتے وہ تو ہو گئے مقرر اور آپ جہاں تھے وہیں رہے۔ اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کی وجہ سے ہم لوگ تو مقرر ہو جائیں اور آپ لوگ جیسے تھے ویسے ہی رہیں یہ کیا ہے؟

اسی طرح سے کوئی شخص کوئی مضمون وغیرہ لکھ دیتا ہے تو دیکھتا ہوں کہ دور دور کے لوگ تو اسکا کچھ اثر بھی لیتے ہیں لیکن وہاں کے لوگوں پر اسکا کوئی اثر نہیں ہوتا اس کے متعلق بھی ذرا فرما دیجئے کہ یہ کیا ہے؟ کچھ غیرت اور افسوس کی بات ہے یا نہیں؟ اجازت دیجئے تو میں اسکی وجہ بیان کروں۔ بات یہ ہے کہ دوسرے لوگ مضمون پڑھکر صاحب مضمون

کا تصور کرتے ہونگے کہ یہ شخص کوئی خوب موٹا تازہ عالم ہوگا نہایت نفیس عبا چغا زیب تن کئے ہوگا اور ایسا ایسا شخص ہوگا، اس تصور سے کچھ وقعت اور عظمت صاحب مضمون کی ان کے قلب میں ہوجاتی ہوگی ــ لیکن آپ لوگ تو مجھے ہر وقت ہی دیکھتے ہیں میرا تن و توش اور لباس کو بھی دیکھتے ہیں کہ نحیف سا انسان ہے اسلئے میری طرح میرے مضمون کی بھی وقعت نہ ہوتی ہوگی اور اپنے متعلق تو میں یہ شعر اکثر پڑھ دیتا ہوں کہ ؎

ایک مشتِ استخواں ہوں بلکہ کچھ اس سے بھی کم ۔ جو کہیں میں اپنی ہے سچ تو یہ ہے اسکا کرم

یعنی جس طرح سے کوئی چھوٹی سی چڑیا ہو اور صیاد اسکو شکار کرنے کے لئے کمیں گاہ میں گھات لگا کر بیٹھے گویا اسکا طالب ہو تو وہ یہ کہے کہ ؎

جو کمیں میں اپنی ہے سچ تو یہ ہے اسکا کرم ایک مشتِ استخواں ہوں بلکہ کچھ اس سے بھی کم

اسی طرح میں اپنے بارے میں بھی کہتا ہوں ع ایک مشتِ استخواں ہوں بلکہ کچھ اس سے بھی کم اور یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی انسان کی عظمت قلب میں ہوتی ہے تو اس کے کلام کی عظمت بھی دل میں ہونا ناگزیر ہے ۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے قتال سے منع فرمایا اور باہم اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کیسا عمدہ اور مؤثر عنوان اختیار فرمایا کہ فرمایا کہ انما المؤمنون اخوۃ اس میں سب کو آپس میں بھائی بھائی فرمادیا گویا سب ایک ہی ہیں، اور جنگ کے لئے ضروری ہے وہاں تعدد ہو۔ آدمی کسی سے اسی وقت لڑتا ہے جب یہ سمجھتا ہے کہ میں اور ہوں وہ اور ــ ورنہ اگر تعدد نہ ہو تو جنگ کا تصور ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ اپنے سے کوئی جنگ نہیں کرتا۔ ہاں یہ صوفی لوگ بیشک اپنے ہی نفس سے جنگ کرتے ہیں مگر اسے عرف عام میں جنگ نہیں کہا جاتا بلکہ اسکا نام تو مجاہدہ ہے ۔

اب آپ لوگ صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ انما المؤمنون اخوۃ مگر اسکا مطلب نہیں سمجھتے غور کیجئے گا تو اتفاق و اتحاد کے امر کی اس آیت میں دلیل نقلی کے ساتھ ساتھ دلیل عقلی بھی پائیے گا اور وہ یہی ہے جو ابھی میں نے بیان کیا کہ جنگ ہمیشہ غیر سے ہوتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے سب

مسلمانوں کو بھائی بھائی کہدیا تو گویا سب کو باہم ملا دیا غیریت اور تعدد کو ختم کردیا پھر باہم اختلافات کے کیا معنی؟

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جس عنوان کو اللہ تعالیٰ نے اتحاد کے لئے ایسے موثر طریقہ سے بیان کیا تھا آج اسکا کچھ اثر ہم نہیں لیتے حق تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ انما المومنون اخوۃ مسلمان سب آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) بھائی ہیں یعنی جس طرح نسب اور رشتہ دو شخصوں کو باہم ایک کردیتا ہے اور اسکی وجہ سے ان میں اخوت قائم ہوکر اتحاد ہو جاتا ہے۔ پھر اختلاف اور لڑائی نزاع اور جنگ ان میں متصور ہی نہیں ہوتی کیونکہ ان چیزوں کا منشار اور سبب تو تعدد ہوتا ہے جس کو یہاں رشتے نے ختم ہی کردیا ہے۔ اسی طرح سب مسلمان گو ان میں نسبی اخوت نہ ہوتا ہم ایک دین میں منسلک ہونے کے سبب وہ بھی بمنزلہ بھائی ہی کے ہیں اور اس دینی رشتہ نے بھی جب ان میں اخوت دینی پیدا کردیا تو اسکا بھی تقاضا ہے کہ اب ان میں نزاع وخلاف جنگ وجدال اور سباب وقتال نہ ہو کیونکہ یہ سب چیزیں تعدد کے ثمرات ہیں اور یہاں دین نے انہیں اتحاد اور وحدت قائم کردیا ہے چنانچہ آیہ انما المؤمنون اخوۃ میں اسی مضمون کی جانب متوجہ فرمایا گیا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا مقصود ہے۔

مگر دیکھا جاتا ہے کہ آج اس عنوان سے بھی اس مضمون پر مسلمانوں کو لایا جاتا ہے تو انکو کچھ نفع نہیں ہوتا، اس آیہ کا وعظ بیان کیا جاتا ہے مگر بے سود۔ جانتے ہیں آپ اسکی کیا وجہ ہے؟ کہ اللہ تعالےٰ نے جس مضمون کو موثر بنانے کیلئے یہ عنوان اختیار فرمایا تھا آج ہم پر اسکا کوئی بھی اثر کیوں نہیں ہوتا؟ وجہ اسکی یہ ہے کہ اسکی بنار اس پر تھی کہ نسبی بھائی بھائی میں تو اتحاد واتفاق اور ان میں باہم اخوت ومحبت تو مسلم تھی اسلئے فرمایا تھا کہ ایمانی اور دینی رشتہ کو بھی ایسا ہی سمجھو کہ اسکی وجہ سے بھی دو شخصوں میں گویا ایک قسم کی اخوت ہی قائم ہوجاتی ہے اب اس عنوان کی اہمیت اور اس ارشاد کی عظمت تو اسوقت ذہن نشین ہوتی اور اس کا اثر قلب جب لیتا کہ دینی اخوت کو جس اخوت پر محمول فرمایا تھا یعنی نسبی اخوت پہلے سے اسکی اہمیت اور اسکے اثرات اور ثمرات مسلم ہوتے

ز ہمارا حال آج یہ ہے کہ ہمارے آپس کے تعلقات اور ہمارے اندر روزمرہ کے
ش آنے والے واقعات بتاتے ہیں کہ یہ نسبی اخوت اور اسکا ثمرہ اتفاق و اتحاد اور
ہمی محبت و مودت کا ہونا ہی ہم کو تسلیم نہیں رہ گیا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر اختلافات
زاعات آج ایک خاندان اور ایک برادری میں ہیں اور جیسا کچھ جنگ و جدال، سباب و
ال آج خود بھائی بھائی میں ہے شاید ہی کسی دوسرے میں ہو پس جب اس نسبی اخوت
ہی اتحاد و اتفاق مسلم نہیں ہے تو اخوت ایمانی بھی گویا تسلیم نہیں ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں
ہمارا تعلق آج خود اسلام سے اسدرجہ ضعیف اور فاسد ہو گیا ہے کہ خود مسلمان کو اسلام
رایمان کی ہی اہمیت اور وقعت جیسی کہ ہونی چاہیئے نہیں ہے۔

یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ یوں تو اخوت ایمانی، اخوت نسبی سے بڑھی
ئی ہے کیونکہ دو شخص جو نسبی بھائی ہوں مگر ایک ان میں سے مسلم ہو غیر مسلم ہو تو آپس میں میراث
یں جاری ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ دینی اخوت، نسبی اخوت سے اہم ہے۔ لیکن چونکہ
ہی رشتہ اور اسکی وجہ سے آپس کا اتحاد امر ظاہر تھا اسلئے ایمانی اخوت جو کہ باطنی چیز تھی
سکو اسکے ذریعہ سے سمجھایا گیا مگر نسبی اخوت جو کہ ظاہر شے تھی اب اس زمانہ میں چونکہ وہ
تم ہو چکی ہے اور تعلقات بھی سب ختم بلکہ قطع ہو چکے ہیں اسلئے اب اسکی اہمیت بھی
جھ میں نہیں آتی چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب اس اخوت کے عنوان سے دینی اتحاد کو بیان
یا جاتا ہے اور آیت انما المؤمنون اخوۃ کا وعظ کہا جاتا ہے تو اسکا بھی کچھ اثر نہیں ہوتا اور
سب کوششیں بے سود ثابت ہوتی ہیں کیونکہ اثر تو اسوقت ہوتا کہ خارجی اور ظاہری اخوت
ینی اخوت نسبی کا مفہوم اور اسکی اہمیت ذہن نشین ہوتی اور جب وہی نہیں رہی تو اخوت
ینی اور ایمانی کو تو لوگ کیا سمجھیں گے اور اسکے متعلق کسی وعظ یا مضمون سے کیا متاثر ہونگے

اسی آیۃ کی تفسیر کے سلسلہ میں اسوقت کچھ اور عرض کرنا چاہتا ہوں ذرا غور سے سنیئے
، آیات سورہ حجرات کی آیات ہیں اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ
دب سکھایا گیا ہے چنانچہ ابتدا ہی اس سے فرمائی ہے کہ :-

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! اللہ و رسول

لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ	کی اجازت سے پہلے تم سبقت مت
اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ	کیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بیشک
إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ہ	اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سننے والا اور سب
(سورۂ حجرات)	افعال کو جاننے والا ہے۔

دیکھئے اس میں حضرات صحابہ کو ایک ادب آپ کا یہ سکھلایا گیا کہ کسی قول یا فعل میں آپ سے سبقت اور تقدم نہیں کرنا چاہیئے اس آیت کے شان نزول کے متعلق احادیث میں یہ واقعہ آتا ہے کہ ایک بار بنی تمیم کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ میں باہم آپ کی مجلس ہی میں اس امر پر گفتگو ہوئی کہ ان لوگوں پر حاکم کس کو بنایا جائے حضرت ابو بکرؓ نے قعقاع بن سعید کی نسبت رائے دی اور حضرت عمرؓ نے اقرع بن حابس کی نسبت رائے دی اور گفتگو بڑھکر دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ پھر اسکے آگے فرماتے ہیں کہ :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے ایمان والو تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے
لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ	بلند مت کیا کرو اور نہ اُن سے ایسے کھل کر بولا کرو
النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ	جیسے تم باہم ایک دوسرے سے کھل کر
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ	بولا کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال
أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ہ	برباد ہو جائیں اور تمکو اسکی خبر بھی نہ ہو۔

اس میں بوقت گفتگو ایک ادب یہ تعلیم فرمایا کہ اپنی آواز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر نہ بلند کریں اور نہ ہی آپ کو اسطرح سے نام لیکر پکاریں جیسے بعض بعض کو پکارتا ہے کہ بوجہ قلت تہذیب کے یہ بھی منع ہے اور پھر اس پر دھمکی بھی دی کہ اگر ایسا کرو تو تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ اس دھمکی کو سنکر حضرات صحابہؓ کے تو ہوش ہی اڑ گئے جن صحابہ کی آواز بلند تھی تو جو لوگ قادر ہو سکے انھوں نے اپنی آواز کو آہستہ کیا اور جو لوگ اس پر قادر نہ ہو سکے وہ گھر بیٹھ رہے۔ چنانچہ بیہقی میں ہے کہ اسکے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قسم ہے اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح

بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو۔ اور حضرت عمرؓ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا۔ اور حضرت ثابت بن قیس کی باوجودیکہ خلقۃً آواز بلند تھی مگر یہ سنکر وہ بہت ڈرے اور روئے اور نہایت تکلف کرکے اپنی آواز کو گھٹایا۔

علماء نے تصریح کی ہے کہ جو حضرات دین کی بزرگی رکھتے ہوں ان کے ساتھ بھی یہی آداب برتنا چاہئے گو سوء ادب کا وبال اس درجہ کا نہو گا لیکن تاذی بلا ضرورت میں حرمت ضرور ہے۔" (بیان القرآن)

اس آیۃ کے نازل ہونے سے صحابہ کو اتنا رنج ہوا کہ مارے غم کے گھٹ گئے اور عجب نہ تھا کہ مارے غم کے ان میں سے بعض ختم ہی ہو جاتے اس پر اللہ تعالیٰ نے انکی یہ مدح نازل فرمائی کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ○	بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنکے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقوی کے لئے خاص کر دیا ہے ان لوگوں کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اور یہ تو حضرات صحابہ کرام ہی کا حق تھا کہ جب اپنے سے اللہ تعالیٰ کو ذرا بھی ناراض پاتے تھے تو اپنے کئے ہوئے فعل پر اتنا نادم ہوتے اور اس فعل کی ایسی تلافی کرتے اور اتنی تلافی کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے سے خوش ہی کر کے مانتے تھے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ دوسری آیت نازل فرما کر انکی پوری تسلی فرما دیتے تھے جب جا کر انھیں سکون ہوتا تھا چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔

پھر آگے انھیں بنی تمیم کا ایک واقعہ اور بیان کرکے انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور ادب کی جانب متوجہ فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○	جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر وں کو عقل نہیں ہے اگر

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥

یہ لوگ ذرا صبر اور انتظار کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو انکے لئے بہتر تھا (کیونکہ ادب کی بات تھی) اور اللہ غفور رحیم ہے۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ کچھ دیہاتی لوگ بنی تمیم کے آپ کے حضور میں آنے کے لئے آئے اسوقت آپ دولت خانہ میں تشریف رکھتے تھے ان لوگوں نے بوجہ قلت سلیقہ و تہذیب کے آپ کو نام لیکر باہر ہی سے پکارنا شروع کیا یا محمد اخرج الینا ا سپر یہ آئیتیں نازل ہوئیں اور انکو یہ ادب سکھلایا کہ اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا بے ادبی ہے جو آپ کی ایذار کا سبب ہے لہذا تم کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا بلکہ باہر ہی صبر اور انتظار کرتے، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب خود ہی تمھارے پاس تشریف لاتے تو پھر ملتے یہ تمھارے لئے کہیں بہتر تھا۔

علماء نے یہاں تخرج الیھم میں یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کی طرف تشریف لاتے تب ہی انکو ملنا چاہیئے تھا یعنی بالفرض آپ باہر تشریف بھی لاتے مگر ان سے ملنے کیلئے نہیں بلکہ قرائن سے یہ معلوم ہوتا کہ کسی اور کام سے تشریف لائے ہیں تب بھی انکو ملاقات کا تقاضا مناسب نہیں تھا بلکہ مزید صبر کرنا چاہیئے تا آنکہ آپ انکی جانب متوجہ ہوتے۔ سبحان اللہ کس قدر آداب کی رعایت کی تعلیم فرمائی گئی ہے

چونکہ پہلے ایک ادب یہ بیان فرما چکے ہیں کہ تقدیم بین یدی اللہ ورسولہ نہیں کرنی چاہیئے اس لئے اب سے آگے ایک واقعہ کے سلسلہ میں حکم شرعی سے سبقت کرنے کو منع فرماتے ہوئے اسکے خلاف کرنے کو بھی تقدیم بین یدی اللہ ورسولہ کا ایک فرد قرار دیتے ہیں :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ٥

اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمھارے پاس کوئی خبر لاوے تو اسکی خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہو کہ کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچادو پھر تکو اپنے کئے پر پچھتانا پڑے

ہے کہ اسکی کوشش کیجائے کہ سب مسلمانوں میں باہم الفت و مودت پیدا ہو اور بغض و
قلوب سے دور ہوں کیونکہ کسی بھی دینی اور عمومی کام کے بارآور ہونے کا سبب سے
افراد کا باہمی اتفاق و اتحاد ہی ہے۔
لہٰذا میں تمام مسلمانوں کو عموماً اور اپنے متعلقین اور منتسبین کو خصوصاً یہ ہدایت
کہ کسی بھی دینی کام کرنے والی جماعت سے (خواہ وہ تبلیغی جماعت ہو یا کوئی
بھی نہیں بلکہ بحد امکان انکی نصرت اور اعانت ہی کر دیا کریں اور کچھ نہ ہو سکے تو دعائے خیر تو
ن میں بہرحال کیا ہی کریں کیونکہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بھی اپنے اکابر میں سے
ذا اللہ وہ کوئی مبتدع یا غیر مخلص شخص نہیں ہے کہ انکی جماعت پر رد و انکار کیا جائے
و اصول صحیحہ کے ساتھ کام کرنے والی ہو)
رہی یہ بات کہ بعد کے لوگوں میں کچھ طریق کار میں کوتاہی ہو رہی ہے تو اسکے متعلق
یہ معلوم ہوا ہے کہ خود جماعت کے اہل علم حضرات اور خواص کے علم میں یہ چیزیں آگئی
ر اسکی طرف سے وہ غافل نہیں ہیں لہٰذا وہ خود ہی اسکی اصلاح کر لیں گے۔ ہم کو اور
ئی کیا ضرورت ہے کہ ایک کام دین کا جو ہو رہا ہے اس میں رخنہ اندازی کر کے
ہ مسلمانوں کے لئے ایک نیا باب فتنہ کا کھولدیں۔
اس نازک زمانہ میں معمولی سے معمولی فتنہ کو بھی مسلمانوں کے حق میں مہلک ہی سمجھتا ہوں
بھی اس سے دور رہنا چاہتا ہوں اور اپنے محبین کو بھی اس سے دور رہنے کی نصیحت
ں کہ دین نصیحۃ ہی کا نام ہے۔

حضرت مصلح الامۃ نے اپنے اس ارشاد میں حسب ذیل امور پر اپنے لوگوں کو تنبیہ
ہے :-
کسی دینی جماعت سے الجھنا اور کسی بھی دینی کام میں رخنہ اندازی کو میں پسند نہیں کرتا
دین کے کام کے لئے بہت لوگ درکار ہیں انسان خود بھی کوئی کام نکرے اور دوسروں
کو بھی نکرنے دے یہ تو بہت برا ہے۔

(۳) یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی کام کے لئے طریق کار مختلف ہوں۔
(۴) کسی خاص طریقۂ کار سے اگر کسی کو اختلاف ہو تو اپنے طریقہ اور ہمت کے مطابق ہی کام کرے یہ صحیح ہے کیونکہ اصل کام ضروری ہے نہ کہ کوئی خاص طریق کار
(۵) کسی دینی کام کرنے والی جماعت سے الجھے نہیں بلکہ اگر ہو سکے تو اسکی اعانت اور نصرت ہی کردے، اور کم از کم اسکے لئے دعا کرنا بھی اعانت ہی ہے۔
(۶) کسی جماعت کی کوتاہی کی اصلاح مناسب ہے کہ اسکے اکابر خود کریں۔ دوسروں کے اصلاح کرنے میں مخالفت کا شبہ کیا جا سکتا ہے جو مفید نہیں ہوا کرتا۔
(۷) خواص کو عوام کی جانب سے غافل نہیں رہنا چاہیئے بلکہ انکی خامیوں کی اصلاح کردینی چاہیئے ورنہ یہی لوگ انکو بھی بدنام کردیں گے۔ چنانچہ اسی کی کڑی یہ تحریر اور اس سے پہلے کا جواب بھی ہے کہ حضرت اقدسؒ کو اپنے لوگوں کے متعلق تجاوز کی ذرا بھی اطلاع ملی تو خطاب خاص اور خطاب عام کے ذریعہ انھیں ضرور تنبیہ فرما دی گئی۔ حضرت والاؒ یہی بات اور حضرات سے بھی چاہتے تھے کہ عوام کو حد سے نہ بڑھنے دیں اور انکے کام پر کڑی نگرانی رکھیں۔
(۸) ہر ناصح کو اپنا مخالف ہی نہ جاننا چاہیئے بلکہ معترض کے شبہ کی تحقیق کرے اور اگر واقعی ہو تو اعتراف کرے اور پھر اصلاح کی کوشش کرے۔

(۱۳)

(جو طریق اسلم اور انسب سمجھ میں آئے اختیار کیجئے)

(خواہ سکوت وخاموشی۔ یا۔ اخلاص ونرمی کیساتھ کچھ کہہ دینا)

عرض حال: حضرت والا نے فتحپور (تال نرجا) میں وہاں سے میرے رخصت ہونے کے دن نصیحت کے طور پر چند ارشادات فرمائے تھے منجملہ ان کے ایک یہ بھی تھا کہ جماعت آئے تو انکی تقریر میں بھی بیٹھ جا۔ انکی دعوت بھی کبھی کردے۔ کوئی ایسی صورت پیش نہ آنے دے کہ وہ تجھے اپنا مخالف سمجھنے لگیں باقی اپنے اکابر کے اصول پر مضبوط رہ۔ الحمدللہ ابتک

اس ارشاد کے مطابق عمل کر رہا ہوں۔

اب ان حضرات کو دیکھ رہا ہوں کہ بالکل ہی حدود سے باہر ہو رہے ہیں اپنی تقریروں میں بے باکانہ ان علماء اور مشائخ پر طنز طعنے اور حملے شروع کر دیئے ہیں جو ان کے ساتھ باہر نہیں نکلتے۔ ابھی قریب میں یہاں ایک جماعت آئی تھی، ایک مقرر نے کہا کہ "تجربہ کے بعد اکابر نے کہا ہے کہ بڑے سے بڑا شیخ، صاحب نسبت اس کام میں حصہ نہ لے تو اسکی نسبت ختم ہو جاتی ہے ___ دوسرے نے کہا کہ حضرت مولانا ۔ ۔ ۔ کے ایک خلیفہ کو حضرت مو ۔ ۔ ۔ نے خواب میں آکر حکم کیا کہ ہم کو قبر میں پہونچنے کے بعد جماعت کی عظمت کا احساس ہو کاش کہ اگر زندگی میں یہ بات معلوم ہوتی تو میں مدرسہ چھوڑ کر اس کام میں لگتا۔ اب تم کو تاکید کرتا ہوں کہ اس کام میں شریک ہو جاؤ۔

اس قسم کی تقریریں کھل کر کرتے رہتے ہیں جس سے سخت اذیت ہوتی ہے۔ ایک نئے فتنہ کا بڑا اندیشہ معلوم ہوتا ہے۔ حضرت والا اب ان لوگوں کے ساتھ کیسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے میرا تو یہ حال ہے کہ سہ

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

گذشتہ ماہ یہاں بڑا اجتماع ہوا جس میں مولانا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب نے بھی شرکت کی تھی اور مدرسہ ۔ ۔ ۔ کے ایک مولانا ۔ ۔ ۔ صاحب بھی آئے تھے، تعجب ہو رہا تھا کہ مولانا صاحب نے مدرسہ کا کام چھوڑ کر شرکت کیوں کی؟ میں نے خلوت میں دریافت کیا کہ حضرت کی یہاں تشریف آوری کی غرض کیا ہے؟ تو جواب دیا "میں نے مولانا الیاس صاحب کا کام بھی قریب رہکر دیکھا ہے بلکہ اس میں عملی طور پر حصہ بھی لیا ہے لیکن آج کی نوعیت ہی کچھ ہو گئی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ خیر کی صورت میں شر پھیل رہا ہے۔ یہ لوگ اور علماء سے کٹ رہے ہیں۔ بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے۔ جو عالم مدرسہ چھوڑ کر اس میں حصہ لینے لگتا ہے تو پھر اسکے لئے درس و تدریس کیطرف رخ کرنا وبال جان معلوم ہونے لگتا ہے یہ سمجھ میں نہیں آتا اسکا سد باب کیسے ہو اور کیا کہکر سمجھایا جائے؟" (یہ ساری باتیں مولانا صاحب ہی نے فرمائیں) مولانا صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ کسی کی نہیں سنتے۔ اگر کوئی ان کے جلسہ میں آ

ایک آدھ بات کوئی اصلاحی کہہ دے تو دوسرے موقع پر وہ نہ آسکے ایسا طریقہ اور معاملہ کر دیتے ہیں، گو زبان سے اسکی شرکت اور اصلاحی بات پر خوشی کا اظہار بھی کر دیتے ہیں۔ میں ہی ایک آدمی مستثنیٰ ہوں کہ چونکہ مولانا محمد الیاسؒ صاحب کے ساتھ بھی میں نے کام کیا ہے اور دوسری بھی بعض خصوصیتیں ہیں جنکی وجہ سے میرے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کا موقع نہیں ہے اسلئے میرے کہنے کو برداشت کر لیتے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر مجھے عجیب الجھن اور پریشانی اسکے متعلق ہے۔

اس وقت معلوم ہوا کہ یہ لوگ یہاں آرہے ہیں عوام خالی الذہن کے ذہن میں معلوم نہیں کیا کیا ڈالا جائے یہ نیا علاقہ ہے گو میری ضعیف العمر والدہ اسوقت فریش بھی ہیں یہ بھی ایک قوی مانع موجود تھا اور پھر مدرسہ کا تعلیمی حرج دس بارہ دن کا دوسرا مانع ہوتے ہوئے میں نے سفر اختیار کیا ...... صاحب نے بھی اسکو نہایت اہم سمجھکر رخصت دی۔ میں نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی نظر میں مدارس اور علماء و مشائخ سے وابستگی اور عظمت کی جو کچھ اہمیت تھی اسکو اجتماع میں بیان کیا ــــ اور مولانا یوسف صاحب نے بھی کسی موقع پر دوسرے علماء کی طرف سے علماء و مدارس سے کٹنے پر احتجاج سنکر کہا تھا کہ ـــــ "خدا وہ دن کبھی نہ دکھائے جس میں جماعت کے کارکنوں کے اندر ذرا بھی علماء و مدارس سے بے اعتنائی پیدا ہونے لگے" ــــــ مجمع عام میں میں نے اسکو بھی سنا دیا بس اسی کام کی غرض سے میرا سفر ہوا۔" انتہی کلامہ۔

حضرت والا! اب آئندہ ان کے ساتھ کیا طریقہ اختیار کرنا مناسب ہوگا؟ ایسے الجھے ہوئے حالات کے متعلق حضرت والا ہی کے حکمت آمیز ارشادات پر عمل کرنے سے فتنوں سے امن و حفاظت کی امید ہے ورنہ خاموشی اختیار کرنے میں بھی شر پھیلنے کا اندیشہ ہے اور کچھ کہنے میں بھی فتنہ کا اندیشہ ہے۔ گو حضرت والا کی برکت سے یہاں کچھ حکمت آمیز طریقہ سے کہنے میں خاصکر اپنی بستی میں زیادہ فتنہ کا اندیشہ تو بظاہر معلوم نہیں ہوتا۔

بہر حال حالات میں نے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیئے ہیں حضرت کے ارشادات سراپا حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اور فتنوں کی حکمت عملی سے بیخ کنی ہو جاتی ہے اور

حضرت والا بہت بہت دعا بھی فرمائیں کہ حق تعالیٰ تمام ظاہری و باطنی فتنوں سے محفوظ رکھکر اہل ایمان کے ساتھ دنیا سے اٹھالیں۔

(جواب) صواب حضرت مصلح الامۃ جو آج بھی منتسبین حضرت والا کیلئے شمع راہ بنائے جانے کے لائق ھے

آپ نے جو باتیں لکھی ہیں وہ بالکل صحیح ہیں۔ میں کسی جماعت سے آویزش کو پسند نہیں کرتا مگر جہاں کسی کو از خود چھیڑنا پسند نہیں ہے وہیں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ہمیں بھی کوئی نہ چھیڑے جس کو جو کام پسند ہو اختیار کرے، معاملہ دین و دیانت کا ہے اور ہر شخص کو اپنے دین کا اختیار ہے مجھ سے تو کوئی اس قسم کی باتیں کرتا نہیں۔ یہاں جو لوگ آتے ہیں وہ منقاد و مطیع ہی نظر آتے ہیں۔ باقی آپ جو حالات کہہ رہے ہیں اسکے متعلق اتنا ہی کہتا ہوں کہ آپ وہاں کے مقتدا ہیں وہاں کے تفصیلی حالات آپ کے سامنے ہیں لہٰذا جو طریق اسلم اور انسب سمجھ میں آئے اختیار کیجئے:

بعض موقع پر سکوت اور خاموشی مناسب ہوتی ہے اور بعض مواقع پر سکوت سبب غلط فہمی بن جاتا ہے۔ بہرحال اخلاص کے ساتھ نرمی سے حق بات کہدینا مفید ہی ہوتا ہے قلوب کا معاملہ حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور حق میں تاثیر بر حق ہے، ہاں اگر نفسانیت آجائیگی تو کام بگڑ جائے گا۔ اس وقت اس سے زیادہ کوئی بات ذہن میں نہیں ہے۔ والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہ۔

(رجسٹر نقل خطوط ۱۶ ص۹)

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامۃؒ کا جواب بلاشبہ یہ حضرت والا کے منتسبین کے لئے اس سلسلہ میں حرف آخر ہی کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ابتدا خط سے معلوم ہوا تھا کہ حضرت والا نے اپنے لوگوں کے لئے اپنا نظام کار جماعت کے کام سے الگ رکھتے ہوئے) اسکی اجازت دے رکھی تھی کہ انکی تقریر وغیرہ میں تو لوگ شرکت کر ہی سکتے ہیں اور

سب دینی کام کرنے والوں کیلئے دعائے خیر کریں، اسکے برخلاف ایسا طریقہ رکھنے کو پسند نہیں فرماتے تھے جس سے کہ دوسرے لوگ ہم کو اپنا مخالف سمجھیں یا اس سے بڑھکر یہ کہ ہمارا طرز عمل ان حضرات کو حضرت اقدس ہی کی جانب سے کسی غلط فہمی میں واقع ہوجانے کا سبب بن جائے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ساتھ (یعنی جبکہ حضرت والا خود بھی اپنے متعلقین کے لئے دوسروں کی رعایت کو پسند فرماتے تھے) یہ بھی چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی ہماری رعایت کریں یعنی اپنا کام کریں اور علماء و اہل خانقاہ کو چھیڑیں نہیں۔ چنانچہ جب اس قسم کی بعض اطلاعات معتبر ذریعہ سے حضرت اقدس تک پہونچیں کہ ابھی لوگ ایسا ایسا بھی کہنے لگے ہیں تو ظاہر ہے کہ بزرگوں اور اسلاف کے طریق کی نصرت کرنے والوں پر یہ امر کتنا شاق گذرا ہوگا چنانچہ حضرت اقدس نے بھی حالات کی تبدیلی سنکر اپنا جواب بھی تبدیل فرمادیا، چنانچہ آخر میں فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ میں کسی جماعت سے آویزش تو قطعی پسند نہیں کرتا اور آپ کو بھی ابتک سکوت ہی کا حکم کرتا رہا کہ فتنہ کا زمانہ ہے اور البلاء موکل بالمنطق، زبان سے کسی بات کا کہنا کبھی فتنہ کا سبب بن جاتا ہے اسلئے خاموشی سے اپنے کام میں لگے رہیئے اور اپنے اکابر کے اصول پر مضبوطی سے قائم رہیئے دوسروں کے درپے نہ ہوجیئے اور کسی سے منازعت کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب چونکہ اپنے اکابر میں سے ہیں ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے طریقہ کار سے نفرت کیا معنی اسکی مخالفت کو بھی پسند نہیں کرتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ وہ بھی دین کا ایک مفید کام ہے ہوتا رہے۔

باقی آپ کے لکھے ہوئے حالات سے اندازہ ہوا کہ مرور دہور کے سبب اب اس کے طریقہ میں تبدیلی ہونی شروع ہوگئی ہے اور بعض لوگ علماء و مدارس اور صاحب نسبۃ بزرگوں کی شان میں بھی حد سے تجاوز کرنے لگے ہیں اور اپنی بات کو کھلم کھلا اکابر کی جانب منسوب کردیتے ہیں تو ظاہر ہے ان سب باتوں کو خاموشی کے ساتھ کیسے سنا جا سکتا ہے اور اس پر کیسے راضی رہا جا سکتا ہے ع۔ اأحبہ واحب فیہ ملامۃ کی رو سے یہ کیسے ممکن بھی ہے لہٰذا اب آپ کے لئے وہ پہلا حکم نہیں ہے بلکہ آپ اپنی جگہ مقتدا ر کی

حیثیت رکھتے ہیں بلکہ خود عالم وفاضل اور مفتی ہیں) جیسا موقع مناسب ہو کام کیجئے۔ کیونکہ بلاشبہ کبھی تو کسی جگہ خاموشی ہی مناسب ہوا کرتی ہے لیکن کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ خاموشی سبب غلط فہمی بھی بن جایا کرتی ہے اسلئے اسے دور کرنا ایک عالم کا بقول ایے ؎

دگر بینم کہ نابینا و چاہ است ۔ اگر خاموش بنشینم گناہ است

اپنا شرعی فریضہ ہوجاتا ہے ظاہر ہے کہ اس میں دخل دینے والا میں یا کوئی کون ہوتا ہے باقی اس سلسلہ میں اتنا ضرور کہتا ہوں کہ حق بات اخلاص اور نرمی کے ساتھ کہدینے میں انشاء اللہ نفع ہی نفع ہے۔ البتہ نفسانیت سے بہت دور رہنے کی ضرورت ہے ورنہ اسکے بعد تو پھر فساد اور فتنہ دھرا ہوا ہے۔ اس زمانہ میں اس سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے

سبحان اللہ! حضرت نے کیا عمدہ نصیحت، حل اور اپنا پسندیدہ طریق کار موجودہ اختلافات سے بچتے ہوئے اپنے لوگوں کو تلقین فرمایا جو آب زر سے لکھنے کے لائق اور لائحہ عمل بنانے کے قابل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ونعوذ باللہ من الفتن ما ظہر منہا وما بطن۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت والا کا ایک مخصوص طریق کار تھا جس پر آپ یکسوئی کے ساتھ تازیست کاربند رہے، اسکو دیانۃً مفید جانکر اختیار فرمایا اور باوجود اسکے کہ خواہش رکھتے تھے کہ سب مسلمان ایسی ہی زندگی گذاریں لیکن کسی دوسری دینی جماعت اور دوسرے طریقہ پر جو لوگ دین ہی کا کام کرتے ان کے درپے کبھی نہیں ہوئے، اور طریق کار کے سلسلہ میں یہی اسلم رویہ ہے بھی کہ جو طریقہ جس کو راس آئے یعنی اسکو مفید جانے اور وہ اسکو پسند ہو اسکو اختیار کرے اور دوسرے کام کرنے والوں کی تنقیص واہانت قطعی نہ کرے لیکن چونکہ حضرت اقدس کو اللہ تعالیٰ نے منصب اصلاح امت بھی عطا فرمایا تھا اسلئے موقع آجانے پر آپ نے باب اصلاح میں کسی فرد یا جماعت کی ذرا پرواہ نہیں کی اور بلاخوف لومۃ لائم کسی میں کوئی کوتاہی دیکھی تو اس پر اسکو متنبہ فرمایا، حق بات اور راہ راست

سب کے سامنے پیش فرمادی اب خواہ کوئی اسکو مانے یا نہ مانے۔ چنانچہ اسی نوع کا ایک معاملہ ایک مرتبہ تبلیغی جماعت کے ساتھ بھی پیش آیا جس کا واقعہ یہ ہوا کہ :۔

مئو۔ کوپا اور گھوسی سے ہوتی ہوئی ایک جماعت جو چالیس پچاس افراد پر مشتمل تھی ایک دن شام کو فتحپور تال نرجا آئی، بستی کے شمال کی جانب باہری مسجد میں اس نے قیام کیا قبیل مغرب وہ لوگ حضرت اقدسؒ سے ملاقات کیلئے حضرتؒ کے مکان پر حاضر ہوئے، حضرت اوپر بالاخانہ میں تشریف رکھتے تھے دور سے اتنے لوگوں کو آتا ہوا دیکھکر خدام سے فرمایا کہ یہ کون لوگ آرہے ہیں کسی نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو تبلیغی جماعت کے لوگ معلوم ہو رہے ہیں۔ بطور ظرافت کے فرمایا کہ پھر یہاں کیوں آرہے ہیں مجھے تبلیغ کرنے آرہے ہیں کیا؟ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ نیچے سے خادم نے آکر اطلاع دی کہ جماعت آئی ہوئی ہے لوگ ملاقات کیلئے حاضر ہونا چاہتے ہیں حضرت والاؒ نے فوراً اوپر بلالیا سب نے سلام و مصافحہ کیا اور تھوڑا ہی وقت گذرا تھا کہ مغرب کی اذان ہوگئی فرمایا کہ چلئے اب مسجد اذان ہو رہی ہے سب لوگ اٹھے اور اتر کر مسجد چلے گئے حضرت والاؒ بھی آخر میں اترے نماز کے بعد حضرت اقدس حسب معمول مکان پر تشریف لائے اور سنت و نوافل سے فراغت کے بعد اپنے معمولات میں مشغول ہوگئے اور سب لوگ نماز سے فارغ ہوکر مسجد ہی سے اپنے جائے قیام پر واپس چلے گئے نہ تو ان حضرات نے اپنی تشریف آوری کی غرض حضرت والا سے عرض کی نہ حضرت ہی کو دریافت کرنے کا موقع ملا۔ (باقی آئندہ)

(ایک مخلص کا سبق آموز خط)

دفتر کو لکھا کہ ـــــ (رسالہ کی تمام جلدیں سابق) آپ کے پاس دستیاب ہوسکتی ہیں یا نہیں؟ مکتوبات اصلاحی۔ حالات مصلح الامۃؒ۔ ترغیب الفقراء والملوک ترجمہ سلک السلوک۔ کتابی شکل میں شایع ہونگے یا نہیں؟ تحریر فرمادیں۔ میرا اپنا پورا حلقہ بریلویت کا عاشق تھا کتابوں کے مطالعہ سے اہل حدیث کی گلی میں چکر کاٹا اب حضرت شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کی خانقاہ میں پڑاؤ ڈالا ہے۔ انشاء اللہ یہ پڑاؤ اب آخری ہوگا زندگی پوری بیکار سی لگ رہی تھی اب جینے کا مزہ آرہا ہے ہمارے لئے آپ لوگ مخصوص دعاء فرمائیں۔

فقیر سید عبداللہ

بشنو بشنو! ابراہیم خواص می گوید
وقتی بر سر کوہی بودم آنجا انار بسیار بود
نفس مرا آرزوی انار بسیار کرد
دانہ از آں بر گرفتم در دہاں نہادم
ترش بود از دہاں بروں انداختم
پیشتر شدم مردی دیدم بانواع بلا
مبتلا و زنبور بسیار گرد او در آمدہ گفتم
السلام گفت و علیک السلام
یا ابراہیم۔ کیف عرفتنی گفت
من عرف اللہ تعالیٰ لا یخفی منہ شئی
گفتم ای خواجہ ترا با حضرت ذو الجلال
اللہ تعالیٰ و تقدس حالی می بینم
چرا ازیں حضرت نمی خواہی تا ایں
زحمت زنبوراں از تو دفع گرداند
گفت ای ابراہیم ترا ہم با آں
حضرت حالی می بینم تو چرا نخواستی
تا آرزوی آں انار از تو دفع گرداند

قطعہ

بخشی سر ز حکم دوست متاب
کار نا بالغاں است شور و خروش
ہیچ دانی کہ صدق چیست بحق
ارہ بر سر نہند و تو خاموش

سنو سنو! حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ایک پہاڑ کے اوپر تھا وہاں انار بہت لگے ہوئے تھے میرے نفس میں انار کھانے کی خواہش بہت شدت سے پیدا ہوئی چنانچہ ایک پھل میں نے انار کا توڑ لیا منہ میں رکھا تو بہت کھٹا تھا فوراً تھوک دیا اور آگے چلدیا' ایک شخص کو دیکھا کہ طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہے اور اسکے چاروں طرف مکھیاں پٹ رہی ہیں اس کے پاس آیا اور میں نے اسکو سلام کیا۔ اس نے کہا وعلیکم السلام یا ابراہیم۔ میں نے کہا آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا؟ (حالانکہ کبھی کی دید و شنید نہیں رہی) اس نے کہا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا عارف ہو جاتا ہے پھر اسپر کوئی شے مخفی نہیں رہتی۔ میں نے عرض کیا حضرت آپکا اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب تو ایسا دیکھ رہا ہوں پھر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں فرماتے کہ ان مصائب سے آپکو نجات دیدیں اور ان بھڑ اور مکھیوں سے آپ کا پیچھا چھوٹے۔ انھوں نے فرمایا کہ اے ابراہیم تمکو بھی تو حق تعالیٰ سے نسبت اور تعلق خاطر حاصل ہے تم نے جب تمکو انار کی خواہش پیدا ہوئی تھی کیوں نہ انھیں سے درخواست کی کہ اس خواہش کو دفع فرما دیتے (اور غیر کا انار توڑنے سے تم بچ جاتے)۔

ترجمہ قطعہ

"اے بخشی دوست کے حکم سے منہ نہ موڑو (سختی سے گھبرا کر) چیخنا اور چلانا تو بچوں کا کام ہے جانتے ہو کہ حق تعالیٰ کے ساتھ صدق تعلق اور صدق محبت کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ وہ تو تمھارے سر پہ آرہ رکھیں اور تم زبان سے اُف تک نہ کرو"

سلک صد و سیزدہم

اگر کسی پرسد طائفہ کہ ایشاں را در بیچیزی ہمہ چیزہا مہیا شدہ و ایشاں در بینوائی ہمہ وقت با نوا گشتہ آں کدام طائفہ اند باید گفت آں از طبقۂ درویشاں توانگران باطن اند اہلِ تحقیق غنار ظاہر را غنار نگویند اما غنار باطن را غنا گویند۔ سئل ارسطا طالیس من رجل یعرف ہل ہو غنی ام لا فقال اعلم ان لہ مالا ولکنی لا اعلم اغنی ہو ام لا ای لست ادری کیفیۃ عملہ فی مالہ ای درویش تا نہ پنداری درویش کسی را گویند کہ او ہیچ چیز ندارد بلکہ درویش کسی را گویند کہ او ہمہ چیز دارد و بعضی از بادشاہان از درویشاں ہمچناں التماس کنند کہ بعضی از درویشاں از بادشاہاں التماس کنند اری قوت قناعت قوتی است کہ سلاطین پیش او حقیر اند بشنو بشنو چنیں گویند وقتی یکی از بزرگان دید کہ درویشی پای دراز کردہ بود و دژند خود را بالای آں افگندہ

سلک ۱۱۳ (قناعت)

اگر کوئی پوچھے کہ اس گروہ کا کیا نام ہے جس کے افراد ایسے ہوتے ہیں کہ عالم بیچیزی میں بھی ان کے پاس تمام اشیاء مہیا ہوتی ہیں (اور انھیں کسی چیز کی حاجت نہیں رہ جاتی) اور وہ لوگ فقر و فاقہ میں بھی خوش و خرم اور توانا ہی رہتے ہیں اور ذرہ برابر ضعف انکو نہیں ہوتا تو کہنا چاہئے کہ وہ توانگر صفت درویشوں کا گروہ ہے۔ بات یہ ہے کہ اہل تحقیق غنار ظاہری کو امیری نہیں کہتے بلکہ امیری انکے یہاں غنار باطن کا نام ہے۔ ارسطا طالیس سے ایک شخص کی نسبت دریافت کیا گیا جسکو کہ وہ پہچانتے تھے کہ جناب والا یہ شخص غنی ہے یا نہیں؟ اس نے یہ جواب دیا کہ مجھے یہ تو معلوم ہے کہ اسکے پاس مال ہے باقی یہ نہیں بتلا سکتا کہ وہ غنی بھی ہے یا نہیں اسلئے کہ مجھے اسکے مال میں اسکے طرز عمل کا علم نہیں ہے اے درویش سن! تو اس غلط فہمی میں نہ رہ کہ درویش اسکو کہتے ہیں جسکے پاس مال نہو بلکہ درویش اسکو کہتے ہیں جو کچھ نہ ہونے پر بھی گویا سب کچھ رکھتا ہو۔ بہت سے سلاطین کو دیکھا گیا ہے کہ درویشوں اور فقراء دین سے انھوں نے اس طرح سے لجاجت اور پستی کیساتھ اپنی حاجت کا سوال کیا ہے جس طرح سے کہ بعض بعض درویش لوگ بادشاہوں سے درخواست کرتے ہیں۔ ہاں بھائی قناعت میں اتنی بڑی قوت موجود ہے کہ سلاطین اسکے آگے ہیچ ہیں۔ سنو سنو! ایک مرتبہ بزرگوں میں سے کسی بزرگ نے دیکھا کہ ایک درویش اپنے پیر پھیلائے ہوئے بیٹھا ہے اور اس پر اپنی گودڑی رکھ کر

پیوندمی کرد ہمدراں حالت یکی از خلفای آں دیار برای دیدن او آمد او ہیچ از سر حال خود نگشت و پای گرد نیاورد حاجبی کہ برابر خلیفہ بود آغاز کرد کہ شیخ پای گرد آر شیخ ہیچ نگفت و التفات نکرد بار دوم گفت شیخ پای گرد آر گفت ای خواجہ دیر است تا دست گرد آوردہ ام اگر پای گرد نیارم روا باشد قطعہ ؎

نخشبی دست پیش کس مکشا
نیست از غیر خواست گر دہ ہست
ہر کہ از دست خویش گرد آورد
ہیچ کس را بر و نباشد دست

اسے بھی رہا تھا اسی درمیان میں اس ملک کا خلیفۃ المسلمین اس درویش سے ملاقات کو آگیا اسنے اپنی ہیئت میں کچھ تبدیلی نہ کی اور اپنے پیر کو بھی نہ سمیٹا بادشاہ کیسا تھ جو دربان تھا اس نے کہا بھی کہ حضرت پیر سمیٹ لیجئے شیخ نے اس پر بھی نہ کچھ کیا نہ کچھ کہا۔ اسنے پھر دوبارہ کہا کہ درویش صاحب اپنے پیر تو سمیٹ لیجئے (بادشاہ سلامت تشریف لائے ہیں) انھوں نے فرمایا ارسے جناب عرصہ ہوا کہ میں نے اپنے ہاتھ سمیٹ لئے ہیں اسلئے اب اگر پیر نہ سمیٹوں تو روا ہے (یعنی جبکہ مجھے کسی مخلوق کے آگے دست دراز کرنا نہیں ہے تو پھر کسی سے مجھے کیا اندیشہ ہے)

ترجمہ قطعہ

"اے نخشبی خبردار کسی مخلوق کے آگے کبھی ہاتھ نہ پھیلانا اور نہ ملی ہوئی
چیز کو نہ مانگے کیونکہ سے گویا ملی ہی ہوئی سمجھو (کہ سوال کی ذلت سے تو
بچے جو کہ پانے کی عزت سے کم نہیں ہے) جس شخص نے اپنے ہاتھ کو سمیٹ لیا
اسکے اوپر کسی کی چاپ نہیں رہا کرتی (یعنی دباؤ اور قبضہ نہیں ہوتا)

سلک صد و چہارم

ارباب معرفت گویند خلق به پنج بلای عظیم مبتلا است و بد نظامی کار ایشاں ازاں خمس است یکی ازاں حب شبع است و منہ قساوۃ القلب و دوم حب نوم است و فیہ نقصان العمر

سلک نمبر ۱۰۴ (طریق فنا کے دعوی کا نام ہے)

ارباب معرفت یہ فرماتے ہیں کہ مخلوق پانچ بڑی مصیبتوں میں گرفتار ہے اور ان کے تمام کاموں میں بدنظمی کا یہی سبب ہے ایک یہ کہ لوگوں کو خوب شکم سیر ہو کر کھانا پسند ہے اور اسکی وجہ سے قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے (جسکا عیب ہونا ظاہر ہے) دوسری چیز یہ ہے کہ انکو سونے سے بہت زیادہ تعلق ہے حالانکہ اسکی وجہ سے عمر کم ہو جاتی ہے (جسکا نقصان ظاہر ہے)۔ تیسری چیز یہ ہے کہ

سوم حب راحت است و فیہ افلاس من العمل و چہارم حب مال است و فیہ الحساب الشدید والعذاب الشدید پنجم حب شہوات است و فیہ ذہاب الثواب واین پنجم از ہمہ عظیم تر است بنابر آنکہ مردم را ہیچ عیبی فاحش تر از خود پرستی نیست و ہیچ کفرانی زشت تر از خود بینی نہ بشنو بشنو صاحب کرامتی را گفتند شنیدہ ایم کہ تو بر آب میروی گفت اگر صد سال بر آب خواہم رفت بہتر از خس نخواہم رفت و دیگری را گفتند کہ تو در آتش می باشی گفت اگر ہمہ عمر خواہم بود خوشتر از سمندر نخواہم بود و آن مقام طائفہ است کہ ایشان را اصلا در خود نظر نماندہ باشد و لہذا صاحب مقاماتی را گویند انصاف چیست؟ گفت آنکہ انصاف دیگران از خود بدہد و انصاف خویش از کسی نطلبد قطعہ

تخشتی کمتر از خسی است بدہر
منطق الطیر کم کسے داند

انکو راحت و آرام بہت پسند ہے اور اسکی وجہ سے انسان عمل میں مفلس ہوجاتا ہے یعنی بالکل نکما اور بے مصرف ہوجاتا ہے۔ چوتھی چیز حب مال ہے اور اسکی وجہ سے قیامت میں اسکا حساب اور عذاب لیا اور سخت ہوجائیگا اور پانچویں چیز شہوات کی محبت ہے یعنی خواہش نفس کی برآری جسکی وجہ سے یہ ثواب کی باتوں سے محروم رہتا ہے اور یہ پانچویں چیز سب سے زیادہ اہم اور نقصان دہ ہے اسلئے کہ انسان کے اندر کوئی مرض خود پرستی سے زیادہ فاحش نہیں اور کوئی کفر کی قسم کی چیز خود بینی سے بڑھکر نہیں ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ؎ کفر است درین مذہب خود بینی و خود رائی۔

سنو سنو! ایک صاحب کرامت بزرگ سے لوگوں نے کہا کہ حضرت سنا ہے آپ پانی پر چل لیتے ہیں فرمایا کہ اگر سو سال بھی پانی پر چلوں تو ایک تنکے سے زیادہ درجہ نہ پا سکونگا اور اس سے عمدہ نہ چل سکونگا۔ اسی طرح دوسرے کسی بزرگ سے لوگوں نے کہا کہ حضرت سنا ہے آپ آگ پر بے تکلف چل لیتے ہیں فرمایا کہ اگر تمام عمر آگ پر چلوں تو سمندر نامی آگ کے کیڑے سے بہتر اس میں نہ چل سکونگا یہ مقام اس گروہ کا ہے کہ جنکی نظر اصلا اپنے پر نہو اسی لئے ایک صاحب مقام سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت "انصاف" کسے کہتے ہیں فرمایا کہ انصاف والا در اصل وہ ہے کہ دوسروں کا حق انصاف کیساتھ اپنے سے ادا کردے اور اپنے لئے حق اور انصاف کا کسی سے خواہش مند نہو

"یعنی تخشتی دنیا میں خس سے بھی زیادہ حقیر ہو لیکن یہ بھی جان لو کہ منطق الطیر جاننے والا بھی دنیا میں کوئی ہی کوئی ہوتا ہے (مراد منطق الطیر سے رموز معرفت ہیں جن سے کم ہی لوگ واقف ہوتے ہیں اور الحمدللہ تخشتی اسکے واقف ہیں) پھر باوجود

آنکہ او در جہان کسے باشد
خویشتن را کم از خسے داند

سلک صد و پانزدہم

اہل ریاضت گویند

الریاضۃ سد باب النوم والتبعد عن صحبۃ القوم وبعضی گویند الریاضۃ مداراۃ حکم الشریعۃ ومداواۃ سقم الطبیعۃ و اصل ریاضت گرسنگی است الجوع تہذیب الاولیاء و تعذیب الاشقیاء روزی ابراہیم ادہم را کہ او ہم نفس ہیچکس بہتر ازو ریاضت ندارد دوستی مہمان برد و او میدانست کہ ابراہیم طعام اندک میخورد گفت مرا آرزوی آں میکرد کہ تو طعام امروز بیشتر خوری ابراہیم گفت ای خواجہ تو کار خویش کردی اکنوں مرا ہم کار خویش می باید کرد علیک بتقریب الطعام و علینا بتادیب الاجسام عزیز من! یکی از ثمرات شجرۂ ریاضت انجلائے باطن است

اس کمال سے پڑات کیسی؛ بات یہ ہے کہ جو شخص اس دنیا میں کچھ ہوتا ہے وہ اپنے کو خس سے بھی کم ہی سمجھا کرتا ہے"

سلک ۱۱۵ (ریاضت اور مجاہدہ)

اہل ریاضت فرماتے ہیں کہ "ریاضت" نام ہے نوم (یعنی سونے کے دروازہ کو بند کر دینے اور اپنے ابنائے جنس کی مصاحبت سے دوری اختیار کرنے کا۔ اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ "ریاضت" کہتے ہیں حکم شرع کو خوش آمدید کہنے کو اپنی طبیعت کی بیماریوں کا علاج کرنے کو۔ باقی ریاضت کی اصل جو ہے وہ فاقہ اور بھوک ہے عقلاء کا کہنا ہے کہ بھوک اولیاء کو سنوارنے والی شے ہے اور اشقیاء کیلئے موت اور سبب عذاب ہے ایک دن حضرت ابراہیم ادہمؒ کو (وہ ابراہیم ادہم کہ کسی شخص نے اپنے نفس کی ریاضت ان سے بہتر نہیں کی تھی) ان کو کوئی دوست انکا اپنے یہاں مہمان لے گیا اور اسکو یہ احساس ہوا کہ حضرت نے کھانا تو بہت ہی کم نوش فرمایا اسلئے عرض کیا کہ حضرت میری تو یہ دلی خواہش تھی کہ حضرت آج کچھ اور زیادہ کھانا تناول فرمالیتے (حضرت نے تو بہت ہی کم کھایا) ابراہیم ادہمؒ نے فرمایا بھائی میرے تم نے تو اپنا کام کر لیا اب ہم کو بھی اپنا کام کرنا چاہئے یعنی تمہارے ذمہ بحق میزبانی لازم تھا کہ عمدہ عمدہ کھانے مہمان کے قریب کرتے تم نے کیا اور ہمارے ذمہ یہ لازم ہے کہ اپنے جسم کی حفاظت کریں اور اسکو راہ مولا میں لگائیں غافل نہ ہونے دیں وہ ہم نے کیا عزیز من! ریاضت کے ثمرات میں سے ایک بڑا ثمرہ باطن کا روشن ہو جانا بھی ہے

سبحان اللہ! این چہ انجلاست
کہ اہل ریاضت درتجلی باطن دارند
تا ہرچہ ہست ایشاں را بعینہ در آئینۂ
دل متصور است بشنو بشنو اندہ
آنچہ میان سکندر و دارا منازعت شد
شبی سکندر خواب دید گوئی با دارا
کشتی میگیرد دارا اورا برزمین انداختہ
است سکندر این خواب پیش یکے
از ریاضت کشاں بگفت اوگفت
خاطر جمع دار کہ دارا زمین بتو خواہد داد

قطعہ ؎

نخشبی غیب عالمی است دگر
غیب راہست عیبہا روشن
ہر کہ او جوشن صفا پوشید
گردد ش جملہ غیبہا روشن

سبحان اللہ! وہ بھی کیا روشنی اور تجلی ہے جو کہ اہل ریاضت اپنے باطن کے آئینہ میں رکھتے ہیں جسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ جو بھی واقعات دنیا میں ہوتے ہیں وہ انکے آئینۂ دل میں تصور رہتے ہیں۔ سنو سنو! جس زمانہ میں کہ سکندر اور دارا کی لڑائی ہو رہی تھی سکندر نے خواب میں دیکھا کہ جیسے دارا سے کشتی لڑ رہا ہے اور دارا نے اسکو زمین پر پٹک دیا۔ سکندر نے اپنے اس خواب کو اسی طرح کے ایک اہل ریاضت کی خدمت میں پیش کیا انھوں نے فرمایا کہ تم خاطر جمع رکھو (خواب بہت اچھا ہے اور اسکی تعبیر یہ ہے کہ) دارا تم کو زمین دے دیگا یعنی تم ملک کے مالک ہو جاؤگے۔

ترجمہ قطعہ

نخشبی غیب ایک دوسرا ہی عالم ہوا کرتا ہے اس میں غیب کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے۔ پس جو شخص کہ صدق و صفا کے زیور سے خود کو آراستہ کر لیتا ہے اس پر (بہت سے) امور غیبیہ منکشف ہو جاتے ہیں (جسکی وجہ سے وہ صحیح ہی بات کہتا ہے)

سلک صد و شانزدہم

معماران رواق باطن گویند
خانہ چوں عمر خراب می شود غلق پیش
خود دیوار بر می آرند ای بعمارت
کاخ چوبیں پای و رگل ماندہ مگر
تو این خبر نہ رسیدہ است کہ

سلک ۱۱۶ (حلال آمدنی اینٹ گارے میں نہیں خرچ ہوتی)

باطنی محلات کے جو حضرات معمار ہوتے ہیں انکا کہنا ہے کہ انسان کی عمر کی طرح جب اسکا مکان بوسیدہ اور خراب ہو جاتا ہے تو مخلوق یہ کرتی ہے کہ اسکے سامنے سے ایک آڑ کی دیوار بنا لیتی ہے یعنی پختہ اور بلند مکان کی جگہ اب صرف لکڑی اور مٹی گارے سے کام چلا لیتی ہے۔ شاید تم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ

او ضع رسول اللہ علیہ السلام لبنا
علی لبن چنیں گویند چوں یکی خانہ
برارد بلند تراز بالا خویش ملائکہ
گویند الی این یا ملعون و در اثر
آمدہ است کہ در آخر الزمان مردم
باشند کہ ایشاں خانۂ خود را
چناں نقش کنند گوئی بردیمانی است
نظر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی طریق
الشام الی صرح قد بنی بالجص و
الآجر فکبر و قال ماکنت اظن
ان یکون فی ہذہ الامۃ من یبنی
بنیان ہامان و فرعون بشنو بشنو
روزی مردی بر امام اعظم کہ
بانی مبانی حقیقت بود رفت و گفت
من مسجدی بنا کردہ ام و دلم این تمنا
می کند کہ قراضۂ زری از کسب تو
دراں مسجد خرچ شود تا از برکت آں
وجہ خلق روی بدو آورد امام اعظم
بعد از تامل بیاریک قراضۂ زر
بدو داد و بر رفت بعد از تامل زمانی
آں قراضہ باز آورد و گفت از برای
مصلحتی کہ ایں بردہ بودم آں بی این
برآمد امام اعظم تبسم کرد و آں قراضہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیر کے سلسلہ میں اینٹ پر اینٹ
نہیں رکھی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص (اپنی حیثیت
سے زیادہ) مکان بناتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اسے ملعون یہ
پختہ تعمیر تیری آخر کتنے دنوں کام آویگی۔ حدیث شریف میں آیا ہے
کہ آخر زمانہ میں لوگ ایسے ہوں گے کہ وہ اپنے مکان کو نقش ونگار
کے ساتھ اس طرح منقش کریں گے جیسے یمنی چادر نقشین ہوتی
ہے۔ حضرت عمرؓ نے شام جاتے وقت راستہ میں ایک
مکان دیکھا جو کہ پختہ اینٹ اور چونے سے بنا ہوا تھا آپ نے
اسکو دیکھکر فرمایا اللہ اکبر! میرا گمان یہ نہیں تھا کہ اس امت
میں ایسے بھی لوگ ہیں جو ہامان اور فرعون کے مکان جیسا پر تکلف
مکان بنائیں گے۔ سنو سنو! ایک دن ایک شخص امام اعظم
(ابوحنیفہؒ) کے پاس جو کہ حقیقت کے بانی مبانی تھے آیا اور
کہا کہ میں نے ایک مسجد بنوائی ہے میرا دل یہ چاہتا ہے کہ آپکا
بھی ایک ٹکڑا سونا اس میں لگ جاتا تاکہ اسکی برکت سے مخلوق کی
توجہ اس مسجد کی جانب ہو جاتی۔ امام صاحبؒ نے تھوڑی دیر
غور و تامل کرنے کے بعد ایک ٹکڑا سونا پیش فرمادیا وہ لیکر چلا گیا
لیکن کچھ ہی مدت بعد وہ رقم واپس لایا اور عرض کیا کہ حضرت جس
ضرورت کے لئے حضرت سے یہ رقم لی تھی وہ پوری ہوگئی لہذا اب
یہ رقم فاضل ہے اسلئے واپس ہے۔ امام صاحبؒ نے تبسم فرمایا
اور وہ ٹکڑا سونے کا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ حاضرین مجلس نے
عرض کیا کہ حضرت کیا وجہ ہوئی کہ دیتے وقت تو آپ نے بڑے تامل کے
کے بعد دیا تھا اور لیتے وقت فوراً لے لیا اور چہرے پر بشاشت
کے آثار نمودار ہوئے۔ فرمایا کہ مجھے حدیث میں آیا ہے کہ حلال کمائی

بازستد ما عزاں گفتند چیست وقت
دادن ایں قراضہ تامل بسیار کردی
و وقت باز ستدن فرحتی در تو ظاہر
گفت در خبر صحیح است کہ وجہ حلال
در گل و خشت خرج نشود وقت دادن
ازاں تامل کردم کہ چوں وجہ من
حلال است در گل و خشت چگونہ
خرج شود اگرچہ مسجد است و وقت
باز ستدن ازاں خوش شدم کہ
کہ در حقیقت آں وجہ حلال است
ازاں براں ہم صرف نہ شد قطعہ ؎

نخشبی خانہ بر زمیں چہ کنی
نقد خود کس بخاک رہ ندہد
آنکہ ویرانی جہاں دید است
خشت بر خشت ہیچ گہ ننہد

اینٹ گارے میں نہیں خرچ ہوا کرتی لہٰذا دیتے
وقت میں نے اسلئے تامل کے بعد دیا کہ مجھے خیال آیا
کہ جب میری کمائی حلال کی ہے تو یہ کیونکر اینٹ
گارے میں خرچ ہوگی اگرچہ تعمیر مسجد ہی میں
کیوں نہ ہو، تو واپسی کے وقت مجھے یہ معلوم کرکے
خوشی ہوئی کہ الحمد للہ میری یہ کمائی بالکل حلال
کی تھی اسی لئے گارے مٹی میں نہ لگ سکی ۔

ترجمہ قطعہ

" اے نخشبی زمین پر اور دنیا میں گھر بنا کر
کیا کروگے اپنی آمدنی کو کوئی (سمجھدار)
انسان مٹی میں نہیں ملایا کرتا جس شخص نے
کہ اس دنیا کی ویرانی کو سمجھ لیا تو وہ
اینٹ پر اینٹ کبھی نہیں رکھے گا
(یعنی تعمیر میں روپیہ برباد
نہ کرے گا) ۔

سلک صد و ہفدہم

طالب صادق گوید
طالب را بباید کہ مطلوب را
بیواسطہ دوست دارد
نہ بواسطہ ۔

سلک ۱۱۷ (اخلاص و ایثار)

جو حضرات کہ طالب صادق گذرے ہیں وہ یہ فرماتے
ہیں کہ طالب کو چاہیئے کہ مطلوب (حقیقی) کو بلا کسی
واسطہ کے دوست رکھے اس سے محبت اور
دوستی بواسطہ نہ ہونی چاہیئے ۔

(باقی آئندہ)

مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

شمارہ ۸ اگست ۱۹۸۰ء جلد ۱۳

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲ بخشی بازار
الہ آباد

حامل مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افادات وصی اللہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ ششماہی ۹ نو روپئے

چندہ سالانہ ۱۸ اٹھارہ روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | ایک روپیہ

شمارہ ۸	شوال المکرم سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق اگست سنہ ۱۹۸۰ء	جلد ۳

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷ ۔ ڈی ۱۱۱

اس شان نزول کا قصہ اس طرح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو بنی مصطلق سے زکواۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ ولید میں اور ان میں زمانۂ جاہلیت میں کچھ عداوت تھی ولید کو وہاں جاتے ہوئے اندیشہ ہوا ان لوگوں نے سنکر استقبال کیا ولید کو گمان ہوا کہ یہ لوگ بارادۂ قتل آرہے ہیں واپس جاکر اپنے خیال کے موافق کہہ دیا کہ وہ تو مخالف اسلام ہوگئے۔ آپ نے حضرت خالد کو تحقیق حال کے لئے بھیجا اور ان سے فرمادیا کہ خوب اچھی طرح تحقیق کرنا اور جلدی مت کرنا چنانچہ انھوں نے وہاں بجز اطاعت اور خیر کے کچھ نہ دیکھا آکر آپ کو مطمئن کردیا اسپر یہ حکم نازل ہوا۔

اس میں کسی کی بیان کی ہوئی خبر پر بلاتحقیق عمل کرلینے کو منع فرمایا گیا ہے کیونکہ بلاتحقیق ان پر مثلاً جہاد کردیا جاتا تو ان کے کتنے حقوق فوت ہوتے اسلئے اسکا حکم ہوا کہ کوئی خبر سنو تو پہلے اسکی تحقیق کرنا چاہیئے ورنہ اگر بلاتحقیق کے محض کسی کے کہنے سے عمل کرلوگے تو عجب نہیں کہ دوسرے پر ظلم ہو جائے اور اگر کچھ بھی نہ ہوگا تو کم ازکم اسکی جانب سے تم کو سوءظنی تو ہو ہی جائے گی جو کہ حرام ہے کیونکہ حسن ظن واجب ہے، ان حقوق کے فوت ہونے میں تو کلام ہی نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ سنو! یہ تقدیم بین یدی اللہ و رسولہ کیونکر ہوئی :۔

واعلموا ان فیکم رسول اللہ لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم

یعنی جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں جو خدا کی بڑی نعمت ہیں پس اس نعمت کا شکریہ ہے کہ کسی بات میں تم آپ کیخلاف نکرو گو وہ دنیوی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں اگر آپ تمھارا کہا مانا کریں تو تمکو بڑی مضرت پہونچے۔

بس یہ معاملہ تقدیم بین یدی اللہ و رسولہ اس طرح سے ہوا کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے درمیان میں موجود اور پھر انکی موجودگی میں بھی تم کوئی کام بدون اذن اور بلا آپ کے مشورہ سے کرو یہی تقدیم علی الرسول ہے کہ آپ کی رائے حاصل کرسکنے کے باوجود آپ سے استشارہ نہ کیا جائے اور کوئی کام کرلیا جائے۔ تقدم صرف اسی کو نہیں کہا جاتا کہ آدمی کسی واجب التعظیم ذات کے آگے آگے چلے۔ جس طرح بدون حاجت کے کسی واجب الاحترام

ذات کے آگے چلنا تقدم اور بے ادبی ہے اسی طرح سے انکی رائے لینے سے پہلے کوئی کام کر گزرنا یہ بھی تقدم ہی ہے اور منع ہے۔

اس مقام پر ایک مولوی صاحب نے ایک اشکال کیا وہ یہ کہ آیۃ میں ہے اذا جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا یعنی جب کوئی فاسق شخص کوئی خبر لایا کرے تو پہلے اسکی تحقیق کر لیا کرو۔ اور جن کے متعلق یہ آیۃ نازل ہوئی ہے وہ ایک صحابی ہیں چنانچہ انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ تو اس سے تو یہ نکلا کہ آیۃ میں صحابہ کو فاسق کہا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ انھوں نے اس حکم کو سننے کے بعد کہاں اسکے خلاف کام کیا؟ فسق تو جب ہوتا کہ آیۃ کے نزول کے بعد بھی بلا تحقیق بات کہدیتے یہ تو اس سے نہیں معلوم ہوا بلکہ اسی واقعہ سے تو شریعت بن رہی ہے اس سے پہلے اسکے متعلق تو کوئی حکم شرعی موجود نہیں تھا۔ پس یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں مخاطب عام مومنین ہیں اور فاسق سے مراد عام فاسقین ہیں اور فاسق کا ذکر مبالغۃً فی الحکم کے لئے ہے یعنی یہ کہ جو کوئی شخص بھی خبر لائے وہ قابل تحقیق ہے ورنہ ضرر کا اندیشہ ہے جیسا کہ یہاں ہوا۔ بالخصوص اگر کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو اسکا قابل تحقیق ہونا اولیٰ و آکد ہے۔ باقی یہاں ان صحابی سے جو کچھ ہوا وہ خطاء اجتہادی تھی، یہ حضرات معصوم نہیں تھے اسلئے غلطی ہوتی تھی لیکن چونکہ مخلص بھی تھے اور متقی بھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے جہاں انکی غلطی پر تنبیہ فرمائی وہیں انکی مدح بھی فرما دی ہے۔

یہاں تک تو ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب اور آپ کے حقوق کا بیان تھا اور آپکی عظمت اور احترام کے طریقوں کی تعلیم تھی اب اسکے بعد وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا (اور جب مومنین کے دو گروہ میں اختلاف ہو جایا کرے تو ان باہم صلح کرا دیا کرو) —— میں مسلمانوں کو قتال کی ممانعت فرمائی ہے اور اگر باہم ان میں اختلاف ہو جائے تو صلح کرا دینے کا امر فرمایا ہے تو جس کو فہم قرآن کا ذرا سا بھی ذوق ہوگا وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ مناسبت ان دونوں مضمون میں یہ ہے کہ جس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام واجب ہے اسی طرح سے مسلمانوں کا بھی جو کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں آپ ہی کے طفیل میں انکا بھی اکرام و احترام لازم ہے یعنی انکی ایذا رسانی حرام ہے اسی لئے اقتتال کی ممانعت فرمائی ہے اور صلح کا امر فرمایا ہے

اب لوگ صرف یہ تو سمجھتے ہیں کہ قتال بری چیز ہے یہ نہ ہونا چاہیئے اور اگر ہو جائے تو فوراً صلح کرا دینی چاہیئے لیکن اس پر کبھی غور نہیں کرتے کہ آخر یہ قتال منع کیوں ہے؟ حضور والا یہ قتال منع اسی لئے ہے کہ اس سے احترام مسلم فوت ہوتا ہے جو کہ واجب ہے اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسلمان کو برا بھلا کہنا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے سِبابُ المسلم فُسوق وقتالُہ کفر وا کلُ لحمہٖ مِن معصیۃِ اللہ وحرمۃُ مالہٖ لحرمۃ دمہ۔ المؤمن من امنہ الناس علی دمائھم (مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتل و قتال کرنا کفر ہے۔ اسکی غیبت کرنا خدا کی معصیت۔ اسکے مال کی حرمت مانند اس کے جان کی طرح ہے مومن وہ ہے کہ لوگ جس کی جانب سے اپنی جانوں پر مامون رہیں)۔

یہ میں اپنے باپ کا کلام نہیں سنا رہا ہوں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جو اس زمانہ میں صرف جمعہ کے خطبہ میں پڑھنے کیلئے رہ گئی ہے دیکھتا ہوں کہ خطیب صاحب بڑی زور زور سے اسکو پڑھتے ہیں، میں سنکر اسکو کہتا ہوں کہ ارے کیا اسکو پڑھ رہے ہو کوئی سمجھتا بھی ہے؟ اسی احترام کی وجہ سے مسلمان کو چھری دکھلانے کی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بزرگان دین جو کہ متبع سنت ہوتے ہیں وہ اگر کسی کو چاقو وغیرہ دیتے ہیں تو بند کر کے دیتے ہیں یا اگر اسکا موقع نہ ہوا تو زمین ہی پر رکھ دیتے ہیں تاکہ دوسرا شخص اسکو اٹھا لے کیونکہ کھلا ہوا دینے میں اندیشہ ہے کہ مبادا اس کو لگ جائے یا کم از کم چھری دکھانے کے مشابہ تو ہے۔ یہ حضرات اتنا اہتمام اتباع سنت کا فرماتے ہیں اسکی وجہ یہی ہے کہ ان حضرات کے قلوب میں ایمان ہوتا ہے جسکی وجہ سے اللہ اور اسکے رسول کا احترام ان کے دلوں میں ہوتا ہے اور اسکی وجہ سے قرآن کا اور سنت کا احترام اور اسکی بھی عظمت سے قلوب بھرے ہوتے ہیں، لہٰذا قرآن شریف میں ذکر فرمائے ہوئے آداب اور اسی طرح سے احادیث میں آئے ہوئے مضامین جب سنتے ہیں تو اسکا بھی احترام فرماتے ہیں اور اسکا احترام یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے

آپ سے پوچھتا ہوں کہ اب ان پر عمل آپ کب کیجئے گا اب کون سا وقت عمل کا آئے گا۔ کیا مرنے کے بعد عمل کیجئے گا؟ جانتے ہیں آج انپر عمل نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ انکی عظمت اور وقعت ہی قلوب میں باقی نہیں رہ گئی ہے اور جب کوئی چیز قدیم اور پرانی ہوجاتی ہے تو اسکی وقعت کم ہوجاتی ہے جس طرح سے کہ کہیں کوئی نیا شخص جب پہونچ جاتا ہے تو اسکی بہت قدر و عظمت ہوتی ہے اور جب وہ پرانا ہوجاتا ہے تو نظروں سے گر جاتا ہے۔ خیر میں یہ بیان کر رہا تھا کہ بزرگان دین اس درجہ لحاظ اتباع سنت کا رکھتے ہیں کہ کھلا ہوا چاقو تک کسی کو دینا انھیں گوارا نہیں ہوتا مگر آجکل لوگوں کا مقصد چونکہ دین اور اتباع سنت رہ ہی نہیں گیا ہے اسلئے نہ خود دین ہی کا احترام رہ گیا ہے اور اہل دین کا۔

چنانچہ لوگوں کا تو حال یہ ہے کہ مشائخ سے بھی تعلق رکھتے ہیں تو دنیا کے لئے۔ آج کتنے لوگ آپ کو ایسے ملیں گے کہ آخرت اور دین کے لئے پیر کے پاس جاتے ہوں الا ماشاء اللہ ورنہ عام حالات تو یہی ہیں کہ لوگ ان کے پاس بھی جاتے ہیں تو دنیا ہی کیلئے اور آسیب اتروانے ہی کے لئے جاتے ہیں۔ بس یہی کام آج مشائخ کا رہ گیا ہے کہ وہ مقدمہ میں کامیابی کا تعویذ دیا کریں اور کسی پر آسیب ہوگیا ہو تو اسکا علاج کر دیا کریں۔ کیا یہ میں غلط کہہ رہا ہوں؟ پھر آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہی ان حضرات کی وقعت و عظمت ہے؟ آپ لوگوں نے پیروں کو بھی کہاں سے کہاں لا اتارا۔ یہ بزرگوں کی جماعت ہی تو وہ جماعت تھی کہ دین کے باب میں انھیں کا احترام قلوب میں تھا جب اس طبقہ کا یہ حال ہے کہ ان سے اب تعلق صرف دنیا کے لئے رکھا جاتا ہے اسقدر ناقدری ہوگئی ہے تو پھر بھلا علماء کا لوگ کیا احترام کریں گے اور کسی مسلمان کا بھی محض اسکے مسلمان ہونے کیوجہ سے کیا اکرام کریں گے؟

اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ جو لوگ دین کے لئے تھے ان سے دنیا کے لئے تعلق رکھنا اور صرف ان سے آسیب ہی اتروانا سیکھ بتلائیے کہ کہاں تک یہ مرضی الٰہی کے مطابق ہے؟ اور جب نہیں ہے تو اگر کوئی پیر ایسے مرید کے لئے اسکی خاطر سے دنیا کے

حصول کی دعا بھی کردے تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہوگی یا نہیں ؟ یوں اللہ تعالےٰ محض اپنے فضل سے اسکی دعا کو قبول بھی فرمالیں تو فرمالیں اسکو نہیں کہتا لیکن قانون عدل کا تقاضا کیا ہے ؟ اسپر بھی کبھی آپ نے غور فرمایا۔

بہرحال میں یہ بیان کر رہا تھا کہ ان آیات کا ماقبل سے کیا ربط ہے ؟ چنانچہ یہ بیان کیا کہ ربط یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام واجب ہے آپ پر تقدم منع ہے آپ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرنا بے ادبی ہے اور موجب حبط عمل ہے۔ آپکو ایسی طرح پکارنا جیسے بعض بعض کو پکارتا ہے حرام ہے ان سب سے معلوم ہوا کہ ہر ایسی چیز جس سے آپ کا ادب۔ احترام تعظیم اور عظمت فوت ہوتی ہو حرام ہے اور اسکے بعد ہی وان طائفتان الخ فرمایا جس سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان کی بھی عظمت اور اسکا بھی اکرام ضروری ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے بعد آپ کے طفیل میں مؤمن کے بھی اکرام کا حکم فرمایا' یہ جو میں بیان کر رہا ہوں اسکو تفسیر کی کتابوں میں نہ پایئے گا اور نہ اس مضمون پر تقریر ہی کسی جلسہ میں سنیئے گا کیونکہ ان باتوں کو تو جلسہ میں بیان ہی نہیں کیا جاتا آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان باتوں کو جلسہ میں نہیں بیان کرنا چاہیئے ؟

قرآن شریف میں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب اور آپؐ کی تعظیم کا حکم ہے اسی طرح سے عام مؤمنین کی تعظیم کا بھی حکم ہے لیکن ہم قرآن بھی پڑھتے ہیں سب کچھ کرتے ہیں مگر اسپر نہیں آتے۔ اگر باہم اختلاف ہوگیا تو وہی سلسلہ چلا جا رہا ہے نہ لوگوں ہی میں یہ ہمت کہ نفس کو ترک کردیں اور نہ عالم کی یہ ہمت کہ ان مضامین پر اس ماحول میں وعظ کہہ سکے۔ ان نیک لوگوں سے میں نے بہت چاہا کہ اخلاق پر آجائیں مگر انکی بدخلقی اور انکا نفس بھی ان سے کہتا ہے کہ ہم تمہارے اتنے دنوں کے ساتھی ہم کو چھوڑ دوگے تو ہم پھر کہاں کے رہیں گے' اسلئے اخلاق پر نہیں آتے اور کسی طرح نہیں آتے۔ میں جانتا ہوں بہت سے نیک لوگ ہیں کہ رات کو تہجد پڑھتے ہیں مگر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی سنت پر عمل کرنے کیلئے تیار نہیں' نماز پڑھ لینا ان کے لئے بہت آسان مگر اخلاق اختیار کرنا اور مسلمانوں کا اکرام کرنا انکو ایذا رسے بچانا انکے لئے موت ہے۔

میرا تو خیال ہے کہ اب اسکے ذہن ہی سے یہ بات نکل گئی ہے کہ مسلمان بھی واجب القدر واجب الاحترام اور واجب التعظیم ہے۔ جب کسی کی قدر عظمت اور احترام ذہن میں ہوتا ہے تب ہی آدمی اسکی ضد کو حرام سمجھتا ہے اور اس سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے ورنہ تو جب تک کسی چیز کی اہمیت ہی نہ ہوگی اس سے آدمی کیا بچے گا۔ چنانچہ دیکھئے بہت سے نیک لوگ ہیں جو شراب نہیں پیتے مگر غیبت سے نہیں بچتے حالانکہ جس طرح سے یہ حرام ہے اسی طرح سے غیبت کرنا بھی حرام ہے۔ پھر عمل میں یہ فرق کیوں ہے؟ بات یہ ہے کہ شراب کی حرمت چونکہ عام لوگوں میں بھی مسلم ہے اسلئے اسکی اہمیت ذہن میں ہے اور غیبت کو چونکہ عام لوگوں نے نقل مجلس بنا رکھا ہے اسلئے خواص کے ذہن سے بھی اسکی اہمیت نکل گئی ہے اور ایسا ہو سکتا ہے کہ امتداد زمانہ کیوجہ سے کسی چیز کی اصلی اور حقیقی حیثیت باقی نہ رہ جائے، ایک وجہ تو یہی ہے اس تفریق کی اور ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ میرا تو خیال ہے کہ جس طرح سے اہل کتاب نے احکام کی تجزی اور تقسیم کر رکھی تھی کہ خدا کے بعض احکام کو (جو نفس کے موافق ہوتے) لے لیتے تھے اور بعض کو ترک کر دیتے تھے اسی طرح سے آج مسلمانوں نے بھی دین کی اور احکام کی تجزی اور تقسیم کر لی ہے۔ یعنی جن احکام کے کرنے میں سمجھتے ہیں کہ عزت قائم ہوتی ہے مثلاً عبادات میں نماز تہجد سے کہ اس سے لوگ تہجد گذار سمجھتے ہیں یا ممنوعات میں سے جن چیزوں میں عوام کے نزدیک کوئی بزرگی نہیں ہے اور ان کے کرنے سے نہ بزرگی ہی میں کچھ ضرر ہوتا ہے اور نہ لوگوں کے ہی اعتقاد میں کچھ فرق پڑتا ہے مثلاً کسی سے حسد کر لیا یا کسی کے ساتھ بغض رکھ لیا (اگرچہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ سب بھی مضر ہوں) تو اسکو بھی کرتے ہیں اور جس کا ضرر عوام کو بھی مسلم ہوتا ہے اور لوگ اسکو برا سمجھتے ہیں مثلاً چوری، شراب نوشی وغیرہ اسکو نہیں کرتے۔

میں کہتا ہوں یہ دین میں انتخاب کیسا؟ اور احکام خداوندی میں یہ تفریق و تقسیم کیسی؟ کہ جو چیز نفس کے مطابق ہوگی انکو تو لوگے اور جو نہ ہونگی وہ نہ لوگے یہ جائز کب ہے؟ قرآن شریف کا پڑھنا ضروری اور اس پر عمل کرنا کیا ناجائز ہے؟ یہ کہاں کا دین ہے؟ بات یہ ہے کہ اب دینداری ہی کہاں رہ گئی ہے۔ دین وغیرہ سب ختم ہے۔

مسلمانان درگور ومسلمانی درکتاب کا وقت ہے۔ پس مسلمانوں میں جو چیز ترقی پر ہے وہ انکا آپس کا شقاق وخلاف ہے کہ اس میں یہ خوب ترقی پر ہیں۔ غریب ومفلس ہوگئے زمینداری ختم ہوگئی مگر مقدمہ بازی کے لئے دیکھتا ہوں کہ انکے پاس روپیہ موجود ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ یا اللہ یہ کہاں سے آجاتا ہے اپنے کو متقی بھی سمجھتے ہیں اور مقدمہ میں جھوٹ بولنا ان کے نزدیک واجب۔ معاف کیجئے گا یہ سب باتیں آپ لوگوں سے ڈر نکالکر کہہ رہا ہوں اب کب تک آپ لوگوں سے ڈرتے رہیں، ڈرتے ڈرتے زمانہ ہوگیا ایک دن مرنا ہے خدا کے یہاں جانا ہے، عالم لوگوں سے خدا کے یہاں باز پرس ہوگی کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ (تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے چنانچہ ہر شخص سے اسکی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی)

الغرض آپ لوگوں نے جو یہ دین میں بھی انتخاب کر رکھا ہے یہ طریقہ آپ کا صحیح نہیں ہے اور اسکا نام خدا پرستی نہیں ہے بلکہ یہ تو نفس پرستی اور ہوا پرستی ہے۔ دین میں جس طرح سے اللہ تعالیٰ کا احترام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام ہے، قرآن شریف کا احترام ہے اسی طرح سے مؤمن کا بھی احترام ہے اور اسکا ایک فرد یہ بھی ہے کہ اس سے مقاتلہ حرام ہے اسکو ایذا پہونچانا حرام ہے۔ اسکی غیبت کرنا، اس سے حسد کرنا، اس سے بغض رکھنا یہ سب حرام ہے اور یہ سب چیزیں حرام اسلئے ہیں کہ انما المومنون اخوۃ مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اللہ تعالےٰ نے ایمان کے ذریعہ ان میں اخوت قائم فرمائی ہے اور یہ سب چیزیں اخوت کے منافی ہیں۔

اسی مضمون کو میں نے ابھی کچھ دن ہوئے ذرا تفصیل سے بیان کیا تھا جو کہ "مضمون اخوت" کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے، اسی رسالہ پر تبصرہ اخبار "الجمعیۃ" دہلی میں شایع ہوا جسکو میں نے ابتداء میں آپ کو سنایا ہے اور سنایا آپکو اس لئے ہے تاکہ آپکو بھی معلوم ہوجائے کہ واقعی وہ مضمون نہایت ہی اہم اور مفید ہے۔ اسلئے کہ اس تبصرہ میں ہے کہ یہ تقریر انجمن اصلاح المسلمین کے جلسہ میں پڑھکر سنائی گئی لہٰذا سب سے بڑی دلیل تو اس مضمون کے صحیح ہونے کی یہی ہے کہ وہ الہ آباد کے جلسہ میں سنائی گئی اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اسکی تائید اخباروں میں بھی آگئی ہے کیونکہ اس تبصرہ میں یہ بھی ہے کہ " اس

میں آیہ کریمہ انما المؤمنون اخوۃ کی تفسیر عالمانہ انداز میں کی گئی ہے" اور سنیئے آگے لکھتے ہیں کہ " اور نہایت خوبی سے اخوت کے معنی اور مطلب، اخوت کی اہمیت اسکے مؤیدات پر روشنی ڈالی گئی ہے" اور سنیئے آگے کیا لکھتے ہیں فرماتے ہیں کہ" اخوت کے زبانی دعوی اور عمل میں تضاد اور اس سلسلہ میں اہل ملت کی افسوسناک کمزوریوں پر تنبیہ کی گئی ہے"۔ آگے سنیئے خانصاحب آپ کی بھی تعریف ہے کہ" انجمن اصلاح المسلمین نے اسکو شائع کرکے ایک قابل قدر اصلاحی اور تبلیغی خدمت انجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مسلمانوں کو مطالعہ کرنے اور اسپر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

میں نے الہ آباد کے جلسہ میں سنائے جانے کو اسکے معتبر ہونے کی دلیل اس لئے کہا کہ حضرت مولانا (تھانوی رح) نے ایک دفعہ جلسہ میں نہیں وعظ میں بیان فرمایا کہ" مولویوں کے لباس اور وضع کا یہ نئی روشنی والے مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ اسکے متعلق میں ہیں الہ آباد کا ایک فتویٰ سناتا ہوں لوگ متوجہ ہوئے کہ کس کا فتویٰ ہے فرمایا کہ ایک مولوی صاحب اسی طرح کا لباس پہنکر وائسرائے سے ملنے گئے، ملاقات ہوئی اس نے مولوی صاحب کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ مولانا آپ تو اس لباس میں بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ سنا کر فرمایا کہ اب تو ملنیئے گا کہ مولویوں کا لباس اچھا ہوتا ہے وائسرائے کا فتویٰ اسکی تحسین پر ہوگیا ہے اور یہیں آپ کے الہ آباد کا واقعہ ہے لہٰذا اب تو آپ کو اس میں کلام نہ ہوگا کیونکہ آپ لوگوں کے نزدیک وائسرائے کے استحسان کا بڑا درجہ ہے"

اسی طرح اخبار میں شایع ہو جانے کو بھی میں نے دوسری دلیل قرار دیا ہے یہ اسلئے کہ دیکھتا ہوں آج اخبار کی بھی آپ لوگوں کے قلوب میں بڑی عظمت ہے اور اسکو بڑی چیز سمجھا جاتا ہے۔ صبح اٹھکر تلاوت قرآن شریف کا تو کیا ذکر ناشتہ تک بھی نہیں کرتے مگر اخبار دیکھنے کی فکر سب سے پہلے ہوتی ہے آپ لوگ تو دیکھتے ہی ہونگے ہم جیسے لوگ بھی کچھ دیکھ ہی لیتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی اہمیت اور عظمت قلب میں ہے، لہذا جو مضمون کسی اخبار میں شایع ہو جائے یا کسی کتاب کی تائید میں کچھ تبصرہ اس میں

کر دیا جائے تو اسکے بھی مقبول ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

تبصرہ کرنے والے نے اسکی تحسین کی ہے کہ نہایت خوبی سے اخوت کے معنی اور مطلب، اخوت کی اہمیت اور اسکے مؤیدات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یا اللہ اس زمانہ میں اخوت کا مصداق تو ختم ہی ہے یہ لفظ بھی گویا مشکل ترین الفاظ میں شمار ہونے لگا ہے کہ محتاج تشریح ہے اور جو اسکے معنی بیان کر دے لائق تحسین۔ ارے اخوت بھی کوئی نظری چیز ہے کہ اسکو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے لغت کی ورق گردانی کرنی پڑے اور کسی سے اسکا مفہوم سمجھنا پڑے، مگر بات یہ ہے کہ اسکی جیسی کچھ عظمت اور اہمیت شریعت نے بیان کی ہے آج مسلمانوں کے قلوب میں اخوت کی وہ حیثیت باقی نہیں رہی اس لئے اسکا بدیہی مفہوم بھی انکے نزدیک نظری ہوگیا۔ اسی لئے میں اسکو بار بار بیان کرتا ہوں اور اتنی بار بیان کرتا ہوں کہ آپ لوگ سنتے سنتے تھک گئے ہونگے اور دل میں کہتے ہونگے کہ بس یہی ایک مضمون بیان کرنے کو رہ گیا ہے اور کوئی دوسرا مضمون بیان کرو۔ کیونکہ اس میں مزا نہیں آتا ہے۔ میں کہتا ہوں آپ کو مزا نہ آتا ہوگا مجھکو تو مزا آتا ہے بات یہ ہے کہ چونکہ اس پر عمل نہیں کرنا چاہتے اس لئے سننا بھی اس مضمون کا ناپسند ہے اور قاعدہ بھی ہے کہ جس گاؤں جانا نہیں اسکا راستہ کیوں پوچھا جائے۔

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انما المؤمنون اخوۃ فرماکر سب مسلمانوں میں جو باہم اخوت قائم فرمادیا اسکا تحفظ ضروری ہے اور اسی لئے ان امور کو کہ سبب تھے قطع اخوت و محبت و مودت کے انکو حرام فرمایا ہے۔

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا۔ یعنی اگر مسلمانوں میں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو انکے درمیان اصلاح کر دو

دیکھئے اقتتال جوکہ منافی اخوت ہے اور اس سے اخوت قطع ہوتی تھی اس حال میں صلح کرا دینے کو واجب فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ اقتتال حرام ہے اسلئے کہ اس میں مؤمن کی ہتک حرمت ہے جو کہ صلح کی ضد ہے اور اسمیں مسلم کے لئے ایذاء اور آزار بھی ہے۔ چنانچہ حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن — کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

یعنی کسی کو ایذا نہ پہنچاؤ اور جو جی چاہے کرو کیونکہ ہماری شریعت میں بجز اسکے کوئی گناہ نہیں ہے اور یہ مضمون صحیح ہے اور ساری شریعت کو حاوی ہے۔ کیونکہ دوسرے کو ایذا سے بچانے کا اگر آپ اہتمام فرمائیں گے تو شریعت کا کوئی شعبہ اس سے باہر نہ پائیے گا کیونکہ شریعت میں دو ہی قسم کے احکام ہیں یا حقوق اللہ ہیں یا حقوق العباد ہیں۔ اگر آپ نے حقوق العباد میں کوتاہی کی تو صاحب حق کو ایذا ہوگی جو کہ ظاہر ہے اسی طرح اگر حقوق اللہ میں بھی کچھ بھی قصور کریں گے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا ہوگی کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ سب امت کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبر میں پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے جن کے اعمال اچھے ہوتے ہیں آپ کو ان سے خوشی ہوتی ہے اور برے اعمال سے ایذا ہوتی ہے لہٰذا یہ بات صحیح ہے کہ اگر آدمی دوسرے کو ایذا سے بچالے تو کامیاب ہوجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایذا ہوتی ہے اس پر ایک واقعہ یاد آیا۔

یہیں ہندوستان میں ایک صاحب نے کسی صاحب کی کتاب دیکھی اس کے مضامین بہت پسند ہوئے اور کلام سے متکلم کا ایک نقشہ اپنے ذہن میں قائم کرکے ان سے ملاقات کے لئے چلے دور دراز کا سفر طے کرکے جب اس مقام پر پہونچے جہاں وہ بزرگ تھے مکان کا پتہ دریافت کیا بالآخر انکے پاس پہونچے تو دیکھا کہ وہ چہرہ کے بال داڑھی وغیرہ استرے سے بنوا رہے ہیں انھوں نے دل میں کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ کیا سوچ کر آئے تھے اور کیا پایا یہ خیال دل میں قائم کرکے ان سے کہا کہ "آغا ریش می تراشی"؟ وہ شاعر مزاج تھے برجستہ جواب دیا کہ "بلے ریش می تراشم و لے دلِ کسے نمی خراشم" یعنی ہاں داڑھی تو ضرور چھلوا رہا ہوں مگر کسی کا دل نہیں چھیلتا۔ یہ سنکر انھوں نے بھی برجستہ کہا کہ "آرے دلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم می خراشی" یعنی خبر بھی ہے تم سنت کے خلاف عمل کرکے صاحب سنت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو ایذا پہنچا رہے ہو اس سے بڑھکر اور کیا دلخراشی ہوگی اور سمجھ یہ رہے ہو کہ دلِ کسے نمی خراشم، یہ سنکر انھوں نے کہا کہ ؎

جزاک کرچشم باز کر دی مرا با جان جاں ہمراز کردی

یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے میری آنکھیں کھولدیں اور مجھکو میرے جانجاں سے ہمراز کردیا۔

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح جب آپ بھی سنتوں کو پامال کر رہے ہیں تو کیا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رنہ ہوتی ہوگی؟ اور آپ کی سنتوں کا پامال کرنا کس طرح ہورہا ہے سنیئے:۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ:۔

عن انس بن قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک مسلم الذی لہ ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ ۔ (بخاری شریف)	حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص ہماری جیسی نماز پڑھے ہمارے قبلہ کا استقبال کرے اور ہمارے ذبیحہ کو کھائے بس وہ مسلمان ہے اسکے لئے اللہ کا اور اسکے رسول کا ذمہ ہے لہذا اللہ اور اسکے رسول سے ان کے لئے ہوئے ذمہ میں مزاحمت مت کرو۔

چنانچہ اسکے تحت فتح الباری میں ہے کہ:۔

وفیہ ان امور الناس محمولۃ علی الظاھر فمن اظھر شعار الدین اجریت علیہ احکام اھلہ ما لم یظھر منہ خلاف ذلک	اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کا معاملہ (در بارۂ ایمان وکفر) ظاہر پر محمول ہے پس جو شخص شعار دین پر عمل کرتا ہوا ہو تو اہل شعار کا حکم لگایا جائے گا جب تک کہ اس سے اسکے خلاف کا ظہور نہ ہو۔

(فتح الباری ص۳۳۶ ج ۲)

دیکھئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہم کسی کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں صرف اسکے ظاہر حال کے مکلف ہیں مگر ہمارا آج اس پر کہاں تک عمل ہے؟ لوگوں کے عیوب کا تجسس پھر ان سے بدظنی و بدگمانی مسلمانوں کی شان میں بدگوئی و بدزبانی اور انکی غیبت و شکایت اور پھر اسکے نتیجہ میں فتنہ و فساد اور جدال و قتال آج کیا کچھ ہم نہیں کرتے کیا یہی اتباع ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے اس اخلاق سے خوشی ہوتی ہوگی؟

اور سنئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔ مالا بدمنہ میں ہے

دشنام دادن دیگرے بزبان یا باشارۂ سر یا چشم یا دست یا مانند آں یا خندیدن بروے برنہجی کہ موجب ہتک حرمت او باشد حرام است۔

کسی کو گالی دینا زبان سے یا سر کے اشارے سے یا آنکھ ہاتھ سے یا کسی اور طرح سے یا اس پر اس طرح سے ہنسا جس سے اسکی حرمت فوت ہوتی ہو یہ سب حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ حرمت مال وآبروئے مسلماں مثل حرمت خون اوست وکعبہ را فرمود کہ حق تعالے ترا چہ قدر حرمت دادہ لیکن حرمت مسلماں وحرمت خون او ومال او وآبروے او از تو زیادہ است

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے مال وآبرو کی حرمت بھی مانند اسکے خون کے ہے اور کعبہ سے فرمایا کہ اے کعبہ اللہ تعالیٰ نے تجھے کیسی عظمت بخشی ہے لیکن مسلمان کی حرمت اور اسکے خون ومال وآبرو کی حرمت تجھ سے کہیں زیادہ ہے۔

(مالا بدمنہ ص۶۵)

اور سنئے " کذب ویسے تو حرام ہے لیکن دو مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے جائز ہے۔

دروغ حرام است مگر برائے صلح میان دو کس یا برائے راضی کردن اہل خود یا برائے دفع ظلم ظالم واینچنیں مقام تعریض بکذب بہتر است وبیحاجت تعریض بکذب ہم مکروہ است

(مالا بدمنہ)

جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن دو آدمیوں میں صلح کی نیت سے جائز ہے اسی طرح سے اہل خانہ کو خوش اور راضی کرنے کیلئے بھی جائز ہے اور اپنے سے دفع ظلم کیلئے بھی جائز ہے لیکن ان مقامات پر جھوٹ کو تعریضاً بیان کرنا مناسب ہے اور بلا ضرورت تعریض کے ساتھ بھی غلط بیانی جائز نہیں۔

اور سنئے حقوق مسلم، اسی مالا بدمنہ میں ہے کہ:۔

تجسس حال مسلمانان برائے عیب جوئی آنہا حرام است۔ بدترین دروغ

مسلمانوں کے حال کا تجسس کرنا عیب جوئی کے خیال سے حرام اور بدترین جھوٹ جھوٹی گواہی دینا ہے

شہادت دروغ است۔ وقسم دروغ کہ بدان مال مسلمانی را بناحق تلف کنند حق تعالیٰ دروغ را برابر بشرک شمرده و فرموده کہ پرہیز کنید از بت پرستی و پرہیز کنید از سخن دروغ در حال کہ مسلماں راہ راست روندہ باشید۔	اور وہ جھوٹی قسم کھانا جس سے کسی مسلمان کا مال ناحق ہوتا ہو اور اللہ تعالےٰ نے کذب کو شرک کے ساتھ ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا ہے کہ بت پرستی سے اور کذب سے اجتناب کرو۔ مسلمان سیدھی راہ چلنے والا ہوتا ہے۔

(مالا بد منہ ص ۱۶۰)

دیکھا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کیسے اخلاق کی تعلیم فرمائی اور مسلمانوں کے کتنے حقوق بیان فرمائے اور انکی عظمت کو خانۂ کعبہ سے بھی بڑھکر فرمایا مگر ہمارا آج کے ان تعلیمات کے ساتھ کیا برتاؤ ہے ؟ کیا ہم ان سب امور میں متبع سنت ہیں، پھر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حالات سے ایذا نہوتی ہوگی ؟

اور سنئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو فساد ذات البین سے بچاؤ کیونکہ یہ مونڈ دینے والی چیز ہے۔ اور پھر یہ فرمایا کہ میں یہ کہتا کہ یہ بال کو مونڈ دیتی ہے بلکہ یہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ کیا میں تمکو ایسی چیز کی خبر نہ دوں جو درجہ میں نماز روزہ اور صدقہ وغیرہ سے بھی بڑھکر ہے ؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا وہ شے اصلاح ذات البین ہے"

دیکھا آپ نے آپس کے فساد کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی مذمت بیان فرمائی اور اسکے بالمقابل اصلاح کرنے کی کتنی مدح فرمائی مگر ہمارا آج حال یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو اصلاح سے مناسبت ہی باقی نہیں رہ گئی ہے۔ ہاں فساد سے البتہ ایک نسبت سی حاصل ہو چکی ہے اور اس سے لوگ اسطرح سے خوش ہوتے ہیں جیسے شیطان خوش ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد رہے اور لوگ چین آرام سے رہیں بہت طبائع پر یہ شاق ہے، چاہتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ ہنگامہ آرائی جاری رہے۔

جانتے ہیں اسکی وجہ کیا ہے ؟ بات یہ ہے کہ لوگوں نے اپنا رشتہ اللہ تعالےٰ سے ختم کرلیا ہے اسلئے دینی باتوں سے بھی کوئی علاقہ نہیں رہ گیا ہے اور لطف یہ ہے کہ پھر منتظر ہیں کہ یہ ہو جائے اور وہ ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کیا ان سب خام خیالیوں میں پڑے ہو اگر واقعی کچھ چاہتے ہو تو کام کرو اور وہ کام کیا ہے جس کو کرنے کیلئے کہہ رہا ہوں وہ ہے اتباع سنت۔ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص اس زمانہ میں اتباع سنت کریگا اس کو بہت زیادہ اجر ملے گا کیونکہ اس زمانہ میں یہ سب سنتیں مردہ ہوگئی ہیں اور ان پر عمل کرنا انکا احیاء یعنی زندہ کرنا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ من احیاء سنتی عند فساد امتی فله اجر مأته شهيد (جس شخص نے میری سنت کو زندہ کیا میری امت کے فساد کے زمانہ میں اسکے لئے سو شہیدوں کے برابر ثواب ہوگا) یہی وقت فساد کا ہے۔

پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے قتال سے منع فرمایا اور صلح کا حکم فرمایا اسی لئے کہ اس میں مسلمان کا احترام ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ :۔

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْماً — یعنی آپس میں ایک دوسرے کو مت قتل کرو اللہ تعالیٰ تمھارے اوپر رحیم ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ چونکہ رحیم ہیں اسی لئے تمکو بھی حکم فرماتے ہیں کہ تم بھی باہم قتل نکرو۔ مگر اب حال یہ ہے کہ اگر باہم کبھی لڑتے ہیں تو ایک دو تھپڑ پر بس نہیں کرتے بلکہ اسوقت تک ہوش نہیں آتا جب تک اسکو قتل نہیں کرلیتے اور جب قتل کر لیتے ہیں تو بس ہوش آجاتا ہے اور پھر فوراً وکیل کے پاس پہونچ جاتے ہیں اور پھر اسکے بعد جو ہوتا ہے وہ آپ بھی جانتے ہیں یہاں کوئی وکیل صاحب بیٹھے ہوں تو خفا نہ ہوں گے اور مجھے معاف فرمائیں گے میں کسی کی توہین نہیں کر رہا ہوں بلکہ لوگوں کے حالات جو بھی میرے سامنے ہیں انکو بیان کر رہا ہوں کہ ہم کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہیں اور افسوس کہ کوئی انکو ان کی حالت پر تنبیہ کرنے والا بھی نہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت یہ بھی تھی کہ آپ تدبیر منزل کی اصلاح پر التزام رکھتے تھے یعنی گھریلو زندگی اور خانگی حالات کی برابر فکر اور نگرانی رکھتے تھے کہ کہیں سے فساد راہ نہ پکڑنے پاوے اسلئے خامیوں کی برابر اصلاح

فرماتے رہتے تھے جسکی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں اور کسی کی حق تلفی نہ ہو، کیونکہ آج جو خانگی حالات خراب ہیں ان سب کا منشا عدم ادائیگی حقوق ہے آپؐ اسی کی نگرانی فرماتے تھے اسلئے ہر ایک دوسرے سے خوش تھا

اسی طرح دوسری چیز جسکا آپ لحاظ زیادہ فرماتے تھے وہ رعایتِ اصحاب تھی اور تیسری چیز سیاست مدینہ تھی جسکا لحاظ بھی آپ بہت زیادہ فرماتے تھے۔ اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ بھی ان امور کی فکر رکھتے ہیں؟ کیوں نہیں رکھتے کیا یہ اتباع سنت نہیں ہے؟ میں تو دیکھتا ہوں کہ آپ نہ تو تدبیر منزل کرتے ہیں اور نہ رعایت اصحاب کرتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلئے اسکا اہتمام زیادہ فرمایا تاکہ سنت ہو جائے اور لوگ زیادہ سے زیادہ اس پر عمل کریں۔

اب آپ لوگ یہ سب باتیں کیا سن رہے ہیں تو یہ سمجھ لیجئے کہ محض سن لینے سے کام نہیں چلے گا جب تک کہ عمل نہ کیجئے، سننا پھر مفید نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ سننے سے علم ہو جائے گا جس کے بارے میں حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ ؎

علم چندانکہ بیشتر خوانی ۔۔۔ چوں عمل در تو نیست نادانی

(علم چاہے جتنا حاصل کرو جب تم میں عمل نہیں ہے تو نادان ہی ہو۔)

نہ محقق بود نہ دانشمند ۔۔۔ چار پایہ برو کتابے چند

(بے عمل نہ تو محقق ہوگے اور نہ عقلمند ہی کہے جاؤگے بس ایک جانور کی طرح ہوگے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہو)

جس علم پر عمل نہ ہو وہ حق تعالیٰ کی طرف سے حجت ہے اور اسکے لئے وبال جان۔

اب آخر میں ایک بات اور سن لیجئے، وہ یہ کہ جب مومن کے احترام کے لئے اتنی تاکید ہے جیسا کہ آپ نے ابھی سنا تو اسی اندازہ کر لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و قعت ادب، احترام کس درجہ ہم پر لازم ہے اور اسی طرح سے آپکی سنت کا کیسا احترام ہم پر ضروری ہے۔ پھر اسی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور انکی تعظیم کو قیاس کیجئے کہ ہم پر کیسی کچھ واجب ہے۔ اسی طرح سے سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام یعنی قرآن شریف کی کتنی عظمت اور قدر ہمکو کرنا چاہیئے کیونکہ جب خدا تعالیٰ کا احترام ضروری ہے تو اسکے کلام کا احترام بھی ضروری ہے اور اسکی بے حرمتی سو جھکر کفر کا جرم

قرآن شریف کا ادب اور اسکا احترام یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جاوے اور اسکی
رستی یہی ہے کہ اس پر عمل نہ ہو۔

یہاں پر ایک بات اور سن لیجئے ایک بادشاہ اپنے محل پر بیٹھا ہوا تھا لوگ نیچے
سے آجا رہے تھے ایک بزرگ بھی ادھر سے گذرے بادشاہ نے اوپر سے کمند لٹکا دی کہ اسکے
یعہ سے میرے پاس آجائیے۔ وہ بزرگ اوپر پہونچ گئے بادشاہ نے ان سے سوال کیا کہ
تبلائیے کہ آپ خدا تعالیٰ تک کیسے پہونچے ان بزرگ نے فوراً جواب دیا کہ جس طرح سے آپ کے
س پہنچا اللہ والوں کو وقت پر کیسا جواب اللہ تعالیٰ القا فرمادیتے ہیں جواب کی خوبی یہ ہے کہ
ائل کے سوال کے لفظوں ہی سے جواب نکالا جائے چنانچہ اسنے پوچھا تھا کہ خدا تعالیٰ تک
یسے پہونچے انھوں نے فرمایا کہ جیسے آپ تک پہونچے بادشاہ جواب کو سمجھا نہیں پوچھا کیا مطلب
ھوں نے فرمایا کہ دیکھئے اگر میں از خود آپ سے ملاقات کرنے کا ارادہ کرتا تو درخواست دیتا
ہاں وہاں دوڑتا پھاٹک پر دربان سے الجھتا سارے قلعے کا چکر لگاتا تب کہیں جاکر پہونچ سکتا
گر جب آپ ہی نے چاہا تو فوراً کمند پھینک کر بلالیا اسی طرح سے بندہ کی بھلا خدا تعالیٰ تک
یا رسائی ہوتی اور نہ معلوم کتنی منزلیں طے کرنی پڑتیں لیکن جب خدا تعالیٰ ہی چاہتے ہیں
ذ ایک آن میں بلالیتے ہیں اور بندہ واصل ہوجاتا ہے۔ بادشاہ اس جواب سے بہت خوش ہوا
میں کہتا ہوں وہ کمند کون سی ہے جو اللہ تعالےٰ نے بندوں کے لئے لٹکائی ہے
وہ کمند یہی قرآن شریف ہے اس پر عمل کیجئے اور خدا تعالیٰ تک رسائی نہ ہوجائے تو کہئے۔
مگر اس پر عمل کرنا آسان نہیں ہے اسلئے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ انما المومنون اخوۃ
جسکا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو اپنا بھائی سمجھا جائے اور اسکے ساتھ الفت، مودت اور
محبت کا معاملہ کیا جائے۔ اسکا اکرام اور احترام کیا جائے۔ اسکے حقوق ادا کئے جائیں اور ان
تمام امور سے اجتناب کیا جائے جن سے یہ رشتۂ اخوت ٹوٹتا ہو یا کمزور ہوجاتا ہو یہاں
ہر شخص کے اندر نفس موجود اسلئے ان امور پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں حالانکہ اسی پر عمل
کرنے میں آج ہمارے دین کی فلاح کے علاوہ دنیا کی بھی فلاح مضمر ہے اسی لئے
کچھ اسکی جانب آپ لوگوں کو متوجہ کرنا چاہتا تھا اور ایک دن کچھ تفصیل کے ساتھ کہدیا تھا

احبابنے اسکو اصلاح المسلمین کے جلسہ میں پہنچادیا ارباب جلسہ نے اسکو شائع کردیا اخبار میں بھی اسکا ذکر آگیا۔ آپ کے سامنے اسلئے اسکا ذکر اہتمام کے ساتھ کیا کہ اب تو ماننے لگا کیونکہ اب وہ اخبار میں بھی آگیا ہے۔ باقی میرا کہنا کیا میں تو اسی قسم کے مضامین بیان ہی کرتا ہوں اور مکرر سہ کرر بیان کرتا رہتا ہوں اور یہ تکرار گو آپکو ناپسند ہو مگر مجھے ناگوار نہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے متعلق فرمایا ہے کہ ولقد صرفنا لیذکروا یعنی ہم نے اس قرآن کے مضامین کو پھیر پھیر کر اسلئے بیان کیا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت قبول کریں اور قاعدہ بھی ہے کہ الکلام اذا کرر قرر یعنی کوئی بات جب بار بار بیان کیجاتی ہے تو ذہن نشیں اور قلب میں جاگزین ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

(صـ۲۴ کا بقیہ مضمون) :-

فقلت یارب! ما افضل ما تقرب به المتقربون الیك قال بکلامی یا احمد! قال قلت یارب بفهم او بغیر فهم قال بفهم وبغیر فهم۔

حاصل کرنے والوں نے جن چیزوں سے آپکا تقرب حاصل کیا ان میں سے سب سے افضل کون سی شے ہے؟ فرمایا میرا کلام اے احمد! سب سے افضل ذریعہ تقرب یہی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے رب سمجھکر یا بغیر سمجھے فرمایا کہ سمجھکر ہو یا بغیر سمجھے ہو دونوں طرح مقصد تک رسائی ہو جائیگی

بس تلاوت قرآن سے متعلق یہی وہ مضامین شتیٰ تھے جو ذخیرۂ مسودات میں منتشر طور پر ملے۔ اللہ تعالیٰ اسکے ذریعہ ہمارے قلوب کے انتشار کو جمع فرمادے ناظرین کرام سے اپنے لئے فلاح دارین کی دعا کی درخواست ہے۔ والسلام

ناکارہ مرتب جامی عفی عنہ

در سنئے :-

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذہ القلوب تصدأ کما یصدأ الحدید اذا اصابہ الماء قیل یا رسول اللہ وما جلاءھا قال کثرت ذکر الموت و تلاوۃ القرآن

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان قلوب کو بھی کبھی زنگ لگ جایا کرتا ہے جس طرح کہ لوہا پانی لگ جانے کی وجہ سے زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ پھر اسکی صفائی کا کیا طریقہ ہے؟ آپنے فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن شریف کی تلاوت کرنا۔

دیکھئے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت قرآن کو قلب کا زنگ دور کرنے والی چیز فرما رہے ہیں چنانچہ آج مشاہدہ ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کو دین سے جو بعد ہے اور جاننے اور سمجھنے کے بعد بھی دین اختیار کرنا انکے لئے جو موت سے ہے تو وہ اسی زنگ کا اثر ہے جسکی خبر صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور یہ آپؐ کا غایت کرم ہے کہ ایسی شدید بیماری کا کیا سہل علاج بھی بیان فرما دیا اب کوئی شخص خود زہر ہی کھائے اور تریاق بھی نہ استعمال کرے تو اس کا کیا علاج؟ اللہ و رسول نے تو طرح طرح سے ہم کو ضلالت اور پستی سے نکالا ہے مگر ہم ان ارشادات ہی پہ کان نہ دھریں تو یہ ہماری بے عقلی ہے۔ اب جو لوگ کہ دین سے دور ہیں وہ تو دور ہی ہیں مگر جو لوگ کہ دیندار سمجھے جاتے ہیں دیکھا جاتا ہے کہ حدیث و قرآن نہ جاننے کی وجہ سے وہ بھی بڑی حد تک گمراہی کا شکار رہتے ہیں۔ کسی بزرگ کے پاس گئے تو وظیفہ کا مطالبہ کیا اور اوراد کے چکر میں پڑ گئے، لیکن اللہ و رسول نے جو اوراد بتائے ان سے اصلاً نا واقف ہیں یا یہ کہا جائے کہ واقف ہیں اور اعتقاد نہیں ہے۔ سنئے قرأۃ قرآن کے متعلق کیا فرماتے ہیں :-

عن عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قرأۃ القرآن فی الصلوٰۃ افضل من قرأۃ القرآن فی غیر الصلوٰۃ و قرأۃ القرآن

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں قرآن کا پڑھنا خارج نماز میں پڑھنے سے افضل ہے۔ اور خارج نماز میں قرآن کا پڑھنا، تسبیح، تکبیر سے بڑھکر ہے

فی غیر الصلوٰۃ افضل من التسبیح والتکبیر | اور تسبیح افضل ہے صدقہ سے اور صدقہ کرنا افضل
والتسبیح افضل من الصدقۃ والصدقہ | ہے روزہ رکھنے سے اور روزہ دوزخ
افضل من الصوم والصوم جنۃ من النار | کے لئے بمنزلہ ڈھال کے ہے۔

(مرقات ص ۱۰۳ ج ۲)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ :-

(وقرأۃ القرآن فی غیر الصلاۃ افضل من التسبیح والتکبیر) ای وامثالهما من سائر الاذکار والدعوات لکون القرآن کلامہ وفیہ حکمہ واحکامہ

یہ جو فرمایا کہ قراءۃ القرآن خارج صلوٰۃ میں تسبیح و تکبیر سے افضل ہے تو مراد یہ ہے کہ تسبیح و تکبیر سے اور ان جیسے دیگر اذکار و دعوات سب سے افضل ہے، اسلئے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اسمیں اسکی حکمتیں اور اسکے احکام ہیں۔

(والصدقہ افضل من الصوم) ای النفل لان نفعها متعد وهو قاصر (والصوم جنۃ) ای وقایۃ من النار ای مما یجرالیها فی الدنیا ومن عذاب اللہ فی العقبیٰ۔ واذا کان هذا من فوائد الصوم المفضول فمابالک بالصدقۃ التی هی افضل منہ۔

اور یہ جو فرمایا کہ صدقہ افضل ہے صوم سے تو مراد یہ ہے کہ نفل روزہ سے بڑھکر ہے اور یہ اسلئے کہ صدقہ کا نفع متعدی ہے اور صوم ایسا نہیں ہے (والصوم جنۃ) یعنی وقایہ اور بچاؤ ہے دوزخ سے یعنی دنیا میں وقایہ ہو دوزخ میں لیجانیوالے اسباب سے اور آخرت میں وقایہ ہوگا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے۔ اور جب ایسی فضیلت روزہ کی ہے جو کہ صدقہ سے کم ہے تو اسی سے اندازہ کیجئے کہ خود صدقہ کی فضیلت کیسی کچھ ہوگی جو کہ اس سے افضل ہے۔

(مرقات ص ۱۰۳ ج ۲)

اور میں کہتا ہوں کہ جب صدقہ کا اجر و ثواب اسقدر ہے تو تمام اذکار کا کیا حال ہوگا جو کہ صدقہ سے افضل ہیں اور پھر تلاوت کا کیسا کچھ درجہ ہوگا کیونکہ وہ سارے اذکار سے بڑھکر ہے۔

اسی کو میں کہہ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت صاف اور

واضح طریقہ سے بیان فرمایا ہے کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ ان سب اذکار سے بڑھکر ذکر جسکو سلطان الاذکار اور افضل الذکر کہنا چاہیئے تلاوت قرآن شریف ہے۔ پھر اب اسکے بعد سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ وظیفے کے لئے کیوں اس قدر پریشان ہوتے ہیں؟ یہی کہا جا سکتا ہے کہ علم ہی نہیں ہے۔ یا معاذ اللہ پیر صاحب کے وظیفے پر ایمان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمائے پر ایمان نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کا اتنا آسان ذریعہ اور مسلمانوں کی اس سے اسقدر غفلت اور بے اعتنائی کس قدر افسوس کی بات ہے۔ اسی امر کے پیش نظر کہ ہمارے پاس ایسی بڑی دولت موجود اور ہماری نظر دوسری چیزوں پر ہے، فلاح دارین کی کلید موجود اور ہم در بدر ٹھوکریں کھا رہے ہیں، میں نے تلاوت قرآن کا مضمون طول طویل بیان کیا ہے تاکہ لوگوں کو اسکی جانب رغبت ہو اور اہل اسلام اپنا صحیح راستہ پکڑ سکیں۔ قرآن شریف سے مناسبت پیدا کریں اسکو یاد کریں اسکی تلاوت کریں اسکو سمجھیں اور اس پر عمل کرکے سعادت دارین حاصل کریں اور اپنے قلب کو منور کریں اور آباد کریں کیونکہ جس کے دل میں قرآن نہ ہو اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ویران گھر" فرمایا۔ ارشاد ہے:۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ علیہ وسلم ان الذی لیس فی جوفہ شی من القرآن کالبیت الخرب۔	حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جس کے باطن میں قرآن کا کچھ حصہ نہیں وہ مانند ویران گھر کے ہے۔

صاحب مرقاۃ اسکی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

لان عمارۃ القلوب بالایمان وقراءۃ القرآن وزینۃ الباطن بالاعتقادات الحقۃ والتفکر فی نعماء اللہ تعالےٰ	یہ ویرانی اسلئے ہے کہ قلوب کی آبادی ایمان اور تلاوت قرآن سے ہوتی ہے اور باطن کی رونق اعتقادات حقہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرنے سے ہوتی ہے تو جب قلب اس رونق سے خالی ہوگا تو ویرانی کا گھر ہے

فضائل تلاوت قرآن از احیاء العلوم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ القرآن ثم رأی ان احداً اوتی افضل مما اوتی فقد استصغر ما عظمہ اللہ تعالے وقال صلی اللہ علیہ وسلم ما من شفیع افضل منزلۃ عند اللہ تعالیٰ من القرآن لا نبی ولا ملک ولا غیرہ۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم ایضاً ان اللہ عزوجل قرأ طٰہٰ ویٰس قبل ان یخلق الخلق بالف عام فلما سمعت الملائکۃ القرآن قالت طوبیٰ لامۃ ینزل علیہم ھذا وطوبیٰ لاجواف تحمل ھذا وطوبیٰ لالسنۃ تنطق بھذا وقال صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تبارک وتعالیٰ من شغلہ قرأۃ القرآن عن دعائی ومسئلتی اعطیتہ افضل ثواب الشاکرین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی قرآن پڑھا ہوا اور پھر یہ سمجھے کہ دوسرا کوئی اس سے افضل شے دیا گیا ہے تو اس نے تحقیر کی اور کم جانا اس چیز کو جسے اللہ تعالیٰ نے بڑا گردانا ہے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن سے بڑے رتبہ کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی سفارشی نہیں ہے نہ کوئی نبی نہ کوئی فرشتہ نہ کوئی اور۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے طٰہٰ اور یٰس کو خلق کے پیدا کرنے سے ایک ہزار برس قبل پڑھا تو جب فرشتوں نے اسے سنا تو کہا کہ خوش خبری ہو اس امت کے لئے جس پر یہ نازل ہوگا اور خوشخبری ہو اس سینہ کیلئے جو اسکا حامل ہوگا۔ اور خوش خبری ہو اس زبان کے لئے جو اسکی تلاوت کرے گی۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے بہتر لوگ وہ ہیں جو قرآن کو پڑھیں اور اسکو پڑھائیں۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس کو تلاوت قرآن نے مجھ سے دعا اور سوال کرنے سے روک دیا تو میں اسکو شاکرین سے بڑھکر اجر عطا کروں گا۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم اهل القرآن اهل الله وخاصته وقال صلی اللہ علیہ وسلم ان القلوب تصدأ كما يصدأ الحديد فقيل يا رسول وما جلاؤها فقال تلاوة القرآن وذكر الموت وقال صلی اللہ علیہ وسلم الله اشد اذنا الی قاری القرآن من صاحب القينة الی قينته۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اہل قرآن اہل اللہ اور اللہ تعالیٰ کے خواص ہیں۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قلوب میں بھی زنگ لگ جایا کرتا ہے جس طرح سے کہ لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ پھر اس میں صفائی اور چمک کسطرح حاصل ہو فرمایا قرآن اور موت کو یاد کرکے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ البتہ اللہ تعالیٰ قاری قرآن کی جانب اس سے زیادہ کان لگاتے ہیں جتنا کوئی شخص اپنے گانے والی باندی کے گانے کیطرف۔

(الآثار)

(آثار بسلسلۂ تلاوت قرآن)

قال ابو امامة الباهلی اقرأوا القرآن ولا تغرنكم هذه المصاحف المعلقة فان الله لا يعذب قلبا هو وعاء للقرآن وقال ابن مسعود اذا اردتم العلم فانثروا القرآن فان فيه علم الاولين والآخرين۔

وقال ايضا اقرؤا القرآن فانكم توجرون عليه بكل حرف منه عشر حسنات اما انی لا اقول الحرف الم ولكن الالف حرف واللام حرف والميم حرف

حضرت ابو امامہ باہلی نے ارشاد فرمایا کہ قرآن پڑھو اور تمکو ان مصاحف کا لٹکا ہوا ہونا دھوکے میں نہ ڈال دے (کہ اسی پر قناعت کرلو) اسلئے کہ اللہ تعالےٰ اس قلب کو عذاب نہیں دیتے جو کہ قرآن کا ظرف ہو یعنی جسمیں قرآن موجود ہو (فقط گھر میں موجود ہونا کافی نہیں) اور فرمایا حضرت ابن مسعودؓ نے جب تم علم کا ارادہ کرو تو قرآن کی تعلیم کو عام (کرو) اسلئے کہ اس میں اولین اور آخرین کا علم موجود ہے۔

نیز فرمایا کہ قرآن شریف کو پڑھو تمکو ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیوں کا اجر دیا جائےگا اور میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ اتنا ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے۔ لام ایک حرف ہے میم ایک حرف ہے۔ پس یہ کل تین حرف ہوئے جس پر تیس نیکی ملیگی

وقال ایضاً لا یسئل احدکم عن نفسه الا القرآن فان کان یحب القرآن ویعجبه فهو یحب الله سبحانه ورسوله صلی الله علیه وسلم وان کان یبغض القرآن فهو یبغض الله سبحانه ورسوله صلی الله علیه وسلم۔

نیز فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے سے بجز قرآن کے اور کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے اگر وہ قرآن سے محبت کرے گا اور وہ اس کو اچھا معلوم ہوتا ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا محب ہے اور اگر قرآن سے خدانخواستہ اس کو بغض ہوگا تو اللہ سے اور اسکے رسول سے گویا اسکو بغض ہے۔

وقال عمرو بن العاص کل آیة فی القرآن درجة فی الجنة ومصباح فی بیوتکم وقال ایضاً من قرأ القرآن فقد ادرجت النبوة بین جنبیه الا انه لا یوحی الیه

حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا کہ قرآن شریف کی ہر ہر آیۃ (کی تلاوت) جنت میں ایک درجہ ملنے کا ذریعہ بنے گی اور (دنیا) میں تمہارے گھروں کیلئے بمنزلہ چراغ کے ہے۔ نیز فرمایا کہ جسنے قرآن پڑھا تو یوں سمجھو کہ اسکے پہلو میں نبوت آ داخل ہوئی بس فرق یہ ہے کہ اسپر وحی نہیں نازل ہوتی (ورنہ تلاوت اور اشاعت قرآن تو کار نبوت ہی ہے جس میں آپکا حصہ ہے)

وقال ابوهریرة ان البیت الذی یتلی فیه القرآن اتسع باهله وکثر خیره وحضرته الملائکة وخرجت منه الشیاطین وان البیت الذی لا یتلی فی کتاب الله عزوجل ضاق باهله وقل خیره وخرجت منه الملائکة وحضرته الشیاطین

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ جس کے گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے اس کے اہل میں وسعت ہوتی ہے۔ خیر کی زیادتی ہوتی ہے۔ اس میں فرشتے آتے ہیں۔ شیاطین وہاں سے بھاگ جاتے ہیں برخلاف اسکے جس گھر میں قرآن نہیں پڑھا جاتا تو گھر والوں پر تنگی ترشی رہتی ہے خیر کی کمی ہو جاتی ہے، ملائکہ وہاں سے چلے جاتے ہیں شیاطین کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

وقال احمد بن حنبلؒ رأیت الله عزوجل فی المنام

حضرت امام احمد حنبل نے فرمایا کہ میں نے اللہ عزوجل کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ اے رب آپ کا تقرب

(باقی مضمون ص۔۔ پر)

دوسرے دن بعد فجر حضرت والا کو یہ اطلاع ملی کہ رات جماعت نے یہاں گاؤں میں بھی اپنا پروگرام جاری رکھا یعنی بعد مغرب گشت ہوا بعد عشار تقریر ہوئی، بعد تقریر چلے اور گشت کیلئے نام لکھوانے کا مطالبہ ہوا۔ حضرت اقدس نے اس کے بعد راقم کو اور مولوی وقار احمد صاحب مرحوم (ابن مولانا عبد الغفار صاحب رئیس گھوسی مرحوم) کو خانقاہ سے طلب فرمایا۔ ہم دونوں حاضر ہوئے تو حضرت والا اپنے بڑے کمرے میں تسبیح لئے ٹہل رہے تھے ہم دونوں سے فرمایا کہ ہمارا ایک کام کردوگے عرض کیا گیا کہ حضرت ہم لوگ حاضر ہیں جو ارشاد ہوا انشار اللہ تعمیل ضرور کریں گے۔ فرمایا کہ تبلیغی جماعت یہاں آئی ہوئی ہے باہری مسجد میں شاید یہ لوگ ٹھیرے ہوئے ہیں میں تو کسی جماعت سے ابتداءً آویزش پسند نہیں کرتا میرا یہ طریقہ بھی نہیں ہے لیکن دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ حد سے بڑھے جارہے ہیں اور اب سر چڑھے جارہے ہیں اسوقت خاموش نہیں رہنا چاہیئے حق بات کہہ دینی چاہیئے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ انھیں لوگوں سے کچھ باتیں کرنے کیلئے تم لوگوں کو بلایا ہے جاؤ ان سے کچھ گفتگو کرو ـــــــــ اسکے بعد اس راقم کا سر اپنے دونوں ہاتھوں سے ہلا کر فرمایا کہ بات کرلوگے یا ڈر جاؤگے آکر کہوگے کہ ہم کچھ بول ہی نہ سکے کیونکہ وہ لوگ بڑی بڑی پگڑی باندھے ہوئے تھے (یہ حضرت والا کا مخصوص طریقہ تھا اور دراصل یہ تصرف ہوتا تھا اور یہ ہمت دلانا ہوا کرتا تھا کہ مجمع دیکھکر بالعموم ہم لوگ صحیح بات بھی ہوتی تو کہہ نہیں سکتے، اپنے ذاتی جبن اور طبعی ضعف کے سبب سے اسلئے حضرت والا اسی کو زائل فرمانا چاہتے تھے) پھر فرمایا اچھا جاؤ بسم اللہ۔ اور دیکھو جو کچھ کہنا نرمی سے کہنا مناظرہ نہ کرنے لگ جانا۔ ہم لوگ دعا کرا کے روانہ ہونے لگے تو فرمایا اور دیکھو امیر جماعت کو الگ بلاکر تنہائی میں ان سے گفتگو کرنا مجمع میں کسی سے کچھ نہ کہنا۔ عرض کیا بہت بہتر یہ کہکر ہم دونوں باہر والی مسجد کی جانب روانہ ہوئے اور راستہ میں باہم گفتگو کرتے رہے کہ کیا گفتگو کیجائے حضرت والا نے صراحت تو درکنار اشارۃً بھی نہ فرمایا اب مشکل یہ تھی کہ اگر کوئی سخت بات آ نکلتی تو حضرت والا کی ناراضگی کا اندیشہ تھا اور اپنا پتہ کٹنے کا ڈر تھا اور حضرت کے منشار کے مطابق بات نہ کہی گئی تو ڈر تھا کہ پٹائی ہوجائیگی اور بدفہمی کی سند مل جائیگی اسلئے اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے کرتے

اور ڈرتے ڈرتے مسجد پہنچے امیر جماعت صاحب کو دریافت کر کے انکو ایک الگ گوشہ
لیجا کر عرض کیا کہ ہم لوگ خانقاہ شریف سے حاضر ہوئے ہیں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتے
(میں نے تو یہ چاہا تھا کہ مولوی وقار صاحب گفتگو کرتے لیکن انھوں نے باصرار مجھے ہی
کیا) چنانچہ میں نے عرض کیا کہ :-

"جناب امیر صاحب محترم - آپ سے ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں :
بستی میں آپ تبلیغ کے لئے تشریف لائے ہیں اس کے متعلق آپ کو پہلے سے کچھ معلو
تھیں یا نہیں؟ اسی بات کو صاف صاف دوسرے لفظوں میں یہ سمجھئے کہ یہاں جو بزرگ
تشریف رکھتے ہیں اور ہندوستان کی ایک مشہور خانقاہ یہاں ہے ان بزرگ کے م
آپ کیا جانتے ہیں۔ آپ کو آنے سے پہلے یہاں کی کچھ معلومات تو رہی ہی ہونگی؟ اس
انھوں نے فرمایا کہ ہاں مجھے معلوم تھا کہ یہاں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح
کے ایک خلیفہ رہتے ہیں۔ مجھے چونکہ حضرت اقدس کی عظمت ہی انکے پیش نظر کرانی
اور ان کے اس استنے جواب کو میں نے ناکافی سمجھا اس لئے بغیر کسی تمہید کے ان سے
عرض کیا کہ سنیئے حضرت مولانا مدظلہ العالی جو اس بستی میں رہتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ حضرت
مولانا تھانویؒ کے ایک خلیفہ ہیں اور بس بلکہ حضرت والا حضرت حکیم الامتؒ کے اجل خ
میں سے ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس دور میں ایک ایسے مرتبہ پر فائز فرمایا ہے کہ
اور بیرون ہند کے بڑے بڑے علماء آپ کا بیحد ادب و احترام فرماتے ہیں حتیٰ کہ جو آپ
جماعت کے اکابر علماء ہیں مثلاً مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ یا مولانا محمد منظور نعما
صاحب مدظلہ یہ حضرات بھی حد درجہ تادب اور عظمت کا معاملہ حضرت کے ساتھ رکھتے
یہاں تشریف لانا ہوتا ہے تو کیسی تبلیغ اور کہاں کا وعظ کہنا کوشش صرف اس امر کی
ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت حضرت اقدس کی خدمت میں گذرے اور حضرت کے اما
ارشادات سنتے رہیں اور ان سے مستفید ہوتے رہیں۔ حضرت کی مجلس میں شرکت ف
ہیں تو بلا مبالغہ کَاَنَّمَا عَلٰی رُؤُوْسِہِمُ الطَّیْرُ کا منظر آنکھوں کو دکھا دیتے ہیں ان اک
یہ کہتے سنا کہ یہ جگہیں تو مستقل طور پر سفر کر کے آنے کی ہیں۔ ایک بات تو یہ پیش نظر ر

جو حضرت اقدس کے تعارف کے سلسلہ کی ہوئی،

دوسری بات یہ کہ جہاں تک میرے علم میں ہے کہ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ کا اصول بھی تھا کہ جماعتوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ اگر کسی ایسی بستی میں تمہارا جانا ہو جہاں کوئی کوئی بڑا عالم یا شیخ موجود ہو تو وہاں جماعت کا کام صرف یہ ہوگا کہ ان حضرات کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوں انکی صحبتوں سے مستفید ہوں وہاں اپنا نظام کار نہ جاری کیا جائے اگر میری یہ معلومات صحیح ہیں تو ایک طرف آپ ہی کی جماعت کے اساطین کا تو ایک جگہ کے متعلق ایسا ادب اور دوسری جانب آپ حضرات کا اسکے خلاف نیز مولانا الیاس صاحبؒ کی ہدایت کے خلاف ایسا اقدام کیوں وجود میں آیا یہ غلط فہمی کہاں سے ہوئی اسکو معلوم کرنا چاہتا ہوں ؟ باقی اسکا جواب یہ تو ہو سکتا ہے کہ آپ یہ فرما دیں کہ ہمکو حضرت والا کی اتنی معرفت نہ تھی جواب ہوئی ہے۔ اسی لئے میں نے دریافت کیا تھا کہ جہاں آپ تشریف لائے ہیں اسکی بابت کچھ معلومات بھی آپکو تھی یا نہیں۔ آپ نے آنے سے قبل یہاں کے متعلق معلومات ضرور فراہم کرلی ہونگی اور جب آپ جانتے تھے تو اکرام عالم مسلم جس جماعت کا اصول ہو اس سے عدم احترام اور کسر شان مشائخ کیونکر وجود میں آیا اس پر تعجب ہے۔

پھر ایک بات اور سمجھئے کہ آپ مئو۔ کوپا گنج اور گھوسی وغیرہ سے ہوتے ہوئے آرہے ہیں ان میں سے بالخصوص کوپا گنج کو کہتا ہوں کہ آپ نے وہاں مساجد کو نمازیوں سے بالعموم بھری ہوئی پایا ہوگا اور عام طور پر لوگوں کے چہروں پر داڑھیاں آپ کو نظر آئی ہونگی جس سے آپ نے فی الجملہ اس بستی میں دینداری کا اندازہ لگا لیا ہوگا تو سن لیجئے کہ یہ سب انھیں بزرگ کی سعی و کوشش اور وعظ و تبلیغ کا نتیجہ ہے۔ تن تنہا اس دیار میں حضرت اقدس نے اپنی تمام عمر صرف کردی ہے تب یہ نقشہ یہاں کا نظر آرہا ہے جو آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ چنانچہ اس گاؤں میں بھی نمازی آپنے بکثرت دیکھے ہونگے اور چہروں پر داڑھیاں بھی دیکھی ہونگی اور الحمدللہ کہ بہت سے لوگ اس بستی میں ذاکر و شاغل، شب خیز اور انشاء اللہ تعالیٰ صاحب نسبت ہوں گے، یہ سب حضرت شیخ ہی کی تعلیمات کا

صدقہ ہے ـــــــ تو آپ سے یہ کہنا تھا کہ جب یہاں ایک دینی انقلاب آچکا تھا یا آرہا تھا تو یہاں تبلیغ کی ضرورت تھی یا جہاں لوگ دین سے بالکل نابلد اور کورے ہیں وہاں جانے کی زیادہ ضرورت تھی؟ پس آپ کا یہاں کا سفر اور یہ کام کس نوع کا ہوا کہ سارا کام تو حضرت نے کیا انکی اصلاح میں دن رات ایک کردیا اور آخر میں خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہونے کیلئے حضرت کی موجودگی ہی میں آپ آگئے آپکو یہاں آنے سے قبل اسکو معلوم کرلینے کی ضرورت تھی یا نہیں؟

نیز ایک بات اور سنیئے وہ یہ کہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت والا کا طریقۂ کار جو یہاں ابتک رائج رہا آپ کے طریقۂ کار سے مختلف ضرور ہے اب ایسے دیار میں جہاں لوگ ایک طریقۂ کار میں لگے ہوئے ہوں آپ دین کا کام کرنے کا ایک دوسرا طریقہ رائج کریں گے تو ہوسکتا ہے کچھ لوگ اسکے موافق ہوجائیں اور کچھ لوگ حضرت ہی کے طریقہ کو سراہیں اور اس سے اختلاف کریں تو مسلمانوں کی ایک بستی میں جہاں ایک شیخ وقت موجود ہو اور دین کا کام بھی ماشاءاللہ شاندار طریقہ سے کر رہا ہو اور مقامی وغیر مقامی لوگوں کو اس سے نفع بھی ہورہا ہو جیسا کہ آپ کی جماعت کے اکابر بھی اسکے شاہد ہیں تو وہاں آپ کے اس فعل کی وجہ سے باہم اتفاق واتحاد کا قیام ہوگا یا باہم اختلاف واقع ہوجانے کا اندیشہ ہے؟ پس یہ آپ کا کام کس درجہ کا ہوا؟ کیا حضرت مولانا یہاں بیکار بیٹھے ہوئے ہیں یا انکو بھی آپ دنیادار پیروں کی طرح تصور فرماتے ہیں اور اس خانقاہ کو بھی معاذ اللہ عشرت گاہ خیال فرماتے ہیں یا اپنے کو ان سے زیادہ مخلص، اللہ والا اور دین کی اشاعت کا زیادہ جذبہ رکھنے والا سمجھتے ہیں اگر سمجھتے ہوں تو آپ جانیں۔ اور اگر نہیں تو پھر یہاں آپ لوگوں کو اس طرح سے تشریف لانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

بہرحال حاصل اس تمام گفتگو کا یہ ہے کہ یہاں حضرت اقدس جیسی عظیم الشان ہستی جسے مصلح الامۃ کہا جاتا ہے موجود ہے یہاں آپ حضرات کا اس طرح سے آنا کسی طرح مناسب کام نہیں ہوا۔ اور جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہاں آکر اس طرح سے اپنے نظام کا اجراء حضرت والا کے مقام سے ناواقفیت بلکہ عجب نہیں کہ سبب کسر شان علماء اور باعث تکدر مزاج والا ہو

اللہ تعالیٰ کو بھی کچھ پسند نہ ہوا ہو کہ حق تعالیٰ کو اپنے ولی کی پاس خاطر مدد درجہ منظور ہوتی ہے
یہ اپنی جانب سے بطور نصیح کے ایک گذارش تھی جو میں نے عرض کر دی ہے
اسپر آپ خود بھی غور فرمالیں اور پھر جو مناسب سمجھیں اسکی تلافی کریں۔ بس مجھے آپ سے یہی عرض کرنا تھا میری جرأت اور گستاخی کو معاف فرمائیے گا اور میری اصلاح کے لئے بھی دعا فرمایئے گا۔ بس اب اجازت چاہتا ہوں۔ السلام علیکم
یہ کہکر ہم دونوں وہاں سے چلنے لگے تو میں نے دیکھا کہ میری اس گذارش کا اثر یہ ہوا کہ امیر جماعت آبدیدہ ہوگئے اور کہا کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیئے؟ میں نے کہا کہ اب اسکو تو آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں اپنے احباب سے بھی جی چاہے تو مشورہ کر لیجئے ——
ہمیں تو اجازت ہی دیجئے۔ دیر ہوگئی ہے حضرت والا بھی منتظر ہونگے۔
اسکے بعد ہم دونوں وہاں سے اٹھکر حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ہاتھ میں تسبیح لئے اسی طرح سے بڑے کمرے میں غالباً ٹہلتے ہی رہے ہم کو لیکر اوپر والے کمرہ میں تشریف لے گئے اور ہنسکر فرمایا کہو مولوی جامی کچھ کہدیا کہ ڈر گئے تھے میں نے عرض کیا کہ نہیں حضرت ڈرا نہیں حضرت کی دعا کی برکت سے اچھی طرح بات کہدی حتیٰ کہ امیر جماعت صاحب پر اسکا اثر بھی ہوا اور وہ بیچارے رونے لگے۔ فرمایا کہ اچھا اسکے بعد میں جلدی جلدی بطور خلاصہ کچھ ہی گفتگو نقل کر سکا تھا کہ اطلاع آئی کہ جماعت کے لوگ آئے ہوئے ہیں ملنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت والا بڑے کمرے میں مسند پر رونق افروز ہوگئے اور فرمایا کہ سب کو بلا لیجئے۔ اجازت چاہنے کے بعد زینے کے اوپر آتے ہی امیر جماعت صاحب بڑی زور سے روئے جس سے حضرت بھی متاثر ہوگئے۔ رونے میں صدق تھا اور اعتراف خطا کی جھلک تھی اور یہی خانقاہ کا وہ تحفہ ہے جو مقدر والوں ہی کو ملا کرتا ہے۔ سچ۔ یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں۔
حضرت والا نے فرمایا کہ بس آپ لوگ اپنی زبان سے کچھ نہ فرمایئے مجھے اس سے تکلیف ہوگی۔ آیئے تشریف رکھئے۔ جب لوگ آگئے اور امیر جماعت سسکنے سے خاموش ہوگئے تو حضرت نے بڑی شفقت کے ساتھ ان سے گفتگو فرمائی۔ تبلیغ کی عظمت اور یہ کہ

یہ مخصوص کام حضرات انبیاء علیہم السلام کا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء مبعوث فرمائے پھر یہ کہ اسکے کچھ آداب و شرائط ہیں، ان پر عمل کرنے والوں کا اجر اور کوتاہی کرنے والوں پر زجر پر گفتگو فرمائی۔ اور یہ فرمایا کہ تبلیغ کے بہت سے شعبے ہیں تعلیم و تعلم بھی اسی کا شعبہ ہے، اصلاح و تربیت بھی اسی کا شعبہ ہے۔ اور پھر آخر میں ارشاد فرمایا کہ جس شعبے میں بھی آدمی کام کرے سب کے لئے اسکی بڑی شرط اخلاص ہے۔ اس پر اُن لوگوں نے اپنے لئے حصول اخلاص کی دعاء چاہی چنانچہ حضرت نے دعاء فرمائی اور اسی پر مجلس ختم ہو گئی۔ یہ منظر دیکھکر راقم کو بیاختہ یہ شعر یاد آیا کہ ؎

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

واقعی یہ سب سے مشکل کام ہے آج کسی پر اعتراض کر دینا بھی آسان ہے اور تنقید بھی سہل لیکن گرتے ہوؤں کو سنبھالنا بہت مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں کے ذریعہ ہماری امداد فرماتے جو ہم سب کے لئے رشد و ہدایت کا منارہ بنیں اور ہم کو انکی معرفت نصیب فرمائے تاکہ انکی اتباع اور انقیاد میں اللہ تعالیٰ کا راستہ بسہولت ہم سے طے ہو جائے۔ آمین۔

تبلیغ اور تبلیغی جماعت کے متعلق حضرت مصلح الامتؒ کا جو نظریہ تھا امید ہے کہ وہ ناظرین کے سامنے پوری تفصیل کے ساتھ آگیا ہوگا ان سطور کے بیان سے یہی مقصود بھی تھا کہ حضرت والا کا طریقہ واضح کر دیا جائے تاکہ کسی کا ناقص علم اسکے لئے سبب اشتباہ نہ بن سکے۔ چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت اقدسؒ کا طریقہ الحمد للہ نہایت ہی معتدل تھا اور افراط و تفریط سے خالی۔ مسئلہ چونکہ نازک تھا اس لئے حضرت والاؒ نے عوام کے سامنے کبھی اس بحث کو چھیڑا ہی نہیں بلکہ خواص میں سے بھی اگر کسی نے اظہار حال کے طور پر اپنے لئے اختلاط ناس کا ضرر اور دوسروں کو وعظ و تبلیغ کرنے سے اپنے باطن کے نقصان کو لکھا بھی تو حضرت اقدسؒ نے عام لوگوں کی قلت فہم اور فتن زمانہ سے اجتناب کرتے ہوئے اسکو ان اشیاء سے خود تو منع نہیں فرمایا لیکن اگر کسی نے خود ہی اپنی ذمہ داری پر ان چیزوں کو اپنے سلوک و تسلیک میں قادح

سمجھکر ترک کردیا ہے تو اس پر خوش بھی ہوئے ہیں اور اسکے عمل کی تصویب فرمائی ہے بے محل نہ ہوگا اگر اس موقع پر ایک مسترشد کا خط اور حضرت والا کا جواب پیش کردوں جو انشاء اللہ بہت سے حضرات کے لئے موجب ازدیاد فہم و بصیرت ہوگا۔

حضرت مصلح الامۃ کے خدام میں سے ایک بزرگ تھے صوفی عبدالرب صاحب مرحوم (جو اس راقم کے بھی خاص عزیزوں میں ہوتے تھے) اس میں شک نہیں کہ بڑی ہی خوبیوں کے مالک تھے اور نہایت ہی پرگو شاعر بھی تھے۔ تبلیغی جماعت سے بھی انھیں خاصا تعلق تھا چنانچہ جماعت کے کام سے خوشی اور اسکی محبت سے سرشار ہوکر نہایت ہی جوش اور مسرت کے عالم میں ایک طویل نظم "تحریک ایمان" کے عنوان سے لکھی جسے عزیزم مولوی محمد یونس صاحب سلمہٗ نے کلام صوفی کے مجموعہ میں طبع بھی کرادیا ہے۔ اس نظم پر حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہٗ کا ایک مختصر سا تعارف اور پیش لفظ بھی شایع ہوا ہے اس میں مولانا نے تحریر فرمایا ہے کہ

"آخر میں میرے لئے اس واقعہ کا ذکر کردینا بھی ضروری ہے کہ تبلیغی جماعت کے کام کے بارے میں صوفی صاحب کا یہی حال اور جذبہ جو اس نظم میں نظر آتا ہے کئی سال تک رہا بعد میں بعض جماعتوں کا یہ حال دیکھکر (اور اس سے زیادہ دوسروں سے سنکر) کہ ان میں اصول کی پابندی اور حدود کی رعایت کی بہت کمی ہے انکی انتہائی حساس طبیعت متاثر ہوگئی تھی اور ذہن و فکر میں تو کوئی کمی نہیں آئی تھی لیکن جذبہ سرد پڑ گیا تھا" (ماخوذ از کلام صوفی)

حضرت مولانا نعمانی مدظلہ نے اس موقع پر جناب صوفی صاحبؒ کے اس تبدیل حال کا ذکر کیوں ضروری جانا؟ یقینی طور پر تو اسکے سمجھنے سے میں اپنی کم فہمی اور کم استعدادی کیوجہ سے قاصر رہا تاہم ہوسکتا ہے کہ منشاء اسکا یہ بھی ہو کہ ارباب تبلیغ کو یہ تنبیہ فرمائی منظور رہو کہ وہ جہاں صوفی صاحب کی اس نظم سے اپنے لئے جذبۂ عمل اور جوش کار کا استنباط فرمائیں وہیں یہ بھی سمجھ لیں کہ اہل جماعت کے بعض لوگوں کی بے اصولیوں اور حد سے تجاوز کرنے

کیوجہ سے یہی لوگ بہت سے مخلصین کو دوسرے نوع کا تاثر دے جاتے ہیں، چنانچہ صوفی صاحب جیسا مخلص، پرجوش اور جذبۂ عمل سے بھرے ہوئے انسان پر بھی اس جماعت کے اس رویہ کا یہ اثر ہوا کہ اگرچہ انکا ذہن دفکر ہنوز محفوظ رہا تاہم جذبۂ عمل تو سرد پڑ ہی گیا، پھر ایک جگہ جب ایسا ہوا تو دوسری تیسری جگہ بھی ممکن ہے اور آج اگرچہ صرف جذبۂ عمل ہی کسی کا سرد پڑا ہے اور خدانخواستہ جماعت کا طور یہی رہا یا بڑھا تو کل کو کسی کا ذہن وفکر بھی بدل سکتا ہے۔ کیونکہ ہر زمانہ میں اسکا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ایک وقت میں ایک عالم کی رائے اور فکر ایک جماعت کا پورا تعاون کرنے کے باوجود دوسرے وقت میں اسکی جانب سے بالکل بدل جاتی ہے اور اسکو اسکی دیانت اور جذبۂ حق پسندی سے دنیا تعبیر کرتی ہے۔ جماعت تبلیغ کو بھی خصوصی توجہ دینی چاہیئے ورنہ تو ان مضر اثرات کے وہی لوگ ذمہ دار ہونگے یا پھر علم و قدرتِ اصلاح کے بعد عدم اصلاح پر ارباب حل وعقد پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے

بہرحال مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں میں اصول کی پابندی اور اور رعایت حدود کی کمی کا یہ نقص خود جناب صوفی صاحب کا اپنا مشاہدہ تھا۔ اور ہمارے حضرت صوفی صاحب تبلیغ حاضرہ سے کافی شغف بھی رکھتے تھے اور نہایت ہی سوجھ بوجھ کے آدمی تھے اس لئے ان کا یہ خیال معاذ اللہ کسی تحزب پر محمول نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی یہ کہ ایسا بعض بندیوں اور جاہلوں کیجانب سے ہوگیا ہوگا۔ اس لئے کہ جناب صوفی صاحب کچھ ایسے خام بھی نہ تھے کہ اپنے سالہا سال کے حاصل شدہ جذبہ کو چند جاہلوں کے غیر ذمہ دارانہ عمل کیوجہ سے تج دیتے اور اسکو سرد پڑجانے کا موقع دیتے

رہا صوفی صاحب کے تغیر جذبات تو مولانا نعمانی مدظلہ نے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہی صحیح ہے آخری عمر میں جناب صوفی صاحب کا جوش وخروش کافی سرد پڑ چکا تھا جسکی ایک وجہ تو مولانا نعمانی مدظلہ نے بیان فرمائی باقی ہمارے علم میں اسکی ایک دوسری وجہ بھی آئی ہے اسوقت ناظرین کیخدمت میں اسکو پیش کرنا مقصود ہے اور اسکے ضمن میں حضرت مصلح الامتؒ کی احتیاط، حضرت کا حزم اور یہ کہ زمانہ کے فتنہ سے کسقدر احتراز اور اجتناب آپکے پیش نظر رہتا تھا اسکا بھی اندازہ ناظرین کو حضرت والا کے جواب سے بخوبی ہوجائے گا۔

آری کم ازیں مادح نمی باید بود
حکی انہ قیل لشاعرلم تمدح سلیمان
بن وہب بعد عزلہ عن الولایۃ قال
عزلہ اکرم من ولایۃ غیرہ وانا امدح کرمہ
لا عملہ وکرمہ معہ ولی ام عزل —
ایہا العزیز! اگر وقتی عمل خیری کنی ہمی باید
کہ حال اجر طمع نداری کہ مہتر موسیٰؑ
مہتر خضر را پرسید برکت کدام فعل
ترا بر عالم غیب مطلع گردانید گفت
ہر عمل خیرے کہ بکردم ازاں اجر طمع
نداشتم لاجرم معطی مطلق
حق تعالیٰ وتقدس چنداں
عطا داد کہ ہرگز در تحت حساب نیاید ای
برادر ایں راہی است اگر دریں راہ کسی
عمل نکند بہتر ازاں کہ عمل کند و اجر طمع دارد
و از عمل خود مزد طمع داشتن کار مردان
خود خواہ است۔ و مردان بر چہار صنف
اند یکؔ صنف ایشانند کہ ہم خود را نیک خواہ
اند و ہم دیگراں را و صنف دیگر ایشانند کہ
نہ خود را نیک خواہ اند و نہ دیگراں را و صنف
سوم ایشانند کہ خود را نیک خواہ اند و دیگراں
را نہ، صنف چہارم ایشانند کہ دیگراں را
نیک خواہ اند و خود را نہ و کار ہمیں صنف دارد

ہاں بھائی دیکھو تو سہی محب مولیٰ کو اُس مادح سے تو کم نہ ہونا چاہئے
بیان کرتے ہیں کہ کسی شاعر سے پوچھا گیا، کہ تم سلیمان بن وہب کی انکے
معزول ہوجانے کے بعد بھی کیوں مدح کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا
کہ انکی معزولی بھی دوسرے کے والی ہونے سے بہتر ہے میں تو
ان کے کرم کی تعریف کرتا تھا امارت اور ان کے عمل اور منصب
کی نہیں اور انکا ذاتی کرم تو بہرحال انکے ساتھ ہے وہ والی
رہیں یا معزول۔ عزیز من! اگر کسی وقت تم کوئی عمل خیر کرو
تو چاہیئے کہ اسی وقت اجر نہ چاہو۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے کس فعل کی وجہ سے
آپ کو بہت سی مغیبات پر مطلع فرمایا گیا؟ فرمایا کہ جو عمل خیر کا میں نے
کبھی کیا اس پر اجر کی توقع نہیں رکھی، تو اسی کا انجام یہ ہوا کہ حق تعالےٰ
وتقدس نے بے حساب اجر اس پر مرحمت فرمایا۔ بھائی میرے یہ راستہ
ہی ایسا ہے کہ اگر اس راہ میں کوئی شخص عمل ہی نہ کرے تو وہ
اس سے کہیں بہتر ہے کہ عمل کر کے اس پر اجر کی امید لگائے۔
اور بات بھی یہی ہے کہ اپنے عمل پر اجر کی توقع رکھنا خود بینوں کا
کام ہے (جو اپنے عمل کو کچھ سمجھتے ہوں اور اسپر انکی نظر ہو)
لوگوں کی چار قسمیں ہیں ایک تو وہ لوگ ہیں جو اپنے کو بھی اچھا
سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بھی۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے
جو نہ خود کو اچھا سمجھتے ہیں نہ دوسروں کو۔ تیسری قسم ان لوگوں کی
ہے جو اپنے کو تو نیک سمجھتے ہیں دوسروں کو نہیں۔ اور چوتھی قسم
ان لوگوں کی ہے جو دوسروں کو اچھا سمجھتے ہیں اور اپنے کو نہیں
اور کام کے یہی لوگ ہیں۔ سنو سنو! ایک صحابی فرماتے ہیں
جنگ تبوک میں بہت سے حضرات پیاس کے مارے جاں بلب تھے

بشنو بشنو! یکی از صحابہ میگوید کہ در حرب تبوک بیشتر یاراں از تشنگی از پای در آمدہ بودند و عم زادۂ من ہمدریں یاران بود من مطہرہ پر آب میکردم و در طلب ایشاں شدم چو بر سر وقت عم زادہ رسیدم گفتم آب خواہی خورد او بدیگری اشارت کرد چوں بدو رفتم او بدیگری اشارت کرد چوں براں سومی رسیدم او جاں داوہ بود برو دمی رفتم او مردہ بود بر او لیں رفتم او ہم رفتہ بود ؎

اور میرا ایک چچا زاد بھائی بھی انھیں لوگوں میں سے تھا میں نے گلاس میں پانی بھرا اور ان لوگوں کی تلاش میں نکلا (کہ سب کو پانی پلاؤں) جب اپنے چچا زاد بھائی کے پاس پہونچا اور اس سے پوچھا کہ بھائی پانی چاہیئے اس نے دوسرے کیجانب اشارہ کردیا کہ پہلے انکو پلا دیجئے، جب ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے تیسرے کی جانب اشارہ کردیا کہ پہلے انکو پلا دیجئے۔ جب اس تیسرے کے پاس پہنچا تو وہ انتقال فرما چکے تھے پھر دوسرے کے پاس آیا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے، پھر پہلے کے پاس لوٹا تو وہ بھی جاں بحق تسلیم کر چکے تھے ؎

نخشبی نیک خواہ خلقے باش
مثل ایں کار در جہاں کار نیست
مرد ماں جملہ نیک خواہ خود ند
نیک خواہی مرد ماں کار نیست

اے نخشبی سب مخلوق کے نیک خواہ بنو۔ اس جیسا کام دنیا میں کام کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ تمام انسانوں میں یہ بات تو ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیر خواہ ہوتے ہیں لیکن دوسرے لوگوں کا خیر خواہ ہونا کام اگر ہے تو یہ ہے۔

سلک صد و ہژدم

سلک نمبر ۱۱۸ (معرفت اور پاداشِ عمل)

اہل معرفت گویند عجب باید داشت از طائفہ کہ ایشاں را حضرت واہب العطایا تعالیٰ و تقدس چیزی بخشیدہ باشد کہ آں چیز ہزار بار بہ از بہشت است وہی المعرفۃ و ایشاں بدنیا یک دم مشغول گردند مرد ہوشیار کسی است کہ رو را نہ مشغول دنیا دارد و نہ مشغول عقبیٰ بلکہ

عارفوں کا کہنا ہے کہ قابل صد حسرت و افسوس اور باعث ہزار تعجب ہیں وہ لوگ کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ نے جنھیں ایسی دولت سے نوازا ہے جو کہ فردوس بریں سے بھی ہزار درجہ بڑھکر ہے جسے معرفت کہا جاتا ہے اور اسکے باوجود یہ لوگ ہمہ تن دنیا میں مشغول ہو گئے۔ بلاشبہ عقلمند اور ہوشیار انسان وہی ہے جو کہ اپنے کو نہ تو دنیا میں مشغول کرے اور نہ آخرت میں بلکہ خود کو مولیٰ تعالیٰ میں مشغول رکھے اور دنیا کا تو ذکر ہی

خودرا مشغول حق دارد و اصلا ذکر دنیا نکند اگرچہ بہ بدی است وآں شنیدہ باشی کہ روزی درویشی از اہل ترک مذمت دنیا بسیار می کرد تارک گفت چنیں دانم کہ تو دنیا را دوست میداری درویش گفت من دنیا را چندیں مذمت می کنم من از دوستان او چگونہ باشم تارک گفت شکنندۂ کالا خریدار کالا باشد اگر تو دنیا را دوست نداشتی ہرگز چندیں ذکر او نکردی اگرچہ ببدی است واز مثل ایں کارہا احتراز کردن کار سالکان با علم است واز علم ہمچناں کہ عمل کند ثواب نیز ہمچناں بیابند۔ بشنو بشنو امام محمد را رحمہ اللہ ہمسایہ بود توانگر اما بخیل روزے بر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ آمد و گفت مرا حیلہ بیاموز کہ زکوٰۃ از من ساقط شود ہرچند امام محمد بکوشید کہ او را حیلہ تلقین کند میسر نشد آخر او را حیلہ بیاموخت چوں او در خانہ آمد از غایت فرحت سر اندازی میکرد و در صحن خانہ گوسفند بود پیرزن او ہمچناں تصور کرد کہ خواہد با او سر زند حملہ بجد و سر بر سر خواجہ بزد کہ مغز سر او از ناہ گوش بیروں آمد (نیچے)

ذکرے اگرچہ برائی کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ وہ تو تم نے سنا ہی ہوگا کہ ایک مرتبہ ایک درویش کسی تارک دنیا شخص کے سامنے دنیا کی بہت زیادہ مذمت بیان کر رہا تھا اس تارک دنیا نے کہا مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ تو خود ایک دنیادار شخص ہے۔ اس درویش نے کہا واہ میں تو دنیا کی اسقدر مذمت بیان کر رہا ہوں اور میں ہی دنیا دار ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس تارک دنیا نے کہا کہ کسی چیز کا توڑنے والا اس کا خریدنے والا ہی ہوا کرتا ہے (یعنی آج اگر تم نے اپنی کوئی چیز توڑ دی ہے تو یقیناً کل کو تم ہی نے اسکو خریدا بھی ہوگا) اگر تم دنیا کو دوست نہ رکھتے ہوتے تو اسکا اس قدر ذکر کبھی نہ کرتے اگرچہ برائی ہی کے ساتھ سہی (من احب شیئاً اکثر ذکرہ) باقی اس میں شک نہیں کہ اس جیسے کام سے بھی احتیاط برتنا انھیں سالکوں کا کام ہے جو علم صحیح رکھتے ہیں اور ایسے علم پر جسکی وجہ سے وہ عمل بھی کرلیں یقیناً ثواب بھی زیادہ ملے گا۔ سنو سنو امام محمدؒ کا ایک پڑوسی تھا امیر مگر بخیل، ایک دن وہ امام محمدؒ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کوئی تدبیر ایسی بتلا دیجئے کہ میرے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے، اور آپ کے سر ہی تو ہو گیا امام محمد نے ہر چند کوشش کی کہ اسکو کوئی تدبیر بتلا دیں لیکن کچھ سمجھ میں نہ آئی بالآخر اسے ایک حیلہ بتا کر چلتا کیا وہ بہت خوش ہوا اور مارے خوشی کے جھومتا ہوا اپنے گھر آیا مکان کے صحن میں بھیڑ بکریاں پلی تھیں اسکی بڑھیا نے اسکو اس طرح خلاف معمول آتا دیکھکر خیال کیا کہ شاید کوئی بکرا یا مینڈھا ہے جو سرمست ہوا آرہا ہے اور اب مجھ سے ٹکرانا ہی چاہتا ہے یہ خیال

باامام محمد رحمۃ اللہ علیہ رسانیدند فرمود آری کسی کہ زکوٰۃ چنان دہد ثواب چنیں یابد۔

قطعہ

بخشش جان زکس دریغ مدار
ہاں ز حکمش تو سر متاب باز
خوب رسمی است در جہاں کہ جزا
ہرچہ بدہی ہماں بیابی باز

کرکے اس نے بھی اس شخص کے سر پر اپنے سر سے زور سے ٹکر ماری ایسی کہ خواجہ کے سر کا بھیجا اس کے کانوں کے راستہ سے بہہ گیا (اور وہ مرگیا) اسکی اطلاع امام محمدؒ کو بھی پہنچی فرمایا کہ ہاں بھائی جو شخص اس طرح سے زکوٰۃ دیتا ہے اس کا بدلہ بھی ملا کرتا ہے سہ

"اے بخشش دیکھو یوں تو کسی مخلوق کے کام آجانے میں اپنی جان سے بھی دریغ نہ کرنا۔ باقی اسکے حکم سے خبردار خبردار ذرا بھی سرتابی نہ کرنا دنیا میں یہ خوب رسم جاری و ساری ہے کہ جیسا کرو ویسا ہی بدلہ فوراً مل جاتا ہے (یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے)"

سلک صد و نوزدہم

توانگر باطنان گویند آنقدر تعلق کہ آدمی را با رزق است اگر با رزاق باشد او ہرگز گرسنہ نماند ابراہیمؒ ادہم چوں دید کہ فقر خود از چہار حد عالم برکشید و از مردم شنیدن گرفت بارہا گفتی ما در طلب فقر بروں آمدیم خود توانگری پیش آمد و اگرچند روز او را درویشی توانگر باطن در نظر نیامدی گفتی ہرچند میخواہم توانگری را بہ بینم درویشی پیش آید بزرگی میگوید وقتی در مسجد حرام جوانی

سلک نمبر ۱۱۹ (عظمت شان درویشی)

جو لوگ کہ باطن کے توانگر ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ جتنا تعلق خاطر انسان کو روزی کے ساتھ ہے اگر روزی دینے والے کے ساتھ ہوتا تو وہ کبھی بھوکا نہ رہتا حضرت ابراہیم ادہمؒ نے جب اپنے فقر کا شہرہ اطراف عالم میں ظاہر فرمایا اور لوگوں کی زبان پر بھی اسکا چرچا سنا تو بارہا یہ فرمایا کہ میں تو فقیری کی تلاش میں باہر نکلا تھا امیری (یعنی شہرت) خود بخود میرے سامنے آگئی کچھ دنوں تک انکو کوئی ایسا درویش (جو انہیں کی طرح) توانگر باطن ہو نہ ملتا فرماتے تھے کہ میں جب بھی کسی تونگر سے ملتا ہوں مجھے باطنی فقیر ادا ہی نظر آتا ہے (مطلب یہ کہ اللہ والوں ہی کو حقیقی توانگر سمجھتے تھے اور امراء کو باطن کے لحاظ سے بالکل بھکاری جانتے تھے واللہ اعلم) ایک بزرگ فرماتے تھے کہ میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ مسجد حرام میں دیکھا کہ بالکل نحیف و خستہ حال

دیدم نزار و نزار جامۂ کہنہ پوشیدہ اما باستغراق تمام مشغول گیسۂ داشتم با صد دینار پیش او بردم ہیچ التفات نکرد چوں الحاح بسیار کردم گفت یا شیخ ہذہ حالات لا ابیعہا بکل الآخرۃ فکیف ابیعہا ببعض الدنیا آری کسی کہ او را نظر بر خزائن بالا افتد بنقد فانی کے التفات کند و کسی کہ قرب بادشاہ حقیقی یافت با امرائی مجازی نمی گراید۔ عزیز من! امرائی کہ بر فقرا آیند سعادت آں امرا باشد و فقرائی کہ بر در امرا روند شقاوت آں فقرا بود و بعضی از درویشاں از بادشاہاں چناں احتراز نمایند کہ بعضے از بادشاہاں از درویشاں احتراز نمایند بشنو بشنو وقتی یکی از بادشاہاں بدیدن درویشی رفت و دینارے چند برد درویش آں دینار را قبول نکرد بادشاہ گفت اگر دینار نمی ستانی از من حاجتی بخواہ درویش گفت حاجت من آنست کہ بار دیگر

پرانے کپڑے پہنے تھا حق تعالیٰ کیجانب کامل دھیان رکھے ہوئے تھا اور بالکل مستغرق تھا۔ میرے پاس تھیلی پیسوں کی موجود تھی اس میں سے سو دینار نکالکر میں نے انکی خدمت میں پیش کرنا چاہا انھوں نے التفات بھی نہیں کیا جب میں نے بہت زیادہ اصرار کیا کہ حضرت اس ناچیز ہدیہ کو قبول فرما لیجیے تو فرمایا کہ اے بزرگ محترم! میرے حالات جو آپ نے دیکھے اور جن پر ترس کھا کر آپ کو یہ خیال پیدا ہوا ہے یہ میرے وہ حالات ہیں کہ ساری آخرت کے بدلے میں بھی اسکو بیچنے کے لئے تیار نہیں ہوں چہ جائیکہ اس تھوڑی سی دنیا کے عوض میں اسکو بیچ دوں یہ نہیں ہوسکتا۔ ہاں بھائی بات یہی ہے کہ جسکی نظر خزائن بالا پر ہوتی ہے تو وہ نقد فانی کیجانب بھلا کیونکر التفات کر سکتا ہے اور جس شخص نے شہنشاہ حقیقی کا قرب حاصل کر لیا تو وہ بھلا مجازی امرا کے گرد کیوں پھٹکنے لگا۔ عزیز من! جو امرا کہ فقرا کے پاس آتے ہیں تو یہ انکی سعادت کی علامت ہے۔ اور جو فقرا کہ امرا کے یہاں حاضر باشی اختیار کرتے ہیں یہ انکی شقاوت ہے۔ چنانچہ بہت سے فقرا امرا اور بادشاہوں سے اسی طرح احتراز کرتے ہیں جس طرح سے کہ امرا و سلاطین فقرا سے احتراز کرتے ہیں۔ سنو سنو ایکمرتبہ ایک بادشاہ کسی درویش کی زیارت کو گیا اور چند دینار خدمت میں پیش کیے درویش نے اسکو قبول نہیں کیا۔ بادشاہ نے عرض کیا کہ حضرت اگر آپ مجھ سے دینار لینا پسند نہیں فرماتے تو اپنی کوئی حاجت ہی بیان فرما دیجئے تاکہ میں اسکی بجا آوری کی سعادت حاصل کروں۔ درویش نے کہا کہ میری حاجت اور دلی خواہش آپ سے یہ ہے کہ اب دوبارہ یہاں تشریف آوری کی

مرا زحمت ندہی۔ قطعہ

نحستین فقر گنج بر گنج است
اہل نعمت ہمیشہ در رنج است
پای درویش بر دری نرود
فقر را پای بر سر گنج است

زحمت نہ فرمایئے گا۔

اے نحستین فقر کو بس یوں سمجھو کہ خزانہ پر خزانہ ہے اور یہ اہل دولت تو ہمیشہ رنج و غم ہی میں رہتے ہیں۔ درویش (حقیقی) کا قدم کسی غیر کے در پر نہیں جایا کرتا۔ اور کیوں جائے خود فقیری کا قدم خزانہ کے اوپر رکھا ہوا ہے (یعنی دولت اسکے قدموں کے تلے ہے پھر اسکے لئے وہ کہیں اور کیوں جائے)

سلک صد و بستم

ای بہتر موسیٰ طور حقیقت درقولہ تعالیٰ فقولا لہ قولا لینا نظر کن و بہ بیں کہ کرم اکرم الاکرمین چہ اقتضا کردہ است بندہ کہ دعوی خدائی می کرد پیغمبران خود را بر در اومی فرستہ وایشاں را وصیت می کند کہ با او سخن نرم گویند این چیست؟ این ہمہ تعلق من در تست۔ بشنو بشنو اگر وقتی از زبردستی چیزی معائنہ کنی کہ آں نزدیک تو محمود نباشد اورا بدال سرزنش ادب نہ کنی بلکہ اورا بداں عیب برہیئتی متنبہ گردانی کہ ہرکہ بشنود آفریں بر خلق حسن توکند و دریں معنی حکایتی بشنو کہ بزرگی می گوید کہ من وقتی در مائدہ متوکل

سلک نمبر ۱۲۰ (خلق حسن خدا کی دین ہے)

اے طور حقیقت کے بزرگ موسیٰ! حق تعالیٰ کے اس ارشاد پر کہ اے موسیٰ و ہارون تم دونوں فرعون سے نہایت ہی نرمی کے ساتھ کلام کرنا۔ نظر کرو اور اکرم الاکرمین کے کرم کا مشاہدہ تو کرو کہ جس (نالائق) نے خدائی کا دعویٰ کیا ہو اس کے ہی دروازہ پر اپنے دو پیغمبروں کو بھیجا اور انکو نصیحت فرمائی کہ اسکے ساتھ نرم گفتگو کرنا یہ آخر کیا ہے؟ اے انسان سن! یہ سب میرے اس تعلق کا کرشمہ ہے جو مجھکو تجھ سے حاصل۔ سنو سنو! اگر تم کسی وقت اپنے سے بڑے اور زبردست کی جانب سے کوئی ایسی بات دیکھو جو تم کو ناگوار ہو تو تم کو چاہیئے کہ اسکو سختی کے ساتھ اس پر تنبیہ نہ کرنا اور سختی کے ساتھ اسکو ادب نہ سکھانا بلکہ اسکو اس عیب پر اسطرح تنبیہ کرنا کہ جو شخص بھی تمھارا یہ طریقہ دیکھے تم کو آفرین کہے اور تمھارے حسن خلق کی تعریف کرے۔ اس سلسلہ کی ایک حکایت سنو! ایک بزرگ فرماتے تھے کہ ایکمرتبہ میں خلیفہ متوکل کے دسترخوان پر جو کہ اعلیٰ درجہ کا واقعی متوکل تھا موجود تھا شوربے کا جو پیالہ کہ خلیفہ کے آگے آیا اس میں ایک مکھی نظر آئی لوگوں نے

کہ خلیفہ بس متوکل بود حاضر بودم کاسۂ نانخورشی کہ پیش خلیفہ بود در وے مگسی افتاد آنرا بکشیدند دیگر یافتند آنرا کشیدند ہمچنیں ہر بار می کشیدند و خلیفہ ہماں نانخورش می خورد چوں مطبخی خواست کہ مائدہ بردارد خلیفہ فرمود می باید کہ بامداد ہم برای ما ہمیں نانخورشی بپزی اما مگس ازاں کمتر اندازی کامروز انداختی و مثل ایں معاملہ چشم پوشی نتواں داشت مگر از صاحب مکارم اخلاق

بشنو بشنو! اندر آنچہ عمر عبد العزیز را زہر دادند غلامی کہ آں حرکت کردہ بود او را بخواند و گفت ایں کار تو کردی گفت آری مرا فلاں وزیر اطماع کرد از وسوسۂ آں دیو مردم ایں کبیرہ مرا ارتکاب کردہ شد عمر گفت مرا ایں زہر بغایت کار می آمدہ است من زیستنی نیستم و ایں حکایت بہر کس رسیدہ است نباید کہ بعد از من از سبب من ترا بکشند پیش ازاں کہ من مردہ گردم تو گریزی و خود را مستور کنی

نخشبی خوی خوش کجا یابیم
طیب صندل بہر خسی ندہند
خلق نیکو سعادت ابدی است
ایں سعادت بہر کسی ندہند

اسکو نکال دیا پھر دوسری نظر آئی اسکو بھی نکالدیا گیا پھر اور نظر آئی اسی طرح برابر نظر آتی رہی اور لوگ نکالتے رہے اور خلیفہ بھی بے تکلف پیالہ سے سالن برابر کھاتا رہا۔ جب باورچی نے چاہا کہ دسترخوان سامنے سے اٹھا کر لے جائے تو خلیفہ نے اس سے کہا کہ میاں کل بھی ہمارے لئے ایسا ہی سالن پکانا لیکن اسمیں مکھیاں ذرا آج سے کچھ کم ڈالنا۔ دیکھو اس جیسے معاملہ میں تحمل اور چشم پوشی سے وہی شخص کام لے سکتا ہے جو نہایت کریم الخلق اور حلیم و بردبار ہو۔ سنو سنو! جس وقت کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کو لوگوں نے زہر دیا تو جس غلام نے یہ حرکت کی تھی آپ نے اسکو بلایا اور فرمایا کہ تم نے یہ کام کیا ہے (یعنی زہر دیا ہے) عرض کیا جی ہاں مجھے فلاں وزیر نے لالچ دی تھی (یا مجبور کیا تھا) اس دیو پیکر کے خوف سے مجھ سے اس گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگیا۔ یہ سنکر حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا بھائی مجھ میں اس زہر نے اپنا پورا کام کردیا ہے اور اب میرے بچنے کی امید نہیں ہے اور میرا یہ معاملہ لوگوں کو عنقریب معلوم ہی ہو جائے گا ایسا نہو کہ میری محبت میں لوگ تجھکو مار ڈالیں لہذا میرے مرنے سے پہلے تم بھاگ جاؤ اور کہیں روپوش ہو جاؤ۔

"اے نخشبی افسوس اب ہم خوش اخلاقی کو کہاں تلاش کریں صندل جیسی خوشبو خدا نے ہر لکڑی میں نہیں رکھی ہے خلق حسن ایک دائمی سعادت ہے مگر یہ سعادت ہر کس و ناکس کو نہیں ملا کرتی۔ سچ ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سلک صد و بست و یکم

قیل ادب الخدمة اعز من الخدمة بزرگی میگوید منذ عشرون سنة ما مدت رجلی وقت جلوسی فی الخلوة رعاية حسن الادب مع اللہ تعالیٰ اگر عمل اندک باشد ادب بسیار بگذر داما اگر عمل بسیار وادب اندک باشد نگذرد بزرگی را پرسیدند کہ مردی کہ ادب نیست او بچہ ماند گفت بخانہ آراستہ کردہ کہ درو ہیچکس نباشد دیگری را پرسیدند در کسی کہ ادب نیست او چگونہ کسی است گفت ہو کصحفت من ذہب فیہ الخل الحامض۔ ای برادر ادب و تواضع از ہمہ بہتر است و از بزرگاں بہتر شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ علیہ می فرماید کہ من با شیخ خود در سفر شام بودم فبعث بعض ابناء الدنیا طعاماً علے رؤس الاساری من الامر بجرونہم فے قیودہم فلما مدت السفرة والاساری ینتظرون الاوانی قال للخادم احضر الاساری حتی یقعدوا علی السفرة مع الفقراء فجاءہم واقعد ہم علے السفرة صفا واحداً

سلک ۱۲۱ (ادب و تواضع)

کہا جاتا ہے کہ ادبِ خدمت خدمت سے بھی زیادہ دشوار ہوتا ہے (اسی لئے کمیاب ہوتا ہے) ایک بزرگ فرماتے تھے کہ بیس سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ میں نے خلوت میں بیٹھے ہونے کے وقت میں بھی اپنے پیر نہیں پھیلائے محض اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ادب کا لحاظ کرتے ہوئے۔ عزیز من! اگر عمل تھوڑا سا بھی ہو اور ادب زیادہ ہو تو کام چل جائیگا لیکن اگر عمل تو زیادہ ہوا مگر ادب کم ہوا تو بات نہ بنے گی۔ کسی شخص نے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت اگر کسی کے اندر ادب نہیں ہے تو اسکی کیسی مثال ہے، فرمایا کہ بالکل ایسی ہے کہ جیسے کسی گھر کو سجا رکھا ہو اور اسکے اندر کوئی رہنے والا نہ ہو ایک اور دوسرے بزرگ سے لوگوں نے یہی بات دریافت کی فرمایا کہ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سونے کا پیالہ ہو اور اس میں بالکل کھٹا سرکہ رکھا ہو اسے بھائی میرے ادب و تواضع سب ہی کی جانب سے پسندیدہ اور عمدہ شے ہے لیکن بڑوں اور اہل کمال سے خوب تر ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ فرماتے تھے کہ میں ایک بار اپنے شیخ کے ساتھ شام کے سفر میں تھا تو کسی دنیادار نے ہم لوگوں کیلئے کھانا بھیجا اسطرح سے کہ قیدیوں کے سر پر رکھکر خوان آیا اور وہ سب کے سب اپنی اپنی بیڑیوں کو گھسیٹتے ہوئے چل رہے تھے۔ چنانچہ ہم لوگوں کے لئے دسترخوان بچھا اور وہ قیدی بھی ایک گوشہ میں بیٹھکر برتن خالی ہونے کا انتظار کرنے لگے تو شیخ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ان قیدیوں سے کہدو کہ آجائیں اور فقرا کے ساتھ دسترخوان پر شریک طعام ہو جائیں

لیکن اسکا مطلب کوئی یہ نہ سمجھے کہ محض ظاہری اعمال کافی ہیں اور مجاہدات کی مطلق ضرورت نہیں کیونکہ ظاہری اعمال میں خلوص شرط ہے اور آج وہ مفقود ہے اور یہ مجاہدات اس خلوص کا مقدمہ ہیں اور مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے جیسے وضو کہ مقدمہ ہے صلوٰۃ کا خود مطلوب بالذات نہیں لہٰذا بدون ان مجاہدات کے نرے اعمال اکثر کافی نہیں

(۸۷) رضا بالدنیا ایک عام مرض ہے

اب یہ پالیسی عام ہوگئی ہے کہ اہل علم اور درویشوں میں بھی یہ مرض ہے الا ماشاء اللہ حالانکہ درویشوں کو زیادہ محتاط ہونا چاہیئے، میں دیکھتا ہوں کہ کثرت سے ایسے مولوی اور درویش ہیں کہ اس رضا بالدنیا سے انکا مذہب یہ ہوگیا ہے کہ مردہ جنت میں جائے چاہے دوزخ میں ہمارے چار پیسے سیدھے ہوجائیں اور یہی وہ جماعت ہے جنکو دیکھکر اہل دنیا علم دین سے نفور ہوگئے ہیں۔

صاحبو! علم دین کو ہم نے خود ذلیل کیا ورنہ وہ تو ایسی چیز ہے کہ اسکے سامنے سب کی گردنیں جھک جاتی ہیں لیکن اگر ہم خود ہی بیقدری کرائیں تو اس میں کسی کا کیا قصور یہی حالت ہوگئی ہے پیروں کی کہ طمع کیوجہ سے انکی بھی سخت بیقدری ہوگئی ہے۔

حکایت: مجھے ایک گنوار کا واقعہ یاد آیا کہ فصل پر جب کمینوں کا اناج نکالنے بیٹھا تو گھر والوں نے سب کو شمار کیا دھوبی کو بھی خاکروب کو بھی اور یہ بیٹھا سنتا رہا جب سارے کمینوں کا نام سن چکا تو کہنے لگا کہ اُس سسرے پیر کا حصہ بھی تو نکال دو۔ مگر یہ پیر بھی ایسے ہوتے ہیں کہ ایک موضع کے بعضے لوگ ایک بزرگ سے مرید ہوگئے تھے پھر خاندانی پیر صاحب کو جب خبر ہوئی تو کہنے لگے اچھی بات ہے دیکھو میں بھی تمھیں پل صراط پر سے دھکا دونگا۔ تو ایسے پیر ہیں ہی اس قابل۔ علیٰ ہذا بعضے علماء بھی ایسے ہونے لگے ہیں۔

حکایت: ایک سب جج پرانی وضع پرانی روشنی کے ایک مقام پر بدلکر آئے انھوں نے چاہا کہ وہاں کے رؤساء سے مل آئیں ایک رئیس صاحب کے پاس پہنچے تو وہ دور ہی سے صورت دیکھکر گھر میں چلے گئے انھوں نے خادم کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ میں فلاں شخص ہوں

آپ سے ملنے کو آیا ہوں نام سنکر وہ رئیس صاحب باہر آسئے اور معذرت کر کے کہنے لگے کہ آپ کی عیادت دیکھکر میں سمجھا کہ کوئی مولوی صاحب ہیں کچھ لینے کی غرض سے آئے ہیں۔ یہ خیالات ہیں عوام کے علماء دین کے متعلق مگر اس میں زیادہ قصور ان عوام کا نہیں بلکہ ایسے حضرات کا ہے، کہ انہی نے اپنے افعال سے عوام کے خیالات کو خراب کیا اگر یہ حضرات علماء اس سے پرہیز کرتے تو عوام کو کبھی ایسی جرأت نہیں ہو سکتی۔ خلاصہ یہ کہ رضا بالدنیا کی ان خرابیوں سے بہت کم لوگ خالی ہیں حتیٰ کہ مولوی اور درویش بھی اور مولویوں اور درویشوں سے ایسا ہونا یہ زیادہ برا ہے کیونکہ یہ دھوکہ دیکر کھاتے ہیں۔ مگر ہر جماعت میں کچھ لوگ مستثنیٰ بھی ہیں دنیا داروں میں بھی اور دینداروں میں بھی۔ دنیا میں بھی جی لگایا اور دنیا انکے دل میں گھس گئی۔ اس کا ازالہ ذرا مشکل ہے دنیا سے تو دل گھبرانا چاہیئے مگر ہر مسلمان بتلائے کہ روزانہ کتنی مرتبہ دنیا میں رہنے سے اسکا جی گھبرایا ہے اور کب وحشت ہوئی ہے ہاں اگر وحشت ہوتی ہے تو آخرت میں جانے سے ہوتی ہے۔ حالانکہ دنیا سے وہ تعلق ہونا چاہیئے کہ جو سرائے سے ہوتا ہے کہ اگرچہ وہاں سارے کام کرنے والے ہوتے ہیں مگر دل گھر میں پڑا رہتا ہے۔ اسکا مطلب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مولوی دنیا چھڑاتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ ہاں مولوی یہ کہتے ہیں کہ دنیا سے سرائے کا تعلق رکھو۔ دیکھو کیا سرائے میں کھاتے نہیں ہو یا کوٹھری کرایہ پر نہیں لیتے سب کچھ کرتے ہو مگر وہاں جی نہیں لگتا اور دنیا میں جی لگا لیا ہے جبکی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ ہماری بعینہ وہ حالت ہے جیسے بچہ سرائے کے کسی آرام کو دیکھکر ضد کرنے لگے کہ میں تو یہیں رہونگا۔ باقی جنکو دنیا کی حقیقت سے واقفیت ہے انکی یہ حالت ہے کہ کہتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم   راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بروم

(میں تو اسی دن خوش ہونگا جبدن کہ اس ویرانے (یعنی دنیا) سے باہر نکلونگا مجھے قلبی راحت نصیب ہوگی اور محبوب سے ملاقات کے لئے میرا سفر ہوگا)

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے   تا درمیکدہ شاداں و غزلخواں بروم

(اور میں نے تو یہ منت مان رکھی ہے کہ جب یہاں کا یہ قیام ختم ہونے کو آئیگا تو میکدہ کے دروازہ تک شاداں فرحاں اور گاتا ہوا جاؤنگا)

دیکھئے منت مان رہے ہیں کہ اگر یہاں سے چھٹکا ہوا تو یوں کریں گے۔

(۸۸) دنیا کی محبت زائل ہونے کی آسان تدبیر

ایک ترکیب بتلاتا ہوں اور وہ ایسی ترکیب ہے جس سے تم کو انشاء اللہ تعالیٰ محبت کی برکت حاصل ہوگی اور یہ جو دائرے سے قدم باہر نکلا جارہا ہے یہ رک جائے گا وروہ حالت ہوگی جو طاعون کے زمانہ میں ہوتی ہے کہ سب کچھ کرتے ہو لیکن کسی چیز سے دلچسپی نہیں ہوتی، تو وہ ترکیب یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کرکے اسمیں موت کو یاد کیا کرو اور پھر قبر کو ذکرو پھر حشر کو یاد کرو اور یوم حشر کے احوال کو اور وہاں کے شدائد کو یاد کرو اور سوچو کہ خدا تعالیٰ ادرکے روبرو کھڑا کیا جائیگا اور ہم سے باز پرس ہوگی ایک ایک حق اگلنا پڑیگا پھر سخت عذاب کا سامنا ہوگا اسی طرح روزانہ سونے کے وقت سوچ لیا کرو دو ہفتے میں انشاء اللہ کایا پلٹ ہو جائے گی اور جو اطمینان اور انس و دلچسپی دنیا کے ساتھ اب ہے باقی نہ رہے گی۔

(۸۹) قلت تدبر فی الدین کی شکایت

بعض وہ ہیں کہ ذی علم ہیں اور باوجود اسکے ان میں قلت تدبر ہے یعنی اپنی حالت کو سوچتے نہیں، دنیا کا کام جس طرح سوچ سمجھکر کرتے ہیں سچ یہ ہے کہ دین کے کاموں میں اتنا اہتمام نہیں بلکہ جس میں جتنا دین ہے وہ عادت کی وجہ سے ہے اگرچہ یہ خوشی کی بات ہے کہ دین کی عادت ہوئی لیکن شکایت یہ ہے کہ اس سے زیادہ التفات کیوں نہیں ہے یعنی یہ کہ بقیہ میں کبھی تدبر سے کام لیتے۔ دیکھئے دنیا میں کبھی قناعت سے کام نہیں لیتے بلکہ اسکی ترقی اور زیادتی میں مشورہ کرتے ہیں، تدبیر کرتے ہیں اگرچہ کامیابی کبھی نہو کیونکہ دنیا میں کامیابی اکثر کم ہوتی ہے ورنہ اگر سب کامیاب ہوا کرتے تو آج ساری دنیا بادشاہ ہوتی تو دنیاوی مساعی میں باوجود کامیابی کم ہونے کے پھر بھی کوشش کیجاتی ہے اور یہ خدا کی مصلحت ہے کہ کسی کی تدبیر کارگر کر دیتے ہیں اور کسی کو ناکام بنا دیتے ہیں۔ آج جن لوگوں کی تدابیر مساعد ہوگئی ہیں وہ تدابیر ہی کو مؤثر سمجھتے ہیں۔ صاحبو ذرا ان سے پوچھو کہ جن کو تمام عمر ناکامی ہی رہی، تو صرف تدبیر نہ موثر ہے اور نہ یہ تدبیر محض بیکار ہے۔ مگر آخرت کے لئے

ناکامی کبھی نہیں ہوتی۔ پس تعجب ہے کہ جسمیں اکثر ناکامی ہو اس میں تو سعی و اہتمام کیا جائے اور جسمیں کبھی ناکامی نہو اس میں کبھی التفات نہ کیا جائے۔ حالانکہ جس قدر سعی دنیا کے لئے کیجاتی ہے اس سے نصف بھی آخرت کیلئے کریں تو ناکام نہ رہیں غرض بعض میں خرابی قلت تدبر کیوجہ سے ہے۔ بہرحال یہ مرض ہم میں ضرور ہے اور اسکا یہ مطلب نہیں کہ صرف یہی مرض ہم میں ہے بلکہ منجملہ اور بہت سے امراض کے یہ مرض بھی ہے۔ اور یہ مرض قریب قریب عالمگیر ہے مگر پھر بھی اسکے معالجہ کیطرف التفات نہیں ہے۔ تو اگر ہم غور کریں تو معلوم ہو کہ ہماری حالت یعنی عدم تدبر وہ ہے جسکا مقابل حدیث میں مذکور ہے یعنی تدبر تو چونکہ یہ مضمون اس مرض کی ضد ہے اسلئے اسکا علاج اس سے ہو جائے گا حدیث میں ہے کہ سعید وہ ہے کہ دوسرے کو دیکھکر عبرت حاصل کرے اور ظاہر ہے کہ یہ تدبر ہی میں داخل ہے۔ اور عجب نہیں کہ ایسا مضمون بہت دفعہ سنا ہو۔ چنانچہ عام محاورہ میں کہتے ہیں کہ تازی پیٹے اور ترکی کانپے اس مثل کا خلاصہ یہی ہے کہ السعید من وعظ بغیرہ کہ سعادتمند وہ ہے کہ دوسرے کی حالت دیکھکر اسکو عبرت حاصل ہو۔ پس یہ مضمون تسلیم شدہ ہونے کے سبب مستقل تسلیم کرانے کی ضرورت نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم میں یہ مرض ہے یا نہیں تو اگر ذرا بھی اپنی حالت کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہو کہ بہت شدت سے ہم میں یہ مرض ہے اور ہر ہر امر میں ہماری یہی حالت ہے۔

(۹۰) دوسروں کی حالت دیکھکر عبرت حاصل کرنا چاہیئے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ کہ امم سابقہ کے قصے اسی واسطے نقل کئے جاتے ہیں کہ لوگ عبرت پکڑیں اور عبرت کا خلاصہ یہی ہے کہ کسی امر مشترک کیوجہ سے اپنے کو ان پر قیاس کریں کہ فلاں شخص نے ایسا کیا تھا اسکو یہ نتیجہ ملا تو ہمکو بھی یہی نتیجہ ملے گا۔ یہ حقیقت ہے عبرت کی اب دیکھ لیجئے کہ دوسروں کی مصائب کے قصے سنکر کون شخص سبق حاصل کرتا ہے۔ اکثر لوگ مسلمانوں کی مصیبت کو سنتے ہیں مگر کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی اور فی صدی ننانوے آدمی ایسے نکلیں گے کہ جنکو

خاک بھی اثر نہیں ہوتا ؎

چو از محنت دیگراں بے غمی　　نہ شاید کہ نامت نہند آدمی

جب دوسروں کی تکلیف کو سنکر ہمارا دل نہ دکھا تو بے شک ہم اس قابل نہیں کہ آدمی کہلائیں

(۹۱) مصائب کی علل سمجھنے میں ابنا پرستوں کی کوتاہ نظری

اور اگر کچھ تنبہ ہوتا ہے تو اس سے احتراز کی تدابیر سوچتے ہیں اور صرف اسباب ظاہری پر نظر کرتے ہیں سبب اصلی کیطرف التفات بھی نہیں ہوتا اور کہو کہ جو مصیبت آتی ہے گناہوں ہی کیوجہ سے آتی ہے ہوا، آگ، پانی وغیرہ سب خداوندکریم کے حکم کے تابع ہیں انکو جب حکم ہوتا ہے اور جیسا حکم ہوتا ہے ویسا ہی کرتے ہیں ؎

خاک و آب و باد و آتش بندہ اند　　با من و تو مردہ با حق زندہ اند

یہ ہمارے سامنے مردہ معلوم ہوتے ہیں ورنہ واقع میں سب زندہ اور تابع فرمان ہیں

حکایت: ایک کافر بادشاہ نے بہت سے مسلمانوں کو آگ میں ڈالدیا تھا کیونکہ وہ لوگ بت کو سجدہ کرنے سے انکار کرتے تھے آخر ایک عورت کو لایا گیا اور اس سے بھی سجدہ کرنے کو کہا گیا تو اس نے بھی انکار کیا اسکی گود میں ایک بچہ بھی تھا بادشاہ نے حکم دیا کہ اسکی گود سے بچہ لیکر آگ میں پھینک دو۔ چنانچہ بچہ پھینک دیا گیا اور قریب تھا کہ وہ عورت سجدہ کرلے کہ لڑکے نے آواز دی ؎

اندر آما در کہ من اینجا خوشم　　گرچہ در ظاہر میان آتشم

(اماں! تم بھی اندر آجاؤ میں یہاں پر بڑے مزے میں ہوں اگرچہ بظاہر آگ کے اندر ہوں) اسکے بعد اس بچہ نے اور لوگوں سے بھی خطاب کرنا شروع کیا کہ یہاں آؤ یہاں آؤ! بہت بڑا عجیب باغ ہے پھر تو یہ حالت ہوئی کہ لوگ بیقرار ہوکر اس میں کودنے لگے سپاہی روکتے تھے مگر لوگ برابر آگ میں کودتے تھے۔ جب بادشاہ نے یہ حالت دیکھی تو آگ کو خطاب کرکے کہا کہ اسے آگ کیا تو آگ نہیں رہی یا تجھ میں جلانے کی قوت سلب ہوگئی تو آگ نے جواب دیا کہ ؎

گفت آتش، من ہمانم آتشم اندر آتا تو ببینی تابشم

(آگ نے (جلکر) کہاکہ میں وہی آگ ہوں جیسی ہوتی ہوں ذرا تو اندر آجا تاکہ تجھکو میری تپش کا تجربہ ہو جاسے)

یعنی تو اندر آسے تو معلوم ہو کہ میں آگ ہوں یا نہیں۔ باقی انکو کیونکر جلاؤں اسلئے کہ چھری کاٹتی ہے مگر چلانے سے ؎

طبع من دیگر نگشت و عنصرم تیغ حقم ہم بدستوری برم

(میری طبیعت، خاصیت اور ذات بدلی نہیں ہو بلا شبہ میں تلوار ہی ہوں مگر کسی کے حکم کیوجہ سے کاٹتی ہوں)

پس جسقدر مصائب آتے ہیں سب حکم خداوندی سے نازل ہوتے ہیں اور سبب اصلی جرائم و معاصی ہوئے کہ ان سے غضب حق ہوتا ہے اور پھر حکم سے بلا اور مصیبت نازل ہوتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

ہرچہ آید بر تو از ظلمات غم آں ز بیباکی و گستاخی است ہم

(جو کچھ مصیبت تم پر معصیت کیوجہ سے آتی ہے وہ صرف تمھاری جرات اور بیباکی ہی نہیں بلکہ گستاخی بھی ہے)

غم چو بینی زود استغفار کن غم بامر خالق آید کار کن

(جب تمکو رنج و غم پہنچے تو جلد توبہ استغفار کرو اسلئے کہ غم حکم حق ہی سے پہونچا ہو (بس حقتعالیٰ کیطرف رجوع ہونا ہی اسکا مداوا ہے)

تو جب کوئی مصیبت دیکھو فوراً استغفار پڑھو۔ سبحان اللہ کیا عجیب تعلیم ہے۔

حکایت: کئی سال ہوئے کہ جب ہمارے قصبہ اور اسکے گرد و نواح میں طاعون بہت زور و شور سے پھیلا تھا تو قبل طاعون کے ایک بزرگ آخر شب میں بیٹھے ہوئے تھے کہ قلب پر یہ آیت وارد ہوئی اِنَّا مُنۡزِلُوۡنَ عَلٰۤی اَهۡلِ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ (ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں انکے فسق و فجور کے سبب سے) تو ان بزرگ نے اسکو وعظ میں بیان کیا لیکن اپنی طرف منسوب نہیں کیا کہ مجھکو ایسا معلوم ہوا ہے مگر لوگوں نے توجہ نہ کی اور پھر طاعون پھیلا تو ایک سبب گناہ کلی ہوا جو قوم لوط میں تھا۔

(۹۲) نظربازی کا مرض بعضے پرہیزگاروں میں بھی ہے

اسوقت یہ مرض لوگوں میں بہت شدت سے پھیل گیا ہے کوئی تو خاص اصلی گناہ ہی میں مبتلا ہے اسکو تو خود بھی برا جانتا ہے اور اسکی برائی بالکل ظاہر ہے اور کوئی اسکے مقدمات میں یعنی امردوں پر نظر کرنا اور یہ مرض تاک جھانک کا اکثر سالکین اور اور پرہیزگاروں میں بھی ہے اور انکو دھوکہ اس سے ہوجاتا ہے کہ وہ بعض اوقات اپنی طبائع میں شہوت کی خلش نہیں پاتے اور اس سے سمجھتے ہیں کہ ہماری نظر شہوانی نہیں لیکن پھر بہت جلد شہوت ظاہر ہو جاتی ہے اسلئے ابتداء ہی سے احتیاط واجب ہے صاحبو! امام ابوحنیفہؒ سے بڑھکر تو آجکل کوئی مقدس نہ ہوگا مگر دیکھئے

حکایت : امام محمدؒ کو امام صاحبؒ نے اول دفعہ تو دیکھا لیکن جب معلوم ہوا کہ ان کے داڑھی نہیں ہے تو یہ حکم کردیا کہ جب تک داڑھی نہ نکل آئے پشت کی طرف بیٹھا کرو دونوں طرف متقی مگر احتیاط اتنی بڑی (اور احتیاط تو اسی لئے تھی کہ متقی تھے) بعد مدت دراز ایک مرتبہ اتفاقاً امام صاحبؒ کی نظر پڑ گئی تو تعجب سے پوچھا کہ کیا تمہارے داڑھی نکل آئی ہے۔ تو جب امام ابوحنیفہ نے اس قدر احتیاط کی تو آج کون ہے جو اپنے اوپر اطمینان کرے۔ اور جب انسان اسکا عادی ہوجاتا ہے تو پھر کم ہمتوں سے تو اسکا چھوٹنا نہایت ہی مشکل ہے۔ ہاں اگر ہمت کیجائے اور پختہ قصد تو چھوٹ بھی سکتا ہے کیونکہ اس میں کوئی مجبوری نہیں ہے اور اس کے چھوٹنے سے کوئی کام نہیں اٹکتا ہاں نفس کو تھوڑی سی تکلیف ضرور ہوگی مگر ہمت والوں کو بہت آسان ہے بہت سے باہمت لوگوں نے خدا کی راہ میں جانیں دیدی ہیں تو بھلا ذراسی نگاہ کا روکنا تو انکو کیا مشکل ہوسکتا ہے اور کم ہمتی کا کوئی علاج نہیں ہے۔ پھر افسوس یہ ہے کہ لوگ اسکو اس قدر خفیف جانتے ہیں کہ گویا حلال ہی سمجھتے ہیں حالانکہ معصیت کا حلال سمجھنا قریب بکفر ہے۔ ایک بیباک شاعر نے تو اسکو ایک مثال میں بیان کیا ہے ؎

نگاہ پاک لازم ہے بشر کو روئے جاناں پر خطا کیا ہوگئی گر رکھدیا قرآں کو قرآں پر

نہیں یہ بڑا سخت دھوکہ ہے کہ ناپاک کو پاک سمجھا دوسرے اگر پاک مان بھی لیا جائے تو خوب سمجھو کہ شیطان اول اول تو اچھی نیت سے دکھاتا ہے چند روز کے بعد جب محبت جاگزیں ہوتی ہے تو پھر نگاہ کو ناپاک کر دیتا ہے۔ پس یہ ضروری امر ہے کہ علاقہ ہی نکرو اور علاقہ ہوتا ہے نظر سے لہٰذا نظر ہی نہ کرو۔ غالباً حدیث میں ہے یا کسی بزرگ کا قول ہے کہ النظر سہم من سہام ابلیس (نظر بھی ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے) کہ اس کا زخم بھی نہیں ہوتا اور سودا قلب میں اترتا چلا جاتا ہے کسی کا شعر ہے ؎

درونِ سینۂ من زخم بے نشاں زدۂ — بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدۂ

(میرے سینے کے اندر تونے ایسا زخم لگایا کہ جسکا کچھ نشان بھی نہیں پڑا مجھے سخت حیرت ہے کہ تونے بدون کمان کے یہ تیر کیسے چلایا؟ (مراد تیر نظر ہے)

یہ نظر ایسی چیز ہے کہ اسکا اثر پیدا ہونے کے بعد بھی مدت تک یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہم کو تعلق ہو گیا ہے بلکہ جب کبھی محبوب جدا ہوتا ہے اسوقت قلب میں ایک سوزش سی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ تعلق ہو گیا اور جس قدر یہ سوزش بڑھتی جاتی ہے خدا کی محبت کم ہوتی جاتی ہے اسلئے کہ اس سے خدا تعالیٰ کو بہت غیرت آتی ہے کہ انکے علاوہ اور کسی کی طرف التفات کیا جائے۔ پس وہ اپنی محبت کو کم کرتے کرتے سلب کر لیتے ہیں والعیاذ باللہ اور کیوں غیرت نہ آئے جبکہ محبوبان دنیا کو بھی اس سے غیرت آتی ہے۔

حکایت: مثنوی میں ہے کہ ایک شخص ایک عورت کے پیچھے چلا اس نے پوچھا کہ تو میرے پیچھے کیوں آتا ہے کہنے لگا کہ میں تجھ پر عاشق ہو گیا ہوں۔ اس نے کہا کہ میرے پیچھے میری بہن آرہی ہے وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے ہوسناک تو تھا ہی فوراً پیچھے لوٹا جب یہ لوٹنے لگا تو اس نے ایک دھول اسکے رسید کیا اور ؎

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی — در بیان و دعویٰ خود صادقی

پس چرا بر غیر افگندی نظر — ایں بود دعویٰ عشق اے بے ہنر

کہ مردود اگر تو عاشق تھا تو غیر پر کیوں نگاہ کی با محبت تو وہ چیز ہے کہ ؎

ہمہ شہر پر زخوباں منم و خیال ما ہے — چہ کنم کہ چشم یک بیں نہ کند بکس نگاہے

(سارا شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہو لیکن میں تو اپنے ہی چاند جیسے محبوب کے خیال میں محو و سرشار رہتا ہوں اسلئے کہ نگاہ میری ہرجائی نہیں ہے بس ایک ہی کو دیکھنے والی ہے)

وصية العرفان

١٩٨٠م

حاملِ مضامینِ تصوف و احسان ماہنامہ افاداتِ وصی الٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ سالانہ ۱۸ روپئے اٹھارہ روپئے

چندہ ششماہی ۹ روپئے نو روپئے

زیرِ سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | ایک روپیہ

شمارہ ۹	ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۱ھ مطابق ستمبر [illegible]	جلد ۳

فہرست مضامین

ترسیلِ زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار - الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر نیم اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار - الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۱۱ اے - ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

رسالہ ہٰذا گذشتہ چند مہینوں سے قدرے تاخیر سے روانہ ہو رہا تھا گو کچھ نہ کچھ وجوہ بھی پیش آتی رہیں جسے ہم ناظرین کرام کی خدمت میں عرض بھی کرتے رہے کہ ع۔

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

ہمارے لئے یہی احساس کچھ کم پریشان کن نہ تھا کہ اسدفعہ تو حالات و حوادث نے ہم کو کچھ ایسا گھیرا کہ ہم تو یہ سمجھے کہ رسالہ اس ماہ میں طبع ہی نہ ہو سکے گا مگر اسکا قلق بھی ضرور تھا کہ ہمارا دس سالہ ریکارڈ ٹوٹ رہا ہے کیونکہ الحمدللہ اسوقت سے ابتک برابر ہی ہر ماہ رسالہ پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے تاخیر ضرور ہوئی لیکن ناغہ کبھی نہیں ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور حالات سازگار ہوئے اور دو ہفتہ کی تاخیر کے ساتھ سہی بہرحال ستمبر کا رسالہ ستمبر ہی میں نظر نوازِ ناظرین ہو رہا ہے۔

پھر پیش لفظ کا مرحلہ آیا تو حالات نے قلب و ذہن کو اس قابل ہی نہ رکھا کہ یکسوئی کے ساتھ کچھ لکھا جا سکے لیکن چونکہ اہلِ خانقاہ کے قید و بند کا ذکر بعض اخبارات میں بھی آگیا ہے اس سے احباب کی پریشانی کا خیال ہو کر جی چاہا کہ کسی قدر حالات اور کم از کم خیریت ہی کی اطلاع کر دوں مگر اس میں بھی تردد ہوا کہ اب کیا اپنی داستانِ غم دہرائی جائے۔ ہو چکا جو ہو چکا۔ اور پھر یہ بھی کہ ؎

سفینہ جبکہ کنارے سے آلگا غالبؔ بکسی سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

یہ تو اس دنیا کا تحفہ ہی ہے کہ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَوْلِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ انھیں سب چیزوں کو تو آخر بلا کہا جاتا ہے۔ جب محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے نہ محفوظ رہ سکے تو اربابِ خانقاہ وصی الٰہی کس شمار و قطار میں ہوتے ہیں۔

بہرحال اس سلسلہ میں کچھ لکھوں یا نہ لکھوں اسی تردد و اضطراب میں تھا کہ

بالآخر الہ آباد سے نکلنے والے ایک اردو اخبار "اضطراب" نے بھی اس اضطراب کو دور کیا اسکے اڈیٹر نے جس انداز سے حالات پر تبصرہ کیا ہے الفاظ و جذبات تو اسکے ہی ہیں تا ہم بعض جگہ حالات کی عکاسی نے ماشاءاللہ اور سبحان اللہ کہلا دیا اور بعض جگہ پڑھنے والوں کو آنسوؤں سے رُلا دیا ——— اسلئے جی چاہا کہ آپ کو بھی اسکے چند الفاظ پہونچا دوں انکی عبارت کے بعد کہیں کہیں بین القوسین جو کچھ لکھا ہے وہ مدیر رسالہ کا اضافہ ہے۔

ایڈیٹر موصوف اپنے اخبار مجریہ ۱۲ر ستمبر جمعہ ۱۹۸۰ء کے ص۳ پر رقمطراز ہیں کہ

"... خانقاہ سے خلد آباد تک"

" مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب مرحوم مغفور کی خانقاہ الہ آباد واقع محلہ بخشی بازار ایک زمانہ سے مرجع خلائق و بندگان الٰہی کے تزکیۂ نفس کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ حضرت والاؒ کے وصال کے بعد بھی جہاں ایک دینی مدرسہ (وصیۃ العلوم) کتب خانہ اور دارالافتاء اپنے مقدور بھر کام کر رہا ہے۔ چند اکابرین اور ذمہ داران اسکی دیکھ بھال اور نگرانی انجام دے رہے ہیں (یہاں اس خانقاہ کے جانشین حضرت مولانا قاری محمد مبین صاحب مدظلہ، خویش بزرگ حضرت مولانا قدس اللہ سرہٗ ہیں اور آپ ہی مدرسہ کے ناظم و مہتمم اور حضرت مولانا کی مسجد کے امام و خطیب بھی ہیں)۔ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ خانقاہ کے افراد کو سیاست سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہا نہ کبھی انکا شہر کی دلچسپیوں سے کوئی تعلق رہا ہے بلکہ دنیاوی اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ خانقاہ کے موجودہ اکابرین کم آمیز اور کم سوشل واقع ہوئے ہیں ان حضرات نے بس اپنے کام سے غرض رکھی ہے (آگے بعض پیش آنے والے حالات کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ)

یہاں یاد دلانا مناسب ہے کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب مرحوم و مغفور نے اپنا وطن اعظم گڑھ چھوڑنے کے بعد جب الہ آباد کو اپنا مسکن اور ثانوی وطن (بنانا) اختیار فرمایا تو یہ مدرسہ (وصیۃ العلوم واقع وصال کی مسجد بخشی بازار الہ آباد) اور خانقاہ قائم فرمائی تھی (آگے اپنی عقیدت و محبت کا ثبوت دیتے ہوئے صاحب اضطراب حضرت مولاناؒ کا مزید تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ) شاہ صاحب موصوف (یعنی مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ)

اس صدی کی ممتاز ترین عالم دین مصلح ۔ صوفی اور بزرگ رہنما ۔ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز اور شاگرد رشید تھے جنکی تاریخی حیثیت و اہمیت ... یو۔ پی۔ اسے ۔ سی اور الہ آباد کی مقامی پولیس کیا جانے ان کے کارنامے موتی لال نہرو سی آر داس ۔ جواہر لال نہرو ۔ راجیندر پرشاد رفیع احمد قدوائی ۔ مولانا ابوالکلام آزاد جانتے تھے اور یقیناً اندرا گاندھی اور گیانی ذیل سنگھ کو بھی معلوم ہوں گے (یہ ایڈیٹر صاحب کے اپنے خیالات اور انکی معلومات ہیں جس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہاں اس موقع پر یہ ضرور کہتے ہیں کیونکہ اسکو ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ حضرت مصلح الامۃ کی شان ایسی اعلی وارفع تھی کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے آپکو شیخ وقت فرمایا اور حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ نے آپ ہی کے دربار کے متعلق فرمایا کہ میں ہر جگہ بول سکتا ہوں مگر یہاں کچھ بولنے پر قادر ہی نہیں ہوں، اور دوسری جگہ کچھ کہنے کیلئے ضرور جاتا ہوں لیکن یہاں تو صرف سننے اور کچھ حاصل ہی کرنے کی غرض سے حاضری ہوتی ہے ۔ نیز حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی ۔ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی ۔ حضرت مولانا ابوالحسن صاحب ندوی مدظلہ ۔ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند آپ کے ساتھ مرشد اور گرو کا سا معاملہ فرماتے تھے ۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ استاد کل حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ جیسی مقتدر ہستی آپ کے خلفاء میں سے تھی باقی اور دیگر خلفاء کو جو شرف حاصل ہوا وہ تو حضرت اقدسؒ کی نسبت ہی سے ہوا ۔۔۔۔ آگے صاحب اضطراب لکھتے ہیں) :۔

اس صاف ستھری خانقاہ کی بے حرمتی اور بے گناہ افراد کی بے عزتی کی قیمت ... ظالم افراد کو قانونی ذمہ داری یا سزا کے علاوہ اپنی زندگی میں بھی ادا کرنی پڑیگی (یہ بھی ایڈیٹر کا ایک قلبی حال ہے جو ارباب خانقاہ سے متعلق ان کی محبت پر دال ہے ۔ باقی یہ ضروری نہیں کہ ہر ظالم کو اسکے ظلم کی سزا اسی عالم میں مل جائے اسکے لئے تو یوم الحساب مقرر ہے جس دن کہ تمام پوشیدہ باتیں عیاں ہو جائیں گی اور رب الارباب اس عدالت عالیہ کا جج ہوگا وہاں کسی کے بنائے کچھ نہ بن سکے گی) (تھانہ) خلد آباد کی حوالات میں ۔۔۔۔ خانقاہ کے ان بزرگوں

اور شرفاء کو دیکھ کر دوسرے قیدیوں کو بڑی ڈھارس اور دلجمعی ہوئی ہوگی (شاید خدا کی یہ بھی ایک مصلحت رہی ہو انکی گرفتاری میں) کہا جاتا ہے کہ حکام پولیس کو کچھ ٹیلیفون ہوئے سنا جاتا ہے کہ لکھنؤ سے بھی کچھ فون آئے (باقی اہل خانقاہ کی رہائی کی جو ظاہری صورت ہوئی وہ یہ تھی کہ) لاوارث شہیدوں کی لاش لینے کے سلسلے میں ایک اللہ کا بندہ (جس کا نام بھائی نور احمد ہے جو شہر میں نور ہڈی والے کر کے مشہور ہیں اور بخشی بازار ہی کے رہنے والے ہیں) جسے خلد آباد تھانے میں طلب کیا گیا تھا (تھانہ جانے سے پہلے وہ حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ سے ملنے گھر پہ آئے اور آکر سب گھر والوں کو تسلی و تشفی دی اور کہا کہ ابھی سب لوگوں کو چھڑا کے لاتا ہوں آپ لوگ بالکل اطمینان رکھیئے یہ کہکر سیدھے تھانہ خلد آباد پہونچے اور اسیران غم اہل خانقاہ سے ملکر اپنے رنج و غم اور ابتک کی اپنی لاعلمی پر اظہار افسوس کیا اور فوراً انکی رہائی کی تدبیر میں لگ گئے) اور تھوڑی دیر کے بعد ۵۰ - ۶۰ آدمیوں کی ضمانت لیکر انکو رہا کرایا جس میں ۹ نو حضرات اہل خانقاہ بھی تھے۔)

غرض ۲۰ گھنٹوں کے بعد ان حضرات کو سنت آدم میں خلد آباد کے تھانہ سے جہاں لفظ "تھانہ بھون" سے بھی قربت رہی باہر نکالا گیا (ایڈیٹر نے جنت سے آدم کے نکلنے اور ان حضرات کے خلد آباد سے (کہ وہ بھی جنت ہی کا ایک دوسرا نام ہے) نکلنے کا جوڑ ملانے میں اس میں شک نہیں کہ اپنی ذہانت کی داد ہی تو دی ہے لیکن نہ معلوم ان کے حافظہ سے یہ شعر کیوں محو ہو گیا کہ ؎

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن — بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے

شاید یہ سمجھے ہوں کہ یہ بے آبروئی تھی کہاں؟ یہ تو سراپا عزت تھی جیسا کہ خود آگے لکھتے بھی ہیں کہ) اور یہ بندگان الٰہی حضرت یونسؑ کی سنت میں ۴۰ گھنٹے (بھی) قید میں نہ رہ سکے جبکہ حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے — (آگے جو لکھا ہے اسوقت دراصل وہی سنانا آپ کو مقصود ہے۔ (ایڈیٹر اضطراب لکھتے ہیں)

عشاء سے قبل اسیران ناکردہ گناہ (اپنی) اسی خانقاہ کو واپس لوٹے جہاں شریف زادیاں اور نیک خواتین اپنے والد، چچا اور شوہر کے انتظار غم میں گذشتہ

رات ودن کے (شبخوں) نمازیں پڑھ رہی تھیں اور معصوم بچے (اور بچیاں) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی زندگی وسلامتی اور اپنی عزت وآبرو کے تحفظ کیلئے دعائیں مانگ رہے تھے جو یقیناً قبول ہوئیں (ظاہر تو یہی ہے کہ یہ دعائیں قبول ہوئیں اور ان حالات میں تکالیف سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا مشاہدہ ہوا کہ حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ اور ان کے بڑے صاحبزادے عزیزم احمد متین سلمہٗ نے روحانی اور قلبی تکلیف تو بہت اٹھائی کہ اس وقت ۔ ع ۔ "سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں تھا" کا مصداق ہو رہے تھے مگر الحمد للہ جسمانی قید وبند سے محفوظ رہے اور الحمد للہ کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کی جانب بھی کسی آنیوالے نے قطعی کچھ رخ نہیں کیا اور نہ ہی انکو اس قسم کی کوئی تکلیف پہونچی اسکی تصریح اس لئے کرنی پڑی کہ افواہ کی گرم بازاری سے سنا گیا ہے کہ دوسری جگہ یہ بھی مشہور ہو گیا کہ گھر کے مرد، عورتیں، بچے سب بندھ کر جیل گئے ۔ ایسا نہیں ہوا تھا، بس جتنا ہوا تھا اتنا ہی کہنا چاہیئے ۔ ایڈیٹر اضطراب آگے لکھتے ہیں) ۔

اس اندوہناک خبر کو سنکر چند عقیدت مند جن میں دو چار (بلکہ اس بھی زیادہ) غیر مسلم بھی تھے اور مریدین (حضرت مصلح الامۃؒ بھی تھے) اہل خانقاہ کی خیریت پوچھنے گئے تو اپنی چشم حیراں اور نظر عبرت خیز سے دیکھا کہ کسی کی پیٹھ پر ڈنڈوں کی ضرب کے نشانات تھے کسی کے کرتے سے پسلی کی چوٹ عیاں تھی۔ کسی کی پنڈلی پر زخم تھا تو کسی کی انگلی مجروح تھی (بعضوں کے گھٹنے پر لاٹھی کی چوٹ تھی) یوں "ظلم عالمگیر کا منظر کھلا") ۔

بہرحال ہم تو یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی کی راہ پر اپنے بندوں کی آزمائش لی اور وہ نیک بندے پورے اترے (خدا کرے پورے اترے ہوں اللہ تعالیٰ انکے صبر کو قبول فرما کر انکو اجر عطا فرمائے) ۔ ہمیں یقین ہے کہ خانقاہ اسی تہذیب وروایت کے ساتھ مسلمانوں کی اصلاح دینی اور فلاح دنیوی کا کام انجام دیتی رہیگی اور خدمت خلق الٰہی کا درس جاری رکھے گی "۔ انتہیٰ

(انتخاب از اضطراب ۔ شکریہ کے ساتھ)

ان حالات کے بعد عام طور پر جو ہوا کرتا ہے وہ یہاں بھی ہوا کہ مخلص دوست احباب اور دلی

ت رکھنے والے ہر طبقہ کے اہل شہر کے علاوہ انسانی ہمدردی رکھنے والے مقامی نیتا حضرات
لیڈران قوم اور سرکاری سطح کے لوگ بھی کوئی دہلی سے کوئی اور کہیں سے آئے جیسے مقامی
ی حکام بھی تھے سب ہی حضرات نے صورت حال دریافت کی اور اظہار افسوس کرنے سے کے
تھ ساتھ خوف و ہراس دور کرنے کی سعی فرمائی۔

الغرض سب ہی حضرات نے بلا استثنا تقدس خانقاہ کا اعتراف کیا۔
، خانقاہ کیجانب سے مختلف عنوان سے بس یہی ایک بات کہی گئی کہ ہم لوگ استغاثہ وغیرہ تو
نہیں کرتے صبر سے کام لیتے ہیں اور معاملہ کو خدا کے حوالہ کرتے ہیں تاہم اتنا ضرور کہتے ہیں کہ
م کے لئے اپنے ماتحتوں کے حالات سے واقفیت نہایت ضروری ہے کیونکہ بہت سے
ر کے نیک و بے ضرر بندے اسی آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر رہتے ہیں انکو نہ جاننا
۔نہ پہچاننا کچھ اچھا حال نہیں ہے اور نیک و بد سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکنا آئین جہانبانی و
نداری کے بھی خلاف ہے جو کہ کسی منصف کے نزدیک بھی پسندیدہ نہیں۔ یوں اہل خانقاہ ان سب ہی
ضرات کے مشکور ہیں جنھوں نے اس موقع پر انکے ساتھ اپنی دینی و اسلامی اخوت یا انسانی ہمدردی کا ثبوت دیا۔ اور ان سب
کے لئے دعا گو ہیں ساتھ ہی اپنے خدائے رحیم و کریم سے سب کیلئے امن و عافیت کی دعا کرتے ہیں۔ اللّٰہم انی
ملک العفو والعافیۃ فی دینی و دنیای واہلی ومالی۔

اسی سلسلہ میں ایک بات یہ بھی عرض کرنی ہے کہ یہاں حالات کچھ اس نوع کے پریشان کن
ہے جس نے کہ ایک موقع پر جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ کو مجبور کر دیا کہ وہ مولوی قمرالزماں صاحب
انکی خیر خواہی کے پیش نظر ایک خطرہ سے آگاہ کر دیں چنانچہ انھوں نے اپنی سابقہ رنجش
ر باہمی مخالفت کا کچھ خیال کئے بغیر انکو مخاطب کر کے ایک ضروری ہدایت فرما دی اس
بارک ابتداء کا اثر یہ ہوا کہ مولوی قمرالزماں صاحب بھی جناب قاری صاحب مدظلہٗ سے گھر پر
کر ملے اور سب گھر والوں کی خیریت دریافت کی اور پھر شام ہی کو جناب ڈاکٹر صلاح الدین
صاحب بھی قاری صاحب سے مکان پر آکر ملے اور ہمدردی کا اظہار اور پوری کوشش کا
عدہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سب معاونین کو جزائے خیر عطا فرما دیں۔

مدیر

نصرت الٰہی حاصل ہونے کے اسباب

فرمایا کہ ـــــ کل میں نے مؤطا امام مالک سے جو حدیث سنائی تھی اسی کے متعلق آج بھی کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ سنئے، امام مالکؒ نے موطا میں ایک باب قائم فرمایا ہے کہ

باب محبة الله عزو جل و فضل قبول الناس اذا كان لصلاح الرجل وتقواه۔

یعنی باب اللہ تعالیٰ کی محبت کے بیان میں (یعنی اللہ تعالیٰ کا لوگوں سے محبت فرمانا) اور لوگوں کی قبولیت کی فضیلت کے بیان میں جبکہ وہ انسان کے تقویٰ صلاح کی وجہ سے ہو۔

یہ ترجمۃ الباب قائم کرکے اسکے تحت امام مالکؒ نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے:۔

مالك عن سهيل بن ابى صالح عن ابيه عن ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا احب الله عبدا قال لجبريل عليه السلام يا جبرئيل قد احببت فلانا فاحبه فيحبه جبرئيل ثم ينادى فى اهل السماء ان الله قد احب فلانا فاحبوه فيحبه اهل السماء ثم يضع له القبول فى الارض

مالک سہیل بن ابی صالح سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ اے جبرئیل میں فلاں شخص سے محبت رکھتا ہوں یعنی اسکے ایمان اور صلاح وتقویٰ سے جیسا کہ اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا کی تفسیر حدیث میں یہی آئی ہے یعنی جو لوگ کہ ایمان لائے اور عمل صالح کئے تو اللہ تعالیٰ انکے لئے محبت پیدا کردیگا یعنی خود بھی اس سے محبت رکھتے ہیں اور جبرئیل سے فرماتے ہیں کہ) تم بھی اس سے محبت رکھو پس جبرئیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر آسمان والوں میں ندا کردیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت فرماتا ہے تم لوگ بھی اس سے محبت کرو یہ سنکر سب اہل سماء بھی اس سے

فاذا ابغض اللہ العبد
قال مالک لا احسبہ
الا انہ قال فی البغض
مثل ذلک

(موطا)

محبت کرنے لگتے ہیں پھر اسکی یہ مقبولیت زمین میں اتر آتی ہے (اور سب صالحین اسکو محبوب رکھتے ہیں) اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کسی شخص سے بغض رکھتے ہیں تو امام مالک یہاں یہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ راوی نے بغض کے متعلق بھی اسی ترتیب سے بات کہی جیسی کہ حُب میں گذر چکی ہے۔

دیکھئے حضرت امام مالکؒ نے ترجمۃ الباب یعنی (عنوان مضمون) جو قائم فرمایا کہ جب انسان صالح اور متقی ہوتا ہے تو اسکے صلاح وتقوی ہی کیوجہ سے حق تعالیٰ بھی اس سے محبت فرماتے ہیں اور لوگوں میں بھی وہ مقبول ہوجاتا ہے اور لوگ بھی اس سے محبت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اسکی محبت ڈال دیتے ہیں۔ یہ ایک دعویٰ ہے اور دلیل اسکی یہ حدیث ہے کیونکہ محدثین کا طرز یہی ہوتا ہے کہ وہ ترجمۃ الباب کے عنوان سے ایک دعویٰ فرماتے ہیں اور پھر دلیل میں اسکے تحت حدیث لاتے ہیں

ترجمۃ الباب میں اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور لوگوں کیلئے قبول کا اور حدیث میں دونوں جگہ محبت کا لفظ ہے تو یہ اسلئے کہ قبول اور محبت ایک ہی شے ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ جس سے محبت فرماتے ہیں تو وہ مقبول عنداللہ بھی ہوجاتا ہے، اور مخلوق بھی جسکو قبول کرتی ہے تو اسی لئے کہ وہ انکے نزدیک مقبول ہوتا ہے

بہرحال کسی شخص کا محبوب خلائق ہونا حق تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے جسے چاہے اس سے نواز دے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کو بھی اس دولت سے نوازا جاتا ہے بلکہ انھوں نے محبوب خلائق بننے کی خواہش بھی کی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ کی وصیت ذکر کرتا ہوں جو انھوں نے حضرت سعدؓ کو کی تھی۔ جبکہ آپ انکو عراق کا امیر بنا کر رخصت فرما رہے تھے۔ سنئے!۔

جب حضرت سعدؓ رخصت ہونے لگے تو حضرت عمرؓ نے آپکو علحدہ بلا کر کچھ خاص ہدایات فرمائیں جو حکمت سے لبریز تھیں فرمایا کہ میں تمکو عراق کا امیر لشکر بنا کر بھیجتا ہوں میری

وصیت یاد رکھنا، دیکھو تم ایک سخت اور دشوار کام کیلئے جا رہے ہو جس سے خلاصی کی صورت بجز اتباع حق کے اور کچھ نہیں ہے۔ اپنے نفس کو عمل خیر کی عادت ڈالو اور اسی کے وسیلہ سے فتح کو طلب کرو اور جان لو کہ ہر عادت کے لئے سامان اور سبب ہوتے ہیں پس خیر کا سامان اور سبب صبر ہے جو بھی مصیبت یا حادثہ پیش آئے اس میں صبر کو لازم پکڑو، ایسا کرنے سے خوف خدا تمھارے اندر پیدا ہوگا۔ اور یاد رکھو کہ خوف خدا کی دو ہی علامتیں ہیں، ایک اسکے حکم کی اطاعت کرنا دوسری معصیت اور نافرمانی سے بچنا۔ اطاعت خداوندی وہی شخص کرتا ہے جو دنیا سے نفرت کرتا ہے اور آخرت کی طرف راغب ہوتا ہے اور معصیت کا سبب فقط دنیا کی محبت اور آخرت سے بے رغبتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قلوب میں صاف اور خاص اور عمدہ کیفیات راسخ فرما دیتے ہیں جنکے بعض ظاہر آثار ہیں اور بعض مخفی۔ ظاہر تو یہ ہیں کہ حق کے اتباع میں کسی کے مدح و ذم کی پرواہ نہ کرے اور مخفی یہ ہے کہ حکمت کا دروازہ اس پر کھول دیا جاتا ہے اور اسکا ظہور اسکی زبان کے ذریعہ ہونے لگتا ہے اور وہ انسان محبوب خلائق بنجاتا ہے، تم اندیشۂ مدارات خلق یا شعبۂ ریا سمجھکر اس امر سے اعراض نکرنا (یعنی لوگوں کے تم کو محبوب سمجھنے سے گھبرانا نہیں چاہیئے)۔ انبیاء علیہم السلام نے بھی محبوب خلائق بننے کی خواہش کی ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو دوست رکھتا ہے تو مخلوق میں اسکو دوست بنا دیتا ہے اور جب کوئی اسکے یہاں مبغوض ہوتا ہے تو مخلوق میں اسکو مبغوض و مردود بنا دیتا ہے لہٰذا تم اگر معلوم کرنا چاہو کہ خدا کے یہاں تمھارا کیا مرتبہ ہے تو خاص بندگان خدا جو تمھارے ہمراہ اور تمھارے کام میں شریک ہیں انکے نزدیک اپنے مرتبہ اور قدر و منزلت کو دیکھ لو۔ آدمی شریف یا رذیل۔ اعلیٰ یا ادنیٰ اپنے نفس کی عافیت اور مقصد کے مطابق ہوتا ہے۔ سوائے اخلاق کے اور کوئی دوسری چیز نہیں کہ جسکی فضیلت دلیل عقلی اور مشاہدہ ہر دو سے عیاں ہو، اور یہی اخلاق اصول ہیں جنکو پکڑنا چاہیئے۔

(اس موقع پر حضرت والا نے زمانہ حال پر گفتگو فرمائی یعنی ابنائے زمانہ

احوال بیان فرمایا کہ آج بھی بداخلاقی کی وجہ سے بہت سے لوگ اس مرتبہ پر پہونچ گئے ہیں کہ انکو بھی نفس کے اتباع کیوجہ سے مدح وذم کی پرواہ نہیں ہے۔ ویسے تو صوفیوں کو بھی پروا نہیں ہوتی مگر انکو تو اللہ پر توکل ہوتا ہے اسی لئے وہ کسی چیز کی پروا نہیں کرتے اور انکو بے حسی کی وجہ سے کچھ احساس نہیں ہوتا۔ صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا تھا کہ مجھکو یہ خبر پہونچی ہے کہ تم شب بیداری کرتے ہو اور دن میں روزہ رکھتے ہو انھوں نے کہا کہ ہاں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا مت کیا کرو کیونکہ تمھارے اوپر تمھارے جسم کا بھی حق ہے اور تمھاری آنکھ کا بھی حق ہے اور تمھاری جان اور روح کا بھی حق ہے آنکھ کا کیا حق ہے؟ سونا اور جسم کا حق بھی سونا اور آرام کرنا ہے تاکہ صحت درست رہے اور جان وروح کا بھی حق ہے راحت وسکون اختیار کرنا۔ دیکھئے سوائے رسول کے اور کوئی ہے جو ایسی بات کہہ سکیگا؟ بات یہ ہے قائم اللیل اور صائم الدہر آدمی حسن معاشرت سے عاجز ہو جاتا ہے علیٰ ہٰذا یہ شخص خدمت اور مجالست سے بھی عاجز ہو جاتا ہے یا تو بدن کے ضعف کیوجہ سے یا سوء خلق کی وجہ سے۔ میں یہ جو بیان کر رہا ہوں تو آپ کہتے ہوں گے کہ ہمارا خیال نیک لوگوں کے ساتھ ایسا ہی تھا یعنی ہم بھی انکو بداخلاق سمجھتے ہیں۔ تو سنو! سوء خلق ایسے لوگوں کے اندر ہوا اسکی مذمت کی گئی ہے نہ یہ کہ اور لوگوں میں ہو تو انکو اجازت دی گئی ہے! ۔ آپ کی یہ دلیری آپ کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ مدح ذم کی پروا نکریں اور اولیاء اللہ نے جو پروا نہیں کی تو اسلئے کہ انکا نفس مرچکا تھا وہ نفع و ضرر کا مالک صرف خدا کو سمجھتے تھے اور مخلوق کو نفع و ضرر کا مالک نہ سمجھتے تھے۔ دیکھئے قرآن میں ہے کہ نفع و ضرر ہی کا خیال کرکے کافر لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نفع و ضرر کے مالک تو ہم ہیں ۔ انبیاء اور اولیا مخلوق کو نفع و ضرر کا مالک نہیں جانتے تھے اسلئے مدح وذم ان کے یہاں یکساں تھا۔ اور آجکل جو آپ بے پروا ہیں تو یہ آپکی بے حسی ہے۔ آپ کا نفس فنا نہیں ہوگیا ہے بلکہ موٹا ہوگیا ہے اور یہ جانور دل

کی طرح کی بے حسی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ انسان ہو کر ہم میں جانور جیسی صفات ہوں۔ اور جو شخص حق بات کرتا ہے تو وہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کرتا بلکہ لایخافون فی اللہ لومۃ لائم اسکی شان ہوتی ہے حضرت عمرؓ نے جو یہ کہا کہ لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور تعجب سے زہد نہ کرو تو بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کرنے لگتے ہیں یا بغض کرنے لگتے ہیں (محبت کرنے والے) تو یہی محبت اور بغض لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ اس میں اتنی تعمیم نہیں ہے کہ کافر سے بھی اور منافق سے بھی محبت کرنے لگتے ہیں نہیں بلکہ کافروں کو تو دشمن کہا ہے وہ کیسے ہو سکتے ہیں اور رہے منافق تو وہ رسولؐ ہی کو نہیں مانتے اسلئے وہ کیا ہونگے اب باقی رہ گئے صرف مومن مخلص بس انھیں کا یہ حکم ہے جو حدیث میں بیان ہوا ہے۔ اب اگر تم بھی اپنا مرتبہ اور قرب عنداللہ معلوم کرنا چاہتے ہو تو یہ دیکھو کہ تمھارا مرتبہ ان لوگوں یعنی خاص بندگان خدا کے نزدیک کیا ہے۔ یہی مطلب ہے اسکا کہ ع۔ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ مسلمانوں نے اپنے اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں کیسا کیسا مرتبہ پایا تھا ان کے واقعات سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

سنیئے اپنی تاریخ، ۵۰ھ میں شہر قیروان کی بنیاد حضرت عقبہؓ صحابی کے ہاتھوں رکھی گئی اسکی بنیاد اور آبادی کا واقعہ بھی صفحات عالم پر یادگار رہنے والا ہے اور اسلام کی صداقت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اوصاف اور ذاتی محاسن اور مقبولیت کا عام سکہ بٹھانے والا ہے۔ وہاں کے اصلی باشندے قوم بربر تھی لیکن مسلمانوں کیلئے کوئی مستقل چھاؤنی اس جگہ نہ تھی (دیکھا آپنے یہ چھاؤنی وغیرہ بھی آپ ہی کی چیز ہے) جس جگہ بلا استقلال قیام ہوتا اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ جب امیر افریقہ فارغ ہو کر مصر واپس آتے تو نو مسلم بربر بھی مخالفوں کے ساتھ کھڑے ہو کر سب عہد و پیمان توڑ دیتے تھے اسی واسطے انکی نگرانی اور حفاظت کے لئے ایک مستقل چھاؤنی ایک مناسب جگہ پر بنانے کا ارادہ کیا اور عربی افریقہ کو ایک مستقل صوبہ قرار دے دیا

ناسب سمجھا (سنا آپ نے یہ صوبہ وغیرہ بھی آپ کی ایجاد ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ ما ڈنی اور صوبہ یہ سب انگریزوں کے یہاں کی چیز ہے افسوس اپنے گھر کی خبر نہیں) موقع اور جگہ جو پسند فرمائی اس میں بہت دلدل اور گنجان جنگل تھا حتیٰ کہ سانپوں بھی درختوں سے ہو کر نکلنا دشوار تھا۔ اس جنگل میں ہر قسم کے زہریلے اور موذی جانور سکن تھا آدمی کی بود و باش کا تو کیا ذکر گذرنا بھی خطرناک امر تھا مگر چونکہ صحابہ رضی کا ارادہ باذن اللہ ہوتا تھا اور ان کے ہر فعل میں مقبولیت کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور کچھ وہ حضرات کرتے تھے اللہ کے بھروسہ پر کرتے تھے۔ لہٰذا حضرت عقبہؓ امیر لشکر نے تمام صحابہؓ کو جمع کیا اسوقت لشکر میں ۸۰ اصحابی موجود تھے۔ حضرت عقبہ نے اس جگہ کھڑے ہو کر تمام حشرات الارض اور سباع کو خطاب فرمایا یا ایھا الحشرات والسباع نحن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرحلوا فانا نازلون فمن وجدنا بعد قتلناہ۔ یعنی اے درندو اور موذی جانورو سنو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو اس جگہ آباد ہونا اور قیام کرنا چاہتے ہیں لہٰذا تم سب یہاں سے چلے جاؤ اور قیام کرنا چھوڑ دو اب اسکے بعد سے ہم جسکو یہاں دیکھیں گے قتل کر دینگے۔ اس آواز میں معلوم نہیں کیا تاثیر تھی کہ سب حشرات اور درندوں میں ایک کھلبلی پڑ گئی اور اسی وقت جلاوطن ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ جماعتوں کی جماعتیں نکلنا شروع ہو گئیں، شیر اپنے بچوں کو اٹھائے ہوئے بھیڑیے پلوں کو لئے ہوئے سانپ اپنی سپنولیوں کو کمر سے چمٹائے ہوئے نکلے جا رہے تھے یہ ایک عجیب ہیبتناک اور تعجب انگیز منظر تھا جو نہ اس سے قبل کہیں دیکھا گیا تھا نہ کسی کے وہم و گمان میں تھا۔ سب بربر کھڑے دیکھ رہے تھے اور سب جانتے تھے کہ اسوقت یہ کسی نہایت ہی جابر و قاہر کے حکم کے تابع اور مسخر ہو کر جا رہے ہیں دوسروں کو ان سے کیا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ کیا یہ بات ممکن تھی کہ حقانیت اسلام کی ایسی روشن دلیل کو دیکھنے کے بعد بھی وہ بربر قوم باطل پرستی پر قائم رہتی۔ پس ہزار ہا بربری صدق دل سے اسلام لے آئے اور اسلام کے حلقہ بگوش غلام بن گئے۔ یہ ہے غربی افریقہ میں ابتدائے اسلام

ا بجلی کے فلاسفر اور ماہر اسباب و مسببات کے تعلقات پر بحث کرنے والے اگر تمام
نی و دماغی قوتیں صرف کر ڈالیں تو وہ ہرگز نہیں بتلا سکتے کہ حضرت عقبہ کی اس آواز
کیا تاثیر تھی اور کیا سبب تھا کہ ایسے موذی جانور آواز سنتے ہی اطاعت کے لئے
دہ ہوگئے۔ اس کا سبب اگر تبلا سکتا ہے تو وہی شخص جو خالق و مخلوق کے ربط اور اسکی
یت سے واقف ہو اور جو یہ جانتا ہو کہ تمام مخلوقات اور تمام اسباب و مسببات
لق کائنات کے اشارہ اور حکم پر چلتے ہیں اور اسکی مرضیات کے تابع ہوتے ہیں
وک کو جو تعلق مالک کے ساتھ ہوتا ہے اس سے کہیں بڑھکر مخلوق کو خالق سے ہوتا ہے
لوک مالک سے بے رخی کر سکتا ہے مگر مخلوق کبھی خالق سے سرتابی نہیں کر سکتی
لوق ہر آن اپنے وجود میں خالق کی محتاج ہے۔ صحابہ چونکہ بالکلیہ تمام خواہشات و
ادات نفسانی سے بالکلیہ پاک و مبرا تھے انکی توجہ بجز بارگاہ حق تعالیٰ دوسری جانب
تھی وہ تمام مدارج فنا کے طے کئے ہوئے تھے اس لئے انکا حکم بھی وہی اثر رکھتا ہے
خداوند عالم جل شانہ کا تھا۔ ان تعلقات کے ادراک و احساس کا کوئی آلہ ابتک
یجاد نہیں ہوا (اس کے بعد ضمناً حضرت والا نے) فرمایا کہ ـــــ انھیں کی برکت
سے میں کہتا ہوں کہ نہیں بلکہ آلہ ایجاد ہوا ہے اور اس سلسلہ میں امیر کابل کا
یک قصہ بیان فرمایا کہ امیر کابل کے یہاں ایک صاحب بطور سرکاری مہمان وارد ہوئے
وہ اپنی جیب میں کچھ سوالات رکھکر گئے تھے یہ صاحب خوجہ کے تھے۔ کیا لطف
بات ہے سب کا جواب ایک ایک کر کے امیر نے دیدیا ان کا رقعہ جیب ہی میں
لکھا رہا۔ وہ مہمان ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ میں آپ کو ولی تو نہیں سمجھتا مگر یہ تو بتلائیے
آپ نے میرے تمام سوالوں کا جواب بغیر میرے پوچھے ہوئے کیسے دیدیا۔ یہ عجیب بات
ہے؟ اس پر امیر صاحب نے فرمایا کہ ہماری عقل اور بزرگوں کے کشف دونوں کی مثال
ٹیلیگرات اور ٹیلیفون جیسی ہے کہ عقل ہم لوگوں کی وہیں پہونچتی ہے جہاں کہ کشف
ہونچتا ہے۔ (حضرت نے فرمایا کہ بزرگوں کے کشف کی مثال ٹیلیفون جیسی ہے کہ بالکل
صاف سنائی دیتا ہے کہ کیا کہا جارہا ہے اور عقل و فراست کی مثال ٹیلیگراف جیسی ہے

کہ جس میں صرف اشارات ہوتے ہیں جن سے مطلب اخذ کیا جاتا ہے قرآن سے بات سمجھی جاتی ہے کبھی کبھی کچھ غلط فہمی بھی ہو جاتی ہے۔ یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان مسلم بادشاہوں کی تائید فرماتے ہوں تو کیا عجب ہے؟ جس طرح امیر اللہ تعالےٰ نے بنایا تھا تائید بھی عطا فرمائی تھی۔ اس پر ایک واقعہ سنئے:۔

ایک بادشاہ نے وصیت کی تھی کہ اسکے مرنے کے بعد شہر پناہ میں جو پہلا شخص آئے بادشاہ بنا دیا جائے۔ چنانچہ بادشاہ کی وفات کے بعد ایک فقیر کو سب سے پہلے شہر پناہ کے باہر دیکھا گیا اور وصیت اسکو سنائی گئی، بہرکیف حسب وصیت اسکو لایا گیا اور تخت شاہی پر بیٹھایا گیا۔ جب وہ اٹھنے لگا تو وزیروں کی طرف اشارہ کیا وزیروں نے آکر اسکو اٹھایا چنانچہ دو شخصوں کے کاندھے پر ہاتھ رکھکر اٹھا اور پھر وہ اسکو اسکے کمرۂ خاص (آرام گاہ) میں لے گئے تو وزرا نے ادب سے عرض کیا کہ آپ کا تو کہیں بادشاہوں کے دربار میں گذر ہی نہ ہوا ہوگا پھر آپکو کیسے معلوم ہوا کہ بادشاہ لوگ جب تخت سے اٹھتے ہیں تو وزیروں کو حکم دیتے ہیں اور وہ بغل میں ہاتھ دیکر انکو اٹھا کر لیجاتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ جس خدا نے مجھے بادشاہت عطا کی ہے اسی نے یہ بھی سکھلا دیا۔ یہ واقعہ امیر صاحب کی تائید میں بیان کر رہا ہوں۔

تو دیکھئے لوگ کہتے ہیں کہ تلوار سے اسلام پھیلا لیکن قوم بربر کے واقعات سے اسکی تردید ہوتی ہے اور یہ ایک تاریخی واقعہ ہے اور آپ اسکا انکار نہیں کر سکتے جو ابھی بیان ہوا کہ جانور مطیع حکم کے ہو گئے تھے اور جنگل چھوڑ دیا تھا اور سب بربر مسلمان ہو گئے تھے تو ان سب پر کس نے تلوار چلائی تھی؟

غرض جب جانور بھاگ گئے اور سارا میدان موذی جانوروں سے پاک ہو گیا اور پھر چالیس سال تک وہاں ایک سانپ کی بھی صورت نہیں دکھائی دی پھر وہاں دارالامارت بنایا گیا اور حضرت عقبہؓ نے جامع مسجد کی بنیاد ڈالی لیکن حقیقی جہت قبلہ کی تعیین اور دیوار قبلہ کو صحیح رخ پر قائم کرنے کے بارے میں بہت کچھ تردد تھا اگرچہ نماز کی ادائیگی کے لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ سمت قبلہ بالکل صحیح ہو یعنی عین مکی

کے لئے اصابت عین کعبہ شرط نہیں ہے بلکہ غیر مکی کے لئے استقبال جہت ہی کافی ہے۔ مگر ممکن تھا کہ کسی وقت اسمیں غلطی محسوس ہو اور جامع مسجد کا منحرف عن القبلہ ہونا کوئی وسوسہ عوام کے قلوب میں پیدا کر دے اسلئے اسکا اسقدر اہتمام کیا گیا۔ چنانچہ ایک شب ایسا ہوا کہ یکایک کسی شخص کو ایسا کہتے ہوئے سنا گیا کہ کل صبح تم جامع مسجد میں داخل ہونا تمکو ایک تکبیر کی آواز سنائی دیگی تم اس آواز کی سمت میں چلنا جس جگہ اور جس موقع پر جاکر آواز موقوف ہو جائے وہی جگہ قبلہ کی ہے وہاں پر نشان لگا دینا اور قبلہ کی دیوار قائم کر دینا یہی وہ سمت قبلہ اور دیوار قبلہ ہوگی جس کو اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کیواسطے ہمیشہ کے لئے پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا صبح جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو تکبیر کی آواز آئی اور جس طرف کو وہ آواز جاتی تھی اسی طرف حضرت عقبہ جاتے تھے یہاں تک کہ ایک جگہ پہونچکر وہ آواز منقطع ہو گئی اسی خط پر نشان لگا دیا گیا اور اسی سمت پر قیروان کی تمام مساجد بنائی گئیں یہ غیبی تائید تھی جو کہ قادسیہ کا مشہور عالم تاریخی واقعہ ہے

دوسرا واقعہ سنیئے حضرت سعدؓ نے عاصم ابن عمرو کو میسان کو فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ عاصم ابن عمرو جب وہاں پہونچے تو دشمن قلعہ میں داخل ہو کر محفوظ ہو گئے تھے اور مسلمانوں کو رسد بہم پہونچانے میں بھی بڑی دقت پیش آئی گوشت اور دودھ کا ملنا سخت دشوار ہو گیا۔ عاصم بن عمرو نے ہرچند کوشش کی مگر گائے بیل بکریاں وغیرہ کہیں سے دستیاب نہیں ہوئیں۔ اتفاق سے اہل فارس میں سے ایک شخص (جو کہ چرواہا تھا) جنگل کے کنارے پر ملا، اس سے پوچھا کہ دودھ اور باربرداری کے مویشی کہاں ہیں اس نے صاف انکار کر دیا اور جھوٹ بول دیا کہ مجھے کچھ خبر نہیں ہے لیکن اسی وقت جنگل کے اندر سے ایک بیل نے بآواز بلند کہا کذب عدو اللہ ہا نحن ہھنا دشمن خدا جھوٹ کہتا ہے ہم تو یہاں موجود ہیں یہ آواز سنتے ہی حضرت عاصم اس جنگل میں داخل ہوئے اور سب گائیوں بیلوں کو ہانک لائے اور پھر بحمد اللہ دودھ اور گوشت کی کمی نہ رہی یہ بھی تائید غیبی تھی۔ حجاج بن یوسف کو اس واقعہ کی اطلاع پہونچی تو اس نے اسکی تصدیق کرنا چاہی تو سب نے گواہی دی حجاج نے کہا تم غلط کہتے ہو (ایسا اس نے

مزید تحقیق کے لئے کہا) انھوں نے کہا کہ تمہارا تکذیب کرنا اسوقت ٹھیک ہوتا کہ ہم وہاں موجود نہ ہوتے اور تم وہاں موجود ہوتے حجاج نے یہ سنکر کہا کہ بیشک تم صحیح کہتے ہو لیکن یہ تو بتلاؤ کہ لوگ اس واقعہ کو دیکھکر کیا کہتے تھے کہا کہ لوگ اس واقعہ سے اس پر استدلال کرتے تھے کہ حق تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہیں اور یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ تائید الٰہی شامل ہے اور فتوحات ان کے ہمرکاب ہیں۔ حجاج نے کہا کہ یہ تو جبھی ہوسکتا ہے کہ کل جماعت کے لوگ متقی اور ابرار ہوں۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ اس لشکر کے دلوں کے اندر کیا بات پوشیدہ تھی اور وہ کن حالات کو اپنے اندر لئے ہوئے تھے اور کن مقامات کو پہونچے ہوئے تھے

فاما ما رأینا فما رأینا قط	لیکن ظاہر میں تو ہم نے جو کچھ دیکھا وہ یہ بات
ازھد فی الدنیا منھم ولا	تھی کہ کوئی شخص ان سے زیادہ زاہد یعنی دنیا سے
اشد بغضاً لھا لیس فیھم	بے لاگ اور اسکو بغض ونفرت کی نگاہ سے دیکھنے والا
جبان ولا غال ولا غدار	ان سے پہلے ہم نے دیکھا نہ تھا نہ ان میں کوئی بزدل اور نامرد
	تھا نہ کوئی خیانت کرنیوالا تھا نہ کوئی غدار اور عہد شکن تھا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی کا اصل راز یہی تھا اور یہی وہ اوصاف تھے جنکی وجہ سے وہ مؤید من اللہ تھے۔ بات یہ ہے کہ دنیا سے بے لاگ اور بے رغبت ہونا یہ ایسی صفت ہے جو صحابہؓ سے زیادہ اور کسی میں نہ تھی اسی وجہ سے بعد کے اولیاءؒ صحابہؓ کے درجہ کو نہیں پہونچ سکتے ؎

چوں از وگشتی ہمہ شے از تو گشت　　　چوں در وگشتی ہمہ شے در تو گشت

(جب تم خدا سے پھرے تو سب چیزوں نے تم سے منہ موڑ لیا اور جب تم اللہ والے ہوگئے تو سب چیزیں تمہاری ہوگئیں)

حضرت مولانا تھانویؒ جب کبھی خفا ہوتے تو ہم لوگ یہی مصرعہ پڑھا کرتے تھے ؏

"تیری چتون کیا پھری سارا زمانہ پھر گیا"

یہ سب کیا سن رہے ہو لیکن تمہاری حالت دیکھتا ہوں کچھ اور ہے۔ سلطنت اب تمہاری ہی سہی اب میں لوگوں کی اخلاقی کو سلطنت اور بد اخلاق لوگوں کو صاحب سلطنت کہا کرتا ہوں۔

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ انکو بادشاہ نے یہ سزا دی کہ کٹہرہ میں شیر اور درندوں کے درمیان چھوڑ دیا تاکہ وہ انکو کھا جائیں وہ وہاں جا کر نماز میں مشغول ہو گئے صبح لوگوں نے جا کر دیکھا کہ وہ صحیح سالم ہیں اور انکے گردا گرد جانور موجود ہیں اور ان کے تلوے شیر چاٹ رہا ہے لوگوں نے یہ دیکھکر تعجب کیا۔ امیر نے پوچھا کہ آپ ڈرے نہیں کہا کہ میں تو اپنے ایک مسئلہ میں الجھا ہوا تھا دوسری جانب دھیان دینے کا موقع ہی نہیں ملا پوچھا وہ کیا مسئلہ تھا فرمایا کہ میں نماز پڑھتا تھا اور شیر میرے تلوے چاٹ رہا تھا اسکا لعاب نجس ہے میں اس فکر میں تھا کہ میری نماز بھی صحیح ہوئی یا نہیں۔ اور سنئے:۔

حضرت سفینہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے وہ ایک بار کہیں جا رہے تھے اچانک ایک شیر اُن کے سامنے آگیا انھوں نے اس سے کہا کہ میں ہوں سفینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام بس وہ یہ سنکر دم ہلانے لگا اور ان کے آگے آگے چلنے لگا اور اسطرح جب صحیح راستہ پر ڈال کر انکی رہنمائی کر دی تب واپس ہو گیا۔

اسی طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ ایک سانپ آرہا تھا صحابہؓ نے اسکو مارنا چاہا حضورؐ نے منع کیا اور فرمایا کہ آنے دو بس وہ قریب آیا اور آپکے کان میں کچھ باتیں کیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب دیا اسکے بعد وہ چلا گیا صحابہؓ نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ جنوں کا سردار تھا مجھ سے کچھ دریافت کرنے آیا تھا پوچھکر چلا گیا۔ سب لوگ حیرت میں ہو گئے۔

اسی طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے تو ایک جگہ راستہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک طائفہ جنّات کا آیا اور انھوں نے حضورؐ سے قرآن سنا اور ایمان لائے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو تو مسلمان بنادیا اور خود طائف والے آپ سے بدخلقی اور سختی سے پیش آئے۔ اسی طرح آج ہمارا حال ہے کہ ہم عادی کچھ اور چیز کے ہو گئے ہیں یعنی بس "پدرم سلطان بود" کہنے کے تو بہت عادی ہیں کام سے ہم کو کیا مطلب اب یہ سب چیزیں ہم سے ختم ہو چکی ہیں اور عبادت کی جگہ معصیت نے لے لی ہے اور ذکر و طاعت کی جگہ بدخلقی اور غیبت

شکایت سنے علاوہ مومن کو برا کہنا فسق اور اسکا قتال کفر ہے، اور اسکا گوشت کھانا یعنی غیبت کرنا اللہ کی معصیت ہے۔ جیسے اسکا خون حرام ویسے اسکا مال حرام۔ لیکن آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم آئے دن سنتے رہتے ہیں اور شکایت ہمارے کانوں تک پہونچتی رہتی ہے کوئی کہتا ہے کوئی ہمارا مرغا لے گیا کوئی کہتا ہے کوئی ہماری بکری لے گیا اور پھر وہ ملتی نہیں۔ بس لوگ چھپا لیتے ہیں اور خبر تک نہیں دیتے۔ اور ایک جگہ کا معاملہ یہ ہوا کہ کسی نے کسی کا کھیت کاٹ لیا تھا وہاں کے سب لوگ جمع ہوکر نقصان کرنے والے کے ایک کھیت کو جو ان کے علاقہ میں تھا سارے کا سارا کاٹ ڈالا اور کہا کہ تلک بہ تلک یعنی یہ اس کے بدلہ میں ہے جیسا کروگے ویسا پاؤگے۔ اب حالت یہاں تک پہونچ چکی ہے۔ اور مصلح لوگ بالکل مایوس ہو چکے ہیں کہ اب دین کہاں رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس لئے کہتا ہوں کہ تاریخ کے آئینہ میں اپنے کو دیکھو اور سمجھو تو سہی کہ تم کیا تھے اب کہاں سے کہاں پہونچ گئے ہو۔ خدا سے توبہ واستغفار کرو۔ دین کی جانب دل سے رجوع ہو۔ طاعت اور عبادت کے علاوہ اخلاق کی درستگی میں لگو۔ کسی اللہ والے کی صحبت کو لازم پکڑو اور اپنے اندر کچھ اخلاق، کچھ اخلاص، اللہ تعالیٰ سے کچھ صحیح تعلق اور نسبت حاصل کرو پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید خداوندی کے منتظر ہو تو ایک بات بھی ہے ورنہ اس کے بغیر خام خیالی سے زیادہ کچھ نہیں ؎

ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا — کہ یہ قافلہ یاں سے ہے جانے والا

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

صالحین کی ایذا رسانی ہر زمانہ میں شعار منافقین رہا ہے

فرمایا کہ ——— زمانہ کو پہچاننا چاہیئے کہ کس روش پر چل رہا ہے۔ اس کے مطابق کام کیا جائے گا تو کام ہوگا ورنہ نہیں ہوگا لوگوں کے مزاج کے مطابق بات نہ کیجائیگی تو بات ہی نہ مانیں گے بلکہ مخالف ہو جائیں گے۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے یہ چلا آرہا ہے کہ جب بھی حق بات عالم میں آئی اسکی مخالفت شروع ہوگئی بددین لوگ طرح طرح سے ان حضرات کی مخالفت کرتے تھے اور انکو اور انکی تعلیمات کو مغلوب کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اور انکی تعلیمات کو مطعون کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے۔ اسکا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے اور اور احادیث میں بھی آیا ہے۔ انبیاء کو لوگ مجنون کہتے تھے شاعر اور ساحر کہتے تھے۔ اصول پر بھی اعتراض کرتے تھے اور فرع پر بھی' ان لوگوں کا مستقل یہی کام تھا کہ اعتراض اور انکار کا بیڑا ہی اٹھائے ہوئے تھے۔ آیت پر آیت نازل ہوتی ذلیل ورسوا ہوتے تھے مگر اپنی خباثت اور بدباطنی نہیں چھوڑتے تھے۔ ہاں ان میں جو سمجھدار تھے وہ حق و باطل میں امتیاز کر کے اسلام قبول کرتے تھے۔ حسنہ اور سیئہ میں تمیز کرتے تھے اسلئے کہ حق حق ہی ہے اور باطل باطل۔ حق میں قوت ہوتی ہے اگرچہ اہل باطل ابتداء میں قوی معلوم ہوتے ہیں اور حق کے مقابلہ میں اپنی قوت صرف کرتے ہیں مگر یہ زور و قوت عارضی ہوتی ہے اس لئے حق کے سامنے چلنے نہیں پاتی حق ہی غالب ہو کر رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسکا نمونہ ہر زمانہ دکھلاتے رہتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام ہر اعتبار سے کامل ہوتے ہیں خاندان اور نسبت کے اعتبار سے بھی اخلاق و عادات کے اعتبار سے بھی۔ تعلیمات ان حضرات کی نہایت اعلیٰ اور کامل

ہوتی ہیں اسلئے سمجھدار لوگ اسکو سمجھکر ہر زمانہ میں قبول کرتے ہیں جس سے انبیاءؑ کے اتباع بڑھتے جاتے ہیں اور منکرین کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔ پہلے نبی تنہا ہوتا ہے مگر بڑھتے بڑھتے انکی ایک جماعت بنجاتی ہے اور سب پر غالب ہو جاتی ہے

منکرین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بجائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض و عداوت کی وجہ سے مذمم کا لفظ استعمال کرتے تھے جس سے خود آپ کو بھی اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی انتہائی اذیت ہوتی تھی لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے جواب میں صرف یہ فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ میرا نام محمد ہے اور صحابہ کی تسلی کے سلئے فرماتے کہ لوگ جو مجھکو مذمم کہکر پکارتے ہیں تو کوئی اور ہوگا جس کو یہ لوگ مذمم کہتے ہوں گے ظالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو بگاڑتے تھے اس سے کیا ہوا انکا یہ مذاق و استہزار کرنا خود انکی ہی ہلاکت کا سبب ہوا۔ ہلاکت کی دو قسم ہے ایک تو یہ کہ دشمن کا وجود ہی ختم ہو جاسئے اور دوسری ہلاکت یہ کہ دشمن کا مقصد پورا نہ ہو۔ وہ چاہتے تھے کہ دین حق کی اشاعت نہ ہو تو جب خوب دین کی اشاعت ہوئی انھوں نے اسکی ترقی دیکھ لی تو منہ کے بل گر پڑے دشمن کا اپنے مقصد میں کامیاب نہونا یہ بھی اسکی فاش شکست اور ہلاکت ہی ہے۔

اسی طرح ایذار دہی کا ایک طریقہ یہ اختیار کر رکھا تھا کہ حضرات صحابہؓ کی عورتوں کا اپنے اشعار میں ذکر کرتے تھے اور مذمت کرتے تھے یہ اسلئے کرتے تھے کہ صحابہ کو برانگیختہ کر دیں اور ان میں ایک خلفشار پیدا کر دیں جب لوگ آمادہ جنگ و جدال ہو جائیں گے تو انکا اصل کام رک جائیگا اسلئے کہ خلفشار اور جنگ و جدال کی صورت میں کام نہیں ہوپاتا منکرین کی پوری سعی اسی پر تھی کہ دین کا کام نہ ہونے دیا جائے اسکے سلئے طرح طرح حیلے کرتے تھے۔ اب بھی ایسا ہی ہوگیا ہے جہاں کوئی عالم آیا اسکو بدنفس لوگوں نے بدنام کرنا شروع کیا اسکی تعلیمات پر اعتراض کرنے اور غلط سلط باتوں کے اڑانے اور اسکی جانب منسوب کرنے میں مشغول ہوئے۔ یہ انکا مستقل کام ہوتا ہے اب کوئی کام تو ان سے پڑتا نہیں تو یہی نہ کریں تو آخر کریں کیا؟ حالانکہ ان لوگوں کو نہیں معلوم

کہ یہ مخالفین دین اور دشمنان اسلام کا شیوہ ہے۔ اس سے انکو کوئی مرتبہ نہیں ملجائیگا سوائے ذلت وتباہی کے کچھ ہاتھ نہ آئیگا مگر بالکل بے سمجھ ہوگئے ہیں کچھ نہیں سمجھتے علماء حقانی کو گالیاں لکھکر بھیجدیتے تھے یہ کیا طریقہ ہے؟ کیا اس سے انکو اذیت نہیں ہوگی، مگر اسکی ذرا پروا نہیں کہ اسکا کیا نتیجہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَتُبْلَوُنَّ فِیْ أَمْوَالِکُمْ وَأَنفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ أُوتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ أَشْرَکُوا أَذًی کَثِیرًا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ یعنی البتہ تم آگے اور آزمائے جاؤگے اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں۔ اور البتہ آگے کو اور سنوگے بہت سی باتیں آزار کی ان لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں پس اگر تم صبر کروگے اور تقویٰ اختیار کروگے تو سمجھ لو کہ یہ عزائم امور میں سے ہے۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مومنین کو خطاب ہے یا مومنین کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اس بات کی خبر دیدی اس حالت کی جو عنقریب آنے والی تھی تاکہ اسکے تحمل کے لئے اپنے کو آمادہ کرلیں اور اسکو برداشت کرنے کیلئے تیار ہوجائیں اور خوب صبر وثبات سے اسکا مقابلہ کریں اسلئے کہ مصیبت کا اچانک آجانا یہ کرب اور تکلیف کو زیادہ کردیتا ہے اور کرب ومصیبت کے لئے پہلے سے کمربستہ وآمادہ ہوجانا بڑے بڑے امور کو آسان کردیتا ہے۔ پس یہ جملہ مومنین کے تسلی دینے کے لئے تھا ان امور سے جو عنقریب واقع ہونے والے تھے۔

اب قرآن وحدیث کے خلاف مذہب تیار کرلیا گیا ہے اور اب بھی سمجھتے ہیں یہ وہی دین ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے چنانچہ کوئی عالم ان کے سامنے جائز ناجائز بات کرتا ہے تو ناگوار ہوتا ہے اس میں اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں اور اس عالم ہی کو بد کرتے ہیں اور قہقہہ بازی کرتے ہیں۔ ایک جگہ ایسے ہی لوگ علماء پر ہنستے تھے تو میں نے کہا کہ تمہاری یہ ہنسی فلاں جگہ یعنی جہاں کہ تمہاری اکثریت ہے وہاں تک بھی نہیں

چہ جائیکہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کیا پہونچے گی یوں تو امت کی ہر اچھی بری بات پہنچتی ہے مگر میرا مطلب اس سے یہ ہوتا تھا کہ قبولیت کے ساتھ نہیں پہنچتی بلکہ مسترد اور نامقبول ہوکر تمہیں پر لوٹتی ہے۔

سنو! انھیں باتوں سے تم کمزور ہو گئے ہو یہ ایسا روگ ہے کہ اس نے تمکو کسی کام کا نہیں چھوڑا اسکی وجہ سے تم بالکل کھوکھلے ہوگئے ہو حاصل یہ کہ تمہارا ضعف اغیا سے نہیں بلکہ یہ خود تمہاری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ اسکو سمجھو لوگے تو کام پر لگ سکتے ہو اور کامیابی کام کرنے ہی سے ہوا کرتی ہے۔ دوسروں کو برا بھلا کہنے سے کبھی کوئی کامیاب نہیں ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائے اور اپنی مرضی کے مطابق صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

علماء یہود کی ایک گمراہی پر خداوندی عتاب

فرمایا کہ ـــــــ حق تعالیٰ سبحانہٗ کا ارشاد ہے کہ اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون ہ (یعنی کیا تم اور دوسرے لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے کو بھلا دیتے ہو؟ تم تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم رکھنے والے لوگ ہو پھر اتنی بات بھی نہیں سمجھتے)۔ اسمیں اللہ تعالیٰ نے علمائے یہود کی ایک گمراہی پر سخت نکیر فرمائی ہے اور چونکہ انکی یہ گمراہی سبب بنتی تھی عوام کی گمراہی کا اس لئے اس پر شدید زجر و توبیخ کے ساتھ کلام فرمایا ہے جی چاہتا ہے اس آیت کی مفصل تفسیر مفسرین کے کلام سے بیان کر دی جائے اور قرآن شریف کے صحیح مفہوم کا سمجھنا چونکہ بدون مراجعت حدیث کے تقریباً ناممکن ہے اس لئے اس آیت کی تفسیر سے متعلق جو مضمون احادیث میں آیا ہے اسکو بھی نقل کر دینا چاہتا ہوں تاکہ طلبہ کو اس آیہ کے متعلق کچھ معلومات ہو جائے۔ اور جس امر پر حق تعالیٰ نے اس قدر زجر و توبیخ فرمائی ہے اسکی حقیقت پیش نظر ہو جائے۔

چنانچہ اس آیۃ کے تحت علامہ بیضاوی لکھتے ہیں :۔

والآیۃ ناعیۃ علیٰ من یعظ غیرہ ولا یتعظ بنفسہ سوء صنیعہ وخبث نفسہ وان فعلہ فعل الجاھل بالشرع او الاحمق الخالی عن العقل ۔ فالجامع بینھما تابی شکیمتہ ۔ والمراد بھا حث الواعظ علی تزکیۃ النفس والاقبال علیھا بالتکمیل لتقوم فیقیم غیرہ لا منع الفاسق عن الوعظ	اس آیت میں مذمت بیان کی گئی ہے اس شخص کے فعل کی اور خبث نفس کی جو دوسروں کو تو وعظ کہے اور خود نصیحت پذیر نہ ہو اور یہ کہ اس شخص کا فعل مانند اسکے ہے جو کہ شرع سے جاہل ہو یا احمق ہو جو عقل سے بالکل کورا ہو کیونکہ جو شخص شرع اور عقل کا جامع ہوگا اسکی طبیعت ایسے امور سے ابا کرے گی ۔ بہرحال مراد اس سے واعظ کو اپنے نفس کی اصلاح اور اسکی تکمیل کیجانب متوجہ کرنا ہے تاکہ پہلے خود ٹھیک ہولے تب دوسروں کو ٹھیک کرے باقی فاسق کو وعظ سے منع کرنا مقصود نہیں ہے ۔

بیضاوی نے یہ بالکل صحیح فرمایا کہ اس آیۃ میں واعظ کو ابھارا اور آمادہ کیا گیا ہے کہ پہلے وہ اپنے نفس کیجانب متوجہ ہو کر اپنے کو درست کرے تاکہ دوسروں کو درست کرسکے ۔ اور آگے علامہ بیضاوی نے یہ جو فرمایا کہ لا منع الفاسق عن الوعظ یہ بھی درست ہے لیکن اسکے بعد میں یہ کہتا ہوں کہ :۔

لا منع الفاسق عن الوعظ بل المنع والزجر عن الفسق فی حالۃ الامر بالمعروف لان ھذا الصنیع صنیع سوء لان عادتہ مفضی الی ضررین ضرر لازمی وضرر متعدی الاول عائد الی نفسہ والثانی الی غیرہ الناس یقتدونہ فی ھذا الصنیع فیکون الضلالۃ عامۃ شائعۃ ھذا سبب ضلالۃ الیھود)

یعنی اس آیۃ میں فاسق کو وعظ کہنے سے تو نہیں روکا گیا ہے اور کیوں روکا جائے جبکہ وہ کوئی بری چیز نہیں ہے کیونکہ امر بالبر تو ایک اچھی چیز ہے تو کسی اچھی بات سے کیوں منع کیا جائے ؟ دو اچھی چیزوں میں سے آدمی اگر ایک کو انجام نہ دے رہا ہو تو دوسرے کو بھی چھوڑ دے یہ کیوں ؟

(صوفی عبدالرب صاحب کا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

عرض حال: اب آگے اپنا ایک خاص حال عرض کرتا ہوں۔ میں اس حقیقت کو ایک عرصہ سے محسوس کر رہا ہوں اگرچہ ملازمت اور تبادلوں کے ہنگاموں میں عرض کرنیکا موقع نہیں ملا وہ یہ کہ عمر گذر گئی بڑھاپا آگیا اب موت ہی کی باری ہے اور اگرچہ عمر بزرگوں کی جوتیوں میں گذری لیکن اب تک میری اصلاح نہیں ہوئی ہے جسکا ایک خاص سبب میرے نزدیک یہ ہے کہ میں دوسروں کی اصلاح کے چکر میں اپنی اصلاح سے غافل رہا دوسروں کی اصلاح بظاہر عمل خیر نظر آتا رہا اور میں مغالطہ ہی میں مارا گیا۔ جہاں گیا اور جہاں رہا لوگوں نے (میرے ساتھ) وہ معاملہ کیا جو چھوٹے اپنے بڑوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور اگرچہ ہمیشہ میرا دل متنبہ بھی ہوتا رہا پھر بھی میں مغالطہ کا شکار ہوتا گیا۔ جہاں گیا وہاں کی بددینی کو دیکھکر خدمت اسلام کے خوشنما عنوان سے تبلیغ دیگراں میں مشغول رہا کیا اور اپنی نمازوں اور ذکر و اذکار کو اپنے حق میں کافی سمجھ لیا (راقم عرض کرتا ہے یہی وہ مغالطہ ہے جو اس قسم کے لوگوں کو ہوجاتا ہے جسکا سمجھنا بھی مشکل اور سمجھانا اس سے زیادہ مشکل۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کشود کار فرمادیں تو آسان ہوسکتا ہے ورنہ مزلۃ الاقدام ہی ہے)

شلاً اب کروی ضلع باندہ میں ہوں تو اناؤ سے کروی جاتے ہوئے (اناؤ میں حضرت صوفی صاحب رہا کرتے تھے ملازمت کروی میں تھی) اور کروی سے اناؤ آتے ہوئے ہر بار ایک رات باندے میں گذارتا ہوں اور وہاں وعظ کہتا ہوں۔ موضع ہتورہ کے مولوی حافظ محمد صدیق احمد صاحب بھی مجھکو کروی سے اپنے مدرسہ ہتورہ لے گئے اور دو وعظ کہلوائے ان مواعظ سے دوسروں کا فائدہ دیکھکر مجھے اپنے لئے اس مشغولیت کو خیر محض سمجھنے کا مغالطہ ہوتا رہا (راقم عرض کرتا ہے کہ صوفی صاحب نے بھی اپنے مافی الضمیر کو خوب ہی ادا کیا اور خوب ہی چور پکڑا۔ دیکھئے دوسروں کا دینی فائدہ ہو رہا ہے اور اسکو خیر محض کا مغالطہ فرما رہے ہیں۔ اسی گھاٹی میں آج نجانے کتنے لوگ مبتلا ہیں جو کہ خود ہی کسی کی سمجھ میں آجائے تو آجائے باقی کوئی دوسرا وہ بھی اس زمانہ میں کسی کو سمجھا نہیں سکتا۔ مشائخ نے

نے بھی بالآخر عاجز ہوکر خاموشی ہی اختیار فرمالی۔ آگے سنیے صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ)

اگرچہ ہمیشہ دل کو نفس کی چوری کا احساس بھی ہوتا رہا وہی احساس اب موت کا زمانہ قریب ہونے کے سبب اتنا قوی ہوگیا ہے کہ دل کی بات زبان پر آگئی۔ اب میں اپنا کچا چٹھا پیش کر کے حضرت اقدس سے درخواست کرتا ہوں کہ میری اصلاح کی طرف توجہ فرمائیں اور میرے حق میں احکام صادر فرمائیں جنکی تعمیل اب انشاء اللہ ضرور کرونگا تاکہ مرتے دم تک تو بقدر ضرورت اتنی اصلاح ہو جائے کہ نجات ہو سکے (راقم عرض کرتا ہے کہ اہل تبلیغ سے سنا کہ اسفار تبلیغ بعینہٖ ذریعہ اصلاح نفس ہے معلوم نہیں صوفی صاحب کو اسکا علم کیوں نہ ہو سکا ورنہ وہ اسقدر پریشان نظر نہ آتے اور تبلیغ کے مکتب سے اصلاح کا مکتب جداگانہ تلاش کرتے انکے بیان سے تو ایسا ظاہر ہو رہا ہے کہ دوا سے دل کی جستجو ہے اور محض وعظ و تبلیغ سے یہ گوشہ پر نہیں ہو رہا ہے۔ آگے تحریر فرماتے ہیں کہ)

میرے دل میں یہ آتا ہے کہ اب وعظ کہنا بالکل ترک کردوں اور اپنی نگرانی کروں اور جو کچھ حضرت ارشاد فرمائیں اس پر عمل کروں۔ میرے دل میں جو ترک وعظ اور اختیار عزلت کی بات آگئی ہے اگر حضرت اقدس مدظلہ اسکو میرے حق میں صحیح ارشاد فرمائیں تو میں فوراً اس راہ کو اختیار کرلوں گا۔ اب پنشن میں ایک سال رہ گیا ہے اور اب ہر طرف سے غیر متعلق ہوکر اپنی اصلاح ہی میں لگ جاؤں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت اقدس کو ایسا طول حیات ارزانی فرمائیں کہ مجھ جیسے پیر نابالغ کی تربیت و اصلاح بھی فرمالیں اور میں حضرت والا ہی کے سامنے اس دنیا سے عافیت سے گذر جاؤں اور خدا کرے ایسا نہو کہ میں حضرت کے بغیر بھٹکنے کے لئے تنہا رہ جاؤں۔ حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ نے مجھے تکمیل سلوک کی بشارت لکھی تھی کاش کہ میں نے اسکو حضرت اقدس مدظلہ کے زیر سایہ رہ کر ترقی دی ہوتی لیکن افسوس کہ میں نے اس دولت کو اپنی غفلتوں پر بھینٹ چڑھا دیا اور دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت میں اس متاع بے بہا کی گٹھری کو ضائع کردیا جو تھانہ بھون اور محی الدین پور (الہ آباد میں ایک موضع ہے حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ کا وطن شریف یہی تھا) سے مجھکو

بقدر ظرف کے ملی تھی، اب میں اپنے ایام برباد رفتہ پر اظہار افسوس کرتا ہوں اور از سرِ نو اپنی ارادت کو حضرت مدظلہٗ کے ساتھ مستحکم کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ حضرت اقدس میری تربیت اور اصلاح کو از سرِ نو شروع فرمادیں۔ انتہیٰ۔

(ملاحظہ فرمایا آپ نے صوفی صاحب کا یہ خط، دیکھئے اسکا ایک ایک لفظ کس قدر اخلاص اور طلب میں ڈوبا ہوا ہے اور سارے دینی مشاغل کرنے کے باوجود حضرت جیسے مرشد میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں کا منظر دکھلا رہے ہیں۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی طلب اور لقائے رب کا شوق —— اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دولت سے کچھ حصہ نصیب فرمائے۔ آپ نے دیکھا کہ کیسا کیسا اپنے مرض اور اسباب نقصان کی نشاندھی فرمائی ہے اور شیخ سے اجازت چاہ رہے ہیں کہ فرمائیے تو وعظ وغیرہ بالکل ترک کر دوں لیکن حضرت اقدسؒ بھی واقعی مصلح تھے حالات کی نزاکت کو سمجھتے تھے اس لئے باوجود انکے لئے مفید ہونے کے خود اپنی زبان سے ترک کرنے کو نہیں فرمایا بلکہ خط کا حکیمانہ جواب یہ مرحمت فرمایا۔

ارشاد مرشد، جزاکم اللہ تعالیٰ، بہت خوشی کی بات ہے۔ اب ایک بات عرض کرتا ہوں، اگر کوئی شخص آپ کے پاس یہی خط لکھتا (جو آپ نے مجھے لکھا ہے) جو اس کا جواب آپ دیتے وہی اپنے خط کا جواب لکھکر مجھے مرحمت فرمائیے۔

(جناب صوفی صاحب مرحوم کا دوسرا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

عرض حال: میرا عریضہ حضرت کے ارشاد گرامی سے مشرف ہو کر ملا۔ حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جزاکم اللہ تعالیٰ الیٰ قولہ جواب لکھکر مجھے مرحمت فرمائیے —— حضرت کے اس ارشاد کی تعمیل میں اپنی سمجھ کے بقدر جواب بغرض ملاحظہ لکھتا ہوں۔ میں یہ لکھتا کہ:-

"اپنی اصلاح مقدم ہے۔ معمولات کی پابندی اور رذائل کی اصلاح میں لگ جانا ضروری ہے پھر اگر مربی خود ہی وعظ گوئی کا کام سپرد کرے تو تعمیل کرنی چاہئے ورنہ جو مربی کا

امر ہو اسکی تعمیل کرنا چاہیئے اور اپنے کو بالکل فنا کرکے مردہ بدست زندہ کرکے اپنے معلم و مرشد و شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدینا چاہیئے

میری سمجھ میں یہی بات آتی ہے لہٰذا یہی حاضر کرتا ہوں اور پھر درخواست کرتا ہوں کہ میرے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز فرمایئے اور ارشادات سے ہدایت فرمایئے۔ اللہ تعالےٰ سایۂ اقدس کو تادیر قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

(حضرت مصلح الامۃؒ کا جواب)

اگر طالب یہ کہے کہ وعظ گوئی سے مجھکو ضرر پہونچا ہے اور اسی سے میری اصلاح نہیں ہوتی ہے آپ اسکا کیا جواب دیں گے؟ اور اب بھی شیخ ہی پر (عدم اصلاح کا) بار رکھئے گا یا اس پر۔

(حضرت صوفی صاحبؒ کا تیسرا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

عرض حال: میرے عریضہ پر ارشادِ گرامی موجب بصیرت ہوا کہ اگر طالب یہ کہے کہ وعظ گوئی سے مجھے ضرر پہنچا ہے الخ۔ گذارش ہے کہ میں طالب کو یہ جواب دیتا کہ ـــ جب اسے احمق تجھکو خود ہی معلوم ہے کہ تجھکو وعظ گوئی سے نقصان پہنچا ہے اور اسی سے تیری اصلاح نہیں ہوئی ہے تو پھر اس ضرر رساں کام میں کیوں مبتلا ہے۔

تحقیق: الحمد للہ بہت صحیح جواب ہے۔

حال: اسکو ترک کرکے اپنی اصلاح کا راستہ کیوں ہموار نہیں کرتا؟

تحقیق: ماشاء اللہ تعالیٰ

حال: اور خواہ مخواہ شیخ پر کیوں بار رکھتا ہے (کہ باوجود تعلق کے میری اصلاح نہیں ہوئی)

تحقیق: بیشک

حال: ایسی صورت میں جبکہ طالب کو خود اپنی ضرر رساں حرکت کا علم ہو تو پھر ہرگز اسکا بار شیخ مدظلہ پر نہیں ہے کہ ایسی ظاہر و باہر علت کو طالب خود تو ترک نہ کرے بلکہ شیخ کے

پیچھے پڑے کہ شیخ نبض دیکھے بیماری تشخیص کرے اور بیمار مرید کو نسخہ بتائے بلکہ طالب کا کام یہ ہے کہ جب نبض، بیماری، نسخہ سب عیاں ہے تو عیاں را چہ بیاں؟
تحقیق: بیشک

حال: مضر راستے کو ترک کر دے ۔ تحقیق: بیشک

حال: اس لئے میں حضرت اقدس کو اطلاع کرتا ہوں کہ میں نے آج سے وعظ گوئی ترک کر دی۔ تحقیق: جزاک اللہ

حال: اور خاموشی اور گوشۂ عزلت اختیار کرلیا۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اور اپنی اصلاح کا ارادہ کرلیا۔
تحقیق: بارک اللہ

حال: اب حضرت والا سے دعا کا طالب ہوں۔
تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: اور جس ہدایت کی حضرت والا ضرورت مزید سمجھیں اسکا ملتجی اور منتظر ہوں۔
تحقیق: بتاتا رہوں گا۔

(ملاحظہ فرمایا آپ نے جناب صوفی صاحب کا خط۔ مخلص آدمی تھے اس لئے اپنا کچا چٹھا لکھکر شیخ کی خدمت میں پیش کر دیا جس میں اپنے وعظ و تبلیغ پر نظر اور اسکا نقصان و ضرر جناب صوفی کے قلب و جگر میں کچھ اس طرح سے سمایا کہ دیکھئے دوسروں کے نفع کے باوجود اپنا جو زیاں ہو گیا اس پر کیسا کیسا افسوس کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ احساس بھی سبب بنا اب سے سب کام چھوڑ چھاڑ کر قلب کی جانب توجہ کرنے کا اور اختلاط سے عزلت کی جانب ہجرت کا ـــــــ اسی کو راقم نے عرض کیا تھا کہ ہماری روداد میں اس جذبہ کے سرد پڑ جانے کا ایک اور سبب بھی تھا۔

نیز حضرت مصلح الامۃؒ کے جواب میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اپنی زبان سے اس کام کو منع نہیں فرمایا جو کہ ان کے لئے موجودہ حالات میں ضروری اور مفید تھا اور جس کے بروئے کار لانے پر خود حضرت اقدسؒ بھی مسرور ہوئے لیکن چونکہ حضرت والا حالات کی

نزاکتوں کو سمجھتے تھے اسلئے مواضع تہم سے بھی اجتناب فرمایا۔ حضرت کے متوسلین کے لئے
خود اس کے جواب دونوں میں تعلیم موجود ہے۔
صوفی صاحب رحمہ اللہ کا ذکر آگیا ہے تو جی چاہتا ہے کہ انکا ایک اور عریضہ بھی
نذر ناظرین کردوں جس میں محبت شیخ اور "اندریں رہ می تراش و می خراش" کا کیسا نقشہ
ہم نااہلوں کو دکھایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ :-

حال : میرا حال زار یہ ہے کہ قبر کی منزل قریب سے قریب تر ہے بدن کے ساتھ ایمان
و عمل بھی کمزور ہے لیکن آپ کی اور آپ کے اکابر کی محبت و عقیدت و پیروی کی نسبت کے
سبب اللہ تعالیٰ کے فضل کی نہ صرف قوی امید بلکہ پختہ یقین ہے۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : کہ اللہ تعالیٰ ہر منزل آسان کریں گے اور اپنے بندے کو کہیں گرنے نہ دیں گے
تحقیق : انشاء اللہ تعالیٰ۔

حال : اور آپ سب مخادیم کرام اور مشائخ عظام کی معیت ضرور نصیب فرمائیں گے۔
تحقیق : آمین۔

حال ، معمولات میں کچھ آنسو ہیں، کچھ آہیں ہیں اور کچھ حسرت و شوق کا ایک انبار ہے۔
تحقیق : خوب آمیزش ہے۔

حال : لیکن یاس و حرماں کا نام و نشان نہیں ہے۔ تحقیق : الحمد للہ۔

حال : جب تک مشاغل میں مصروف رہتا ہوں درمیان میں اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ کرتا
رہتا ہوں اور جب فارغ ہوتا ہوں تو دل اور زبان سے آپ کے اور اپنے اللہ پاک کا
ذکر کرتا رہتا ہوں۔ اور معمولات میں لگا رہتا ہوں اور موت کا استحضار رکھتا ہوں۔
تحقیق : الحمد للہ

حال : کبھی روتا ہوں اور کبھی ذوق و شوق سے انکی اور آپ سب کی محبت کے نغمے
گاتا رہتا ہوں۔ تحقیق : الحمد للہ۔

حال : دنیا میں نہ کوئی میرا دوست ہے نہ دشمن ہے، اللہ اور اللہ والوں ہی سے رشتے
دل سے قائم ہے ۔ تحقیق : الحمد للہ۔ (سبحان اللہ کیا عمدہ حال ہے اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے)

حضرت مصلح الامۃؒ کے حالات کے سلسلہ میں اپنا طریق اصلاح جو ساری عمر حضرتؒ کا معمول بہ رہا اس پر گفتگو چل رہی تھی اور اسکی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ بہت سے لوگ اپنے لئے اسی میں فلاح محسوس کرتے ہیں کہ اپنے لئے کسی مسلم بزرگ اور متبع سنت پیشوا کے طریقے کو اختیار کریں جو کہ انکا اپنا آزمودہ اور پسندیدہ طریقہ رہا ہو۔ چنانچہ متعدد طرق کار میں سے کسی ایک طریقے کے اختیار کرنے میں اپنے کسی بزرگ کی پیروی کر لینا شرعاً کچھ مذموم بھی نہیں ہے آپنے سنا ہوگا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ کے مزار پر حاضر ہوئے اور وہاں کسی نماز کا وقت آگیا تو اپنی نماز میں آمین آپ نے آہستہ سے کہا بعد میں کسی دریافت کرنے پر اسکی وجہ یہ بیان فرمائی کہ جو بزرگ اس قبر میں آرام فرما رہے ہیں انکا طریقہ آہستہ ہی آمین کہنے کا تھا میں نے ان کے ادب کی وجہ سے ایسا کیا چنانچہ اسکو علماء نے حضرت امام شافعیؒ کا غایت تادب شمار کیا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ سنیئے :۔

قیام فتحپور کے زمانہ میں ایک دن حضرت والاؒ اپنے لب کا قصر فرما رہے تھے مئو کے ایک عالم صاحب بھی تشریف فرما تھے، حضرت والا کو کچھ خیال گذرا ہوگا اچانک فرمایا مولوی صاحب! اپنے شیخ کا طریقہ بھی لائق اتباع ہوا کرتا ہے وہ سمجھے کہ شاید مجھے اپنے اتباع کی ہدایت فرما رہے ہیں عرض کیا جی ہاں بیشک! فرمایا کہ یہ کہہ رہا ہوں کہ "حلق شارب" کی میں نے جو تحقیق کی ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے اور میں اب بھی اسی رائے پر قائم ہوں کہ حلق ہی امراجح ہے، باقی اسوقت جو قصر کرا رہا ہوں تو کبھی کبھی ایسا اسلئے کر لیتا ہوں کہ ہمارے حضرت تھانویؒ قینچی ہی سے باریک کرا لیتے تھے حلق نہیں فرماتے تھے اسلئے سنت شیخ پر بھی کبھی کبھی عمل کر لیتا ہوں۔

اب ظاہر ہے کہ ان دونوں واقعات میں صرف اولیٰ وغیر اولیٰ کا فرق تھا تو طریقہ شیخ بھی کبھی کبھی ایک شق کے مرجح بن جایا کرتا ہے۔ اور ایک محب و معتقد کو طریقہ شیخ اختیار کرنے میں تسلی بھی ہو جاتی ہے۔

پس ہم نے بھی طریقہ حضرت والا اسلئے مفصل بیان کر دیا تاکہ محبین لئے یہ کسی درجہ میں سبب سکون بن سکے کیونکہ الحمد للہ کہ حضرت اقدسؒ اس باب میں بڑے ہی معتدل اور

اور محتاط تھے۔ تحزب اور ٹولی بندی کو تو قطعی ناپسند فرماتے تھے انتہا یہ کہ آج لوگ خود کو دیوبندی وغیرہ لکھتے ہیں حضرت والا اسکو بھی کچھ زیادہ پسند نہ فرماتے تھے چنانچہ ایکمرتبہ حضرت والا ؒ بمبئی سے الہ آباد تشریف لا رہے تھے راستہ میں ایک اسٹیشن پر ایک مولوی صاحب اپنے دو چار احباب کو لئے ہوئے حضرت سے ملنے آئے یہ مولوی صاحب غالباً حضرت والا کے شاگرد بھی تھے اسلئے بے تکلف تھے اور ماشاء اللہ مناظر بھی تھے جتنی دیر وہ رہے اپنے سابقہ مناظروں ہی کی روداد سناتے رہے۔ جب وہ اپنی سب سنا چکے تو حضرت والا ؒ نے فرمایا کہ بھائی مولوی صاحب سنو! ہم نہ تو دیوبندی کو جانیں اور نہ بریلوی ہم تو محمدی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اور آپ کے طریقہ پر عمل کرتے والے ہیں اسی کو جانتے ہیں۔ اگر کوئی دیوبندی متبع سنت ہو جائے تو وہ ہمارے سر آنکھوں پر اور اگر کوئی بریلی والا طریقہ رسول پر چلنے لگے تو وہ بھی ہمارا محترم ہو سکتا ہے حضرت والا سے یہ جملے سنکر وہ مولوی صاحب تو بالکل خاموش ہو گئے اور انکے ساتھیوں نے باہم کچھ گفتگو شروع کر دی بعد میں انھیں مولوی صاحب سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ دوسرے خیال کے تھے پھلوں کے بڑے تاجر تھے راستہ میں آپس میں کہتے جا رہے تھے کہ مولوی صاحب کی بات بھی سنی گئی اور ان کے پیر صاحب کے خیالات بھی معلوم ہوئے، ہاں بھائی بڑے آدمی کی بڑی بات ہوتی ہے۔ اور دیکھو کہا کہ مولوی صاحب نے ہم سے یہ نہ کہا تھا کہ وہ اتنے بڑے شخص ہیں ورنہ ہم ان کے لئے پھلوں کا ہدیہ لائے ہوتے خالی ہاتھ ملے ہم سے بڑی بے ادبی ہو گئی۔

یہ واقعہ سنا کر حضرت ؒ فرماتے تھے کہ دیکھو حق بات میں کتنا اثر ہوتا ہے۔ آج لوگ جو ٹولی ٹولی ہو گئے ہیں اسکی وجہ سے مسلمانوں کا شیرازہ ہی بکھر گیا ہے ورنہ آج بھی لوگ اگر صرف سنت اور شریعت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیں اور اسی کو پیش کریں تو آج بھی عوام کو دین کا حقیقی فائدہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرما دیں۔ آمین۔

وقام الشیخ عن سجادته ومشی الیهم وقعد بینهم کالواحد منهم فاکل واکلوا وہذا من محض التواضع ۔ عزیز من بزرگان با خلق پیوستہ ادب و تواضع ہمچناں نگاہ داشتہ اند وآنکہ وقتی نگاہ نداشتہ است ہماں شنیدہ است کہ وقتی سکندر از زاہدی بشنید ۔ بشنو بشنو! وقتی سکندر شہری را فتح کرد و بعدہٗ پرسید دریں شہر عابدے ہست او را بعابدی نشاں دادند چوں سکندر بر سر او رفت او را خفتہ یافت سکندر او را بپای بیدار کرد چوں او بیدار شد مرد بزرگی را دید بر سر او ایستادہ ۔ پرسید تو کیستی ؟ سکندر گفت من کسی ام کہ شہر شمارا فتح کردہ ام عابد گفت از بادشاہاں عجب نیست کہ شہر را فتح کنند اما ایں عجب است کہ درویش خفتہ را بپای بیدار کنند ۔

قطعہ

نخشبی شاہ با عقیدہ نکو
ملک بے رفق ترک وتازی داں

چنانچہ وہ سب کے سب آئے اور دستر خوان پر ایک ہی صف میں بیٹھ گئے اسکے بعد شیخ اپنی مسند پر سے اٹھے اور انکی جانب چلے اور تحقیق کے درمیان انکے ہی صف میں بیٹھ گئے جیسے کہ خود بھی انھیں میں سے ایک ہوں اور کھانا شروع فرمایا پھر سب نے کھانا شروع کردیا تو دیکھو یہ معاملہ شیخ کا خالص تواضع تھا۔ عزیز من! پہلے زمانہ کے بزرگوں کے مخلوق کے ساتھ ادب وتواضع میں اسی قسم کے معاملات ہوتے تھے اور وہ برابر اسکی رعایت کرتے تھے اور اگر کبھی کسی نے توجہ نہ رکھی اور چوک گیا تو اسکو وہی سننا پڑا ہے جو کہ سکندر کو ایک بزرگ سے بالآخر سننا پڑا۔ سنو سنو! ایکدفعہ سکندر نے ایک شہر فتح کیا اسکے بعد لوگوں سے پوچھا کہ اس شہر میں کوئی عابد (بزرگ) بھی رہتے ہیں لوگوں نے کسی بزرگ کا پتہ ونشان بتادیا۔ سکندر وہاں گیا تو ان بزرگ کو سوتا ہوا پایا سکندر نے پاؤں ٹھوکر مار کر ان کو جگایا وہ اٹھے تو دیکھا کہ کوئی کھڑا ہے۔ دریافت فرمایا آپ کون ہیں؟ سکندر نے جواب دیا کہ (آپ نے مجھے نہیں پہچانا) میں وہی ہوں کہ جس نے آپ کے اس شہر کو فتح کرلیا ہے اس عابد نے کہا کہ خیر کسی بادشاہ کی ذات سے اس پر تو کوئی تعجب نہیں کہ کوئی شہر فتح کرلے (یہ تو ہوا ہی کرتا ہے) ہاں یہ بات اس سے البتہ باعث تعجب ہے کہ کسی اللہ والے کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے بیدار کرے (اس تمیز سلیقے اور ادب سے وہ کیونکر کورا رہا) سے۔

• اے نخشبی جس بادشاہ کے اندر بزرگوں سے عقیدت ہو وہی اچھا ہے
اگر بادشاہ کے اندر سلیقہ نہیں ہو تو اسکو وحشی اور تاتاری سمجھو

بادشاہی گدا کشتے نبود
بادشاہی گدا نوازی داں

سلک صد و بست دوم

مستمعان حاتم وش کہ گوشِ ہوش ایشاں از شنیدنِ ناشنیدن اصم است چنیں گویند اگر سخن لائق شنیدن است سخنی است کہ درو ذکر خدای قدیر باشد تعالیٰ و تقدس خواجہ علی سیاح گفتی مرا جزایں تمنای نیست کہ تا من سخن حق میگویم کسی می شنود و یا کسے می گوید کہ من می شنوم عزیز من! اگر کسی در حق تو سخنی زشت گوید سالہا باید تا آں حرارت از دل تو بیروں رود جای کہ سخن باطل را در دل چندیں اثر بود باید کہ سخن حق را اثرہا باشد و سخن حق نتواں شنید مگر از بزرگانِ دیں۔ ای درویش جہد کن تا خود را در پناہ بزرگانِ دیں اندازی۔ خواجہ جمال موصلی کہ جمالِ چہرۂ حقیقت بود سالہا خون خوردہ انگاہ مقابل روضۂ

بادشاہ گدا کش (فقیر کو مارنے والا) نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ گدا نواز ہوا کرتا ہے یعنی درویش کی تعظیم کرتا ہے اور ادب برتتا ہے۔

سلک ۱۲۲ (تاثیر صحبت)

جو حضرات کہ حاتم اصم کے مانند سننے والے گذرے ہیں یعنی جنکے گوش ہوش نہ سننے والی باتوں کے سننے سے بہرے ہوتے ہیں وہ لوگ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بات سننے کے قابل ہے تو وہی کہ جس کے اندر خدائے قادر مطلق تعالیٰ تقدس کا ذکر ہو خواجہ علی سیاح فرماتے ہیں کہ مجھے تو بس یہی تمنا ہے کہ میں ذکر حق کروں اور کوئی سنے یا کوئی دوسرا کرے اور میں سنوں۔ عزیز من! اگر کوئی شخص تمھارے متعلق کوئی سخت بات کہدے تو سالہا سال درکار ہے کہ اسکی اذیت اور قلق تمھارے دل سے دور ہو (تو اسی سے سمجھو کہ) جب باطل اور غلط گفتگو کا اثر ایسا اور اتنا ہو جاتا ہے تو ضرور ہے کہ حق بات کا بھی قلب پر اثر ہو۔ باقی سخن حق (مفید اور کارآمد) بجز بزرگان دین کے اور کسی سے سننا ممکن ہی نہیں لہذا اے درویش کوشش کر کہ خود کو بزرگان دین کے قدموں میں ڈالدے (یعنی انکی صحبت میں رہ) - خواجہ جمال موصلی جو کہ واقعی رخ حقیقت کے حسن تھے انھوں نے برسوں کی کوشش اور اپنا خون پسینہ ایک کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روضہ مبارک کے سامنے ایک قبر کی جگہ حاصل کر لی اسکے

رسول علیہ السلام یک گور وار جا ی یافت بعدہٗ وصیت کرد چوں گورمن برارند باید کہ برگور بنویسند کلبہم باسط ذراعیہ بالوصید ای من سگ آں سگ کہ دنبال صاحب سعادتی گیرد کہ صحبت نیک را اثرہا بسیار است چنیں گویند وقتی مالک دینار را رحمہ اللہ با راہبی معارضہ شد ہر یکی میگفت من برحقم اتفاق کردند کہ ہر دو دست یکدیگر گرفتہ در آتش رویم ہر کہ نسوزد او برحق باشد ہمچناں کردند ہر دو نہ سوختند مالک متالم شد و با خود گفتن گرفت چوں او بر باطل بود از چہ نہ سوخت در سرّ او فرو خواندند کہ از برکت صحبت تو ای مالک وقتیکہ او دست تو گرفتہ در آتش رود آتش کہ باشد کہ با او گرم تواند شد عزیز من اگر فردا گناہگاران ہمہ عالم دامن صاحب اقبالی گرفتہ در دوزخ روند دوزخ بر ایشاں سرد گردد کہ بہشت از دوزخ در عبرت افتد۔ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ را پرسیدند صحبت کہ اختیار باید کرد گفت صحبت

بعد وصیت کیا کہ جب مجھے دفن کر دیا جائے تو میری لوح قبر پر یہ عبارت لکھدی جائے کہ وکلبہم باسط ذراعیہ بالوصید (یعنی یہ انکا کتا ہے جو کہ اپنے بازو چوکھٹ پر پھیلائے ہوئے ہے) مطلب یہ کہ میں بھی ایک کتا ہوں جس نے کہ ایک صاحب سعادت کی صحبت اختیار کی ہے یہ اسلئے کہ نیک صحبت میں بہت تاثیر ہوتی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مالک بن دینار کی ایک راہب کے ساتھ کسی مسئلہ میں کچھ گفتگو ہو گئی ہر ایک یہی کہتا تھا کہ میں حق پر ہوں بالآخر اس پر اتفاق ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کے آگ میں کودیں جو شخص نہ جلے وہ حق پر سمجھا جائے (اسکو مباہلہ کہتے ہیں) اسیطرح کیا گیا دونوں آگ میں کودے مگر کوئی بھی نہیں جلا۔ حضرت مالک بن دینارؒ کو بڑا صدمہ ہوا اپنے دل میں سوچا کہ جب یہ شخص باطل پر تھا تو پھر کیوں نہیں جلا۔ قلب اطہر پر الہام ہوا کہ اے مالکؒ ایسا تمھاری ہی صحبت کی وجہ سے ہوا جس وقت کہ اس نے تمھارا ہاتھ پکڑا اور آگ میں کودا تو آگ کی مجال تھی کہ تم سے اس اتصال کے باوجود اسکو جلا دیتی؟ عزیز من! اگر کل بروز قیامت تمام عالم کے گنہگار کسی صاحب اقبال کا دامن پکڑ کر دوزخ میں کود جائیں تو دوزخ ان پر سرد پڑ جائے اور ایسی برد و سلام بنجائے کہ جنت کو اس پر رشک آنے لگے اور وہ عبرت حاصل کر کے شرمندہ ہو جائے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت کس کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے فرمایا جو کسی معاملہ میں بھی میرا اور تیرا نکرے یعنی جس کے ساتھ

کسی کہ اورا من و تو در میاں نباشد بشنو بشنو اگرچہ صحبت نیک بغایت نیک است اما مرد چوں بدرجہ کمال رسد نہ او صحبت کسی را گزیند و نہ کسی را گذارد کہ صحبت او گزیند محققان گویند عزلت سالک بہتر از صحبت خضر بود صلوات اللہ وسلامہ علیہ عزیز من ابوبکر وراق رحمہ مدتی آرزومند صحبت خضر بود صلوات اللہ وسلامہ علیہ ہر روز بدیں نیت در گورستان رفتی و در حالت آمدن و رفتن قرآن خواندی روزی خضر علیہ السلام را با او مصاحبت شد یکجا حکایت کناں در گورستان رفتند چوں بازگشتند خضرؑ فرمود مدتی آرزومند خضر بودہ اینک من خضرم امروز با من صحبت یافتی از خواندن قرآن بازماندے عزیز من! جائی کہ صحبت خضر ہمچنیں باشد صحبت دیگری چگونہ خوش بود قطعہ

نخشبی راہ دیں عجب راہی است
نشود جز بپاسے خود کوتاہ
گرچہ در راہ ہمرہی باید
مرد ایں رہ بری است از ہمراہ

من و تو کا امتیاز درمیان سے اٹھ جائے۔ سنو سنو! صحبت نیک اگرچہ بہت اچھی چیز ہے لیکن مرد کامل جب درجہ کمال کو پہونچ جاتا ہے تو پھر نہ تو وہ کسی کی صحبت اختیار کرتا ہے اور نہ کسی دوسرے کو موقع دیتا ہے کہ وہی اسکی صحبت اختیار کرے اسلئے محققین نے فرمایا ہے کہ سالک کا تنہائی میں رہنا خضر علیہ السلام کی صحبت میں ہونے سے بہتر ہے عزیز من! سنو! ابوبکر وراق مدتوں سے اسکے مشتاق تھے کہ کاش حضرت خضرؑ کی مصاحبت انکو حاصل ہوجاتی چنانچہ اسی نیت سے ہر روز قبرستان جاتے تھے اور راستہ میں آتے جاتے تلاوت قرآن کرتے جاتے تھے ایک دن جاتے جاتے حضرت خضرؑ سے ملاقات ہوگئی پھر ان سے بات کرتے ہوئے قبرستان پہونچے۔ جب واپس ہوئے تو خضرؑ نے فرمایا کہ آپ ایک مدت سے خضر کی ملاقات کے مشتاق تھے میں ہی خضر ہوں دیکھو آج میری صحبت میں تم تھے تو قرآن کی تلاوت سے محروم رہ گئے عزیز من! جب خضر علیہ السلام کی صحبت ایسی ثابت ہوئی تو پھر کسی دوسرے کی صحبت بھلا کیا سودمند ہوسکتی ہے۔

ترجمہ قطعہ

اے نخشبی دین کا راستہ بھی عجیب راستہ ہے سوائے اپنے چلے ہوئے اور کسی طرح یہ طے نہیں ہوتا۔ اگرچہ ہر راستہ میں کوئی نہ کوئی رفیق سفر ہوتا ہے لیکن اس راہ کا چلنے والا اسکو تنہا ہی طے کرتا ہے اسکو کسی ہمسفر کی حاجت نہیں ہے۔

سلک صد و بیست و سوم

بزرگاں گویند در طلب چیزی چہ عمر صرف باید کرد کہ آں چیز را ہمدریں جہاں باید گذاشت اگر کسی عمر خود صرف کند باری در طلب چیزی کند کہ آں چیز را با خود دراں جہاں تواند برد وقتی خواجہ شقیق بلخیؒ در گورستان می گذشت گفت اینجا ہمہ دروغ گویاں خفتہ اند گفتند از چہ وجہ گفت بداں وجہ کہ ایشاں حال حیات می گفتند ما مال داریم و اسپ داریم و حشم داریم و حاشیہ داریم و باغ داریم و بساتین داریم اگر از ایشاں بودی آخر از میاں چندیں چیز یک چیز با خود می بردند آری سکندر وقتِ کوچ آخریں می گفت چوں مرا در کفن آرید و از قفا بیروں کشیدہ برید می باید کہ ہر دو دست من بیروں آرید گفتند دریں زیر چہ سر است گفت تا جہانیاں بدانند کہ وقت رفتن خالی می رویم عزیز من دراں کوشش کہ ازیں جہاں نفعی دراں جہاں

سلک ۱۲۳ (کار آمد مال کونسا ہے)

بزرگوں کا یہ فرمانا ہے کہ انسان بھلا اپنی عمر ایسی چیز کی طلب میں کیا صرف کرے جس کو اسی دنیا میں چھوڑ کر چلا جانا ہو۔ ہاں اگر عمر صرف ہی کرنی ہے تو ایسی چیزیں تو صرف کرے جسکو اپنے ساتھ اُس جہان میں بھی لیجا سکے ایک بار حضرت خواجہ شقیق بلخیؒ کا قبرستان میں گذر ہوا فرمایا کہ یہ سب جھوٹے لوگ سو رہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کس وجہ سے (آپ نے ان سب کو جھوٹا فرمایا) فرمایا کہ میں نے اس وجہ سے کہا کہ یہ لوگ بحالت زندگی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ہم مال رکھتے ہیں ہم گھوڑا رکھتے ہیں، ہم حشم و خدم رکھتے ہیں ہم باغ رکھتے ہیں کھیت و فارم رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ اگر یہ سب انکی ہوتیں تو آخر کچھ تو ان میں سے اپنے ساتھ لائے ہوتے۔ ہاں دیکھو سکندر کا جب وقت آخر ہوا تو اس نے لوگوں سے کہا جب مجھے کفن پہنا دینا اور میرا جنازہ محل سے باہر نکالنا تو میرے دونوں ہاتھوں کو کفن سے باہر نکالدینا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ اسمیں کیا راز ہے؟ کہا تاکہ دنیا والے دیکھ لیں کہ اس عالم سے رخصت ہوتے وقت میں خالی ہاتھ جا رہا ہوں۔ عزیز من! اسبات کی کوشش کرو کہ اِس عالم سے اُس عالم کے لئے کچھ اپنے نفع کا سامان ساتھ لیجاؤ۔ ایک دفعہ ایک بادشاہ نے

توانی برد وقتی بادشاہی درویشی را گفت مرا پندی بدہ درویش گفت تو مال خود را دوست میداری و یا خصم خود را گفت مال خود را گفت انگاہ چونست کہ تو ہمہ مال خود اینجا می گذاری و ہمہ خصمان خود باخود می بری انصاف آں باشد کہ خصماں را ہم اینجا بگذاری و ہم مال خود را باخود آنجا بری چنانچہ آں وزیر کرد بشنو بشنو وقتی وزیرے بود بغایت منفق روزی بادشاہ برو پیغام کرد کہ ایں چہ اضاعت مال است کہ تو می کنی اگر تو مال را دوست نمی داری مرادہ تا حشم گیرم وزیر گفت مال خود را شما دوست نمیدارید کہ میخواہید کہ ہمدریں عالم بگذارید اما من مال خود را چناں دوست میدارم کہ میخواہم ہمہ مال خود را باخود دراں عالم برم. قطعہ ؎

مخشبی مالِ خویش باخود بر
نیست چیزی ہرآنچہ گوشہ تست
ہرچہ درویش را دہی امروز
دررہ گور و حشر توشہ تست

کسی درویش سے کہا کہ حضرت مجھے کچھ نصیحت فرمایئے درویش نے کہا تم کو اپنے مال سے زیادہ محبت ہے یا اپنے خصم (یعنی مقابل) سے کہا کہ اپنے مال سے زیادہ محبت ہے۔ درویش نے فرمایا کہ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ تو اپنا سب مال تو یہاں چھوڑدے اور اپنے ان سب خصوم (یعنی اہل حقوق) کو اپنے ساتھ لیجائے، بات تو جب ہے کہ تو اپنے سارے خصوم کو تو یہیں چھوڑ دے اور اپنے سب مال کو اپنے ساتھ آخرت میں لے جائے جیسا کہ اس وزیر نے کیا تھا سنو سنو! کسی زمانہ میں ایک وزیر تھا بہت زیادہ مال خرچ کرنے والا بادشاہ نے اسکے پاس کہلا بھیجا کہ تم نے یہ کیا مال کو برباد کرنے کا طور اختیار کر رکھا ہے۔ اگر تم کو مال سے محبت نہیں یا اسکی ضرورت نہیں تو مجھے دیدو تاکہ میں اپنی شان و شوکت میں مزید اضافہ کرلوں۔ وزیر نے کہا کہ (مجھے سے کہتے ہیں) آپ ہی اپنے مال کو دوست نہیں رکھتے کیونکہ چاہتے ہیں کہ وہ بس یہیں دنیا میں رہ جائے اور میں تو اپنے مال سے اس قدر محبت کرتا ہوں کہ میری خواہش ہے کہ اسکو یہاں سے اس عالم میں بھی اپنے ہمراہ لیجاؤں ؎

"اے نخشبی اپنے مال کو اپنے ہمراہ لیکر جاؤ اور یہ سمجھ رکھو کہ جو کچھ بھی تمھارے گوشۂ خانہ میں جمع نظر آرہا ہے یہ سب تمھارا مال نہیں ہے بلکہ جو کچھ کسی درویش و فقیر کو آج دیدوگے تو قبر کی راہ اور آخرت کی منزل میں بس وہی تمھارے لئے توشہ ثابت ہوگا۔"

سلک صد وبیست وچہارم

دہروان راہ طریقت کہ ہمہ
وقت پای در صراط مستقیم نہادہ اند
چنیں گویند این راہ راہی است
کہ بجز ہلاک خود بمنزل نتوان رسید
علی محمد عطار کہ عطار بازار طریقت بود
می گوید روزی درویش را دیدم
بانواع بلا مبتلا بمجرد آنکہ دیدم دلِ
من بروبسوخت درویش بانگ
برمن زد وگفت یا مکلف ما دخولک
فیما بینی وبین ربی دعہ یعمل بی ما شاء
بعدہٗ آغاز کرد الٰہی بعزتک و
جلالک لو قطعتنی اربًا اربًا وصببت
علی البلاء صبًا صبًا ما زدت لک
الا شوقا وحبًا بشنو بشنو! چون
خلیل علیہ السلام گرما گرم سوئی آتش
نمرود رواں شد صدرنشین سدرہ
آغاز کرد یا خلیل اللہ ہل لک من
حاجۃ ابراہیم گفت اما الیک فلا و
اما الیہ فحسبی من سوالی علمہ بحالی ای
جبرئیل چیست کہ میان بندہ ومیان
خداوند در می آئی تیغ عشق فان

سلک ۱۲۴ (اللہ تعالیٰ کی محبت کی لذت)

راہِ طریقت کے وہ چلنے والے کہ جنکا قدم ہمیشہ صراط مستقیم ہی پر رہتا ہے فرماتے ہیں کہ بھائی یہ (راہ مولیٰ) ایسا راستہ ہے کہ بجز خود کو ہلاک کئے ہوئے اس میں منزل تک رسائی ناممکن ہے حضرت علی محمد عطارؒ جو کہ واقعی بازارِ طریقت کے عطر فروش ہی تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ نوع بہ نوع بلاؤں میں مبتلا تھا اسکو دیکھتے ہی افسوس کے مارے میرا قلب جل اٹھا یعنی بڑی ہی کوفت ہوئی۔ درویش نے چیخ کر مجھے پکارا اور کہا کہ اے مکلف تجھکو میرے اور میرے رب کے درمیان کسی معاملہ میں دخل دینے کو کس نے کہا ہے۔ چھوڑ اسکو (جا اپنا کام کر) اور میرا رب میرے ساتھ جو معاملہ روا رکھے اسکو کرنے دے۔ اسکے بعد یہ مناجات شروع کردی کہ اے الٰہی آپ کی عزت وجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کرڈالیں اور بلاؤں اور مصیبتوں کا مسلسل نزول فرمادیں تب بھی آپکی جانب میرے شوق ومحبت میں ذرہ برابر کمی ہونیوالی نہیں ہے بلکہ انشاء اللہ کچھ زیادتی ہی ہوگی۔ سنو سنو! جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ نمرود مردود کی گرما گرم آگ کیجانب روانہ ہوئے تو سدرۃ المنتہیٰ کے کے صدرنشین (یعنی حضرت جبرئیل) نے عرض کیا کہ اے اللہ کے خلیل کیا آپ کو کچھ ضرورت ہے؟ فرمایا ہے تو سہی لیکن تم سے نہیں اور خدا سے بیشک ہے لیکن میرے حال سے انکی پوری پوری واقفیت نے مجھے ان سے بھی سوال کرنے سے مستغنی کر رکھا ہے (سوال اسلئے کیا جاتا ہے کہ

حرّ ناری اشد من نار نمرود علیہ اللعنۃ چنیں گوید سلطانی کہ آب و آتش تحت امر سلطنت او بید معاملہ کہ میانِ ابراہیم و نمرود گذشت بیشتری آں خلق را بنمود و ایں چیست یعلموا ان کل من احبہ لا یضرہ شیٔ فی الدارین و یعلموا ان اہل المعرفۃ فی النار اطیب عیشا، و احسن حالا و اشد سرورا مع اللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ من اہل الجنۃ فی الجنۃ یسلطان العارفین می گوید اگر فردا از اہل بہشت مشاہدہ بے کیف محجوب دارند از اہل بہشت ہماں نالہ آید کہ از اہل دوزخ۔ قطعہ ؎

نخشبی جاں عزیز از یاراں ست
گرچہ امروز خود گزیری نیست
بے جمال عزیز ہم نفساں
گرچہ خلد بریں ست چیزی نیست

جو حال دروں سے ناواقف ہوتا ہے) اور فرمایا کہ اے جبرئیل تمہیں کیا پڑی ہے کہ تم خدا اور اسکے بندہ کے درمیانی معاملات میں دخل دیتے ہو جاؤ اپنا کام کرو اور یہ سمجھو کہ حق تعالیٰ کی محبت کی جو آگ میرے سینہ میں روشن ہے وہ نمرود مردود کی اس آگ سے کہیں زیادہ سخت ہے (لہٰذا جو اسکو برداشت کئے ہوا ہے اسکے آگے یہ کیا چیز ہے اور اول تو وہ آگ ہی اسکو فرو کر دیگی) عارفین بیان کرتے ہیں کہ اس شہنشاہ نے کہ پانی اور آگ بھی جس کے تابع فرمان ہیں ابراہیم اور نمرود کے درمیان جو معاملہ فرمائے ہیں وہ سب مخلوق کے سامنے کھلم کھلا فرمائے ایسا کیوں ہوا (تنہائی میں بھی واقعات ہو سکتے تھے) فرماتے ہیں کہ ایسا اسلئے ہوا تاکہ دنیا والے جان لیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اسکو دونوں جہاں میں کوئی شئے ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ اور تاکہ سب لوگ جان لیں کہ اہل معرفت جس آگ اور سوزش میں مبتلا رہتے ہیں وہ نہایت ہی خوشگوار اور خوش حال اور بیحد سرور بخش ہوتی ہے اور ایسی لذت اللہ کی محبت میں انکو حاصل ہوتی ہے کہ اہل جنت کو بھی جنت میں نہ حاصل ہوگی۔ سلطان العارفین فرماتے ہیں جنت میں جنتیوں کو جو خوشی ہوگی وہ مشاہدۂ بے کیف سے ہوگی) اگر اسکو اہل جنت سے روک لیں تو ان سے بھی ایسی ہی نالہ و فریاد نکلے گی جیسی کہ اہل دوزخ سے ؎

"اے نخشبی اپنی جان دوستوں سے بھی زیادہ پیاری ہوتی ہے اگرچہ آج خود کو ان سے جدا رکھنا بھی ممکن نہیں لیکن کل عالم آخرت میں بدون احباب کے جمال عزیز کے اگرچہ خلد بریں بھی ہو تو بیکار شئے ہے"

سلک صد و بیست پنجم

سلک نمبر ۱۲۵ (ترکِ ایذاء)

طائفہ کہ ایشاں دست از دنیا و عقبیٰ برداشتہ اند چنیں گویند

"جس جماعت نے کہ دنیا اور عقبیٰ دونوں سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہے وہ یہ کہتے ہیں

جس کو خدا سے تعلق ہوگیا پھر چاہے تمام دنیا بھی حسینوں سے بھر جائے مگر یہ اپنے محبوب حقیقی کو چھوڑ کر کبھی دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا ؎

ایں نہ عشقست آنکہ بر مردم بود   ایں فساد خوردن گندم بود

(یہ جو آجکل لوگوں میں ہوتا ہے یہ عشق نہیں ہے یہ تو گیہوں کھانیکا فساد ہے (یعنی بے فکری کیساتھ عمدہ کھانا ملنے کا ثمرہ ہے) یہ کیسی محبت ہے کہ دعویٰ خدا کی محبت کا اور دوسروں سے تعلق ہے اگر چار دن کھانے کو نہ ملے تو سب بھول جائیں۔ یہ سب نفس کی شرارت ہے اور یہی وجہ ہے کہ عشق ان ہی کو ہوتا ہے جنکو خوب فرصت و فراغ ہے ورنہ جو لوگ کام میں لگے ہوئے ہیں انکو کبھی ایسی لغویات کی نہیں سوجھتی۔ افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ نے تو فراغت اسلئے دی تھی کہ دین کا کام کریں مگر زیادہ تر ایسے ہی لوگ محروم ہیں۔ خوب کہا ہے ؎

خوشا روزگارے کہ دارد کسے   کہ بازار حرصش نہ دارد بسے

(کیا ہی عمدہ وقت اس شخص کا ہے کہ جس کے حرص کا بازار گرم نہ ہو)

بقدر ضرورت یسارے بود   کند کارے ار مرد کارے بود

(بس بقدر ضرورت اسکو کشائش (کھانے کی طرف سے بے فکری) حاصل ہو۔ اور اگر کام والا انسان ہو تو بس کام کرے) کہ بڑا خوش نصیب وہ ہے کہ اسکو حرص نہ ہو اور ضرورت کے موافق کھانے کو ہو لیکن افسوس ہے کہ ہم قدر نہیں کرتے اور اس بیکاری میں اپنے پیچھے یہ علتیں لگا لیتے ہیں اور افسوس یہ ہے کہ بعض سالکین یہ کہتے ہیں کہ ان امردوں کے حسن میں خدا کا حسن جلوہ گر ہے۔ (معاذ اللہ)

حکایت: حضرت شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے کہ بقراط نے کسی شخص کو ناچتے ہوئے دیکھا پوچھا کہ اسکو کیا ہوا معلوم ہوا کہ کسی امرد حسین کو دیکھ لیا اسلئے بے خود ہوگیا کہ اس میں جلوۂ حق نظر آیا کہنے لگا کہ یہ کیا بات ہے کہ اسکو امرد میں تو جلوۂ حق نظر آیا میرے اندر کبھی نظر نہ آیا یہ بقراط کا قول ہے اسکا اگر اعتبار نہ کرو تو خود شیخ کے قول کا تو اعتبار کرو گے وہ اسکے بعد لکھتے ہیں کہ ؎

محقق ہماں بیند اندر ابل   کہ در خوبرویاں چین و چگل

(جو لوگ کہ محقق ہیں وہ اونٹ کے اندر بھی ویسا ہی حسن دیکھتے ہیں جیسا کہ چین اور ترکستان کے حسینوں میں)

نداند صاحبدلاں دل بپوست   اگر ابلہے داد بے مغز اوست

(اہل دل پوست اور چھلکے پر فریفتہ نہیں ہوا کرتے ہاں کوئی احمق ہی ہوگا جو ایسی چیزوں پر مرتا مٹتا ہوگا)

(۹۳) معالجۂ عشق مجازی

اسکا علاج یہ ہے کہ اپنے کو کسی کام میں لگادو جس میں کھپ جاؤ اگر دین کا کام نہ ہو تو دنیا ہی کا کوئی جائز کام کرو مگر کسی کام میں لگ جاؤ طبیبوں نے بھی اس مرض کے متعلق لکھا ہے کہ یعرض للبطالین پس خوب سمجھ لو کہ امرد کو لذت کے لئے دیکھنا اور اسکی آواز کا لذت کے لئے سننا اور اسکے تصور سے مزہ لینا یہ سب لواطت میں داخل ہے اور باعد عن الحق ہے اللہم احفظنا پس جو مصیبت آوے اسکو کسی گناہ کا ثمرہ سمجھا کرو اور جب کسی کو گناہ میں دیکھو تو اس سے عبرت حاصل کیا کرو۔

(۹۴) مرنے والوں اور مصیبت زدوں سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے

جب کوئی مرے تو چونکہ ہمارے لئے بھی یہ دن آنے والا ہے تو اس سے عبرت حاصل کرو مگر آجکل کچھ ایسی غفلت بڑھی ہے کہ مردے کو دیکھکر بھی ہماری حالت میں ذرا تغیر نہیں ہوتا بلکہ یہ حالت ہے کہ قبر پر بیٹھے ہیں اور امور دنیاوی کی باتوں میں مشغول ہیں۔ اسیطرح اگر کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھتے ہیں تو اسکو اسی تک محدود سمجھتے ہیں حالانکہ سمجھنا یہ چاہیئے کہ اس پر یہ مصیبت کیوں مسلط ہوئی ظاہر ہے کہ گناہوں کی وجہ سے تو ہمکو بھی گناہوں سے بچنا چاہیئے اسی لئے حدیث میں ہے کہ جب کسی کو مبتلائے مصیبت دیکھو تو کہو الحمد للہ الذی نجانی مما ابتلاک وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا (تمام شکر اس اللہ کیلئے ہے جس نے مجھے محفوظ رکھا اس مصیبت سے جسمیں تجکو مبتلا کیا اور مجھے فضیلت بخشی اپنی دوسری مخلوقات پر) اس میں بھی تذکیر ہے احتمال ابتلاء کی اور اس میں تنبیہ اجمالی ہے اسباب ابتلاء کی کہ معصیت ہے اسی پر یہ شکر سکھلایا کہ احتمال تھا کہ اسی معصیت کے سبب شاید ہم بھی مبتلا نہ ہو جائیں لیکن یہ دعا ر آہستہ پڑھے کہ مصیبت زدہ کی دلشکنی نہ ہو جیسا کہ دوسری جگہ فرماتے ہیں لاتظہر الشماتۃ لاخیک (اپنے بھائی کے سامنے اسکی مصیبت پر خوشی نہ ظاہر کیا کرو) بعض وہ ہیں جو کہ دوسرے کے معتقد نہیں ہیں اور بعض وہ ہیں کہ افسوس تو

کرتے ہیں مگر طعن کے طور پر اسکی بابت اسی حدیث میں ہے فیرحمہ اللہ ویبتلیک یعنی خصومت شاید بجائے اسکے تم مبتلا ہو جاؤ۔

حکایت: کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے پاس بیٹھا کھا رہا تھا اسوقت ایک فقیر مانگنے آیا اس نے فقیر کو جھڑک دیا اتفاق سے کچھ ایسا انقلاب آیا کہ یہ شخص بالکل تباہ و پریشان حال ہو گیا حتی کہ جب بیوی کا نان و نفقہ بھی نہ چل سکا تو اسکو بھی طلاق دیدی اور اس نے کسی اور دولت مند سے نکاح کر لیا اتفاق سے اس دولت مند کے دروازہ پر کوئی شخص سوال کرنے آیا اس شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسکو بھیک دے آؤ یہ جو دروازہ پہ گئی تو وہاں سے روتی ہوئی لوٹی شوہر نے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ میرا پہلا شوہر ہے اور اسی تذکرہ میں وہ قصہ سائل کے جھڑک دینے کا بھی بیان کیا۔ اس شوہر ثانی نے کہا کہ وہ سائل جو جھڑکا گیا تھا میں ہوں خدا تعالے نے مجھے مال بھی دیا اور اسکی بیوی بھی وہی یاد رکھو کہ خدا تعالےٰ کی بڑی قدرت ہے پس عبرت حاصل کرو اور دوسروں کو مبتلائے مصائب دیکھکر ڈرو۔ بزرگو نے بہت جگہ اسکو یاد دلایا ہے مگر ہم بے فکر ہیں۔

(۹۵) خالق اسباب کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے مصائب میں پریشانی نہیں ہوتی

مصیبت سے بچنے کیلئے ظاہری اسباب پر دارومدار مت رکھو کہ ہمارے پاس تو تعویذ ہے ہمکو طاعون نہیں آسکتا۔ یہ سب حکم خداوندی کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ سبب اصلی کو اختیار کرو اور وہ رضا حق ہے۔ اعمال میں احکام کے امتثال میں کوشش کرو کہ اسکے بعد مصیبت حقیقی نہ آوے گی یعنی ظاہری مصائب مثل مرض موت رنج وغیرہ کے تو ہوں گے مگر اطاعت کی برکت سے تمہارا قلب پریشان نہیں ہوگا۔ جیسے کہ بچہ ماں کی گود میں ہوتا ہے تو وہ کسی چیز سے پریشان نہیں ہوتا اسی طرح اس مطیع کو چونکہ قرب حق نصیب ہو جاتا ہے لہذا یہ بھی پریشان نہیں ہوتا اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

موحد چہ برپائے ریزی زرش	چہ فولاد ہندی نہی برسرش

(موحد کے قدموں پر خواہ سونا بہاؤ یا ہندی تلوار اسکے سر پر رکھو)

امید و ہراسش نباشد زکس	ہمین است بنیاد توحید و بس

(اسکو امید کسی سے نہیں ہوتی بس اسی پر توحید کی بنیاد ہے (کہ انسان فاعل حقیقی خدا کو جانے)

بلکہ اس سے ترقی کر کے یہ حالت ہوتی ہے کہ دوست کے بلا کی آرزو کرنے لگتا ہے اسی کو عراقی فرماتے ہیں ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت	سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(خدا نکرے کہ دشمن کو یہ بات نصیب ہو کہ وہ آپکے تیغ سے ہلاک ہو دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو خنجر آزما ہے (اسی پر خنجر آزمائی کر)

لہٰذا چاہیئے کہ مصیبت کے مبتلا کو دیکھکر عبرت حاصل کریں اور طاعت حق میں مشغول ہوں کہ اس سے بچنے کی اصل ترکیب یہی ہے

(۹۶) انسان کی مصیبت کا راز

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں ایسا تو کوئی انسان نہیں ہے کہ جسکو کوئی حادثہ پیش نہ آئے اور کوئی بات اسکی مرضی کے خلاف نہ ہو انسان تحت القدرۃ ہے مستقل نہیں ہے اگرچہ ہر امر میں انسان کی ایک مستقل تجویز بھی ضرور ہوتی ہے جسے اسکا ذہن اختراع کرلیتا ہے مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ ہر امر اسکی خواہش کے موافق نہیں ہوتا چنانچہ ارشاد ہے ام للانسان ما تمنی یعنی انسان کو اسکی ہر تمنا نہیں ملتی۔ تمنائیں انسان میں بہت کچھ ہوتی ہیں مگر ملتی کم ہیں بلکہ جو خدا تعالےٰ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے اور وہی انسان کے لئے بہتر ہوتا ہے اگرچہ اول نظر میں اس کی بہتری انسان کو محسوس نہو لیکن اسکے نتیجہ پر اگر غور کیا جائے تو اسکی حکمت معلوم ہو جاتی ہے اور اول نظر میں چونکہ حکمت پر نظر نہیں ہوتی اسلئے خلاف تمنا کو مصیبت کہتے ہیں۔

(۹۷) مصیبت کی حقیقت

اگر حکمت اور مصلحت پر نظر ہو تو کوئی مصیبت مصیبت نہیں بلکہ ہر مصیبت نعمت ہے

مگر مراد مصیبت غیر اختیاریہ ہے اور اسی میں گفتگو ہو رہی ہے برخلاف ان کے جنکو اپنے ہاتھوں اختیار کرتے ہیں یعنی گناہ کہ انسان اسکو اپنے اختیار سے کرتا ہے سو اس میں کوئی حکمت نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ اسکو گناہ اور معصیت قرار دیا گیا ہے اور اس سے روکا گیا ہے اور یہی فرق ہے درمیان فعل عبد اور فعل حق کے کہ کوئی فعل شر کا خدا تعالیٰ سے صادر نہیں ہوتا فعل شر وہی ہے جو بندہ اپنے اختیار سے خلاف رضائے حق کرتا ہے تو امور اختیاریہ عبد تو خیر و شر دونوں ہیں اور غیر اختیاری جو محض منجانب اللہ ہے وہ خیر محض ہے اسلئے عارفین نے اپنے متعلقین کو یہ تعلیم کی ہے اور اس سے انکیں ایک استواری پیدا ہو گئی ہے کہ جس سے وہ پریشان نہیں ہوتے ؎

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست   در صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

(طریقت میں رہتے ہوئے سالک کو جو کچھ بھی پیش آئے وہ اسکے لئے خیر ہے کیونکہ راہِ مستقیم پر لگا ہوا کوئی شخص گمراہ نہیں ہے)

تو جو پیش آئے اسکو خیر سمجھے خواہ وہ بیماری ہو یا دشمن کا اپنے اوپر غالب آنا ہو یا فقر و فاقہ ہو یا اور کوئی مصیبت ہو غرضیکہ سب میں بہتری ہے مگر یہ بہتری ایسی ہے کہ جیسے دوا کی بہتری کہ شفیق ماں باپ تو جانتے ہیں کہ حلق سے اترتے ہی تریاق کا کام کرے گی لیکن بچہ نہیں سمجھتا بلکہ ماں باپ کو اپنا دشمن سمجھتا ہے کہ انھوں نے ایسی دوا پلادی۔ یا جیسے دنبل میں نشتر دینا کہ ماں باپ خوش ہیں مگر بچہ انکو دشمن سمجھتا ہے نشتر زن ماں باپ سے انعام طلب کرتا ہے اور بچہ تعجب کرتا ہے لیکن ہر عاقل جانتا ہے کہ واقع میں یہ کام انعام کا ہے۔ تو بچہ کے علم کو جو تفاوت ماں باپ کے علم سے ہے اس سے بہت زیادہ تفاوت بندہ اور خدا کے علم میں ہے تو خدا تعالے خوب جانتے ہیں کہ جس حادثہ کو بندہ مصیبت سمجھ رہا ہے اس میں کیا کیا حکمتیں مخفی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اس پر جسکی نظر ہوگی وہ ہرگز اسکو مصیبت نہ سمجھے گا جس طرح جراح نے نشتر لگا کر مصیبت میں نہیں پھنسایا اسی طرح خدا تعالےٰ جو بندے کے ساتھ کرتے ہیں سب بہتر ہی ہوتا ہے مگر بندہ اسکی حکمت کو سمجھتا نہیں حالانکہ اگر ذرا غور کرے تو بعض حکمتیں معلوم بھی ہو سکتی ہیں

(۹۸) مصیبت کے فوائد اور خاصیتیں

مصیبت میں یہ خاصیت ہے کہ اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ انسان خدا کو

یاد کرنے لگتا ہے، تو یہ نصیب ہوجاتی ہے تنبہ ہوتا ہے کہ فلاں امر کیوں بس سے یہ ہوا تو یہ کھلے فائدے نظر آتے ہیں مگر بعض لوگ اسکو یاد نہیں رکھتے پس اسی معنی کر مصیبت نہ کہی جائیگی مگر ظاہر نظر میں وہ مصیبت ہے کیونکہ حقیقت لغویہ مصیبت کی یہ ہے کہ کوئی بات خلاف طبیعت پیش آوے اور چونکہ زندگی میں زیادہ واقعات ایسے ہی ہوتے ہیں اسلئے کوئی کلی مصیبت سے خالی نہیں ہے کوئی مال کیطرف سے پریشان ہے کوئی صحت کی طرف سے پریشان ہے کوئی اولاد کی طرف سے پریشان ہے۔ غرض ہر شخص کو کوئی نہ کوئی مصیبت لاحق ہے۔ اگرچہ ہر ایک پر اثر الگ الگ ہوتا ہے اور ایک سرسری اثر ایسا بھی ہے کہ کوئی مسلمان اس سے خالی نہیں اگرچہ پرائے چندے ہی ہو اور وہ اثر تنبہ ہے اپنی بدعملی پر اور اپنے ضعف و عجز پر بڑا ظالم ہے وہ شخص کہ اسپر کوئی مصیبت آئے اور وہ اس پر متنبہ نہ ہو۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ وہ انسان ہی نہیں اور جو انسان ہوگا وہ ضرور اس طرح متاثر ہوگا اور یہ تاثر بہت بڑی نعمت ہے

(۹۹) تکبر قبول حق سے بڑا مانع ہے

قبول حق اور رجوع عن الباطل سے بڑا سد راہ یہ ہے کہ انسان اپنے کو سب سے بڑا سمجھے اسی وجہ سے یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اگرچہ جانتے تھے کہ آپ پیغمبر برحق ہیں خدا کے نبی ہیں بلکہ حضورؐ کے تشریف لانے کے پیشتر ہی وہ حضورؐ کو جانتے تھے حتیٰ کہ مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ عنقریب ہم تمہاری خبرلیں گے جب وہ رسول تشریف لے آئینگے فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ (پس جب انکے پاس آگئے وہ رسول جنکو وہ پہچانتے تھے تو انکے ساتھ کفر کیا) لیکن جب آپؐ تشریف لائے تو آپؐ کے اتباع میں اپنی جاہ کا نقصان ہوتے دیکھکر آپؐ کے ساتھ کفر کیا۔ سمجھے کہ آج تو ہم احبار کہلاتے ہیں۔ مقتدا شمار ہوتے ہیں اگر ایمان لے آئیں گے تو چھوٹے ہو جائیں گے اسی لئے رؤساء مکہ یہ کہتے تھے کہ لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (یہ قرآن ان دو بستیوں (مکہ اور طائف) کے کسی اور بڑے شخص پر کیوں نہیں نازل ہوا قیم اوقات یعنی) اگر یہ کلام خدا کلام ہوتا تو کسی بڑے شخص پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ ایک یتیم پر کیوں نازل ہوا؟ پھر یہ کہ آپؐ کے پاس تمول بھی نہ تھا اسلئے رؤسا کہتے تھے کہ کسی رئیس پر کیوں نازل نہیں ہوا تو انکو قبول حق

سے یہی مانع تھا اور اسکی بڑی مذمت آئی ہے حدیث میں ہے کہ رائی برابر بڑائی بھی جس کے قلب میں ہوگی وہ جنت[ے] میں نہ جائیگا اور اس مرض سے بہت کم لوگ خالی ہیں کم و بیش سب میں ہوتا ہے اور اس نے شیطان کو جس نے آٹھ لاکھ برس تک عبادت کی تھی ایک پل میں مردود بنا دیا اور اسی راز کی وجہ سے حکمائے امت نے کہا ہے کہ صرف وظیفوں سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کسی کامل کی صحبت نصیب نہو کہ وہ اسکے تکبر کا علاج کرے ہم نے دیکھا ہے کہ جو لوگ کتابیں دیکھکر کچھ کرتے ہیں ان کے اخلاق درست نہیں ہوتے۔ غرضیکہ شیطان نے تکبر ہی کیوجہ سے حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کیا اور اسکے سبب ملعون ہوا۔

(۱۰۰) بلائے تکبر کا بھی علاج ہے

سو مصیبت سے ایسے بڑے مرض کا علاج ہو جاتا ہے۔ غرضکہ کوئی ایسا مسلمان نہیں جس پر مصیبت کا اثر نہ ہو۔

(۱۰۱) مصیبت میں لوگوں کے حال کا تفاوت

لیکن فرق یہ ہے کہ بعض لوگ تو یاد رکھتے ہیں اور اکثر بھول جاتے ہیں اور بھول جانے کے یہ معنی نہیں کہ انکو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو قدرت نہیں ہے مگر برتاؤ ایسا ہی ہوتا ہے جس سے دوسرا ناواقف یہ اخذ کر سکتا ہے۔

اور اس مرض کے کئی درجے ہیں بعض کو تو مصیبت آتے وقت بھی پوری طرح تنبہ نہیں ہوتا سخت تعجب اس شخص پر ہے جو کہ مصیبت آنے پر یہ کہتا ہے کہ معلوم نہیں ہم سے کیا گناہ ہوا جسکی پاداش بھگت رہے ہیں۔ صاحبو! کون سا وقت ہے کہ ہم اس میں گناہ نہیں کرتے۔ ہم تو ہر وقت ہی گناہ میں مبتلا ہیں پھر اس سوال کے کیا معنی؟ اور بعض کو دوسرے طرز کی غفلتیں ہوتی ہیں چنانچہ ہم میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ کہ انکو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ ہم نے کچھ کیا ہے جس سے مصیبت آئی۔ دوسرے وہ کہ انکو یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ کیا ہے مگر پھر بھی تدارک نہیں کرتے استغفار نہیں کرتے بلکہ بعضے تو اور زیادہ گناہ کرنے لگتے ہیں۔

ے۔ ای علی سبیل الکمال و تشدید العذاب ۱۲ (جنت میں نہ جائیگا یعنی دخول اولی کیساتھ اور کبر کی سزا بھگتے گا)۔

حکایت: جہاز میں دیکھا ہے کہ عین شدت طوفان کے وقت نہایت پریشانی میں بعض لوگ یا علیؓ کہتے تھے اور بہت سے لوگ حضرت غوث الاعظم کو پکارتے تھے۔ اللہ اکبر! یہ لوگ مشرکین عرب سے بھی بڑھ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کفار کا بھی یہ عقیدہ نہیں تھا۔

حکایت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کافر سے پوچھا کہ تمہارے کتنے خدا ہیں اس نے کہا سات ہیں چھ زمین میں اور ایک آسمان میں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت کا خدا کونسا ہے اس نے کہا کہ آسمان والا۔ تو مشرکین عرب مصیبت کے وقت ایک خدا ہی کو پکارتے تھے مگر ہندوستان میں مصیبت کے وقت بھی دوسروں ہی کو پکارتے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے کہ گناہ کو یاد کرکے تدارک بھی کرتے ہیں اور مصیبت کیوقت خدا ہی کی طرف رجوع بھی ہوتے ہیں لیکن وہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

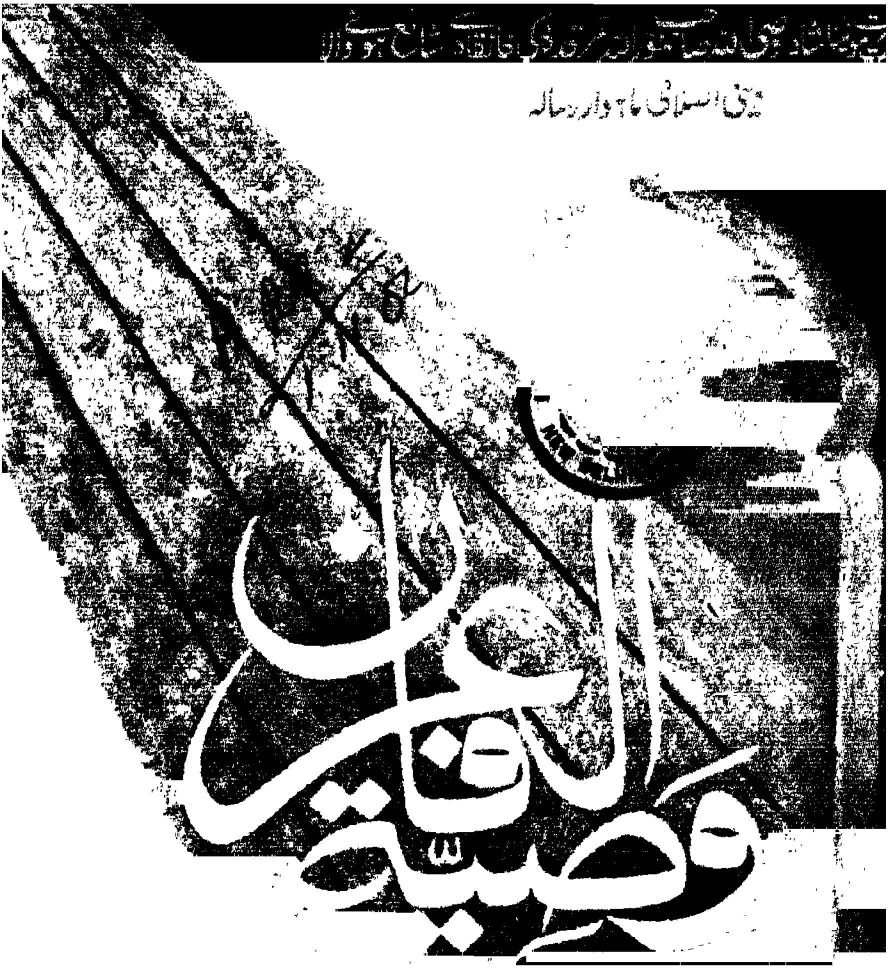
اہل کاراں بوقت معزولی شبلی وقت و بایزید شوند

(یہ ملازم لوگ بھی جب معزول کردیئے جاتے ہیں تو (انابت و رجوع الی اللہ میں) شبلی وقت اور بایزید بسطامی جیسے معلوم ہوتے ہیں)

باز چوں می رسند بر سر کار شمر ذی الجوشن و یزید شوند

(پھر ملازمت استوار ہونے پر انھیں دیکھو تو شمر ذی الجوشن اور یزید ہو جاتے ہیں)

یعنی جب تک مصیبت رہی اللہ بھی یاد رہے رسول بھی یاد رہے اور جب مصیبت ٹلی تو ایسے آزاد کہ گویا خدا تعالیٰ کی حدود و حکومت ہی سے نکل گئے اسی کو فرماتے ہیں اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا (جب انسان کو کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے) اور اسکی وجہ فرماتے ہیں کَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (اسی طرح سے ہم حد سے تجاوز کرنیوالوں کے ان کے اعمال کو مزین کرتے ہیں (اور وہ برائی ہی کو اچھا خیال کرتے ہیں) یعنی وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ لوگ حدود سے باہر ہوگئے ہیں۔ اور یہ خاصیت ہے کہ نیک عمل میں بصیرت ٹھیک رہتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو بینش جاتی رہتی ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ انکو اعمال خوش معلوم ہوتے ہیں پس علت اسکی اسراف ہے کہ اسکی وجہ سے بری باتیں مزین معلوم ہونے لگتی ہیں۔ صاحبو! آخر کس بات نے انکو اسقدر بےفکر کر دیا ہے کہ جو انکو کسی حادثہ پر بھی تنبہ نہیں ہوتا حق تعالیٰ کو تو ہر جگہ ہر طرح کی قدرت ہے اس سے بچکر آخر کہاں جاؤ گے۔ پھر معاصی پر کس طرح دلیر ہو۔ مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ؎



شمارہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۰ء جلد ۳

حامل مضامین تصوف و احسان ماہنامہ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

چندہ ششماہی
۹ لعہ

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ سالانہ
۱۸
اٹھارہ روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | ایڈیشن

شمارہ ۱۰ | ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء | جلد ۳

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱-۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

عرفت ربی بفسخ العزائم میں نے اللہ تعالیٰ کو یوں بھی پہچانا کہ اپنے ارادہ میں ناکام ہوتا رہتا ہوں۔ خیال تھا کہ ستمبر کا رسالہ آخری تواریخ تک ناظرین کے نظرنواز ہوجائے گا' لیکن روانہ ہوسکا اسوقت کہ شاید اب اکتوبر کے پہلے ہفتہ میں کسی تاریخ کو مل سکے بعد دفتری حالات نے مجبور کیا کہ اکتوبر ۶۷ء کا شمارہ اپنے وقت ہی سے روانہ کیا جائے جسکی تیاری کیلئے وقت چونکہ بہت ہی کم تھا اسلئے یاد آیا کہ ایک سابق مضمون ہے جسے دوبارہ طبع کیا جانا زیر تجویز آچکا تھا کیوں نہ اسکو اسی وقت شایع کردیا جائے (اور وہ مضمون تھا حضرت مصلح الامۃؒ کے آخری وقت کے حالات) چنانچہ رسالہ معرفت حق سے ماہ ذیقعدہ و ذی الحجہ ۸۶ھ اور محرم ۸۷ھ میں طبع ہوجانے والے بعض خطوط اور چند نقلوں کے ساتھ کچھ اور باتوں کا اضافہ کرکے اسوقت یہ مضمون شایع کردیا گیا ہے (جو انشاء اللہ دو قسطوں میں مکمل ہوجائیگا) رسالہ وصیۃ العرفان کا جزو بننے کے علاوہ اس کی تھوڑی سی مزید کاپیاں الگ سے بھی تیار کرالی گئی ہیں جو حضرات چاہیں اسکو علحدہ سے بھی منگواسکتے ہیں اسکی قیمت دو روپیے ہوگی' محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا۔

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مصلح الامۃؒ کے بعد بھی حضرت کا فیض ان کے خلفاء مجازین اور انکی کتب وملفوظات کے واسطے سے طالبین وسالکین کو پہونچاتے رہیں گے کیونکہ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

بہرحال اسی مذکورہ بالا مجبوری کے سبب اس مہینہ میں "سلک السلوک" اور "مواعظ حکیم الامۃ" کا سلسلہ موقوف کرنا پڑا انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ یہ سب سلسلے بدستور شایع ہوتے رہیں گے۔

والسلام۔ مدیر

اسی کو آگے علامہ بیضاوی فرماتے ہیں :۔

فان الاخلال باحد الامرین المامور بھما لایوجب الاخلال بالآخر — یعنی دو مامور بہا چیزوں میں سے ایک کی کوتاہی دوسرے کی بھی کوتاہی کو واجب نہیں کرتی۔

تو یہ تو بالکل ظاہر بات ہے کہ فاسق کو وعظ سے منع کرنا مقصود نہیں لیکن حالت امر بالمعروف میں اسکے فسق پر زجر اور اسکو فاسق رہنے سے ضرور منع کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ عادت نہایت درجہ قبیح اور مذموم ہے کیونکہ اس بات کی عادت کا ثمرہ دو قسم کے ضرر کا مثمر ہوگا ایک ضرر تو ہے لازمی اور دوسرا متعدی۔ اول ضرر خود اس واعظ کی جانب راجع ہوگا اور ثانی دوسرے لوگوں کی جانب اس طور پر کہ اور دوسرے لوگ اس عادت میں اس کی اقتدا کریں گے یعنی خود بھی اسی کی طرح امر بالمعروف کریں گے اور فاسق بھی رہیں گے پس گمراہی عام ہو جائے گی۔ یہود کی گمراہی کا سبب یہی ہوا تھا کہ ان کے پاس صرف قول ہی قول رہ گیا تھا فعل سے وہ بالکل عاری تھے۔ علم تھا عمل سے خالی تھے گویا آسان کو تو لے لیا تھا اور مشکل کو چھوڑ دیا تھا۔ شیریں کو اختیار کر رکھا تھا اور تلخ کو ترک کر دیا تھا۔

اس آیۃ کا مدلول صریح یہ ہے کہ آمر بالبر کو ترک عمل پر ممانعت اور زجر ہے۔ تو صاف مطلب یہ ہوا کہ امر بالبر کے ساتھ عمل بھی کرنا ضروری ہے دونوں ہی کو کرنا لازم ہے یہ مطلب کیسے ہوا کہ عمل جب نہ ہو رہا ہو تو امر بالبر بھی جائز نہ ہو اسلئے اسکو بھی ترک کر دے۔ اس صورت میں تو دونوں ترک ہو گئے عمل تو پہلے ہی سے ترک تھا اب امر بالبر بھی ترک ہو گیا۔ جب دو چیزوں کے کرنے کا حکم ہے تو اس سے دونوں چیزوں کا ترک کیسے سمجھ لیا گیا یہ تو خلاف مقصود باری تعالیٰ ہے۔

رہا فاسق کو وعظ اور امر بالبر کی اجازت یا ممانعت یہ مستقل مسئلہ محل نظر ہے اس پر ہم بعد میں کلام کرتے ہیں۔

آیۃ کی تفسیر تو علامہ بیضاویؒ کے کلام سے معلوم ہو گی لیکن افلا تعقلون کی تفسیر میں صاحب روح المعانی نے نہایت عمدہ کلام کیا ہے اسلئے ہم اسکو بھی یہاں درج کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

والمعنی افلا عقل لکم
یمنعکم عما تعلمون سوء خاتمته و
وخامة عاقبته اوافلا تعقلون قبح
صنیعکم شوء المخالفة ماتتلونه فی التوراة
وعقلاً لکونه جمعا بین المتنافیین فان
المقصود من الامر بالبر الاحسان والامتثال
والزجر عن المعصیة ونسیانهم
انفسهم ینافی کل هذه
الاغراض ولانزاع فی کون
قبح الجمع بین ذالک
عقلاً بمعنی کونه باطلاً
ولاحجة فیها لمن زعم
انه لیس للعاصی ان یامر بالمعروف
وینهی عن المنکر لان التوبیخ علی
جمع الامرین بالنظر للثانی فقط لا منع
الفاسق عن الوعظ فان النهی
عن المنکر لازم ولو لمرتکبه فان ترک
النهی ذنب وارتکابه ذنب آخر والاخلال
باحدهما لا یلزم منه الاخلال بالآخر۔
ثم ان هذا التوبیخ والتقریع
وان کان خطاباً لبنی اسرائیل
الا انه عام من حیث المعنی
لکل الواعظ یامر ولا یأتمر و یزجر ولا

افلا تعقلون کا مطلب یہ ہے کہ کیا تم لوگوں
کے عقل نہیں ہے جو اس چیز کے کرنے سے تم کو
باز رکھے جس کے برے انجام اور خراب عاقبت
سے تم واقف ہو، یا معنی یہ ہیں کہ کیا تم اپنے اس
فعل کا شرعاً قبیح ہونا (اسلئے کہ جو کچھ تم توراۃ میں پڑھتے ہو
یہ اسکے خلاف ہے نیز عقلاً خلاف ہونا کیونکہ یہ
جمع بین المتنافیین ہے) اس کو نہیں سمجھتے۔ اور یہ
اس لئے کہ مقصود امر بالبر سے احسان و امتثال ہے
نیز معصیۃ سے زجر کرنا ہے اور انکا خود اپنے آپ کو
بھلانا ان تمام اغراض کے منافی ہے اور ان دونوں کا
جمع عقلاً قبیح بمعنی باطل ہونے میں کسی کو کلام نہیں
اور اس آیۃ میں ان لوگوں کے لئے دلیل
نہیں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ فاسق کو امر بالمعروف اور نہی
عن المنکر کرنا جائز نہیں ہے اسلئے کہ اس میں دونوں
امر کے مجموعہ پر جو توبیخ ہے وہ فقط ثانی کی رُو سے ہے
فاسق کو وعظ سے نہیں منع کیا گیا ہے کیونکہ منکر سے منع کرنا
لازم ہے اگرچہ منکر کا مرتکب ہو اسلئے کہ ترک نہی ایک گناہ
ہے، اور اس معصیت کا کرنا دوسرا گناہ ہے۔ پس
ایک کے چھوڑنے کیلئے دوسرے کا بھی نہ کرنا کیوں لازم ہو۔
پس اس زجر و توبیخ کے مخاطب اگرچہ علمائے
بنی اسرائیل ہیں مگر یہ از روئے معنی عام ہے ہر اس
واعظ کے لئے جو امر بالمعروف کرے اور خود عمل نہ کرے
اور دوسروں کو زجر کرے اور خود اسکا اثر نہ لے۔ لوگوں

نیز جو ینادی الناس البدار البدار کو تو بلاوے کہ جلدی کرو جلدی کرو اور خود اپنے نفس

ویرضی لنفسه التخلف والبوار ویدعو الخلق الی الحق وینفر عنه ویطالب العوام بالحقائق ولا یشم ریحها منه۔ وهذا هوالذی یبدأ بعذابه قبل عبدة الاوثان ویعظم ما یلقی لوفور تقصیرہ یوم لاحاکم الا الملک الدیان۔ وعن محمد بن واسع قال بلغنی ان اناسا من اهل الجنة اطلعوا علی ناس من اهل النار فقالوا لهم قد کنتم تأمروننا باشیاء عملنا ها فدخلنا الجنة قالوا کنا نأمرکم بها ونخالف الی غیرها

(روح المعانی ص۲۴۶ ج۱)

کے لئے تخلف (پیچھے رہنے) اور بوار (یعنی ہلاکت) کو پسند کرے۔ مخلوق کو تو حق کی جانب دعوت دے اور خود اس سے نفرت رکھے۔ عوام سے حقائق کا مطالبہ کرے اور خود اسکو اسکی بو بھی نہیں پہونچی ہوتی یہی وہ شخص ہے کہ بت پرستوں سے پہلے اسکو عذاب دیا جائے گا اور بہت بڑا وہ عذاب ہوگا جس سے یہ ملاقات کرے گا اس دن جس دن کہ ملک دیان کے سوا کوئی اور حاکم نہ ہوگا اور یہ اسلئے کہ اسکی تقصیر بھی بڑی تھی۔

محمد بن واسع سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی کہ اہل جنت کے بہت سے لوگ اہل دوزخ کے کچھ لوگوں کو دیکھکر ان سے کہیں گے تم تو دنیا میں ہمیں چند چیزوں کا حکم کرتے تھے اور ہم نے ان پر عمل کیا جسکی وجہ سے جنت میں داخل ہوگئے (اور تمھارا یہ حال کیوں ہے؟) وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہاں ہم تم کو تو حکم کرتے تھے لیکن خود اسکے خلاف عمل کرتے تھے

صاحب روح المعانی کے فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص دوسروں کو تو نیک کام کیلئے کہتا ہو اور خود اسکو نہ کرتا ہو تو اسکا یہ فعل شرعاً بھی خلاف اور عقلاً بھی اور یہی وہ لوگ ہیں جنکے متعلق حدیث شریف میں وعید آئی ہے۔

ان دونوں مفسروں کے کلام سے آیت کی تو مکمل تفسیر ہو چکی جس کے بعد اب کسی مزید تفسیر کی حاجت نہ تھی لیکن تفسیر ابن کثیر میں چونکہ روایات زیادہ ہیں اسلئے اہل علم کی مزید بصیرت کے لئے ہم اسکا بھی کچھ اقتباس یہاں نقل کرتے ہیں۔ وھو ہذا۔

قال الله تعالیٰ (اتامرون الناس　حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے اہل کتاب

بالبر وتنسون انفسكم وانتم تتلون الكتاب افلا تعقلون يقول تعالى كيف يليق بكم يا معشر اهل الكتاب وانتم تأمرون الناس بالبر وجماع الخير ان تنسوا انفسكم فلا تأتمرون بما تأمرون الناس به وانتم مع ذلك تتلون الكتاب وتعلمون ما فيه على من قصر في اوامر الله افلا تعقلون ما انتم صانعون بانفسكم فتنتبهوا من رقدتكم وتتبصروا من عمايتكم ـ

کی جماعت کیونکر تمہارے لائق یہ بات ہوئی کہ باوجود اسکے کہ تم دوسروں کو نیکیوں کا حکم بھی کرتے ہو (جو کہ سب خیرات کی جامع ہے کہ) اپنے نفسوں کو بھلا دیتے ہو یعنی انکو ان چیزوں کا امر نہیں کرتے جنکا دوسروں کو حکم کرتے ہو۔ نیز اسکے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ تم لوگ کتاب (توراۃ) بھی پڑھتے ہو اسمیں جو وعیدیں اللہ تعالے کے حق میں کوتاہی کرنے والوں کیلئے وارد ہوئی ہیں ان سے بھی تم خوب واقف ہو تو کیا اپنے نفسوں کے ساتھ تمہارا جو معاملہ ہے اس (کی قباحت وشناعت) کو بھی تم نہیں سمجھتے تاکہ اپنے خواب (غفلت) سے بیدار ہو جاؤ اور اپنے اندھے پن کو خود دیکھو۔

قال ابو الدرداء لا يفقه الرجل كل الفقه حتى يمقت الناس في ذات الله ثم يرجع الى نفسه فيكون لها اشد مقتا ..

حضرت ابو الدرداء فرماتے ہیں کہ انسان کامل فقیہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ اللہ تعالے کے بارے میں لوگوں پر جب غصہ کرے تو پھر اپنے نفس کی جانب لوٹے اور اس پر ان سے زیادہ غصہ کرے

والغرض ان الله تعالى ذمهم على هذا الصنيع ونبههم على خطئهم في حق انفسهم حيث كانوا يأمرون بالخير ولا يفعلونه وليس المراد ذمهم على امرهم بالبر مع تركهم له بل على تركهم له فان الامر بالمعروف معروف

اور غرض یہ ہے کہ اللہ تعالے نے انکے اس صنیع کی مذمت فرمائی ہے اور اپنے نفس کے بارے میں ان سے جو چوک ہوئی تھی اس پر تنبیہ فرمائی ہے کیونکہ وہ دوسروں کو تو بھلائی کا حکم کرتے تھے اور خود اس کام کو نہیں کرتے تھے اور مراد یہاں اسکے امر بالبر پر نکیر فرمانا (ورآنحالیکہ خود اسکے تارک تھے) نہیں ہے بلکہ انکے ترک عمل بالبر

وھو واجب علی العالم و لکن
الواجب والاولیٰ بالعالم ان
یفعله مع من امرھم به ولا یتخلف
عنهم کما قال شعیبؑ (وَمَا اُرِیْدُ
اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَا اَنْهٰکُمْ عَنْهُ
اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ
وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ
وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ) فکل من الامر
بالمعروف و فعله واجب
لا یسقط احدھما بترک
الآخر علی اصح قولی
العلماء من السلف
والخلف۔

وذھب بعضهم الی
ان مرتکب المعاصی لا ینهٰی
غیره عنها وھذا ضعیف و
اضعف منه تمسکهم بهٰذه
الآیة فانه لا حجة لهم فیها والصحیح
ان العالم یأمر بالمعروف وان
لم یفعله وینهٰی عن المنکر وان ارتکبه

قال مالک عن ربیعه
سمعت سعید بن الجبیر یقول
لو کان المرء لا یأمر بالمعروف

تحریر ہے اسلئے کہ امر بالمعروف تو معروف ہے جو کہ عالم پر
واجب ہی ہے لیکن (اسکے ساتھ ہی) عالم پر یہ بھی واجب
ہے اور عالم کے زیادہ شایان شان ہے کہ وہ جب
دوسروں کو حکم کر رہا ہے تو خود بھی اسکو کرے اور اسکے
خلاف کام نہ کرے جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے
فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم کو منع کر کے خود اس ممانعت
کے خلاف کام کروں۔ میں تو اپنی استطاعت بھر اصلاح
کرنا چاہتا ہوں اور میری توفیق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے
اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی جانب رجوع
ہوتا ہوں۔ حاصل یہ کہ امر بالمعروف اور فعل دونوں
ہی واجب ہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کے ترک
سے دوسرا ساقط نہ ہوگا علماء سلف و خلف کے دو
اقوال میں سے اصح قول یہی ہے۔

اور بعض لوگ اس طرف بھی گئے ہیں کہ مرتکب
معاصی غیر کو بھی نہ منع کرے لیکن یہ مذہب ضعیف ہے
اور اس سے بڑھکر ضعف یہ ہے کہ یہ لوگ اسی آیت سے
استدلال کریں کیونکہ اس آیت میں اس امر پہ
انکے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ عالم امر بالمعروف
کر سکتا ہو اگرچہ خود اس کام کو نکرتا ہو اور منکر سے منع بھی کر سکتا
ہے گو کہ خود بھی اسکا مرتکب ہو۔

حضرت مالکؒ ربیعہ سے نقل فرماتے ہیں کہ انھوں
نے حضرت سعید بن جبیر کو فرماتے ہوئے سنا کہ
اگر انسان اسوقت تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

ولا ینھیٰ عن المنکر حتی لایکون فیہ شئی ما امر احد بمعروف ولا نھی عن منکر۔ قال مالک وصدق من ذا الذی لیس فیہ شئی؟

نہ کرے یہاں تک کہ اسکے اندر خود کوئی بھی برائی باقی نہ رہ جائے تو پھر تو کوئی شخص بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کر سکتا۔ حضرت مالک فرماتے ہیں واقعی سچ ہے کون شخص ہے جسکے اندر برائی موجود نہیں ہے؟

دیکھئے یہاں صاحب تفسیر ابن کثیر نے فاسق کے وعظ کہنے نہ کہنے کے متعلق علمار کے دو قول نقل کئے ہیں ان میں سے گو اصح یہی ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ واجب دونوں ہی چیزیں ہیں امر بالبر بھی اور عمل بالبر بھی تو اگر کوئی شخص ان میں سے ایک کا تارک ہے تو دوسرے کا بھی کیوں تارک ہو جائے بلکہ اسکو تو چاہیئے کہ جس چیز کا تارک ہے اسکو بھی عمل میں لائے۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداء کا قول نقل کیا ہے کہ جب تک انسان اپنے نفس پر اس سے بڑھکر غصہ نہیں کریگا جتنا کہ وہ دوسروں پر کرتا ہے تو اسوقت تک وہ کامل فقیہ نہیں ہو سکتا۔

لیکن دوسرا مذہب جو نقل کیا ہے اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ بہت سے علمار اس طرف بھی گئے ہیں اور گو انکا قول ضعیف سہی تاہم قرآن و حدیث میں قول و فعل کے تخالف اور کہنے اور نہ کرنے کی برائی میں جسقدر وعیدیں آئی ہیں انکو دیکھنے اور سننے کے بعد تو پھر کسی فاسق کا خود عمل نکرنا اور دوسروں ہی کو کہتے رہنا بڑے ہی جرأت اور جسارت کی بات معلوم ہوتی ہے اور یہ امر اگرچہ شرعًا جائز ہے لیکن ان وعیدوں کے بعد اس پر اقدام کرنا نہایت درجہ قبیح اور مذموم ہے اسکی قباحت اور شناعت میں تو کسی کو کلام ہی نہیں ہے۔

چنانچہ یہی صاحب ابن کثیر یہاں دونوں مذاہب نقل کر کے ایک کو اصح اور دوسرے کو ضعیف کہنے کے بعد اس فعل کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

(قلت) لکنہ والحالۃ ھذہ — میں کہتا ہوں کہ یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ حالت انتہائی

مذموم على ترك الطاعة وفعله المعصية لعلمه بما وبمخالفته على بصيرة فانه ليس من يعلم كمن لا يعلم و لهذا جاءت الاحاديث في الوعيد على ذلك

مذموم ہے کہ طاعت ترک کئے ہوئے ہے اور معصیت کا مرتکب ہے جاننے بوجھنے کے باوجود اور مخالفت کر رہا ہے بصیرت پر ہونے کے باوجود (اور یہ قبیح ہیں اسلئے بڑھا ہوا ہے کہ) جاننے والا نہ جاننے والے کے برابر نہیں ہے اسی لئے احادیث میں اسپر وعید آئی ہے

كما قال الامام ابو القاسم الطبراني في معجمه الكبير بسنده عن جندب بن عبد الله رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل عالم الذي يعلم الناس الخير ولا يعمل لا كمثل لسراج يضيئ للناس ويحرق نفسه

امام ابوالقاسم طبرانی نے معجم کبیر میں اپنی سند کے ساتھ جندب بن عبداللہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مثال اُس عالم کی جو لوگوں کو خیر سکھلا وے اور خود اس پر عمل نہ کرے ایسی ہے جیسے چراغ کہ دوسروں کو تو روشنی دیتا ہے اور اپنے کو جلاتا ہے۔

قال الامام احمد بن حنبل في مسنده بسنده عن انس بن مالك رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مررت ليلة اسري بي على قوم تقرض شفاههم بمقاريض من نار قال قلت من هولاء قالوا خطباء من اهل الدنيا ممن كانوا يامرون الناس بالبر وينسون انفسهم وهم يتلون الكتاب افلا يعقلون.

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں شب معراج میں ایک ایسی جماعت کے پاس سے گذرا جنکے ہونٹوں کو آگ کی قینچی سے کاٹا جا رہا تھا میں نے کہا یہ کون لوگ ہیں کہا یہ آپکی امت کے دنیا دار خطیب ہیں جو دوسروں کو بر کا حکم کرتے تھے اور اپنے آپ کو بھلائے ہوئے تھے حالانکہ وہ لوگ کتاب اللہ کی بھی تلاوت کرتے تھے کیا ان کے اتنی عقل نہ تھی۔

وقال الامام احمد بسنده عن اسامة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول يجاء

حضرت امام احمد اپنی سند کے ساتھ حضرت اسامہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن ایک

بالرجل یوم القیمۃ فیلقی فی النار فتندلق بہ اقتابہ فیدور بہا فی النار کما یدور الحمار برحاہ فیطیف بہ اھل النار فیقولون یا فلان ما اصابک الم تکن تامرنا بالمعروف وتنہون عن المنکر فیقول کنت آمرکم بالمعروف ولا آتیہ وانہاکم عن المنکر وآتیہ

شخص کو لایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا جسمیں اسکی انتڑیاں باہر نکل آئیں گی اور وہ اسکو لیکر جہنم میں اسطرح چکر لگائے گا جیسے گدھا چکی کے گرد چکر لگاتا ہے یہ دیکھکر سب اہل نار اسکے پاس جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے یہ تیرا کیا حال ہے۔ کیا تم ہمکو اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع کرتے تھے وہ شخص کہے گا کہ ہاں میں تم کو تو معروف کا حکم کرتا تھا اور خود اسکو نہیں کرتا تھا اور منکر سے منع کرتا تھا اور خود اسکو کرتا تھا۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یعافی الامیین یوم القیمۃ مالا یعافی العلماء

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ناواقفوں کو ایسی باتیں قیامت میں معاف کر دیگا کہ انکو علماء سے نہیں معاف فرمائیگا

وقد ورد فی بعض الاثار انہ یغفر للجاہل سبعین مرۃ حتی یغفر للعالم مرۃ واحدۃ لیس من یعلم کمن لا یعلم

بعض آثار میں آیا ہے کہ جاہل کیلئے ستر دفعہ مغفرت کیجائیگی اور عالم کیلئے ایک بار (کیونکہ) جاننے والا اور نہ جاننے والا برابر نہیں ہے۔

وقال تعالیٰ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ کہدیجئے کہ کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے۔ بیشک عقلمند لوگ ہی نصیحت قبول کرتے ہیں

وقال الضحاک عن ابن عباس انہ جاءہ رجل فقال یا ابن عباس انی ارید ان آمر بالمعروف وانہی عن المنکر قال ابلغت ذالک قال ارجو قال ان

حضرت ضحاکؒ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروں آپ نے فرمایا کہ تم اس درجہ کو پہونچ گئے ہو اس نے کہا امید تو کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر تمکو اسکا

لم تخش ان تفتضح بثلث آیات من کتاب اللہ فافعل قال وما هن قال قوله تعالیٰ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ احکمت هذه قال لا قال فالحرف الثانی قال قوله تعالیٰ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ احکمت هذه قال لا قال فالحرف الثالث قال قول العبد الصالح شعیب علیه السلام وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ احکمت هذه قال لا قال فابدأ بنفسك۔

خوف نہ ہو کہ تین آیتوں سے رسوا ہوگے تو کرو اس نے کہا وہ تین آیتیں کونسی ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد کہ تم دوسروں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے کو نہیں۔ کیا تم نے اسکو محکم کرلیا ہے کہا نہیں پوچھا اچھا دوسری آیۃ کونسی ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد کہ کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں اللہ تعالےٰ کے یہاں یہ بہت برا ہے کہ کہے اور نہ کرے کیا تم نے اسکو محکم کرلیا ہے کہا نہیں۔ اور پوچھا کہ اچھا تیسری آیت بتلائیے؟ فرمایا عبد صالح حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میں تم کو منع کرکے خود اس کام کو نہیں کرنا چاہتا بلکہ حتی الامکان اصلاح کا خواہشمند ہوں۔ کیا تم نے اسکو محکم کرلیا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا کہ تو پھر پہلے اپنے نفس سے شروع کرو۔

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من دعا الناس الی قول او عمل ولم یعمل هو به لم یزل فی ظل سخط اللہ حتی یکف او یعمل ما قال او دعا الیه۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو کسی قول یا عمل کی جانب بلاوے اور خود اس پر عمل نہ کرے تو وہ برابر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا ہے یہاں تک کہ یا تو کہنے سے باز آجائے یا جو کچھ کہہ رہا ہے اور جسکی جانب بلا رہا ہے خود بھی اس پر عمل کرے۔

وقال ابراهیم النخعی انی لاکره القصص لثلث آیات قوله تعالیٰ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وقوله

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ میں وعظ کہنے کو تین آیتوں کی بنا پر مکروہ سمجھتا ہوں۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ تم دوسروں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے کو بھول جاتے ہو (دوسرے) اللہ تعالیٰ کا

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ. وقوله اخباراً عن شعيب عليه السلام وما اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝

(من ابن کثیر ملخصاً ج ۴ ص ۱۶۲)

یہ ارشاد کہ اے ایمان والو! زبان سے کیوں وہ بات نکالتے ہو جسکو کرتے نہیں اللہ کے نزدیک بہت برا ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں (اور تیسرے) اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد جو شعیب علیہ السلام کے قول کو نقل فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ "میں یہ نہیں چاہتا کہ تم کو تو منع کروں اور خود وہی کام کروں بلکہ میں تو حتی المقدور اصلاح کرنا چاہتا ہوں، باقی میری تمام توفیق اللہ ہی کی ذات سے وابستہ ہے اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی جانب رجوع ہوتا ہوں۔

صاحب الترغیب والترہیب نے ایک باب قائم فرمایا ہے کہ الترهيب من ان يعلم ولا يعمل بعلمه ويقول ولا يفعله اور اسکے تحت بہت سی روایتیں نقل کی ہیں جنمیں سے ہم بعض روایتیں یہاں درج کرتے ہیں۔ وہو ہذا۔

عن زيد بن ارقم رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول اللهم انى اعوذ بك من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعوة لا يستجاب لها (رواه مسلم والترمذي)

حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس قلب سے جس میں خشوع نہ ہو اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو مقبول نہ ہو۔

وروى عن انس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال الزبانية اسرع الى فسقة القراء منهم الى عبدة الاوثان فيقولون يبدأ بنا قبل عبدة الاوثان فيقال لهم ليس من يعلم كمن لا يعلم. رواه الطبراني

حضرت انس بن مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ زبانیہ بت پرستوں سے پہلے فاسق علماء کی جانب سبقت کریں گے (عذاب کے لئے) پس وہ لوگ کہیں گے کہ بت پرستوں سے پہلے ہمیں سے شروع کیا جا رہا ہے۔ اس پران سے کہا جائیگا کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر نہیں ہیں

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لااخوف علی امتی مومنا ولامشرکا فاما المومن فیحجزہ ایمانہ واما المشرک فیقمعہ کفرہ ولکن اتخوف علیکم منافقا عالم اللسان یقول ما تعرفون و یعمل ما تنکرون ۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر کسی مؤمن یا کسی مشرک کا خوف نہیں ہے اسلئے کہ مومن کو تو اسکا ایمان (برائی سے) روک دے گا اور رہا مشرک تو اسکا کفر ہی اسکا قلع قمع کردیگا لیکن میں تمہارے اوپر اس منافق کا اندیشہ کرتا ہوں جسکی زبان عالم ہو (یعنی) زبان سے ایسی باتیں کہے جسکو تم اچھا سمجھتے ہو اور عمل ایسا کرے جسکو تم برا سمجھتے ہو۔ (افسوس آج ہمارا یہی حال ہے)

عن عمران بن حصینؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اخوف ما اخاف علیکم بعدی کل منافق علیم اللسان۔

حضرت عمرانؓ بن حصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنے بعد تمہارے اوپر سب سے بڑھکر خوف اس منافق کا ہے جو علیم اللسان ہو (یعنی علم صرف اسکے زبان پر ہو)۔

وعن انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان الرجل لایکون مومنا حتی یکون قلبہ مع لسانہ سواء و یکون لسانہ مع قلبہ سواء ولا یخالف قولہ عملہ ویامن جارہ بوائقہ ۔ (رواہ الاصبہانی)

حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کوئی انسان مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اسکا قلب اسکی زبان کے ساتھ مساوی ہو اور اسکی زبان اسکے قلب کے ساتھ یکساں ہو اور اسکا عمل اسکے قول کے خلاف نہ ہو۔ اور اسکے پڑوسی اسکی ایذاؤں سے مامون رہیں۔

عن منصور بن زاذان قال نبئت ان بعض ما یلقی فی النار تتاذی اھل النار بریحہ فیقال لہ ویلک ما کنت تعمل ما یکفینا ما نحن فیہ من الشر حتی

منصور بن زاذان کہتے ہیں کہ مجھے خبر ملی ہے کہ بعض وہ لوگ جو جہنم میں ڈالے جائیں گے اہل دوزخ کو انکی بدبو سے بہت ایذا رہوگی۔ پس اس شخص سے کہا جائے گا تجھ پر ہلاکت ہو تو کیا کام کرتا تھا ہم لوگوں کے لئے یہی ایک مصیبت جس میں ہم مبتلا ہیں کیا کم تھی

ابتلینا بك و نبتلی بك فیقول کنت عالما فلم انتفع بعلمی (رواہ احمد) — کہ اب ہم تیری اور تیری بدبو کی وجہ سے اور بھی مصیبت میں پڑے (اسکے جواب میں) وہ کہے گا کہ میں عالم تھا لیکن اپنے علم سے منتفع نہیں ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ ان مضامین کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اعلان

۱۔ وصیۃ العرفان آپ کا ایک دینی اور غریب رسالہ ہے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بہت سے حضرات نے ۱۹۸۰ء کا چندہ بھی ابتک نہیں ادا فرمایا حالانکہ اب ۱۹۸۱ء کیلئے پیشگی ادائیگی کا بھی وقت قریب آگیا ہے۔ گذارش ہے کہ ایسے حضرات خواہ وہ تنہا منگاتے ہوں یا انکے پاس رسالہ کا بنڈل جاتا ہو ادائیگی کی جانب جلد توجہ فرمائیں۔

۲۔ اپنا پتہ اردو میں خواہ انگریزی میں جسمیں لکھئے صاف صاف لکھئے اور منی آرڈر کے کوپن میں بھی رقم۔ مد اور اپنا پتہ ضرور لکھدیا کیجئے فارم واپس چلا جاتا ہے اور مضمون پڑھنے کے بعد نام و پتہ غائب پاکر جو ضیق ہوتی ہے ظاہر ہے ـــــ

۳۔ توسیع اشاعت کا لحاظ رکھنا آپ کا اخلاقی تعاون ہوگا۔

(ادارہ)

صالحین کی ایذا رسانی (قسط دوم)

فرمایا کہ ـــــ آج پھر وہی کل کا مضمون بیان کرنا چاہتا ہوں ایک صاحب جو کہ دنیوی لحاظ سے بہت معزز ہیں اور بہت قابل آدمی ہیں لکھتے ہیں کہ آجکل مسلمان اپنے ہی لوگوں سے پریشان ہیں اور موجودہ دور میں فقدان علم اور فقدان ایمان و ایقان کے سبب سے مسلمان کیا خواص اور کیا عوام سب کے سب سخت انتشار و اضطراب کے شکار ہیں" دیکھا آپ نے کیا لکھ رہے ہیں؟ کہہ رہے ہیں کہ ۔ اس پرآشوب زمانہ میں مسلمان بے صبرے ہو کر یقین کھو بیٹھے ہیں اور اسکی وجہ سے یاس میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ میں نے ان صاحب کے خط کے جواب میں علامہ شعرانی کی کتاب الیواقیت والجواہر کا ایک مضمون لکھدیا تھا وہ انکو بہت پسند آیا پڑھکر خوش ہو گئے اور مجھ سے فرمائش کی ہے کہ اس مضمون پر ایک کتاب تالیف کر دو۔ اس پر اسوقت کچھ کلام کرنا چاہتا ہوں ۔ انھوں نے یہ بالکل صحیح لکھا کہ مسلمان اپنے ہی لوگوں سے پریشان ہیں۔ چنانچہ ایسے دنیادار یہاں بھی آجاتے ہیں اور ہمارا سارا وقت لے لیتے ہیں اور کام بھی نہیں کرتے ۔ دیکھا آپنے کام کہاں سے بگڑا؟ میری مراد یہی ہے کہ کام نہ کرنے کی وجہ سے کام بگڑا۔ مسلمان آج نہ دنیا ہی کے رہے نہ دین کے ۔

میں نے الیواقیت سے ان صاحب کو جو مضمون لکھا تھا وہ یہ تھا کہ علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر جو انعام فرمایا ہے ان میں سے ایک انعام یہ ہے کہ مجھ پر ایک دشمن ایسا مسلط کر دیا ہے جو مجھے برابر ایذا دیتا رہتا ہے اور میری آبرو کو پارہ پارہ کرتا رہتا ہے (میں کہتا ہوں کہ انکا یہ دشمن کوئی مسلمان ہی ہوگا کافر نہ ہوگا) اور یہ سب کچھ اسی لئے ہو رہا ہے تاکہ مجھے بھی اقتداء انبیاء کی اور اقتداء اولیاء کی حاصل ہو جائے یعنی صبر کرنے میں انکی اقتداء حاصل کر سکوں ۔ دیکھئے یہ نہیں فرما رہے ہیں کہ جس طرح وہ دشمن مجھے پارہ پارہ کرتا چاہتا ہے میں بھی اسکو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور اسی ادھیڑ بن میں لگا ہوا ہوں یہ نہیں کہا بلکہ انبیاء کی اقتداء صبر میں فرمائی جا رہی ہے

یہ اسلئے کہ انبیاء علیہم السلام ایذار رسانی کے جواب میں جو کیا کرتے ہیں وہ صبر ہی ہے ۔

زاں بلاہا کانبیاء برداشتند　　سربہ چرخ ہفتمیں افراشتند

یعنی انبیاء علیہم السلام کا سر جو ساتویں آسمان تک بلند ہو جاتا ہے تو محض اسوجہ سے کہ انھوں نے تکلیفیں جھیلیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مشقت برداشت کی ہے ۔ اور بلاؤں ہی کے برداشت کرنے کا نام صبر ہے ۔ آپ تو کہتے ہونگے کہ ہمکو صبر کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، ہاں بالائی اور وہ بھی شکر سفید کے ہمراہ البتہ ہمکو لذیذ معلوم ہوتی ہے ایسے ہی لوگ دین میں خدا کے یہاں مرتبہ کے خواہاں ہیں (یہ بالائی اور شکر کو جو میں نے کہا تو اس سے ایک واقعہ کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے ۔ مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری فرماتے تھے کہ مجھ سے ایک شخص کہتے تھے کہ حضرت مجھے بالائی شکر سفید کے ساتھ بہت اچھی معلوم ہوتی ہے ۔ میں نے کہا کہ ہاں کیوں نہ لگے گی زہر ہی تو ہوتی ہے نا ۔ مطلب یہ کہ جو شے نفس کی خواہش کے مطابق ہوگی وہ اہل نفس کو اچھی لگے ہی گی اس میں تعجب کی کیا بات ہے ۔ اللہ والوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے مصائب پر صبر کرکے اسکو شیریں بنالیا ہے ع

صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد ۔ یعنی صبر خود تو کڑوا ہوتا ہے مگر پھل اسکا میٹھا ہوتا ہے اپنی اسی دنیاوی خواہش کو لیکر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقام بھی چاہتے ہیں نفس پر تکلیف برداشت کرنا اور مصائب پر صبر کرنا یہ سب ان کے لئے موت ہے ۔ ایک عورت اپنے شوہر کی خفگی و ناراضگی سے بچنے کے لئے کہتی تھی کہ ہمارا دل بہت ہی چھوٹا اور ننھا سا ہے اور شوہر کیلئے کہتی ہوگی یا سمجھتی ہوگی کہ تمھارا دل بہت بڑا ہے لہٰذا مجھے کچھ کہو مت مجھ پر بہت بار ہوتا ہے اور یہ بھی کہتی تھی کہ فلانے کو تو فلانی نے جوتے کا تلہ بنا رکھا ہے مطلب یہ کہ بالکل تابع کر رکھا ہے چنانچہ وہ کچھ بھی نہیں کہتا، دیکھا آپ نے یہ ہوشیاری نزاکت میں میں مرتبہ چاہتی تھی اور مخلوق کو خالق کے یہاں مرتبہ جو ملا کرتا ہے وہ صبر اور برداشت میں ملتا ہے نزاکت کے ذریعہ کوئی شخص آج تک کسی درجہ کو نہیں پہونچا ۔ مرزا مظہر جان جاناں بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں اور بہت زیادہ نازک مزاج تھے ایسے کہ ذرا ذرا سی بات سے ان کے سر میں درد ہو جاتا تھا ۔ چنانچہ ایک مرتبہ بادشاہ ان سے ملاقات کو حاضر ہوا اسکو

پیاس معلوم ہوئی کوئی خادم موجود نہیں تھا اسلئے خود ہی اٹھا اور گھڑے سے انڈیل کر پانی پیا مگر کٹورہ جو اس پر ڈھانکا تو ٹیڑھا رکھا۔ جب رخصت ہونے لگا تو عرض کیا کہ آپکے یہاں کوئی خادم نہیں ہے اجازت ہو تو کوئی خادم بھیجدوں۔ یہ سنکر فرمایا کہ ابتک تو صبر کئے ہوئے تھا اب کہتا ہوں کہ خادم جو آپ بھیجیں گے وہ آپ سے زیادہ سلیقہ مند تو ہوگا نہیں مگر آپ نے گھڑے پر کٹورہ ٹیڑھا رکھدیا ہے اسی وقت سے سر میں درد ہو رہا ہے۔ کیا یہ اسی طرح سے رکھا تھا؟ پھر جب آپکا یہ حال ہے تو جو خادم آپ بھیجیں گے اسکا حال معلوم ہے کون ہر وقت کی دردسری مول لے لہٰذا معاف فرمائیے۔ ایسے تو نازک مزاج واقع ہوئے تھے۔ انکی نازک مزاجی آج بھی انکی خانقاہ سے عیاں ہے۔ دہلی جاکر دیکھو اسکی عمارت کیسی نازک اور سبک بنی ہوئی ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کو آپ کی اصلاح منظور ہوئی تو آپ سے بھی خوب ہی خوب مجاہدہ کرایا گیا جسکی صورت یہ ہوئی کہ الہام ہوا کہ اگر میرا قرب و وصال چاہتے ہو تو فلاں عورت سے نکاح کرلو (کوئی نہایت ہی بدمزاج عورت تھیں) اس سے عقد کیا اسکے بعد تو اس نے آپ کو ناکوں چنے چبوا دیئے اور ساری نازک مزاجی ختم کرادی۔ ایک مرتبہ کسی خادم نے مکان پہونچکر دستک دی اور کہا کہ حضرت نے آپکا مزاج پوچھا ہے بس یہ سنتے ہی خفا ہوگئیں اور حضرت کو لگیں برا بھلا کہنے۔ خادم لوٹ کر آیا تو چہرہ متغیر تھا حضرت نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ کیا جواب ملا؟ کچھ دیر تک تو وہ خاموش رہا پھر عرض کیا کہ حضرت وہ آپکی بیوی تھی ورنہ میں چہرے سے اسکو ذبح کردیتا وہ حضرت کو گالی دیتی تھی۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ خبردار ایسا خیال بھی نکرنا یہ جو کچھ بھی مرتبہ تم مجھکو ملا ہوا دیکھتے ہو اور اسکی وجہ سے میری جانب رجوع ہوئے ہو یہ سب انھیں کی برکت سے مجھے ملا ہے۔ میں نے انکی اذیتوں پر صبر کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قرب خاص سے نوازا۔ یہ سب صبر و تحمل ہی کا صلہ ہے۔

اب آپ سے کہتا ہوں کہ بزرگوں نے تو اسکی وجہ سے مرتبہ پایا اب کوئی اس طریقہ کو ترک کرکے دوسرا طریقہ اختیار کرے گا تو اسکو کیا ملے گا۔ سچ ہے ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو　　یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

ابتدا میں تو یہی سب ملا کرتا ہے لیکن انتہا میں پھر اور کچھ ملنے لگتا ہے۔ تمہاری شان تو باورچی کی سی ہے کہ اگر آگ کی تکلیف نہ برداشت کر سکو گے تو پھر لذیذ کھانے کیسے تیار ہو سکیں گے (ہمارے پاس ایک باورچی رہتا تھا بڑا غصہ ور تھا کہتا تھا کہ ہم سے کسی کی بات برداشت نہیں ہوتی اور لوگوں سے لڑ جاتا تھا بالآخر مجھے اسکے اس خلق کی اطلاع ملی تو میں نے ایک دن اسکو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اجی تم یہ کیا کہتے ہو کہ ہم سے کسی کی بات کی برداشت نہیں اور جہاں کسی نے کچھ کہا تم گرم ہو جاتے ہو اور اس سے لڑنے لگتے ہو اس دنیا میں آئے ہو تو یہاں کی چیزیں برداشت کرنی پڑیں گی۔ گرمی برداشت کرنا ہوگی آگ کی تپش برداشت کرتے ہی ہوگے۔ بخار آجائے تو بدن کا درد سر کا درد برداشت کرنا ہوگا، پھوڑے کی تکلیف اور ہر قسم کا رنج و غم سب برداشت کرنا پڑتا ہے اور تم سبکو برداشت کرتے بھی ہو پھر کسی کی بات ہی کے متعلق یہ کیا کہتے ہو کہ ہمکو بالکل برداشت نہیں، غلط کہتے ہو، جانتے ہو بات کیا ہے برداشت جو نہیں ہے تو تکبر کی وجہ سے۔ تمہارے اندر تکبر موجود ہے اسلئے اسکی اصلاح کی ضرورت ہے اور سب چیزوں کیطرح اسکی بھی برداشت ہونے لگے گی۔ بات سمجھ میں آئی یا نہیں؟ سمجھ لیا ہو تو جاؤ اسی کو کہہ رہا ہوں کہ کھانا پکانا ہے تو آگ کی گرمی کی برداشت لازمی ہے) ویسے تو اس دنیا میں تکلیف سے کسی کو نجات نہیں یہاں کی بیماری آزاری کے بعد آخر میں ملک الموت کی (یعنے سکرات الموت کی) تکلیف گوارا ہی کرنی ہوگی۔ پھر پلصراط کی تکلیف کا بھی سامنا کرنا ہوگا۔ بس اسی طرح سے مصائب دنیویہ کو بھی برداشت کروگے تو انھیں بھی برداشت کر لوگے۔

غرض مرزا صاحب کی انکی اہلیہ نے خوب ہی اصلاح کی اور انکی وجہ سے مرزا صاحب کے اخلاق میں تعدیل پیدا ہو گئی اور بہت کچھ اصلاح ہو گئی۔ یہ صحیح ہے کہ عورت آدمی کو بہت کچھ ٹھیک کر دیتی ہے۔ آدمی اگر متدین ہو تو وہ کسی سے عاجز نہیں ہوتا مگر اپنے گھر والوں سے اسکو بھی کبھی عاجز ہو جانا پڑتا ہے۔ یوں مرزا صاحب کے اندر نازک مزاجی چونکہ فطری تھی اسلئے وہ آخر آخر تک باقی رہی لیکن اس میں ان بیوی صاحبہ کیوجہ سے اعتدال ضرور پیدا ہو گیا۔

بہر حال یہ مخالفین کی طرف سے ایذا رسانی طریقۂ قدیم رہا ہے چنانچہ جتنے رسول آئے سب کو ایذا دی گئی اسی کو حق تعالیٰ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاؤُا بِالْبَيِّنٰتِ فَصَبَرُوا عَلٰى مَا كُذِّبُوا وَاُوْذُوا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَّبَاِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ یعنی آپ سے قبل بھی رسولوں کی تکذیب کیجا چکی ہے جو کہ واضح دلائل لیکر آئے تھے لیکن انھوں نے اپنی تکذیب کئے جانے پر صبر کیا اور وہ لوگ ایذا بھی دیئے گئے یہاں تک کہ ہماری مدد آپہونچی اور اللہ کی باتوں (یعنی وعدوں) میں کوئی تبدیلی نہیں ہوا کرتی چنانچہ آپکے پاس رسولوں کی خبریں پہونچ ہی چکی ہیں۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ یعنی آپ بھی صبر فرمائیے جس طرح کہ اور بڑے بڑے دوسرے اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے۔ اور ان مخالفین کی ہلاکت چاہنے میں جلدی نہ کیجئے (ذرا صبر کیجئے اور پھر دیکھئے کہ خدا کو کیا منظور ہے)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و رسل کی تکذیب پہلے زمانہ میں بھی ہوئی اور ان حضرات کو ایذا بھی دی گئی تکذیب رسالت بھی کی گئی اور ایذا جسمانی بھی دی گئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی جیسا کہ اَتٰهُمْ نَصْرُنَا فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ آپ کے پاس تو خبریں ان کے حالات آچکے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ نے انکے صبر کرنے کو ملاحظہ فرمایا لہٰذا آپ بھی جلدی نہ کیجئے بس صبر کیجئے اور معاملہ کو خدا کے حوالے کیجئے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ صبر کا ایسا درجہ ہے کہ یہ شکر سے بڑھا ہوا ہے چنانچہ صبر کی وجہ سے فرمایا ہے وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوا یعنی انکا یہ بدلہ انکے صبر کرنے کی وجہ سے ہوگا یعنی انکو جنت جو ملی یا انھوں نے جنت جو پائی تو یہ صلہ نقصان کے صبر کا اسکو شکر کا بدلہ نہیں قرار دیا۔ پس یہ نہیں ہے کہ خدا کی نعمت پاکر نازک مزاجی اختیار کرلے یہ سب خدا کے یہاں نہیں چلتی۔ اور نہ یہ روا ہے کہ کسی بزرگ کو نازک مزاج دیکھا تو خود مرید بھی نزاکت اختیار کرنے لگ جائے۔ اس بارے میں تقلید محمود نہیں ہے۔ ارے بھائی ان بزرگ کی نزاکت مزاجی تو طبعی ہے اور وہ بزرگ ان سے

راضی کبھی نہیں بلکہ ہر وقت اسکی اصلاح کی فکر میں لگے رہتے ہیں حتی الامکان اتباع شرع میں [illegible] لگائے رکھتے ہیں لہذا مرید کو بجائے انکے طبعی امور میں اتباع کرنے کے شرعیات میں انکی اتباع کرنا چاہیئے۔

حدیث شریف میں آتا کہ اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم العلما ثم الصالحون یعنی سب سے زیادہ بلاء میں مبتلا ہونے والے انبیاء ہوتے ہیں پھر علماء پھر صالحین۔ واوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ علیہ السلام لا یفقد نبی حرمتہ الا فی بلدہ یعنی اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ کوئی نبی اپنی حرمت کو مفقود نہیں پاتا ہے مگر اپنے شہر میں ۔ کعب احبارؓ نے موسیٰ خولانی سے پوچھا کہ تم اپنی قوم کو اپنے حق میں کیسا پاتے ہو وہ بولے کہ مکرمین مطیعین (یعنی وہ لوگ میرا اکرام کرتے ہیں اور میری اطاعت کرتے ہیں) یہ سنکر حضرت کعب نے فرمایا کہ توراۃ تو اسکی تصدیق نہیں کرتی کہا توریت کیا کہتی ہے فرمایا اس میں تو ہے کہ کوئی رجل حلیم اپنی قوم میں نہیں ہوا ہے مگر یہ کہ اسکی قوم میں سے بغاوت اور حسد اس پر نہ کیا گیا ہو۔ ابن عساکر سے مرفوعاً روایت ہے کہ انبیاء کے حق میں سب سے زیادہ بے رغبت انکے قرابت دار ہوتے ہیں۔ اور ابو دردا رضؓ فرماتے ہیں کہ عالم کے بارے میں سب سے زیادہ بے رغبت اسکے گھر والے (بی بی بال بچے) اور پڑوسی ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسکے حسب نسب میں اگر کوئی عیب پاتے ہیں تو اس سے اسکو عار دلاتے ہیں اور اگر عمر بھر میں کوئی گناہ اس سے ہو گیا تب بھی اسکو عار دلانے سے باز نہیں آتے ۔ دیکھئے جلال الدین سیوطی کہتے ہیں کہ کوئی بڑا نہیں ہوا ہے اپنے زمانہ میں جبکی کہ سفلہ (یعنی کم درجہ کے لوگوں) نے مخالفت نہ کی ہو اذا الاشراف لم تزل تبتلی بالاطراف یعنی شریف لوگ ہمیشہ اطراف کے ذریعہ مبتلا کیئے جاتے ہیں۔

حضرت آدم سے لیکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تک سبھی کو اس کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ حضرت آدمؑ کو شیطان نے جنت سے نکلوایا، نوح علیہ السلام کے لیئے حام۔ داؤد علیہ السلام کے لیئے جالوت، سلیمان علیہ السلام کے لئے صخر، عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بخت نصر، ابراہیم علیہ السلام کے لئے نمرود اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا مقابلہ

کرنا پڑا یہاں تک کہ ہمارے پیغمبر حضرت خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ابوجہل تھا اسی طرح صحابہؓ کو دیکھئے انکو بھی طرح طرح کی مصیبتیں پیش آئیں۔ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ صحابی کے دشمن آپسمیں مل کرا نکا مذاق اڑایا کرتے تھے اور عبداللہ ابن زبیرؓ کو ریا اور نفاق سے منسوب کیا گیا تھا' انکے سر پر گرم پانی ڈالدیا تھا جس سے چہرہ انکا جھلس گیا تھا مگر چونکہ وہ نماز میں تھے لہٰذا انکو خبر تک نہ ہوئی ویسے انکی نماز کو ریا سے تعبیر کرتے تھے کہ نماز انکی ریائی ہے جو ہر وقت پڑھتے رہتے ہیں۔ جب نماز سے فراغت ہوئی تو پوچھنے پر فرمایا کہ مجھکو کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ پھر ایک زمانہ تک اسکی تکلیف میں رہے اور صبر کیا۔ ابن عباسؓ صحابی کو اشد ایذا پہونچائی گئی ان کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ قرآن شریف کی تفسیر بلا علم اپنی رائے سے کرتے ہیں سعد ابن ابی وقاصؓ کو کوفے کے جہال ایذا دیتے تھے۔ حضرت عمر ابن خطابؓ سے شکایت کی گئی کہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے۔

یہ صاحب جنھوں نے خط لکھا ہے لکھتے ہیں کہ جواب پانے پر شرح صدر ہوا اور یہ مذکورہ بالا عبارت جو میں نے عبدالوہاب شعرانی کی کتاب سے نقل کرکے بھیجی تھی اس سے بہت خوش ہوئے کہ ان لوگوں کے مقابلے میں اب ہمارے اوپر اتنی مصیبتیں کہاں ہیں۔ لکھتے ہیں کہ اغیار سے بحث نہیں بلکہ مسلمان خود اپنوں ہی سے اس پر آشوب زمانہ میں مصیبت میں گرفتار ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ بے صبر ہو کر یقین تک کھو بیٹھے ہیں اور یاس و قنوط میں مبتلا ہیں اور شکوہ و شکایت کے ایسے کلمات زبان پر لاتے ہیں کہ وہ کسی طرح انکو زیب نہیں دیتا (راقم عرض کرتا ہے کہ آج عام طور سے بہت سے پڑھے لوگ بھی جب اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کریں گے تو ان لفظوں میں کہ ؎

حق پرستوں کی اگر کی تو نے دلجوئی نہیں طعنہ دینگے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

یہ کچھ اچھا عنوان نہیں ہے اور خلاف واقعہ بھی ہے۔ جنکو حق پرست کہا جاتا ہے انصاف کے ساتھ اگر انکا تجزیہ فرمایئے گا تو کوئی نفس پرست ہوگا کوئی جاہ پرست کوئی زر پرست کوئی کچھ پرست کوئی کچھ پرست۔ غرض غالب اکثریت غیر اللہ پرست ملے گی۔ حق پرست

آج آپ کو کتنے ملیں گے؟ دوست کیجانب سے یہ بے رخی مخلا کے اسباب میں سے ہے اسکے ازالہ کی ضرورت ہے اسی کو حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ آج لوگ صفات تو اختیار کئے ہوئے ہیں کفار و منافقین کی سی اور حق تعالیٰ کی جانب سے اس پر انعام چاہتے ہیں وہ جو خدا نے مخلصین اور صالحین کو عطا فرمایا تھا، یہ کیسے ہو سکتا ہے پھر ایسے حالات میں اظہار ندامت توبہ و استغفار کی ضرورت ہے نہ کہ استحقاق جتانے کی۔ عجب نہیں کہ یہ بے ادبی شمار ہو جائے ۔

غم چو بینی زود استغفار کن غم بامر خالق آمد کار کن

بزرگوں کی تو یہ تعلیم ہے کہ جب مصائب آئیں تو توبہ و استغفار میں جلدی کرو یہ مصیبت خدا تعالیٰ کی جانب سے تمہارا کام ہی بنانے کے لئے آئی ہے)۔

باقی جو لوگ زبان سے نکالتے رہتے ہیں اسکا سبب یہی ہے کہ یہ سب اس حکمت ہی سے غافل ہیں کہ مصائب و آلام جو نازل ہوا کرتے ہیں تو اس میں عمل کا مطالبہ ہے بندے سے اور اسکا امتحان ہے۔ بزرگوں نے لکھا ہے۔ شعر۔ ایں بلا دوست تطہیر شماست دوست کی جانب سے یہ آزمائشیں تمہاری درستگی کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ اور سچ پوچھو تو ایسے معاملہ میں حزن و رنج تو ہے مگر اسکے علاج و تدبیر سے واقف نہیں حالانکہ سورہ ہود و تغابن میں اسکا ذکر ہے۔ دعا کے منافع اور تاثرات کے مسئلہ کو بہت کم سمجھتے ہیں حالانکہ دعا مغز عبادت ہے مومن کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ پاک پروردگار جس طرح چاہے قبول کرے ہمکو اسکی فکر نہ کرنی چاہیئے۔ عوام دعا رد ہونے پر اپنے کو مبغوض اور قبول ہونے پر اپنے کو مقبول سمجھتے ہیں۔ آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کا کوئی دلی دوست ہوتا ہے تو وہ ایک ہی دن میں ایسا ہو جاتا ہے؟ نہیں بلکہ مدتوں کے بعد کسی سے دل ملتا ہے اور دوستی پکی ہوتی ہے اور باہم اعتبار قائم ہوتا ہے۔ اچھا ایک بات اور پوچھتا ہوں کہ اپنی بی بی سے جب وہ تمہاری بات کو رد کر دیتی ہے تو کیوں نہیں مطالبہ کرتے کہ تم نے کیوں رد کر دیا۔ کتنے موقعہ پر وہ تمہاری بات کو رد کر دیا کرتی ہے لیکن پھر آپ اسکو برداشت کرتے ہیں اور اس سے راضی رہتے ہیں تو بتلاؤ کہ آخر خدا کے بارے میں

تمہارا یہ بیہودہ پن کیسا ہے جبکہ قرآن و حدیث ناطق ہے وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش کرتے ہیں ہم انکو اپنی راہ دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔ کیا آسان چیز یہی ہے کہ دعا کی باریابی کیوں نہیں؟ خدا تعالیٰ سے تعلق اور وہاں کی باریابی اور دعا کی مقبولیت اور اسکے شرائط پر بھی کبھی نظر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے والذین جاھدوا فینا تو کیا بغیر مجاہدہ کے ہر طرح کی کامیابی چاہتے ہو، اور چاہے منافق ہی کیوں ہو چاہتے ہو کہ کامیابی ہوجائے اور جہاں کامیابی نہ ہوئی بس زبان دراز ہوجاتی ہے۔ سنبھل کر بیٹھے اور سینئے آپ اپنا گھر تو سنبھال نہ سکے اور بی بی تک موافق نہ بن سکی اور کہیں شوہر موافق نہیں بعض جگہ بی بی موافق نہیں بعض جگہ دونوں طرف سے نفرت اور بعض جگہ ایک طرف سے نفرت ہے۔ اس زمانہ میں میاں بیوی دونوں موافق نظر آئیں ایسی مثالیں کم ہیں مگر ایک دوسرے کے ساتھ نباہ کیا جاتا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی اور خیال کیوں ہے؟ آخر دماغ صحیح کیوں نہیں کرتے اور مجاہدہ سے کیوں گھبراتے ہیں جبکہ انبیاء اولیاء سب نے مجاہدہ کیا ہے اور صبر کیا ہے ہر طرح کی مصیبتیں جھیلیں ہیں آیت اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا آمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ یہ آیت آمنا کہنے والوں کی آزمائش کو بتلا رہی ہے کہ وہ لوگ طرح طرح کی آزمائش میں رہے مگر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اب لوگوں نے گمان کر لیا ہے کہ بس آمنا کہہ لیا اور دعوے دار ہوگئے کامیابی کے، آزمائش اب نہ کبھی ہوگی۔ آزمائش کا سلسلہ جبکہ سلف سے چلا آرہا ہے اور پہلے لوگوں کی آزمائش کی گئی ہے تو آخر آپ اتنے بھولے کیوں بن گئے ہیں؟ بس یہی چاہتے ہو کہ ہم لوگوں کی آبرو کو پارہ پارہ کردو یعنی صلحا کی غیبت و شکایت کیا کرو، یہ تمکو آسان سے بات یہ ہے کہ علم سے کام نہیں لیتے۔ اور یہ تو بتاؤ کہ خدا سے تعلق تمہارا ہوا کب ہے؟ جب تم نے کچھ کیا نہیں تو پھر تعلق ہو کیسے؟ نہ خود کچھ کیا اور نہ متعلقین کی پرواہ رہی کہ انکو اہل بنا سکتے بس اسی طرح سے وقت گذارا اور تمنا ہے کامیابی کی اور درجات کی دیکھو

نص ہے کہ آزمائش ضرور ہوتی ہے۔ عتاب کبھی تو ظاہری ہوتا ہے اور کبھی باطنی اولیاء اللہ ہمیشہ ثابت قدم رہتے ہیں آپ کی طرح الجھتے نہیں ؎

اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش
باغباں گر چند روزے صحبت گل بایدش بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش

(یعنی اے دل محبوب حقیقی کی زلف کے بند میں الجھکر پریشانی اور تکلیف کی شکایت مت کر بلکہ ہوشیار پرندہ جب جال کے اندر پھنس جاتا ہے تو تحمل اور برداشت سے کام لیتا ہے ورنہ تو جتنا تڑپو گے جتنا جال کے اندر جال پھنسے گا کھال کے اندر۔ اے باغبان اگر تجھکو صرف چند روزہ گل کی صحبت درکار ہے تو اس کے حصول کے لئے ہجر کے کانٹے جو تجھ پر ظلم کریں ان پر بلبل کا سا صبر بھی چاہیئے) یعنی جیسے کہ بلبل کانٹوں کے لگنے پر صبر کرتی ہے اسی طرح تم بھی ہجر پر صبر کیا کرو۔ کیا آپ اپنی رائے سے اللہ کا راستہ طے کریں گے یا کسی سے پوچھیں گے بھی کہ راستہ کیا ہوتا ہے کہاں سے ملتا ہے۔ دعا کی مقبولیت اور مردودیت تو آپ بہت سوچا کرتے ہیں اچھا یہ تو بتلائیے کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپکی دعا رد یا قبول ہوئی جب عافیت ہوتی ہے تو مقبول سمجھتے ہیں اپنے کو اور جب تنگی میں ہوتے ہیں تو بدظن ہو جاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسکو کفار کی صفت بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ (الآیۃ)
یعنی انسان کی جب اللہ تعالیٰ آزمائش کرتے ہیں اور اسکا امتحان لیتے ہیں اسکا اکرام کرتے ہیں اور اسکو انعام دیتے ہیں۔ اور یہ بھی ابتلاء ہی ہے اس میں اللہ تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں کہ بندہ شکران نعمتوں کا ادا کرتا ہے یا نہیں۔ یہ آیت قرآن میں کافروں کے بارے میں ہے تو اسی سے مسلمانوں کو بھی اپنے حالات کا جائزہ لینا چاہئے۔ اسلئے کہ ان ربک لبالمرصاد بے شک تمہارا رب گھات میں ہے تو جو آخرت کے طالب ہیں وہ آخرت کے لئے سعی کرتے ہیں اور جو دنیا چاہتے ہیں وہ اسی کو اہم سمجھتے ہیں اگر پالیا دنیا تو راضی ہو گیا اور اگر نہیں پایا تو محروم و شاکی ہے

(باقی آئندہ)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط

(ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے)

حالاتِ

وفاتِ مُصْلِحُ الاُمّۃ رح

مرتبہ

عبدالرحمان جامی یکے از خدام خانقاہ وصی اللّٰہی

بانتظام

دفتر وصیۃ العرفان - ۲۳ بخشی بازار الٰہ آباد ۳

اسرار کریمی پریس جانسین گنج الٰہ آباد میں طبع ہوئی

اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء قیمت دو روپے

نقل مکتوب گرامی جناب مولوی عبدالرحمن صاحب جامی مدظلہٗ

صدیق حزیں اسکن اللہ نار حزنکم بنور نسبتہ و محبتہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

تمنا اگرچہ محال کی بھی جاتی ہے تاہم اپنے بارے میں حج کی تمنا کیا تصور میں بھی کبھی اس کا خیال نہیں کر سکا تھا۔ مگر بقول قائل ؎

بود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(ترجمہ) ایک چیونٹی کو یہ خواہش ہوئی کہ کعبہ شریف میں پہونچ جائے تو اس نے کبوتر کا پاؤں پکڑ لیا اور بیت اللہ تک پہونچ گئی

اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت والا کے کرم سے وہ دن آیا کہ آپ لوگوں کو ساحل پر غرق حسرت کئے ہوئے ہم لوگ روانہ ہوئے اور حاجیوں کے جہاز نے لنگر اٹھا دیا۔ عجیب منظر تھا۔ حضرت والا کرسی پر باہر جلوہ افروز تھے اور سب لوگ ٹکٹکی باندھے حضرت کو دیکھ رہے تھے حضرت بھی مغموم تو تھے مگر محبین کے مجمع اور ان کی محبت کے مظاہر سے مسرور بھی تھے۔ میں بھی محو حیرت بنا کرسی کے پاس کھڑا تھا کہ یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے غم و سرور کا ایسا سخت مقابلہ تھا کہ دونوں ہی قسم کے آنسو خشک تھے۔

بہرحال ایک گوشہ میں آپ بھی نظر پڑے۔ ساکت و صامت آپ کی بھی ہیئت کذائی زبان حال کہہ رہی تھی کہ یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے ؎

ھوای مع الرکب الیمانین مصعد جنیبٌ و جثمانی بمکۃ موثقٌ

میرا محبوب تو یمن کے قافلہ کے ساتھ دور چلا جا رہا ہے اور میرا جسم مکہ میں بیڑیوں سے بندھا ہوا ہے۔

فجئت لمسراها وانی تخلصت ‌ الی وباب السجن دونی مغلقٌ

مجھکو اس بات سے تعجب ہے کہ آخر وہ میرے پاس یعنی میرے خیال میں کیسے پہونچا جبکہ قید خانہ کا دروازہ مجھ پر بند رکھا گیا ہے۔

المت فحیت ثم قامت فودعت ‌ فلما تولت کادت النفس تزھق

یہ محبوب میرے پاس آیا اور تھوڑی دیر ٹھہرا پھر کھڑا ہوا اور سلام کرکے رخصت ہوگیا پھر جب چلا گیا تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ ابھی دم نکلا۔

جہاز چھوٹا یا حضرت چھوٹے۔ جہاز گھوما تو کمرہ کی کھڑکی سے پھر ساحل کا مجمع نظر آیا۔ آپ لوگ جس طرح سے دیکھتے تھے حضرت بھی دیکھتے رہے۔ فرماتے تھے، اب کیا نظر آتا ہوگا۔ اور یہاں سے بھی بھیڑ ہی نظر آرہی ہے۔ تشخصات تو غائب ہوگئے۔ اور ذرا آگے بڑھے تو بس اس کا مصداق تھا کہ ؎

مڑ کر جو میں نے دیکھا امید مر چکی تھی
پٹری چمک رہی تھی گاڑی گذر چکی تھی

تھوڑی دیر میں ساحل پانی کی اوٹ میں تھا۔ اور ایک ساحل کیا سارے آسمان کا یہی حال تھا۔

بھائی سلیمان صاحب امیر الحج مقرر ہوئے۔ کسی نے عصر کی اذان دی۔ چار چھ جگہ جماعتیں ہوئیں۔ ہم لوگوں نے ڈی لکس کے ہال میں حضرت والا کے ساتھ نماز پڑھی۔ ہم لوگوں کی سیٹوں سے حضرت کے جائے قیام کا فاصلہ بس یہ سمجھئے کہ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب اپنے مکان پچھلی کوٹھی سے حضرت کے پاس جلد آجائیں اور ہم لوگ اپنی سیٹ سے حضرت تک شاید دیر میں ہی پہونچیں امیر الحج صاحب نے حضرت سے فرمایا کہ مائک پر اذان ایک ہوگی جماعتیں لوگ الگ الگ کرینگے۔ اس کے لئے موذن کے تعین کا مجھے اختیار ہے، اجازت ہو تو جامی صاحب سے کہدوں وہی اذان دیا کریں۔ اب سمجھ میں آیا کہ ٹرک اور موٹر کے شور میں اتنے دنوں اذان کی مشق اس لئے کرائی گئی تھی کہ سمندر کی ساکن اور خاموش فضا میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ مخلوق اللہ کا نام چلتے چلاتے اس قافلہ سے سن لے، خدا معلوم اس سے قبل کب یہاں کس نے اذان دی ہوگی مغرب پڑھی۔ عشاء پڑھی۔ دوا۔ تیل سب معمول پر آگئے۔ صبح حاضر ہوا یعنی پنجشنبہ کی صبح کو (۲۳ر نومبر ۷۲ء) فرمایا نیند خوب آئی طبیعت اچھی ہے۔ سفر حج کا تھا۔ ذکر و تلاوت

نماز و دعا مشغلہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ دیکھا کہ اللہ کے بندے رات بھر پڑھتے رہے جو رتیں بھی ہاتھ میں تسبیح لئے نظر آئیں۔ نماز کے وقت پر وضو کی ہما ہمی خوب رہتی۔

جب ادھر جو ملا تو اوپر ہی جہاں حضرت کرسی پر بیٹھے تھے، کرسی رکھ کر ہاتھ میں تسبیح لیکر اکثر بیٹھا رہتا کبھی وہیں تلاوت کرتا۔ حضرت نے لوگوں کو بلایا نہیں۔ دوا کے لئے جاتا تھا ذرا دیر بیٹھ کر چلا آتا تھا۔ کبھی کبھی حاجی جی سے فرماتے، کہاں جا رہے ہو حاجی جی؟ انہوں نے کہا کمرے میں جا رہا ہوں۔ فرمایا نہیں یہ نہیں کہہ رہا ہوں! کہاں چل رہے ہو سمجھے، کہا جی ہاں سمجھا۔

ہاں پنجشنبہ کو دوپہر کو مجھے بلوایا اور دو بات فرمائی۔ (۱) فرمایا کہ تم نے بمبئی میں کیا دیکھا اور یہاں کیا دیکھ رہے ہو ان سب باتوں کو لکھو شاید کسی اللہ کے بندے کو کچھ نفع ہو تم کو اسی لئے ساتھ لایا ہوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ لوگوں کے سامنے کتاب سے حج کے مسائل بیان کرو، کچھ وقت اس میں گذرے۔ لوگوں کو علم ہو جائیگا۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ کل سے اسی وقت بیان کروں گا۔

چند اوقات نماز ہونے کے بعد لوگوں کو حضرت کا۔ اور جماعت ہونے کا پھر قاری صاحب کی قرأت کا جوں جوں علم ہوتا گیا۔ یہاں کی جماعت کا مجمع بہت بڑا ہو گیا۔

عشاء میں ایک صاحب نے پوچھا کل جمعہ کی نماز کے بجے ہوگی۔ کہدیا گیا کہ ہم لوگ سفر میں ہیں مسافر پر جمعہ نہیں ہوتا، ظہر ہی کی نماز ہوگی۔

آج بھی حضرت بالکل اچھے رہے۔ شب جمعہ بھی اچھی گذری۔ جمعہ کو ظہر سے ذرا پہلے مجھے بلوایا فرمایا کہ احرام وغیرہ کا مسئلہ ذرا ٹھیک سے بیان کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت معلم الحجاج سے سنانے کا خیال ہے اول تو اس میں جدہ سے احرام کا مسئلہ ہے ہی نہیں دوسرے ابتدا ئیں آداب وغیرہ کا ذکر ہے۔

اور میں نے یہ سوچا ہے کہ یوں کہہ دوں گا کہ مولانا شیر محمد صاحبؒ کی یہ تحقیق ہے۔ اور حضرت کو اس پر اطمینان ہے۔ باقی جسکو تردد ہو وہ شبہ میں نہ پڑے یلملم ہی سے باندھے کیونکہ احرام کی تقدیم تو بہر حال جائز ہے اور جو آسانی چاہتا ہے اور ہم پر اعتماد کرتا ہے تو مسئلہ یہی صحیح ہے۔ چنانچہ ہم بھی احرام جدہ ہی سے باندھیں گے۔ فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے

بس اس کے علاوہ مجھے نہیں بلایا۔ اور شاید کسی کو بھی نہیں بلایا۔ بس کھڑکی سے سمندر اور پانی ہی کو برابر دیکھتے رہے۔ کبھی کبھی ادھر سے کوئی آدمی گذرتا تو کھڑکی ہی سے مصافحہ کر لیتے۔

جمعہ (۲۴ر نومبر) کو عصر کے بعد حسب معمول دوا کھلانے آیا۔ اس وقت ایک صاحب ممتاز کیل (احمد نامی مولانا عبیدالرحمن صاحب کے شاگرد۔ بعد میں تو ان سے میں بھی واقف ہو گیا، دوندیپور میں رہتے ہیں۔ سی۔او۔ڈی میں ملازم ہیں۔ یہ صاحب آئے یہی وہ صاحب ہیں جو جہاز پر بوقت روانگی حضرت کے بائیں جانب کھڑے تھے یا بیٹھے تھے۔ داہنی جانب مولوی نثار صاحب پیچھے احقر تھا، اس وقت بھی میں نے دیکھا کہ ایک اجنبی حضرت سے اتنا قریب کیوں ہے۔ ان کو اشارہ سے پیچھے بلا کر پوچھا۔ آپ کون ہیں۔ کہا میں بھی الہ آباد کا ہوں۔ دوندی پور میں رہتا ہوں، میری بابت مولوی عبیدالرحمن صاحب نے حضرت کو لکھا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ ہاں کسی کے لئے لکھا تھا کہ جوان صالح ہیں حج کو جا رہے ہیں۔ مجھے ان کے حالات پر رشک آتا ہے۔

بہرحال یہ صاحب حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ میں نے سفارشاً عرض کیا حضرت یہ بھی الہ آباد کے ہیں۔ مولوی عبیدالرحمن صاحب نے آپ ہی کی بابت لکھا تھا۔ فرمایا اچھا۔ میں نے کہا کسی دن شام کو ہو جائیں گے۔ فرمایا ہاں یہ بیعت ہی ہیں۔ یہ فرما کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ تم کو سلسلہ میں داخل کر لیا۔ سبحان اللہ!

یہ جوان حضرت والا کے سب سے آخری مرید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ہم سب پر رحم فرماوے۔ اس کے بعد میں چلا آیا۔ حسب معمول مغرب کے لئے ہال میں تشریف لے گئے۔ نماز کے بعد کمرہ میں آکر سنت پڑھی۔ اس کے بعد استنجے گئے۔ وہاں سے کیفیت کے ساتھ واپس آئے۔ ممتاز سے کہا۔ مجھے کیسا دیکھتے ہو۔ ایک صاحب بمبئی میں کہتے تھے غصہ نہ کیجئے۔ طویل سفر کرنا ہے۔ یہ کیسا ہے؟ اسی اثنا میں جہاز کے مطبخ کے ایک مسلمان آفیسر عبدالحمید خاں صاحب آ گئے جوہری الصوت تھے۔ کہا حضرت میں نے دنیا کا عیش بہت کر لیا۔ اب دعا کر دیجئے کہ میری آخرت درست ہو جائے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔ بہت اچھا۔ دعا کرتے ہیں۔ اسی اثنا میں کھانا آ گیا اس نے کہا حضرت کھانا اچھا ہوتا ہے۔ فرمایا کہ نہایت اچھا ہوتا ہے کہا کچھ اور ضرورت ہے۔ فرمایا کہ کچھ چپاتی بھجوا دیجئیگا۔ یہ فرما کر ان سے تو فرمایا کہ اچھا اب جائیے پھر آئیگا۔ ممتاز نے کہا حضرت

کھانا آگیا ہے۔ لاؤں۔ ممتاز کہتے ہیں کہ حضرت کے چہرہ پر تغیر کے آثار دیکھ کر میں ڈر گیا اور کمرہ سے باہر جاکر ارشاد سے کہا کہ کھانا آج تم کھلادو۔ ارشاد آئے۔ حضرت خاموش ایک طرف دیکھ رہے تھے وہ اور زیادہ ڈرے واپس جاکر کہا کہ نہیں تم ہی جاکر کھلاؤ۔

پھر ممتاز اندر گئے تب اندازہ ہوا کہ حضرت پر دورے کے آثار ہیں۔ گھبرا کر قاری صاحب کو آواز دی اور ہال کمرے سے بلا کر لائے۔ قاری صاحب آئے۔ تو فرماتے ہیں کہ حضرت نے مجھے دیکھ تو لیا مگر بولے نہیں۔ اس سے میں ڈرا کہ کیا ہوا۔ بھاگے ہوئے ہم لوگوں کے درجہ میں آئے کہ چلئے حضرت کی طبیعت اچھی نہیں ہے ہم لوگ بھاگے ہوئے گئے تو بیٹھے تھے مگر آنکھیں چڑھی ہوئی اور ہوش غائب ہو چکے تھے لٹا دیا گیا۔ ڈاکٹر (جہاز) کا بلایا گیا۔ اس نے ذرا ذرا وقفہ سے دو سوئیاں دیں۔ حضرت کو متلی اور قے ہونے لگی اور کافی قے ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے معدہ میں آہستہ آہستہ کچھ جمع ہوگیا تھا جس کا اندازہ نہ ہوسکا۔ بالآخر اسی حالت میں ہم لوگوں نے عشاء کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد تک قے کا سلسلہ وقفہ سے رہا مگر اٹھتے نہیں تھے۔ بس لیٹے ہی لیٹے بے ہوشی میں قے ہو رہی تھی مگر تھوڑی ہی دیر میں سانس برابر آنے لگی جس سے اندازہ ہوا کہ کچھ آرام ہوگیا ہے اور اب شاید حضرت سو گئے ہیں۔ کچھ لوگ پاس رہے ہم لوگ باہر ہی سو رہے کہ ۱۱½ بجے لوگوں نے جگایا کہ حضرت کو ہچکی آرہی ہے۔

میں جس وقت پہونچا حضرت تشریف لیجا چکے تھے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) زندگی کی ملاقات بعد عصر اور زیارت نماز مغرب پڑھ کر آتے وقت ہوئی تھی۔ اب اس کے بعد کیا ہوا ہوگا۔

ہم لوگ گویا سکتہ کے عالم میں ہوگئے کہ یہ کیا ہوا۔ ماشاء اللہ قاری صاحب سنبھلے ہوئے تھے۔ اوروں کو سنبھالا۔ ہم لوگ تو اپنی عقل اور اپنا ہوش کھو چکے تھے بہرحال مل کر سوچا کہ کیا کیا جائے۔ رائے ہوئی کہ سفیر عرب کو جدہ۔ امجد اللہ صاحب کو مدینہ۔ اور سیٹھ ستار صاحب کو بمبئی تار دیا جائے۔ دیا گیا۔ کہ کیا کیا جائے؟ قدوائی صاحب کا جواب آیا کہ جدہ تک لا سکئے تو لائیے ہم حکومت میں کوشش کر رہے ہیں۔ ادہر جہاز کے افسران مہربان ہوگئے۔ سب انتظام کا وعدہ کیا۔ اس لئے جسد والا کو محفوظ کر دیا گیا۔

حاصل یہ کہ جس صبح کو جدہ اترنا تھا۔ اس رات تک پھر قدوائی صاحب کا دوسرا تار نہیں ملا کہ آیا انتظام ہوا یا نہیں۔ اور میت کے بارے میں سعودی حکومت کے قوانین سخت ہیں۔ نیز کپتان کے لئے بھی کسی ساحل پر لاش لیجانا جرم ہے۔ اس لئے اس نے کہا کہ اب دو ہی صورت ہے۔ (۱) یا تو آپ لوگ آج رات کے کسی حصے میں تجہیز و تکفین کر لیں یا

(۲) ہم جدہ تک چل سکتے ہیں۔ مگر اجازت نہ ہوئی تو پھر آپ سب کو اتر جانا ہوگا اور لاش ہمارے حوالے کر دیجئے گا۔ ہم سواری اتار کر پیچھے لوٹ کر سمندر میں اپنے مسلمان ملازمین سے تجہیز و تکفین کرا دینگے۔ اس ثانی صورت کے تصور سے ہم لوگ کانپ گئے۔ میں نے کہا کہ ہم لوگوں کو بھی واپس لانا پھر پہونچا دینا۔ اس نے کہا نہیں، پھر کہا گیا کہ اچھا ہم غسل و کفن دیکر نماز جنازہ پڑھ کر جدہ چلیں اگر وہاں اجازت نہ ہوئی تو پھر تم اور مسلمانوں سے دفن کرا دینا اتنا ہم مان سکتے ہیں۔ اس نے کہا کہ نہیں اب ہم لاش نکال کر پھر نہیں رکھیں گے۔

یہ وقت ہم لوگوں کے لئے بڑا صبر آزما گذرا۔ مگر میں نے کہا کہ زکی بھائی ثانی صورت تو گوارا نہیں۔ اب لیکر اس نے صرف ایک گھنٹہ کا موقع دیا ہے تو بسم اللہ کیجئے۔ حج کے سفر میں بہت سے اللہ والوں کی قبر سمندر میں بنی ہے۔ چنانچہ زکی کی بھی رائے ہوئی اور قاری صاحب کی بھی ہوگئی۔ شاید عورتوں سے پوچھا انھوں نے بھی یہی کہا کہ پھر تو اپنے ہاتھ سے کرنا زیادہ مناسب ہے۔

صبح نو دس کا وقت رہا ہوگا۔ سامنے جدہ نظر آرہا تھا کہ جہاز ہی پر ایک طرف کونے میں ہم لوگوں نے حضرتؒ کو غسل دیا اور اس سے ذرا نیچے جہاں سیڑھی لگتی ہے ذرا سا میدان سا ہوتا ہے وہاں نماز جنازہ ادا ہوئی۔ جگہ کی کمی تھی ورنہ آدمی بہت تھے۔ اس کے بعد ایک دروازہ سے اس طبقہ کے نیچے طبقے میں جنازہ لے گئے۔ ہم لوگ کنارہ پر جھک کر دیکھ رہے تھے۔ مجمع کی کثرت سے مجھے جگہ ایسی ملی کہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ بہر حال ایک بکس میں رکھ کر کسی وزنی چیز کے ساتھ سمندر میں اتار دیا۔

چنانچہ یہ بحر علوم کتاب و سنت بحر عرب میں جا ملا۔ اور آفتاب تصوف بحر عرب میں ہمیشہ ہمیش کے لئے غروب ہوگیا۔ اور یہ عالم ہمارے لئے تاریک ہوگیا۔ (اناللہ)

قاری صاحب نے فرمایا کہ بس حضرت ہم لوگوں کو پہونچانے ہی تشریف لائے تھے بیچ بیچ تک تو جسم وروح دونوں سے پہونچایا اور جدہ تک صرف جسم سے پہونچا کر چل دیئے۔

میں نے عرض کیا کہ جن کا حج زیارت کردن کعبہ تھا ان کو دور ہی سے اس کا راستہ بتادیا اور اپنا حج چونکہ حج رب البیت تھا اس لئے خود وہ راستہ اختیار فرمایا۔ ؎

ایں رہ بسوئے کعبہ برد واں بسوئے دوست

(اضافہ از مکتوب زکی اللہ صاحب)

(اس کے آدھ گھنٹہ بعد سفیر ہند قدوائی صاحب کشتی کے ذریعہ آئے اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ سب کام ختم ہو چکا ہے تو انھوں نے اپنا سر پیٹ لیا۔ جب تفصیل بتلائی گئی تو ان کی زبان سے یہی نکلا کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا۔

ساحل سمندر پر مکہ کے لوگ خصوصاً علماء مکہ کافی تعداد میں موجود تھے اور حکومت نے جنت المعلیٰ میں دفن کرنے کی اجازت بھی دے دی تھی۔ مگر مشیت الٰہی کہ سب کچھ ہونے کے باوجود ہم لوگوں کو اطلاع نہ ہو سکی۔ اگرچہ قدوائی صاحب نے ہمارے تار کا جواب بھی دیا مگر مرضی الٰہی وہ تار ہلوگوں کو نہیں ملا۔ بہرحال اب صبر کے سوا چارہ نہیں۔)

اتنا بڑی ہی مشکل سے لکھا اور اتنے دنوں میں لکھا۔ طبیعت لکھنے پر آتی ہی نہیں تھی۔

بہرحال حادثہ عظیم ہو گیا۔ اور سب لوگوں کا تو ایک وقت دوسرے کام میں ایک وقت حضرتؒ کے پاس گذرتا تھا اور جس کا شب و روز کا مشغلہ ہی حضرت کا قرب رہا ہو اس کے لئے یہ بعد کیسا گذرا ہوگا۔ مگر تقدیر ایزدی میں دم مارنے کی کس کی مجال۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر فرمایا ہم اس پر راضی ہیں اور جس طرح مقدر فرمایا اس میں ہزاروں حکمتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر دے اور حضرت والاؒ کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑنے اور اس پر چلنے کی توفیق دے تاکہ حضرت اقدسؒ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا ذریعہ بنادے۔

اپنے لئے طالب دعا ہوں، اللہ تعالیٰ نے جس طرح سے اپنے فضل و کرم سے یہاں پہونچایا ہے تو یہاں کی برکتیں بھی عطا فرمائیں۔ (اس وقت مسجد نبوی میں معتکف ہوں، آپ لوگوں کے لئے گڑگڑا کر دعا کرتا ہوں) والسلام

دعا جو جامی غفرلہ

یکشنبہ، ۲۳ رمضان ۱۳۸۰ھ

نقل مکتوب گرامی محترمی جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

از مدینہ منورہ

از بندہ محمد مبین عفی عنہ

بتاریخ ۲۳ شوال ۱۳۸۰ھ

برادرم عزیزم مولوی قمرالزماں و نورالہدی سلمہم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بہت دنوں سے لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں مگر ادھر تو سانحہ عظیمہ کیوجہ سے دل چور چور اور پھر سفر کی ہماہمی نصف رمضان مکہ شریف میں تو یوں گذرا۔ اور الحمدللہ بہت بہتر گذرا پھر مدینہ شریف آنے کے بعد ذکیہ مرض پیچش و بخار میں مبتلا ہوئی۔ خیر وہ صحتیاب ہوئی۔ اسکے بعد معاً ہی عطیہ خسرہ چیچک میں مع کھانسی وغیرہ کے مبتلا ہوئی۔ اور سردی سخت اپنے شباب پر نمونیہ وغیرہ ہوجانیکا پورا خطرہ اور اس کے اسباب جمع۔ طبیعت گھبرانے لگی۔ یا اللہ اب کیا کریں اور کہاں جائیں اس در کے علاوہ اب کون درہے کہاں امان ملیگی اور اب کون ہمارا دردی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے وہ بھی صحتیاب ہوئی اسکے بعد احمد عظیم اور احمد مکین اسی مرض کے شکار ہوئے رمضان شریف تو یوں گذرا اسکے بعد میں خود خونی بواسیر میں مبتلا ہوا۔ اور خلاف معمول خون بھی آیا۔۔ اس کی ترکیب کی تو کچھ سکون ہونے لگا۔ تو معدہ کا مریض ہوگیا۔ اور پریشان کن بات تو یہ کہ فم معدہ پر ایک قسم کی ٹیک اور چلک اور اٹھتے بیٹھتے تکلیف۔ پھر تو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اس کا اپنی طبیعت پر اور اہل خانہ کی طبیعت پر جیسا کچھ اثر ہے اسکو کیا کہوں۔ بہرحال انگریزی دوائیں کھا رہا ہوں۔ ٹیک تو کم ہوگئی۔ مگر بوجھ سا رہتا ہے۔ جو دوا کہ میں ساتھ لایا ہوں وہ بالکل کام نہیں کرتی۔ فی الحال بواسیر اور تکلیف فم معدہ دونوں میں مبتلا ہوں۔ دعائے صحت آپ سب حضرات سے چاہتا ہوں۔ خیر جتنے ایام اس مقدس سرزمین پر گذر گئے یا گذر رہے ہیں اچھے گذرے اور گذر رہے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے ان کا کرم ہے۔

عزیزم! اس سانحۂ عظیمہ کے متعلق کیا لکھوں۔ جتنا کچھ بھی لکھوں وہ کم ہے مگر لکھا نہیں جاتا اور لکھوں تو کس دل سے لکھوں نہ تو اب وہ دل ہی رہا اور نہ وہ جذبات وولولہ ہی رہے۔ دل شکستہ۔ ہمت و حوصلہ پست۔ دل و دماغ حیران و پریشان آہ آہ! گھر سے چلے تھے تو کس شہنشاہی حالت میں چلے تھے۔ کیسا دل و دماغ لے کر چلے تھے۔ دل میں کیسے کیسے جذبات وولولے کھیل رہے تھے اچھل رہے تھے۔ دل کی کلی کلی کھلی تھی۔ بہار ہی بہار تھی۔ یکایک ایسی باد خزاں چلی کہ اپنا سارا گلستاں اجڑا ہی نہیں بلکہ جل بھن گیا۔ نہ تو اس کے نشانات ہی رہے اور نہ کوئی علامات ہی باقی رہی۔

عزیزم! وہ بھی ایک وقت تھا اور یہ بھی ایک وقت ہے کہ اب اپنے آپ کو کس بیکسی اور کس بیرسی کی حالت میں پا رہا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ہی ہوں یا میں کوئی اور ہوں۔ اللہ اللہ خواب میں اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں یا حالت بیداری میں۔ بھائی جب گھر سے نکلے تھے تو کیا دولت لیکر نکلے تھے۔ ایک محی السنۃ۔ عالم ربانی۔ محبوب عالم کی معیت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تاجدار مدینہ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے نکلے تھے۔ عاشق نائب رسولؐ کی گرویدگی کا کیا عالم تھا جیسے شمع پر پروانے ٹوٹے پڑتے ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کسی نے خوب کہا ہے جسکو حضرت ہی سے سنا تھا ؎

دشت یثرب میں تیرے ناقہ کے پیچھے پیچھے
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے

چونکہ حضرت والا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کاملہ حاصل تھی اسلئے حضورؐ کا پورا اثر تو حضرت پر تھا۔ عوام و خواص کی یہ ساری فدائیت اسی نسبت و تعلق کا ثمرہ تھی اللہ اللہ کیسے کیسے لوگ گرے پڑتے تھے۔ اور کس آن بان سے حضرت کی سواری بوری بندر چلی تھی اور کس حالت میں جہاز پر سوار ہوئے تھے ؎

محبوب خوباں می رود گردش ہجوم عاشقاں
چابک سواراں یک طرف مسکیں گدایاں یک طرف

عزیزم! ہم لوگوں کو اپنی قسمت پر ناز تھا اور حضرت والا کی معیت کی وجہ سے اپنی

کامیابی اور کامرانی کا یقین تھا۔ نہ توکسی قسم کا فکر و غم۔ اور نہ سمندر کے تھپیڑوں کا خوف والم۔ اور نہ ہی کسی قسم کے حوادثات زمانہ کا وہم۔ جی جی میں بار بار گنگناتا تھا بلکہ حضرت والا سے کہنے والا تھا مگر ہمت وجرأت نہ ہوئی۔ اور کہہ نہ سکا۔ وہ کیا ہے

چہ غم دیوار امت راکہ دارد چوں تو پشتیبان
چہ باک از موج بحر آنراکہ باشد نوح کشتیباں

یہ سب کچھ تھا مگر اللہ جل شانہٗ کی مرضی ہی کچھ اور تھی جسکو ہم تم اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ع

ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

برادر! خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آہ۔ آہ جہاز پر سوار ہونے کے بعد چہارشنبہ۔ پنجشنبہ اور جمعہ صرف تین ہی دن حضرت والا کا ساتھ رہا۔ بھائی! کوئی بات نہ تھی۔ نہ توکسی قسم کی نقاہت اور نہ کھانے پینے سونے میں کچھ فرق۔ جملہ معمولات اپنے اپنے وقت پر ادا فرماتے رہے۔ نماز پنج وقتی کچھ دور چلکر ادا فرماتے رہے۔ مثنوی بھی جاری رہی۔ بہت ہی خوش وخرم۔ ہاں البتہ عورتوں سے بمبئی میں بھی اور جہاز پر بھی فرماتے تھے کہ بیٹی بہت مشکل وقت ہے بہت سخت وقت ہے اور بہت ایمان کا وقت ہے اور بہت گھبرا گھبرا کر پریشان ہوکر فرماتے تھے کہ دعا کرو اللہ تعالیٰ آسان فرمائے۔ اور فرماتے بیٹی دیکھو جدہ میں کیا ہوتا ہے۔ اہلیہ کہتی ہیں کہ ابا فرماتے تھے کہ بیٹی خوشی خوشی نوجانی ہو مگر دیکھو کیا ہوتا ہے ایمان کا وقت ہے۔ خدا کی طرف متوجہ ہوؤ۔ اور کہتی ہیں کہ یہ سب باتیں ایک خاص جذب وکیفیت کی حالت میں فرماتے تھے۔ جب یہ کیفیت جاتی رہتی تو پھر محبت کی اور دوسری قسم کی باتیں کرنے لگتے تھے۔ اور پہلے تو کھانا کھانے کے بعد فوراً ہم لوگوں کو ہٹا دیتے تھے کہ جاؤ جاؤ۔ کچھ دنوں سے ادھر یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ جب ہم لوگ دروازے تک جاتے تو پھر بلا لیتے کہ آؤ اور بیٹھا کر محبت و پیار کی باتیں کرتے۔ بمبئی میں یہ بھی فرماتے تھے کہ بیٹی دیکھو یہ سب کے سب میرے بدن پر ایسا گر رہے ہیں جیسے کسی مردہ پر اور یہ بھی فرماتے تھے کہ بیٹی دیکھو یہ سب بیوقوف جانتے وانتے تو ہیں نہیں اور وہاں سے لکھ لکھ کر بھیجتے ہیں کہ یہاں ٹھہریئے گا وہاں ٹھہریئے گا۔ یہ سب بیوقوف ہیں۔ جہاز میں بھی جمعہ کے دن اسی جذب وکیفیت میں فرمایا کہ بیٹی ایمان کا وقت ہے۔ سخت وقت ہے۔ پہلے جب میں حج کرنے حاضر ہوا تھا تو اتنا خوف نہیں

معلوم ہوتا تھا. اب اس مرتبہ تو بہت خوف معلوم ہوتا ہے طبیعت گھبراتی ہے دعا کرو اللہ تعالےٰ آسان فرمائے. یہ بھی فرمایا کہ دیکھو جدّہ میں کیا ہوتا ہے. اہلیہ نے کہا ابا کیا فکر کرتے ہیں ہوگا کیا؟ لوگ آرام سے لے جائیں گے. کھانے پینے کا عمدہ انتظام کریں گے. اس پر ناراض ہوکر فرمایا کہ بس تم کو تو ایک لے دے کر کھانا اور پینا ہی ہے. بس یہی رہ گیا ہے. حضرت والا تو اپنی باطنی نگاہوں سے کچھ اور ہی دیکھ رہے تھے. اور حضرت کے یہ تمام افعال و اقوال اسکی طرف غمازی کر رہے تھے. مگر ہم بد فہم لوگ سمجھ نہ سکے. جہاز میں سوار ہوا اور ذرا دیر میں سوار ہوا تو جب کمرہ میں حضرت سے ملنے گیا تو حضرت مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور میں پاسپورٹ کا جھولا وغیرہ گردن میں لٹکائے ہوئے داخل ہوا تھا. یہ دیکھ کر کسی اور ہی انداز میں فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے فوراً اسے گردن سے نکال کر رکھدیا اور عرض کیا کہ اس میں پاسپورٹ وغیرہ ہے. اسی اثناء میں چہرہ کی طرف میں نے اس خیال سے دیکھا کہ اس کی وجہ سے کچھ ناگواری تو نہیں ہے. تو دیکھتا کیا ہوں کہ آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں جیسے آنسو نکل آئیں گے. آہ. آہ افسوس! افسوس حضرت کی اس محبت و شفقت پر قربان جاؤں اور ان کی جدائی پر کیسا ماتم کروں. اور کتنا کروں. خیر.

اس وقت میں حیرت میں تھا کہ یہ بات یعنی اس حالت میں میری حاضری اسقدر متاثر کرنیوالی کیوں ہوئی. پھر سوچا کہ ممکن ہے کہ لوگوں اور بچوں کی جدائی اور فراق کا یہ اثر ہو رہا ہو. لیکن اب خیال ہو رہا ہے کہ شاید حضرت والا کو اس وقت خیال ہوا ہو دیکھو کیسے خوشی خوشی اور ذوق و شوق سے جا رہے ہیں کہ اس شوق میں ہر ناگوار چیز خوشگوار اور آسان ہے مگر آنے والے مراحل جو کہ صعب تر ہیں جہاں کہ پیر پھسلنے کا خطرہ ہے ثابت قدمی دشوار اور مشکل ہے جہاں کہ صبر و استقلال کی آزمائش ہے اور ایمان و یقین کی جانچ ہے. اس سے بے خبر ہیں. اور وہ وقت قریب تر ہے اور وہ گھڑی وہ گھڑی ہوگی جبکہ نیچے پانی ہی پانی ہوگا اور اوپر آسمان ہوگا اور وہ بے بسی کا عالم ہوگا اور وہی کٹھن اور مشکل وقت ان لوگوں سے جدائی کا اور اپنے محبوب حقیقی سے ملاقات کا وقت مقرر ہے اسوقت یہ سب لوگ ہوں گے اور میں نہ رہوں گا. ان لوگوں کی میقات ابھی دور دراز ہے اور میری میقات قریب در قریب ہے. یہ لوگ لبیک اللھم لبیک. ۷یا ۸ دن کے بعد کہیں گے. اور میں جمعہ گذار کر شب میں کہونگا. ان لوگوں کی لبیک زبانی ہوگی اور میری لبیک حقیقی اور معنوی

ہو گی۔ان لوگوں کا احرام بیت الرب کی زیارت کیلئے ہوگا اور میرا احرام رب البیت کی زیارت کے لئے ہوگا۔میرا کچھ اور ڈھنگ کا احرام بندھے گا۔نیز اور ہی قسم کا میرا جانا ہوگا۔اسوقت یہ لوگ کیا کریں گے اور کیسے اور کس طرح اپنے کو سنبھالیں گے۔الاماں والحفیظ۔جو بچیاں کہ زندگی میں کبھی بھی نظروں سے اوجھل نہ ہوئی تھیں۔ان کی نظروں سے اوجھل ہونگا اور ایسی پُرخطر جگہ اوجھل ہوں گا۔ عنقریب ہی ان سے جدا ہونگا۔ان کی اس مختصر سی زندگی میں کتنے اور کیسے کیسے غموم کے ہجوم ان پر ہوئے۔مگر میری وجہ سے سب غلط ہوتے گئے۔ماں کا غم اور پیاری بہنوں کا غم میں نے غلط کیا۔ ان کی گود سے ان کے کتنے اور کیسے کیسے لخت جگر دور ہوئے۔ان کا تمام غم میری وجہ سے غلط ہوتا گیا مگر میری جدائی کا جو بھیانک منظر ان لوگوں کے سامنے آنے والا ہے ان لوگوں کے اس غم کو کون غلط کریگا۔کیسے برداشت کریں گی اور کیا کریں گی۔

عزیزم! بھائی حضرت والا کی ذات والاصفات کیا تھی ہم کیا سمجھیں پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ وہ ذات لطف عمیم اور جود وکرم کی ایک مجسمہ تھی۔ارے بھائی وہ ذات عنایات اور بخششوں کی ایک بحر عمیق تھی جو بہ رہی تھی اور جاری وساری تھی۔وہ ذات فیضان الہی کی نسیم صبح تھی وہ ذات مہر ووفا کی شمس وقمر تھی۔برادر! وہ ذات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی ایک زندہ مثال تھی۔اور وہ ذات قال اللہ تعالی ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن کی چلتی پھرتی ایک تصویر تھی۔وہ ذات حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہما کے صفات و کمالات کی عکس تھی۔یہی وجہ تھی کہ اصلاح وتربیت کے معاملہ میں شیر دل تھے اور جہاں معاملہ ہمدردی اور اخوت کا ہوتا وہاں متواضع اور بچھ جانے والے۔لوگوں کے غموں میں شریک ہونے والے اور اصلاح وتربیت واخوت اور مساویانہ برتاؤ کو ایک دسترخوان پر چن رکھا تھا۔بھائی دیکھو ہم لوگوں کی کیسی کیسی نازبرداریاں بھی فرمائیں۔اور کس کس طرح اصلاح وتربیت بھی فرمائی وہی یہ کرنا جانتے تھے اور کوئی کر نہیں سکتا۔ان کی عنایتیں اور ان کے احسانات کیسے بھلائے جاسکتے ہیں۔بھلا ان کو یہ سب ادائیں کیسے دل سے مٹ سکتی ہیں۔یہ کہتا ہوں اور روتا ہوں ؎

اب کوئی بات بھی میری ماناکی ہوش کی نہیں
آپ کو بھول جاؤں میں ایسی تو بے خودی نہیں

بھائی! یہ جو اتنا طویل طویل خط الاپ شناپ لکھ رہا ہوں انھیں کی محبت میں لکھ رہا ہوں گویا ان کے پاس ہوں اور یہ راگ اور درد بھری کہانی انھیں کو سنا رہا ہوں اور مختصر سنا رہا ہوں بہرحال جو ذات گرامی ایسی رحمدل اور نرم دل تھی جس کا دل کسی کی مصیبت اور غم والم دکھ اور بیماری برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا تھا تو پھر ایسے مشفق اور شفیق از صد پدر باپ کے دل میں اپنی دو لخت جگروں کے متعلق اگر ایسا خیال آیا تو پھر اس خیال کا آنا کوئی معمولی بات نہ تھی مگر قربان جائیے حضرت بھی صبر واستقلال کے ایک پہاڑ تھے۔ امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو حد سے باہر آنے نہیں دیا۔ پلکوں نے انھیں ایسا چھپایا جیسے صدف موتیوں کو۔ اور حضرت کے ایمان یقین نے چہرہ پر پھر اسکے بعد افسردگی کو بھی گوارا نہیں کیا۔

بھائی! دو روز نہیں بلکہ تینوں دن بڑے مزے سے گذرے۔ کوئی بات نہ تھی۔ ہاں اتنی بات تھی کہ حضرت نے کچھ خاموشی سی اختیار فرمائی تھی۔ جہاز کے لوگوں نے تقریر کی بھی فرمائش کی مگر کچھ جواب دیکر ٹال دیا کرتے تھے۔ ایک روز غالباً جمعرات کو مولوی جامی صاحب اور ڈاکٹر صاحب اور اس خادم کو بلا کر فرمایا۔ بھائی! سفرنامہ لکھتے ہو تو ایسا لکھو جس سے لوگوں کو فائدہ ہو اچھی طرح لکھو۔ پھر اسی سفرنامہ ہی کے سلسلہ میں ایک خاص آدمی کے ساتھ جو معاملہ ہوا تھا ا حضرت نے ان کی جس بات پر گرفت فرمائی تھی۔ اور حضرت نے نفس کے جس چور اور اس کی چال کو پکڑ کر ان کو تنبیہ فرمائی تھی اس کا ذکر فرمایا پھر اس کے بعد کچھ اور باتیں بیان فرمائیں۔ یہ بھی فرمایا اس سلسلہ گفتگو میں کہ بھائی میں وہاں تقریر وغیرہ نہیں کروں گا۔ میں وہاں بڑا بنکر تھوڑے ہی جا رہا ہوں ہاں البتہ جب اللہ کی طرف سے حکم ہوگا تو پھر کہونگا۔ کچھ اسی قسم کی اور باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب جاؤ۔ کام کرو۔ اور جس دن سے جہاز پر سوار ہوئے اسی دن سے تنہائی میں زیادہ رہتے تھے ہاتھ میں تسبیح لئے پڑھا کرتے تھے۔ اور بیٹھے بیٹھے کھڑکی سے بس سمندر ہی کی طرف مستقل نظر رہتی تھی معلوم نہیں کیا دیکھتے تھے۔ اس میں کیا کشش تھی۔ نہ تو اس میں کسی قسم کے مناظر ہی تھے اور نہ مچھلیوں کا کودنا اچھلنا ہی تھا اور نہ چڑیاں ہی اڑتی بیٹھتی نظر آتی تھیں اور نہ جہازوں ہی کی آمد و رفت تھی۔ صرف پانی ہی پانی تھا اور اس کی لہریں اور موجیں کسی مرد مومن کی آمد کی خوشی اور ہنس کھیل رہی تھیں۔ موجیں مارتی رہتی تھیں اسلئے سمندر اور اس کی لہروں سے مناسبت

تھی اور مزا آتا تھا۔ یا غالباً اس مرد کامل اور مرد دانا کی دور بین نگاہیں دنیاوی قانونی بندشوں سے گھبرا کر اور لوگوں کی غیر شرعی روشوں سے اکتا کر قیامت تک کے لئے ایک مناسب اور عمدہ خوابگاہ تلاش کر رہی تھیں۔ بھائی جمعہ کا دن تھا جو کہ ہم لوگوں کے لئے قیامت صغریٰ کا دن تھا پورا دن ہنستے کھیلتے گذرا۔ بعد مغرب حضرت والا معمولات سے فارغ ہوکر استنجے تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس تشریف لا کر سامنے ہی ایک شیشہ تھا اس میں اپنا چہرہ دیکھنے لگے۔ اور ممتاز سے کہا کہ ممتاز دیکھو میری صحت کیسی ہے؟

ممتاز نے کہا حضرت ماشاء اللہ بہت عمدہ صحت ہے۔ آپ ایسے ہیں اور آپ ایسے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ ہاں جی۔ صحیح کہتے ہو۔ وہاں بمبئی میں ایک صاحب کہتے تھے کہ آپ کے چہرہ پر کچھ کلال و ملال کا اثر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد پوری قوت سے ممتاز احمد کا سر ہلایا اور اچھی طرح ہلایا۔ اسی اثنا میں جہاز کے ایک آدمی عبد الحمید صاحب کشمیری ملنے آ گئے۔ ان سے ملاقات کی اور مصافحہ کیا ان کو دعائیں دیں۔ جب تک کھانا بھی آ گیا۔ عبد الحمید صاحب جب ملکر کمرے سے باہر نکل آئے تو ممتاز احمد نے کہا حضرت کھانا رکھوں۔ حضرت والا نے فرمایا ہاں رکھو۔ یہ کہتے کہتے کچھ حالت بدل گئی اور عجیب و غریب ہوگئی۔ ان کا کہنا ہے کہ چہرہ سرخ آنکھیں سرخ ہوگئیں اور چڑھ گئیں۔ ممتاز جس انداز سے گردن اور سینہ تان کر بتاتے ہیں۔ وہ کیفیت نقوش میں بھلا کیسے آ سکتی ہے یوں سمجھئے گویا حضرت والا معشوقانہ انداز میں تن کر بیٹھ گئے۔ ممتاز نے یہ حالت دیکھ کر سمجھا کہ حضرت والا پر کوئی کیفیت طاری ہوئی ہے۔ اور گھبرا کر کمرے سے باہر نکلا۔ دروازہ ہی پر عزیزم ارشاد احمد سے ملاقات ہوگئی۔ اس سے کہا کہ بھائی آج تم کھانا کھلاؤ۔ حضرت کسی کیفیت میں ہیں مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ارشاد میاں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو وہ یہ حالت دیکھ کر ڈر گئے۔ سمجھا کہ بہت جلال میں ہیں اسلئے ممتاز احمد سے کہا کہ بھائی تمھیں کھلاؤ۔ خیر ممتاز اندر گئے اور حضرت والا کو پکڑ کر کہا کہ حضرت حضرت۔ حضرت والا کچھ بولے نہیں غالباً زبان بند ہو چکی تھی۔

عزیزم! کیا کہوں جتنا بھی روؤں کم ہے اور جس قدر بھی لکھوں تھوڑا ہے۔ اس دن اتفاق سے آٹھ، نو، دن کے بعد مجھے خیال ہوا تھا کہ اتنے دنوں سے معمولات بعد مغرب کے ترک ہو رہے ہیں۔ اب اس مقدس سرزمین میں پہونچنے کے دن بھی قریب آ رہے ہیں۔ تین دن ہوگیا۔ پانچ یا

کچھ روز اور باقی ہیں۔ خدارا معمولات شروع کردوں۔ اطمینان و سکون بھی ہوگیا۔ یوں ہم کبھی لوگ کمرہ ہی کے آس پاس رہتے سہتے تھے جن لوگوں کی مثلاً جامی صاحب وغیرہ کی سیٹیں نیچے درجہ کی تھیں وہ کھانا کے وقت چلے جاتے تھے۔ وہ سب لوگ اس دن بھی کھانا کھانے چلے گئے اور میں پانچ چھ کمرہ کے بعد ایک ہال تھا وہاں پڑھنے لگا۔ برادر! اللہ اللہ کی دو تین تسبیحیں پڑھنے کے بعد طبیعت گھبرانے لگی۔ اور بار بار تقاضا ہوتا تھا کہ چلو چلو۔ مگر مجھے خیال ہوتا تھا کہ چونکہ اتنے دنوں سے پڑھ نہیں رہا ہوں اسلئے نفس کو شاق گذر رہا ہے۔ لہذا اب تو اور پڑھنا چاہیئے اسی کشمکش میں تھا کہ ممتاز احمد تیزی سے آئے اور کہا حضرت کی طبیعت معلوم نہیں کیسی ہے کچھ خراب معلوم ہوتی ہے۔ میں فوراً ہی اٹھا اور دوڑا ہوا گیا۔ اور دل دل میں خیال کرتا جاتا تھا کہ ریاح وغیرہ کا کچھ غلبہ ہوگیا ہوگا۔ ٹھیک ہو جائیں گے۔ جب اندر داخل ہوا ہوں تو حضرت نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور لب پر لب سلے ہوئے تھے بالکل خاموش۔ بھائی! وہ نظر نہیں بھولتی۔ وہ نظر کیسی تھی۔ وہ نگاہ کیسی تھی۔ نہ اس کی مثال دے سکتا ہوں اور نہ اس کی تعبیر ہی تحریر میں لاسکتا ہوں۔ اور چہرہ دیکھا حضرت کا سفید چمکدار پسینے پسینے۔ اور بایاں ہاتھ اوپر بے اختیار حرکت میں۔ میں نے جاتے ہی اپنے ہاتھ سے حضرت کے ہاتھ کو گٹوں سے کہنیوں تک مس کیا پسینہ سے تر پایا۔ دیکھ کر گھبرا گیا، اور سمجھ گیا کہ یہ معاملہ صرف ریاحی نہیں بلکہ کچھ اور ہی ہے۔ اور ہماری خرابی کا وقت آگیا ہے۔ میں فوراً کمرہ سے باہر نکلا کہ ڈاکٹر صاحب اور لوگوں کو بلا لاؤں اور تنہا ممتاز حضرت کو پکڑے ہوئے تھے۔ کاش کہ کوئی اپنا آدمی مل گیا ہوتا تو میں اس سے کہہ کر فوراً حضرت کے پاس چلا آتا تو شاید کچھ بولے ہوتے کچھ کہتے مگر سب لوگ نیچے جا چکے تھے۔ میں نے محمودہ کو لیا کہ بیٹی چلو نیچے جہاں لوگ رہتے ہیں اس کا راستہ دکھاؤ میں بھول جاؤنگا۔ وہ کبھی آگے ہوتی اور میں پیچھے رہتا اور کبھی وہ پیچھے رہ جاتی اور میں آگے نکل جاتا۔ خیر پہونچا بیچارے جامی صاحب ڈاکٹر صاحب وغیرہ کھانا لیکر بیٹھے تھے کوئی ہاتھ دھو رہا تھا اور کوئی دھو چکا تھا۔ صرف اتنا کہہ کر کہ بھائی جلدی چلو حضرت کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ فوراً بھاگا ہوا آگیا عزیزم! اس واقعہ کے لکھنے اور پڑھنے میں دیر لگ رہی ہے ورنہ یوں میرا آنا جانا پانچ چھ منٹ کے اندر اندر ہوگیا۔ اور جب وہاں سے واپس آیا ہوں تو وہ کیفیت بھی بدل چکی

تھی۔حالت سرعت سے غیر ہوتی گئی۔خیر سب لوگ جمع ہو گئے۔جہاز کے دو ڈاکٹر بلائے گئے ان لوگوں نے انجکشن لگایا۔تے پر تے ہو رہی تھی۔لوگ کہہ رہے تھے کہ تے کا ہو جانا اچھا ہے طبیعت ٹھیک ہو جائے گی اور اس کے ساتھ تشویش کا بھی اظہار کرتے جاتے تھے۔بھائی ذکی وغیرہ سے میں نے کہا کہ حضرت والا کو اب لٹا دو، ذکی بھائی وغیرہ نے یہ کہہ کر کہ حضرت لیٹ جائیے لٹا دیا مگر حضرت والا اس عالم میں تھے ہی نہیں کسی اور عالم میں تھے۔بھائی! وہ عالم کیا تھا اسکو کیا لکھوں وہ یہ تھا کہ ایک عالم ربانی اس دار فانی سے رحلت کر رہا تھا۔ اور ہم لوگ مجبور و معذور صرف جہاز کے دو ڈاکٹروں پر اکتفا کئے ہوئے اپنی حسرت بھری آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کس کے پاس جائیں اور دل کی بھڑاس کیسے مٹائیں دوڑ کر کہاں جائیں ایک محدود جگہ میں محبوس اور خدا پر بھروسہ تھا۔انجکشن وغیرہ سے نبض کچھ قوی ہونے لگی،اور ہاتھ و پیر کی رگیں کچھ پھڑکنے لگیں۔اس پر لوگوں نے کہا کہ اب حالت بہتر ہے۔ خیر اطمینان کیا ہوتا مگر انسانی فطرت ہی کچھ ایسی ہے کہ لوگوں کے بہلانے میں آ ہی جاتا ہے پھر گیارہ۔پونے بارہ بجے شب میں ایک ہچکی لی،کلمہ پڑھا اور اللہ کے پیارے ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

بیشک جو کہی وہ سچی کہی، اللہ نے قبول فرمائی اس وقت فوراً ارشاد سے میں نے کہا کہ کمرہ سے باہر کھڑکی کی طرف عورتیں ہیں اس طرف تم فوراً چلے جاؤ، حضرت کا وصال ہو گیا۔ایسا نہ ہو کہ کوئی بے خبری میں سمندر میں کود جائے۔اس وقت اللہ تعالیٰ ہی نے عورتوں کو صبر و ستقلال عطا فرمایا۔اور سنبھالا۔اور یہ بھی حضرت ہی کی کرامت ہے۔دوسرے یہ کہ یہ بیٹیاں ٹی کس باپ کی ہیں اور ٹکڑے کس جگر کی ہیں۔صبر و توکل کا سبق بھی حضرت نے ایسا پڑھایا ہے کہ ان لوگوں کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہے اور قضا و قدر پہ رضا تو ان لوگوں ں خو بنا کر حضرت گئے ہیں۔ماشاء اللہ مکرمی جناب حکیم مسعود احمد صاحب اجمیری نے اس کا ظہار اپنے تعزیت نامہ میں کیا خوب فرمایا ہے۔لکھتے ہیں کہ:۔

شیروں جیسا دل اور خیر القرون جیسا ایمان رکھنے والی صاحبزادیوں کی خدمت میں بندہ ند مسعود عرض گذار ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آپ سب لوگوں کی حاضری کی مقبولیت دلوں کی

قوت اور دماغوں کی سلامتی کے لئے دست بدعا ہوں بلا شک وشبہ آپ نے وہ تکلیف اٹھائی ہے کہ شاید ہی پہلے اس کی کوئی نظیر ملے۔ یہ وہ مرحلہ ہے کہ پہاڑ پانی بن جائے۔ اور برف کھول جائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وہ شعر مجھے یاد آتا ہے ؎

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا — صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

حضرت فاطمہؓ کے روحانی بچو! خدا تمہارے ساتھ ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر خصوصی تم پر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

الغرض! یہ متبرک سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا۔ ہم لوگ یتیم ہو گئے۔ ہمارا ہمدرد اور ہمارا غمخوار ہم سے دیکھتے دیکھتے رخصت ہوگیا۔ بھائی آن کی آن میں اپنے مشفق ومحسن کو ہم کھو بیٹھے۔ ہم بے بال وپر ہو گئے۔ اب بلندی پر پرواز کیا کریں گے۔ دین وایمان کو سلامت رکھ لیں یہی بہت ہے۔ آہ! آہ! اپنے اس ایاز کو نوازنے والا محمود اس دار فانی سے دار بقا کو کوچ کر گیا۔ اس ناکارہ کو شرف امامت اور گوناگوں نوازشوں سے نوازنے والا ہم سے جدا ہوگیا۔ بھائی جسقدر بھی غم والم منایا جائے کم ہے۔ جس قدر بھی خون کے آنسو بہائیں تھوڑا ہے۔ بلکہ جان بھی دے دی جائے تو وہ بھی کم ہے۔ ع

متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ سب بے سود ہے ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

حضرت والا انگلیوں پر دنوں کو شمار فرماتے تھے کہ ابھی اتنے دن اور ہیں جدہ پہونچنے کیلئے بیتاب تھے۔ برادرم جلدی پہونچنے کی یہی صورت تھی جو پیش آئی۔ عزیزم! حضرت والا کے سینہ مبارک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت ومحبت کا لبریز کاسہ رکھا تھا جس سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے مردہ قلوب زندہ ہوتے تھے، ایمان تر وتازہ ہوتا تھا۔ بھائی۔ حضرت والا پر کیسے کیسے دور گذرے ہیں اور کیسے کیسے امراض مہلکہ کا حملہ ہوا مگر صحت ہوگئی اور جان بری ہوتی گئی۔ قضاء وقدر اسی دن کی منتظر تھی کہ جب قافلہ ملک کی طرف روانہ ہو تو ہم اسکے امیر اور اپنی ماسر اسکے امین کو اپنے پاس یہ کہہ کر بلالیں کہ ”اِنَّکَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ“

از بندہ محمد مبین عفی عنہ
مدینہ منورہ
۲؍ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ

برادرم مولوی قمرالزماں و نورالہدیٰ سلمہم اللہ تعالیٰ سلام مسنون

بھائی قسط اول بھیج چکا ہوں وہ خط ملا ہوگا۔ اب قسط ثانی میں میری درد بھری کہانی سنیئے ؎

بشنواز نے چوں حکایت می کند
از جدائیہا شکایت می کند

برادرم اب جبکہ ہم گھر واپس ہوں گے تو حضرت والا کے ان بقیہ نواسوں کو جو کہ ہندوستان میں ہیں اگر وہ اپنے جد امجد کو پوچھیں گے تو کیا جواب دیں گے ان کی دلجوئی کیسے کرینگے۔ ان کی اشک شوئی کس طرح ہوگی۔ پھر اگر اپنی قوم نے سوال کیا کہ وہ بے بہا ذات جو کہ ہمارے لئے نعمت عظمیٰ تھی وہ کہاں ہے؟ اور ہمارا وہ سید جو کہ ہمارا ہادی اور رشد و ہدایت کا بدر منیر تھا وہ کہاں ہے؟ اور وہ ذات جو ہماری قوم میں مثل نبی تھی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے العالم فی قومہ کالنبی فی امتہ۔ وہ کیا ہوئی؟ تو اس کا کیا جواب دوں گا۔ اے بھائی اس کا جواب ہی کیا ہوسکتا ہے سوائے اس کے کہ فصبرٌ جمیلٌ واللہ المستعان علی ما تصفون

برادرم اتفاق سے اسی دن ہم نے عورتوں سے کہا کہ چلو دیکھو آفتاب کس طرح غروب ہوتا ہے۔ اور اس کا منظر کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ لہذا ہم لوگوں نے بھی دیکھا اور عورتیں بھی دیکھ رہی تھیں مگر کیا معلوم تھا کہ آج ہی ہماری قسمت اور رشد و ہدایت کا آفتاب بھی اسی طرح دیکھتے دیکھتے غروب ہونے والا ہے۔

برادرم یہ آفتاب تو روزانہ طلوع ہوتا ہے اور پھر غروب ہوتا ہے اور اسکے طلوع اور غروب کا سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔ مگر ہمارے رشد و ہدایت کا آفتاب طلوع نہیں ہوا

ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

عزیزم! اب ہمارے اس آفتاب کا شفق احمر اس کے دو جگر پاروں (لڑکیاں) کا دل ہے اور اس کی شعاعیں اس کا کلام ہے۔ چنانچہ حضرت والا نے اپنی کتابوں میں علامہ شعرانی کی کتاب الیواقیت سے اس کے متعلق نقل فرمایا ہے۔ جس کا مختصر حصہ یہ ہے کہ فنابت عنھم رسائلھم بعد موتھم فی نصح المریدین اور اس کی تابش ہم لوگوں کے دل کی آہیں ہیں۔ خیر اس کے بعد اس کی فکر ہوئی کہ اب کیا کیا جائے واپسی ممکن نہیں اور نہ مناسب ہی ہے اور ہم سب کے دلوں میں محبت کا شدید تقاضا ہوا کہ کاش حضرت والا کا کہیں مزار ہوجاتا اور ان کی کچھ نشانی قائم ہوجاتی تو ہم لوگوں میں سے یا حضرت والا کے اور دیگر متوسلین و متعلقین میں سے کوئی بھی تو زندگی میں کبھی کبھی اس علامت کے سامنے کھڑا ہوجایا کرتا۔ اس جذبہ کے ماتحت فکر ہوئی کہ جسد مبارک کو مدینہ شریف یا مکہ شریف کسی صورت سے پہونچایا جائے۔

عزیزم! سنا ہے کہ اس پر ہمارے بعض محسنوں نے ہندوستان میں چہ می گوئیاں بھی کی ہیں افسوس کہ انھوں نے ہمارے جذبات کو نہیں دیکھا اور ان لوگوں نے اس کا خیال نہیں کیا کہ ہماری اس مہتم بالشان ذات سے کیا نسبت اور کیا تعلق ہے۔ اور افسوس کہ ان لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ ہم پر غم و الم کا کیسا پہاڑ ٹوٹا ہے۔ افسوس کہ ان لوگوں نے ہم پر ترس نہیں کھایا کہ ان لوگوں کی متاع دین و دنیا کس طرح دیکھتے دیکھتے لٹ گئی۔ غیروں سے تو شکایت نہیں وہ غیر ہی ٹھہرے ان لوگوں سے اسکے خلاف کی توقع ہی نہیں مگر اپنوں سے شکایت ہے کہ ان لوگوں نے بھی نہیں چھوڑا اور ان کے دلوں میں رحم نہیں آیا۔

خیر اسی جذبہ کے ماتحت حاجی سلیمان میمن بمبئی والے کی۔ اسی سلسلہ میں ایک بات حضرت کی نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جو کہ حضرت والا نے جہاز پر ان سے فرمایا تھا۔ ایک روز فرمایا کہ حاجی صاحب تمہارا تو انتظام بہت اچھا ہے۔ کھانا بہت اچھا ملتا ہے میں آپ سے بہت خوش ہوں۔ پھر دوسرے روز حضرت والا نے ان سے فرمایا کہ بھائی آپ تو میرے امیر ہیں۔ اسلئے فرمایا کہ امیر الحجاج منتخب کئے گئے تھے۔ اس پر حاجی سلیمان صاحب نے کہا کہ حضرت میں تو آپ کی جوتیاں سیدھی کرنے والے خادموں میں سے ہوں۔ اس پر حضرت نے فرمایا نہیں بھائی۔ سید القوم

خادمہم۔ اور اس کے بعد حضرت والا نے یہ حدیث بھی پڑھی کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ ماشاء اللہ تعالیٰ حاجی صاحب نے لوگوں کی خوب خدمت کی کتنے لوگوں کے بگڑے ہوئے کام کو بنادیا لوگ ان سے بہت خوش تھے اور ان کو دعائیں دیتے تھے۔ بہر حال حاجی سلیمان صاحب اور زکی بھائی دونوں آدمی پرسر (جو کہ جہاز کا ایک افسر ہوتا ہے) اسکے پاس گئے اور حضرت والا کے سانحہ کی خبر دی اور اس سے دریافت کیا کہ کیا جائے۔ اس نے کہا کہ جہاز کے قاعدہ کے مطابق لاش کو سمندر کے حوالہ کردینا ہوگا۔ پھر ان لوگوں نے اس سے کہا کہ اگر میرے ماں باپ ہوتے یا عزیز ہوتے تو ہم لوگوں کو اس پر عمل کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا۔ لیکن حضرت والا کی ذات اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔ یہ لاش صرف ہندوستان ہی کی نہیں بلکہ سارے مسلم ممالک کی امانت ہے اور ہر جگہ ان کے ماننے والے ہیں خواہ امریکہ ہو خواہ انگلینڈ۔ ایسی صورت میں وہ لوگ ہم لوگوں سے دریافت کریں گے کہ تم لوگوں نے یہ کیا کیا کہ حضرت کو سمندر کے حوالہ کردیا۔ کم از کم جدہ تک لانے کی کوشش کی ہوتی تاکہ ان کی نشانی ہو جاتی۔ اس گفتگو کا اس کے اوپر اثر ہوا۔ اس نے کہا کہ میں کپتان سے ملکر آتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا اور کہا کہ کپتان راضی نہیں ہوتا ہے پھر ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بمبئی اور جدہ تار کے ذریعہ اطلاع کرنی چاہیئے۔ پھر ہم لوگوں کو بھی جمع کر کے مشورہ کیا۔ اور مشورہ میں یہ بات طے ہوئی کہ ضرور تار کے ذریعہ اطلاع دینی چاہیئے لہٰذا جدہ قدوائی صاحب سفیر ہند اور بمبئی میں عبدالستار صاحب کو تار دے دیا۔ پھر دوبارہ ۶ بجے زکی بھائی اور حاجی سلیمان صاحب اور ایک عبدالحکیم صاحب کپتان سے ملنے گئے اور اس سے تفصیلی گفتگو کی جو کہ اس سے قبل جہاز کے دوسرے افسروں سے ہو چکی تھی۔

کپتان نے کہا کہ میرے پاس برف کی کمی ہے اس کو معلوم کرلوں تو قطعی فیصلہ کروں آپ لوگ ۱۰ یا ۱۱ بجے ملئے۔ دوبارہ پھر وقت مقررہ پر میں بھی ان لوگوں کے ساتھ گیا۔ کپتان نے کہا کہ برف تو کم ہے لیکن پھر بھی ہم کوشش کرینگے کہ جہاں تک لیجا سکتے ہیں لے جائیں اور اس درمیان میں برف بنانے کی بھی کوشش کرینگے۔ آپ لوگ حضرت کی لاش تیار رکھئے تاکہ سامان سب ٹھیک ہو جانے کے بعد ان کو ایک مخصوص بکس میں رکھدیا جائے۔ آہ! آہ! جو ذات کہ کیسی کھلی فضا میں رہنے والی تھی اور کیسے اور کس طرح رہتی تھی۔ اسکو آج ایک مخصوص بے فیلے بکس میں رکھنے کی تیاری

کی جلد ہی ہے۔

لہذا ہم رفقاء اور عورتیں جمع تو تھے ہی کرنا ہی کیا تھا۔ جب لیجانے کا وقت قریب آگیا تو میں نے عورتوں سے کہا کہ بھائی حضرت والا سے یہ آخری ملاقات ہے اور اس چہرہ کا آخری دیدار ہے تم سب لوگ دیکھ لو چنانچہ ہماری عورتوں نے بہت ہی صبر واستقلال سے کام لیا اور سبھوں نے اپنے اپنے دل پر پتھر رکھ کر۔ السلام علیکم اے ابا، السلام علیکم اے ابا۔ السلام علیکم اے نانا، السلام علیکم اے نانا، کہہ کر رخصت کیا۔ ہماری بیوہ ماں نے کہا کہ آپ ہی پر تو ہمیں تکیہ تھا آج آپ نے بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔

جہاز پر کنارے آخری حصہ میں اپنے کمرہ کے سامنے ہی ایک اونچی جگہ تھی الگ تھلگ اسی پر ایک لوہے کے بکس میں ۱۰ ½ بجے برف کے ساتھ اسی کپڑے میں جو کہ پہلے ہی سے حضرت شلوار پہنے تھے لٹا دیا گیا۔ حضرت والا کے دونوں ہاتھوں کی تین انگلیاں بند تھیں اور کلمہ شہادت کی انگلی کھلی کھڑی کچھ جھکی اور اس کے دوسرے پور پر انگوٹھا ٹکا ہوا قریب قریب اس کیفیت میں تھی جو کیفیت کہ بعد تشہد کے ہوتی ہے اور اوپر سے بادامی چادر سلک کی ڈال دی گئی۔ لٹانے کے بعد میں نے سوچا کہ اب معلوم نہیں کیا ہو۔ اور کتنا وقت آوے، زندگی میں تو کبھی ہاتھ کو بھی بوسہ دینے کی جرأت وہمت نہ ہوئی تھی۔ اب یہ آخری ملاقات ہے اس دار فانی سے چلتے چلاتے وقت تو حضرت کی پیشانی کو بوسہ دے لوں۔ لہذا چادر کے اوپر سے پیشانی پر بوسہ دینے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت آرام سے بادامی چادر اوڑھے ہوئے سوتے رہے اس وقت حضرت خسرو کا یہ شعر یاد آیا ؎

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈالے کیس
ہو گئی سنجھیا خسرو اب چل اپنے دیس

برادرم! اسی اثناء میں ایک روز میں نے اپنی بچیوں اور عورتوں سے کہا کہ دیکھو بھائی جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ یہ چیز سب کے ساتھ پیش آنے والی ہے ؎

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی
جان ٹھہری جانے والی جائے گی

حتیٰ کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ رحمۃ اللعالمین تھے ان کے ساتھ بھی یہ چیز پیش آئی اس کے علاوہ ایک بات اور سنو! یہ دنیا فانی ہے اور اسکی ہر چیز فانی ہے اور اس دار فانی میں رہنے والوں کے نہ تو دوستی کا بھروسہ ہے اور نہ ان کی محبت اور ہمدردی کا اعتبار ہے۔ معلوم نہیں کب کیا ہو جائے۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت والا کے احسانات ہم پر بہت ہیں بے شمار ہیں۔ ہم ان کے احسانات زندگی بھر بھول نہیں سکتے۔ مگر دیکھو ہم سے جدا ہوئے تو کس جگہ جدا ہوئے اور ہمارا ساتھ چھوڑا تو کہاں چھوڑا۔ اور سنو! جو کچھ ہوا ہے منجانب اللہ ہوا ہے اور ہم لوگوں کو اس سے عبرت حاصل کرنے کے لئے ہوا ہے۔ اور ہمکو اس واقعہ سے تنبیہ کی گئی ہے کہ رزق کی طرف سے مرض و صحت کی جانب سے آرام و تکلیف کی طرف سے سارا بھروسہ اور سارا اعتماد تم نے انھیں پر کر لیا تھا۔ اب بتاؤ اس وقت تم سمندر کے لہروں میں ہچکولے کھا رہے ہو اور مدد اور امداد کے ہر قسم کے اسباب و ذرائع تم سے منقطع ہو چکے ہیں اور جن پر تم کو تکیہ تھا وہ دیکھو بغیر روح و جان کے مجبور اور تم سے الگ تھلگ وہاں سو رہا ہے۔ اب تم کیا کرو گے اب تم کو کون کھلائیگا پلائیگا۔ تمہاری کون مدد کرے گا اور ساحل تک تم کو کون پہونچائیگا؟ بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہمارا اور سب کا کارساز ہے اور وہی اپنے بندوں کی پرورش کرنے والا ہے اور اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور وہی ہمارا حامی و مددگار ہے لہٰذا ہمکو اور تم سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیئے اور اسکی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جانا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق و رشتہ کو مضبوط کرنا چاہیئے۔

عزیزم! اکثر حضرت والا فرماتے تھے کہ میں تو حج کر چکا ہوں میرا فرض ادا ہو چکا ہے تم ل چلے جاؤ مگر ہم لوگ کہتے تھے کہ نہیں حضرت آپ بھی ساتھ تشریف لے چلیں آپ کو چھوڑ کر لوگ نہیں جا سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا ہم لوگوں کو صرف پہنچانے ہی آئے تھے۔ ۲۴ نومبر ب تو جسم و روح دونوں کے ساتھ ہم لوگوں کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد جسم سے روح تو پرواز گئی۔ ھذا فراق بینی وبینک کہہ کر ہم سے رخصت ہوئے اللہ پر لگا دیا کہ اب چلے جاؤ تھے دن مدن پہنچ جاؤگے اور اس کے بعد جدہ دو روز کا راستہ ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے باب پیدا فرما دیئے کہ حضرت کے شفقت و محبت والے بے روح جسم نے ۲۴ تاریخ کے بعد سے احل جدہ تک پہونچایا۔ الکہ بیداذا ادعد و فی۔ بھائی اس جسم بے روح کی وجہ سے ایسی

تقویت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا حضرت والا ساتھ ہی ساتھ چل رہے ہیں اور وہاں موجود ہیں روز آنہ ڈاکٹر جسم کا معائنہ کرنے جاتا تھا اس سلسلہ میں ہم لوگوں کو بھی زیارت نصیب ہوتی تھی۔ بھائی! اگر اسی دن تدفین ہو جاتی تو ہم لوگ تو خیر برداشت کر جاتے مگر ممکن تھا کہ حضرت کی دو بچیوں کے ہاتھ سے صبر و استقلال کا دامن چھوٹ جاتا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مصلحت تھی اور وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے بندوں کے حق میں بہتر کرتا ہے۔ عزیزم وہ بھی ایک وقت تھا کہ ہم لوگ ایک بحری قفس میں محبوس پھڑ پھڑا رہے تھے نہ تو کوئی سہارا تھا اور نہ کوئی ٹھکانا تھا۔ جو کچھ کہنا اور سننا ہوتا اللہ تعالیٰ ہی سے کہتے اور انھیں سے فریاد کرتے تھے اور اب بھی اللہ تعالیٰ ہی کا سہارا ہے۔ اور انھیں کے فضل و کرم پر بھروسہ ہے۔ بھائی! اب ہمارا دنیا میں کون ہے۔ ہمیں درد ہے۔ مگر دردی نہیں کس سے اپنا درد کہیں۔ ہمیں غم ہے افسوس ہمارا غمخوار نہیں اپنا غم کس کو سنائیں۔ کوئی سننے والا نہیں۔ اے بھائی معلوم نہیں یکایک یہ کیا ہو گیا کہ وہ ہمارا محسن مربی ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ اب کہاں ملے گا۔

برادر! ایک مدت سے حضرت والا کے ساتھ رہتے رہتے ان کی شفقت و محبت نے طبیعت کو ایک مذاق کا عادی بنا دیا ہے۔ اب بار بار طبیعت اسی شفقت و محبت کو ڈھونڈتی ہے۔ آنکھیں وہ شفقت و محبت دیکھنے کو ترستی ہیں اور یہ دونوں کان اس پیار و محبت کے الفاظ مولوی مکین یا قاری صاحب نہیں سن سکے۔ بھائی نہ کسی نے اس محبت و پیار سے بلایا اور نہ کسی نے اس شفقت سے اپنے پاس بٹھایا۔ قدم قدم پر دل پر چوٹ لگتی ہے۔ اور زخم تازہ ہوا کرتا ہے۔ اتنے دنوں تک کبھی حضرت سے جدائی بھی نہیں ہوئی تھی کبھی کبھی ملاقات کرنے کا تقاضا شدید ہوتا ہے اور بس اس وقت جو گذرتی ہے اسکو کیا لکھوں۔

برادر اپنا جسم مثل گھڑی کے ہے اور دل اس کا گھنٹہ ہے۔ بس رہ رہ کر ایک چوٹ ان کی جدائی کی دل پر لگا کرتی ہے اور دل بیقرار ہو جاتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہیں بھاگ جائیں۔ اب یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

اتنا پیغام درد کا کہنا ــــ جب صبا کوئے یار میں گذرے
کون سی رات آپ آئیں گے ــــ دن بہت انتظار میں گذرے



شمارہ ۱۱ نومبر ۱۹۸۰ء جلد ۳

حاملِ مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

چندہ ششماہی ۹ نو روپیے	# وصیۃ العرفان الٰہ آباد	چندہ سالانہ ۱۸ اٹھارہ روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | ایک روپیہ

شمارہ ۱۱	محرم الحرام ۱۴۰۱ھ مطابق نومبر ۱۹۸۰ء	جلد ۳

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷- ڈی ۱۱۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

انگریزی مہینہ کے اعتبار سے تو یہ سالِ رواں کا آخری سے پہلا شمارہ ہے لیکن عربی ماہ کے لحاظ سے یہ نہ صرف نئے سال ہی کا پہلا شمارہ بلکہ آغاز صدی کا بھی پہلا شمارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پندرھویں صدی کی ابتدا کو عامۃ المسلمین کے حق میں مبارک بنادے اور صدی کی تجدید کے ساتھ ساتھ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کو اپنی دینی اخلاقی اور اصلاحی زندگی میں بھی تبدیلی کا خیال اور عزم نو پیدا کرنے کا جذبہ عطا فرمادے

وصیۃ العرفان کے مطالعہ سے آپ کو اس کے پیغام اور دعوت کا اندازہ ہوگیا ہوگا آج اسی کی تکرار فرمایئے یا سال آئندہ کی روئیدیں کہہ سکتے ہیں کہ مطالعہ فرمالیجئے۔

دنیا ایک امتحان گاہ ہے (لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً) عمل خیر کرنا ہے اور شر سے بچنا ہے خیر و شر کا معیار کتاب و سنت ہے۔ اعمال صالحہ سے مانع زیادہ تر انسان کی اپنی خواہشات اور اسکا نفس ہوا کرتا ہے (اعدیٰ عدوک نفسک) اسلئے نفس اور نفسانیت کی شناخت فرض ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی میں انسان بطور خود قاصر ہے اسکے لئے شیخ کامل، پابند شریعت متبع سنت کی ضرورت ہے اور رذائل نفس کے علم کی بھی حاجت ہے۔ باقی اصلاح نفس چونکہ مشکل ہے اسلئے فرمان نبوی کے مطابق اللہ تعالیٰ سے اس باب میں استعانت درکار ہے اور سہولت عمل کے لئے اللہ و رسول کی محبت مطلوب ہے اسکے حصول کا طریقہ شیخ او مصلح کی صحبت اور اسکے ارشادات پر عمل کرنا ہے۔ نیز اس راہ کے چلنے والے کے لئے اخلاص نیت مداومت علی الاعمال، محبت رسول اور نسبت مع اللہ سے اتصاف ضروری اور مکائد نفس اور مہلکات نفس بالخصوص، نفاق، کبر، عجب و ریا، غصہ وغیرہ سے اجتناب لازم ہے۔ انھیں سب امور کی تفصیل و تشریح رسالہ ہذا کا اصل موضوع ہے تاکہ ایک مسلمان رسمی اور اسمی طور پر عبداللہ ہونے پر اکتفا نہ کرے بلکہ حقیقی معنوں میں وہ عبداللہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے کام میں اخلاص سے نوازے اور سب مسلمانوں کے قلوب میں ان مضامین کو اتار دے اور انکی زندگیوں کو اپنی مرضی کے مطابق بنا دے اور ہمکو ناصح دیگراں ہونے کے بجائے ناصح خود بنائے۔ آمین۔

ہر کسے ناصح برائے دیگراں　　ناصح خود یافتم کم در جہاں

(ادارہ)

اور منافق کے بارمیں یہ بھی فرمایا ہے کہ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۝ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب صدقات پا جاتے ہیں تو راضی ہوجاتے ہیں ورنہ نہیں۔ سزاوار تو یہی تھا کہ جسکو اللہ تعالیٰ طلب کرتے ہیں اسی چیز کو اہمیت دیتے یعنی ایمان و خلوص۔ دیکھئے آپ لڑکوں اور بچوں تک کو بھلا نہیں سکتے کہ جب آپ پیسہ دینے کا وعدہ کر لیتے ہیں تو وہ بھولتا نہیں اور طلب کرنے پر مصر ہوتا ہے تو اللہ جس نے آپ کو پیدا کیا ہے اسکو آپ کیسے بھلاوا دیسکیں گے دوسرے معنی یہ ہیں کہ انسان سے مواخذہ کیا جاویگا۔ پس غنا جو موجب فخر ہے اسلئے مہلک ہے کہ دیکھا جائیگا کہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی طاعت اور شکر کرتا ہے یا نہیں۔ اسی طرح کبھی ابتلا کرتا ہے اور رزق تنگ کر دیتا ہے کہ دیکھیں صبر کرتا ہے یا نہیں تو اس صورت میں کہتا ہے کہ میرے ربنے میری اہانت کی جیسا کہ پہلی صورت ابتلا میں کہتا تھا کہ میرے رب نے میرے اوپر اکرام کیا۔ یہ آیت آجکل کے حالات پر خوب چسپاں ہے اور لوگوں کی خودغرضی پردہ کر رہی ہے۔ اور اب حالت یوں ہے کہ بڑے بڑے بزرگوں سے بھی بدظن ہو جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے ناراضگی کا اظہار کریں گے تو اگر بزرگوں سے بھی بدظنی کریں تو کیا عجب ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ سے خوش اعتقاد رہتے ہیں تو بزرگوں سے بھی خوش اعتقاد رہتے ہیں۔ قرآن شریف نے کوئی چیز چھوڑا نہیں کیسا کیسا بیان کیا ہے کہ غنا کو موجب افتخار اور مہلک بیان کیا ہے اور فقر و تنگی پر گھبرا کر شکوہ کرنے کا بھی ذکر ہے۔ بالکل اب یہی حال ہے مسلمانوں کا جیسا کہ کافر اپنے کو اکرام کا مستحق سمجھتے تھے اور تنگی پر اپنی اہانت سمجھتے تھے۔ نعوذ باللہ کہ اللہ کو اپنے مساوی سمجھا کہ اس نے اکرام کیا اللہ نے اپنے بارے میں اکرام کیا؟ بھلا تمھاری اسکے سامنے کیا حیثیت ہے کہ اپنے کو اسکے سامنے اکرمن کہا اور جب وہ مبتلا کر دے حاجت اور فقر میں اور رزق تنگ کر دے تو کہو کہ اھانن، ظاہر ہے کہ دونوں جملے انکار کے ہیں اور دونوں غلط ہیں۔ جو کچھ آپس میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں کہا کرتے ہیں خدا کی جناب میں بھی وہی کہا۔

اب کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ مسلمان منافقین اور کافرین کے حال سے مشابہت

پیدا کر رہے ہیں یعنی مصیبت میں شکوہ اور نعمت میں افتخار۔ دونوں کا رد ہے قرآن شریف میں یعنی تم خدا کے مقبول نہیں اسلئے کہ جب اعمال صالحہ نہیں کرتے تو مقبول کیسے ہو گے؟ کوئی روپیہ پیسہ سے مقبول نہیں ہوتا بلکہ اعمال صالحہ سے ہوتا ہے۔ سچ پوچھو تو مصائب و آلام اپنے ہی اعمال کے نتائج ہیں اللہ کی طرف انکی نسبت نہ کرنی چاہیئے مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ پس جب مبغوض ہونے کا کام سارے کا سارا ہم لوگ کر رہے ہیں تو پھر مقبولیت اور ثمرات نیک کے حصول کی تمنا کیسی؟ یہ تو بالکل خلاف عقل بات ہے۔ قرآن و حدیث اور سلف کے حالات یہی بتا رہے ہیں کہ ایمان و تصدیق اور اعمال صالحہ ہی مقبولیت کی اصل ہیں تو آخر کیوں نہیں اسکو پکڑتے اور اس سے بداعتقادی کیوں ہے اور کیوں شکوہ و شکایت پر اتر آئے ہو۔ جو مرتبہ اللہ نے اپنے مخلصین اور صالحین بندوں کو دیا ہے وہی آپ بھی اپنے لئے چاہتے ہیں حالانکہ ان کے جیسے اعمال نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ قرآن شریف میں اسکا مضمون جا بجا ہے مسئیین اعمال صالحہ کرنے والوں کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتے۔

اس دنیا میں رنج و الم سے کسکو نجات ہے ؎

وہ کون ہے جہاں میں جو اندوہگیں نہیں		اس غم کدہ میں آہ کوئی دل بھی خوش نہیں

اور اب یہ حالت ہے کہ بہت سے لوگ غم سے دوچار ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکوہ و شکایت تک کر بیٹھتے اور صبر و دعا سے کام نہیں لیتے ؎

غم چو بینی زود استغفار کن		غم بامر خالق آمد کار کن

غم خالق کے حکم سے آیا ہے اور مسلط ہے تاکہ تمکو خدا کی طرف رجوع کر دے۔

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست		جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

کوئی گوشہ دنیا کا ایسا نہیں ہے کہ جہاں درندے اور جال نہ موجود ہوں بس حق تعالےٰ کی یاد کا گوشہ البتہ اس سے محفوظ ہے اور وہیں آرام مل سکتا ہے۔

اہل دنیا کو حزن ہے دنیا نہ پانے پر اور دین کو یہ حزن نہیں ہوتا تو پھر حزن سے

بچنے کیلئے ولی کیوں نہ بن جاؤ۔

بات یہاں سمجھنے کی یہ ہے کہ جب کہ تم از خود ازالۂ غم نہیں کر سکتے تو خالق کی طرف پھر کیوں متوجہ نہیں ہوتے۔ ذوق عجز و بندگی اپنے اندر پیدا کرو تو اجابت ہونے پر مراد کو پہنچو گے اور اگر مراد نہ بھی ملی پھر بھی ایک چیز تو ہے ہی یعنی ذوق بندگی جس کا ثواب ضرور ہی ہے۔ دعا سے مراد صرف اللہ تعالیٰ سے بات کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مقبولیت کیلئے شرط ہے اعمال صالحہ اور جب اللہ تعالیٰ سے تعلق نہ ہوگا تو مقبولیت کہاں؟ نسبت دونوں طرف سے ہوتی ہے یہ نہیں کہ ایک طرف سے تو محض کھانا اور سونا ہو اگرچہ کثرت طعام معدہ کو بھی خراب کیوں نہ کردے اور پھر اسکو بنائے مقبولیت و مردودیت نہ سمجھا جائے آخر یہ کیوں اور پھر طرہ یہ ہے کہ بزرگوں کی نسبت بھی خیال کرتے ہیں کہ جب یہ پیر اور بزرگ ہیں تو پھر ہمارے کھانے اور رزق میں اضافہ دعا سے کیوں نہیں کرا سکتے۔ بس یہی شکایت ہے کہ اچھی دعا نہیں کرتے۔ ہم بھی کہتے ہیں اچھا جاؤ دعا نہیں کرینگے اسلئے کہ تم خدا کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

ایک خانصاحب ایک بزرگ کے پاس پہنچے کہا کیمیا سکھلا دیجئے آپ جانتے ہیں ہمکو بھی بتلا دیجئے۔ بزرگ نے کہا کیا راستہ چلتے بتلا دوں اور جب ضد کیا تو ڈانٹا خانصاحب نادم ہوئے اور خوشامد کرنے لگے پھر کہا کہ اچھا خدمت میں رہو دو برس، چار برس، دس برس اور پھر اگر ہمکو اہل سمجھیں گے تو کیمیا بتلا دینگے۔ جب خانصاحب وہاں پڑ رہے تو املی کی پتی ابال کر کھانے کے لئے دی گئی۔ ان بزرگ نے کہا یہ تو پہلی منزل ہے اور اس کے بعد کے منازل اور سخت ہیں۔ تو دیکھا آپ نے دشواریوں کو برداشت کرنا ہوگا تب اس راہ میں مقصد برآری ہوتی ہے۔ جب کسی مقصد کو چاہو گے تو اسکی نزاکت کو بتلایا جائے گا۔ اور حصول درجات کے لئے تکلیف کو برداشت کرنا ہوگا۔

دیکھئے اکتاب سے سنا رہا ہوں علماء نے بھی خوب خوب لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ دعا میں اثر ہے مگر بات یہ ہے کہ ؎

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو　　در کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا

مثلاً کوئی مقدمہ درپیش ہو تو پیروی مقدمہ کے لئے وکیل بھی چاہیئے اور عرضی وغیرہ بھی

اور جب کسی حاکم کے سامنے کوئی عرضی قبولیت کے لئے پیش کرتا ہے تو اسکے دل میں کتنی امید توجہ اور قبولیت کی حاکم کی طرف سے ہوتی ہے اور ہمہ تن حاکم کی طرف نظر رکھتا ہے کامیابی اور مقصد براری کی، دل بھی متوجہ اور صورت بھی عاجزانہ، اور اگر حاکم نے سماعت نہ بھی کی اور رد کر دیا تو بھی یہی کہتا ہے کہ پیروی ٹھیک نہیں ہوئی کوئی غلطی ہو گئی ہوگی، عرضی ٹھیک تیار نہ ہو سکی۔ تو جبکہ خدا کی مہربانی چاہتے ہو تو سوچو کہ اگر تم ظاہر و باطن سے اس طرح بھی پیش نہ آسکو تو تمھیں بتلاؤ تم خدا سے ٹھیک معاملہ کر رہے ہو، تو کمی تو تمھاری ہی طرف سے ہے جو کہ دعاء منظور نہیں ہوتی۔ اگر دعاء حقیقی طور سے نہیں کی گئی ہے تو برکت اسکی پھر کیا دیکھ رہے ہو۔ اور دعاء جب یہاں قبول نہیں ہوتی تو ہو سکتا ہے کہ آخرت میں جا کر مقصد ملے اور وہ تو پھر بھلائی ہی بھلائی ہے اور یہ بھلائی مطیع کو ضرور وہاں ملتی ہے۔ یہاں دنیا میں جو چیز ملتی ہے وہ اسکے لئے کبھی بھلائی ہوتی ہے کبھی برائی۔ دیکھو باپ بچے کو پیسہ نہیں دیتا تو مصلحتاً کہ کچھ کھا کر بیمار نہ پڑ جائے۔ یا جیسے کبھی طبیب مریض کو کڑوی دوا تجویز کر دیتا ہے تو اگرچہ دعاء کے ذریعہ مطلوب اور مقصود نہ ملا تو بھی دعاء سے جو تسلی اور قوت قلب کو حاصل ہوتی ہے یہ کچھ کم نہیں ہے دعاء کرنے سے اللہ تعالیٰ کیجانب توجہ کرنے کا اثر ضرور قلب پر پڑتا ہے۔ جسکے باعث تسلی فوری حاصل ہوتی ہے اور کمزوری جاتی رہتی ہے۔ اور رہا حاجت کا پورا ہونا یہ اثر کا دوسرا درجہ ہے جیسے کہ طبیب اور ڈاکٹر کے یہاں جبکہ مریض مسہل چاہتا ہے اور وہ گو مسہل فی الفور نہیں دیتا مگر علاج ہاتھ میں لے لیتا ہے تو یہی کیا کم ہے اور بشرط موقع مسہل دینے کا وعدہ بھی کر لیتا ہے اگرچہ اسوقت نہیں دیتا۔

دیکھئے! اللہ کی توجہ سے بڑھکر اور کیا چیز تمھیں چاہئے اور سچ پوچھئے تو بندے کے لئے یہی خاص پونجی ہے اور ایسی صورت میں یہاں فقط تسکین سے راحت حاصل ہے اور وہاں چلکر نعمت ہی نعمت ہے تو خسارہ اور محرومی کی گنجائش کہاں ہے حضرت مولانا نے خوب کلام اس پر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ بندہ سب تدبیروں کے ساتھ اللہ سے توکل اور دعاء بھی کرتا رہے۔ ہر مصیبت میں اگرچہ تدبیر کو بھی لازم پکڑے و

مگر دعا کو نہ چھوڑو خوب عاجزی کے ساتھ دعا کرو اور جن امور میں تدبیر نہ ہو سکے تو تمام کوشش بھی دعا ہی پر صرف ہونا چاہیئے جیسے کہ بارش نہ ہونے کے موقع پر، اولاد نہ ہونے پر نفس و شیطان مسلط ہونے پر، وبا یا طاعون ہونے پر، ظالم کے شر سے بچاؤ کے لئے۔ ان سب باتوں میں تدبیر کا اتنا دخل نہیں ہے تو ایسے بے تدبیر کے معاملے میں دعا ہی سے کام لینا چاہیئے اور جو حصہ کہ تدبیر میں استعمال ہوتا ہے وہ بھی دعا ہی پر خرچ کرنا چاہیئے بہت عاجزی و انکساری و تضرع سے۔ دل سے دعا پر جم کر بیٹھے اور اپنا حال معروض کرے۔ یہ نہیں کہ نماز کے بعد جیسے کہ بطور آموختہ دو چار دعا جو یاد کیجاتی ہیں بس پڑھ دیا، دعا میں سرگرمی لازمی ہے اور عاجزی و توجہ سے کرے جیسا کہ انبیاء و مرسلین نے کیا تھا جو نمونہ ہیں ہر معاملہ میں، بس سب میں کامل نصرت کی دعا کرے اور اصل تدبیر جو سچ پوچھو تو یہی ہے جو انبیاء نے بتلائی۔ دین و دنیا دونوں کے کام بنتے ہیں دیکھو سورۂ بقرہ کے آخر کی دعا رَبَّنَا لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اے رب ہمارے ہم پر نہ لادیئے ایسا بوجھ جس کی ہمکو سہار نہ ہو ہمارے گناہ معاف کر دیجئے اور ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحم فرمایئے۔ آپ ہی ہمارے مولیٰ ہیں لہٰذا کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمایئے۔ سورۂ بقرہ میں بہت سارے احکامات ہیں اسکو حضرت عمرؓ نے دس برس میں سیکھا تھا پھر اسکی خوشی میں ایک بڑی دعوت کی تھی۔

پہلے بزرگان دین رات رات بھر عبادت کرتے تھے اور آخر وقت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اسکی قبولیت کے لئے وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ اور سحر کے وقت وہ لوگ استغفار کرتے ہیں۔ یہ بزرگوں کے حالات ہیں حقیقی اور اصل تدبیر یہی ہے مگر گناہگار کے دل میں جیسے اور برائیاں ہیں ویسے ہی شیطان اس کے دعا کے متعلق بھی یاس و ناامیدی اسکے دل میں ڈال دیتا ہے کہ دعا قبول نہیں ہوتی بس پھر نحوست ہی پر جم جاتے ہیں اور کچھ کا کچھ کہنے لگتے ہیں اور شیطان پھر انکو جہنم میں لیجانیکی تیاری کرانے پر کوشاں رہتا ہے۔ جبکہ تم مومن ہو تو تمکو اور کون بہکا سکتا ہے

سوائے شیطان کے ایک مولانا وعظ میں فرماتے تھے ؎

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جسکے سبب اسی عطار کے بیٹے سے دوا لیتے ہیں

ایک بات اور اس میں ایسی ہوتی ہے کہ اگر دعاء نہ کی جائے تو پھر وہی معصیت اور وبال جان ہو جاتی ہے اور دعاء کرنے پر آسانی ضرور عطا ہوگی جیسے کہ حضرت موسیٰ وہارون علیہم السلام نے مل کر دعاء کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا تم دونوں کی دعائیں قبول کرلی گئی ہیں اور اسی دعاء کے لئے حکم ہوا کہ جلدی نکرو، چنانچہ بیس برس بعد جاکر مقبول ہوئی ۔ اور دوسرا اثر دعاء کا یہ بھی ہے جو کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ہو سکتا ہے دوسری کوئی بلا آنیوالی ہو اور وہ ٹل گئی ہو۔ بات یہ ہے کہ جب تم دعاء کرتے ہو تو ایک طرف سے دعاء اوپر کو چلتی ہے اور ادھر سے جو جو بلا اتر رہی ہوتی ہے اس سے جاکر اسکا ٹکراؤ ہو جاتا ہے دعاء کی اجابت بلا سے کہتی ہے کہ میں تمھیں اترنے نہ دونگی اور بلا، اس پر مصر رہتی ہے کہ میں اتر کر رہونگی تو دیکھا آپ نے یہ مزاحمت بلا کو پیش آئی دعاء کے ٹکراؤ سے کہ دعاء جاکر بلا سے لڑتی ہے کہ نہیں جانے دونگی، تو بتلاؤ کہ اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے؟ مگر شیطان ہے کہ تمکو محرومی کی راہ دکھاتا اور سجھاتا رہتا ہے ۔ ایک بات اور تم سے کہتا ہوں بغور سنو! تم بزرگوں سے تو دعاء کرانے کے قائل ہو اور خود اپنے سے کرنے کے قائل نہیں حالانکہ مضطر جب حالتِ اضطرار میں دعاء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے توحیدی شان میں یہی فرماتے ہیں کہ ایسوں کی دعاء پر اجابت دوڑ کر آتی ہے اور اسکی تکلیف کو دور کرتی ہے جیسے کہ حضرت یونس کی دعاء پر قبولیت آئی اور انکو مچھلی کے پیٹ سے نکالا اور میدان میں بھی درخت نے ان پر سایہ کیا تو جو حالت اضطرار کی ایک دعاء کرنے والے کی ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ وہ کسی اور میں کہاں پائی جا سکتی ہے؟ ہاں برابر کہنے سننے سے ہو سکتا ہے کہ وہی حالت اضطرار کی بزرگ کے دل میں بھی پیدا ہو جائے تو قبولیت کے لئے پھر وہ دعاء ضرور پر اثر ہوگی یہی انبیاء کی تدبیر ہے اور حقیقی اور اصلی تدبیر ہے ۔ وہ تدبیر بھی کرتے تھے اور انکا توکل بھی حقیقی تھا اور دونوں ہی انکے لئے نافع تھے ۔

حضرت مصلح الامۃؒ کے حالات کے سلسلہ میں حضرت کے طریق کار پر سطور گذشتہ میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے ناظرین کو حضرت کے مشاغل دینیہ اور مزاج والا کا فی الجملہ اندازہ ہو گیا ہوگا اب اسکے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسند ارشاد پر فائز ہو کر حضرت نے اصلاح امت کے سلسلہ میں جو کام کیا اور اس کے لئے جیسا کچھ تعب برداشت کیا اسکا بھی کچھ خاکہ پیش نظر کر دیا جائے تاکہ ناظرین کے سامنے سلف صالحین کے کارناموں اور اشاعت دین کے باب میں انکی محنتوں کا کچھ نقشہ اور اسکا کچھ نمونہ بھی آ جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کو جب کسی بندہ سے کام لینا مقصود ہوتا ہے تو وہ اپنے ایک ایک بندے سے ایسا ایسا بڑا کام لے لیتے ہیں۔ چنانچہ اسلاف کا طریقہ بھی یہی رہا ہے کہ وہ کام کرنے کے لئے پہلے جماعت اور کمیٹی وغیرہ نہیں بناتے تھے بلکہ خود کام کرنا شروع کر دیتے تھے اپنی ذات کو اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کیلئے وقف کر دیتے تھے اور پھر انکے اسی اخلاص کی برکت سے اللہ تعالیٰ انسانوں کی ایک بڑی تعداد کی اصلاح فرما دیتا تھا ایک مجمع کثیر کو ان حضرات کے گرد جمع فرما دیتا تھا

حضرت اقدس مصلح الامۃؒ نے سب سے اہم اور اقدم جن امور کو سالک کے لئے ضروری گردانا ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ صحیح دین پر لگنے کے لئے اور اصلاح نفس کیلئے ضروری ہے کہ انسان کسی کو اپنا مصلح رہبر اور شیخ تجویز کرے، اور شیخ تو بس ایک ہی ہونا چاہیے چنانچہ اسکی تفصیل ایک طالب کے مکتوب ذیل میں ملاحظہ فرمائیے انھوں نے حضرت اقدسؒ کو لکھا کہ :۔

حال: حضرت والا اپنی کمی کا احساس تو ہو جاتا ہے لیکن احساس کے موافق عمل میں دوام مشکل ہو جاتا ہے۔

تحقیق: عمل تو مشکل ہے ہی مگر طالب کیلئے نہیں طلب پیدا کرنا چاہیئے۔

حال: حالانکہ اسی کی بڑی ضرورت اور یہی بہت بڑی کمی ہے۔

تحقیق: ہاں کمی ہے اسکی وجہ میں نے لکھدی (یعنی طلب کا نہونا)

حال: حضرت والا صحیح یہ ہے کہ شخصیت پرستی کو (غالباً شہرت عامہ کی بنا پر) ان

مولوی صاحب نے یہاں پرستی کا لفظ استعمال کیا ورنہ مراد انکی اس سے یہاں تقلید شخصی ہوگی اور تقلید اور چیز ہے اور پرستی کا اور مفہوم ہوتا ہے ایک لازم اور ضروری ہے اور دوسری حرام ہے) پہلے میں زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا (بس) یہ ضرور سمجھتا تھا کہ بڑوں کے یہاں جانے سے کچھ اصلاح ضرور ہو جاتی ہے لیکن یہ کہ اصلاح انھیں (حضرات کے پاس جانے) میں منحصر ہے اسکے قطعی خلاف تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اللہ اور اسکے رسول کی کتاب میں سارے اعمال موجود ہیں اور بزرگان دین بھی اسی (کتاب وسنت) پر چلکر خدا کے برگزیدہ بندے ہوئے ہیں لہذا اگر ہم بھی صحیح معنوں میں ان اعمال کی اتباع کریں تو ہم بھی اس درجہ کو پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن جب میں نے کچھ تھوڑا سا حضرت کی کتاب وصیۃ الاخلاص کا مطالعہ کیا تو معلوم یہ ہوا کہ صحیح معنوں میں اتباع ہی تو مشکل ہوتا ہے اور واقعی یہ کتاب ایک عالم کے لئے ایک بار نہیں ستر بار مطالعہ کرنے کی ہے اور اس پر عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے (یعنی اسکے مطابق عمل کرنے کی)

(تحقیق) بیشک صحیح لکھتے ہو۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ مولوی صاحب نے آجکل کے نئے فارغین اور جدید اہل علم حضرات کے خیال کی خوب ترجمانی فرمائی اس مغالطہ میں آج ایک دنیا مبتلا ہے اور مبتلا کیا ہے انکو مبتلا کیا گیا ہے اور یہیں سے دین کی شاہراہ سے انھیں گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ ہدایت و ضلالت خدا کے قبضہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے صالحین ومخلصین کو ضائع نہیں فرماتے)

حال: ہم نے الفاظ بخاری تو ضرور ختم کرلیا ہے لیکن امام بخاریؒ نے کتاب کس مقصد کے لئے لکھی اس مقصد کیطرف نظر نہیں گئی۔ حضرت اس للہیت کیطرف متوجہ کرانے کی دو شخصوں کو ضرورت ہے اول اول تو استاد ہی کا حق ہے کہ الفاظ کے ساتھ ساتھ معانی کی طرف بھی توجہ لائیں اسلئے کہ طالب بحیثیت طالب ہونے کے ذہن اسکا خالی ہوتا ہے اسلئے اگر یہ لوگ اسوقت تنبیہ کرتے جائیں تو زیادہ اثر پڑے چنانچہ پہلے کے اساتذہ ایسے ہی ہوا کرتے تھے اسی لئے طالب علم جب نکلتا تھا تو

بیک وقت وہ بیہقی وقت اور غزالیٔ وقت ہوا کرتا تھا۔

تحقیق: بیشک ٹھیک لکھ رہے ہو، ٹھیک کہتے ہو (مگر اساتذہ ایسا کریں تب نا انکو تو خود اپنی اصلاح کی ضرورت ہے)

حال: لیکن حضرت آجکل ایسے اساتذہ کیاب ہیں بلکہ آجکل اساتذہ نے اسکو دو جگہ منقسم کردیا ہے یعنی اپنے ذمہ الفاظ کرکے معانی کو بزرگوں کے حوالہ کردیا ہے جو بڑی غلطی ہے۔ تحقیق: صحیح ہے۔

حال: لہٰذا (آج اب) منحصر ہوگیا کہ للّٰہیت پیدا کرنے کے لئے کسی خدارسیدہ کا دامن ہاتھ میں مضبوط پکڑا جائے جو اعمال میں للّٰہیت پیدا کردے اور خدا کی صحیح معرفت کا پتہ دے۔ تحقیق: بیشک بیشک

حال: رہا یہ سوال کہ اس میں کسی ایک شخص کی شخصیت پرستی (یعنی تقلید شخصی) کی کیا ضرورت ہے، بیک وقت کئی ایک بزرگ سے اصلاح ہوسکتی ہے (اور دین کی اچھی بات جہاں سے بھی ملجائے لے لینے میں کیا حرج ہے) یہ سوال میرے ذہن میں بہت دنوں سے کھٹکتا رہا جو بحمد اللہ حضرت کی دعاؤں کی برکت سے اسطرح حل ہوا کہ چونکہ ہر ایک بزرگ کے طریقۂ اصلاح میں فرق ہوتا ہے لہٰذا مرید (طالبِ دین) کے ذہن میں کبھی یکسوئی پیدا نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ اس طریق میں یہی اصل اصول ہے

تحقیق: الحمد للہ خوب حل ہوا اور فرق بھی خوب سمجھ میں آیا۔ صحیح سمجھتے ہو۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ اسی مسئلہ کے متعلق حضرت حکیم الامتؒ کیا فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:-)

فرمایا کہ " پہلے تو میری عادت تھی کہ جہاں جاتا تھا وہاں کے علماء و مشائخ سے ملتا تھا چاہے کسی مشرب کا ہو اور اب تجربہ کے بعد یہ عادت نہیں رہی۔ اور اب تو میں خود اپنے دوستوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ یہ طرز خطرناک ہے۔ پہلے لوگوں کے طبائع میں سلامتی تھی اور اب شرارت ہے آجکل بجائے کسی نفع کے مضرت کا اندیشہ ہے اور جو ایسا کرتے

ہیں انکو اکثر الجھن ہی میں دیکھتا ہوں بکثرت اس قسم کے خطوط آتے ہیں جسمیں یہ لکھا ہوتا ہے کہ فلاں سے ملا فلاں سے ملا اوزاب فنا و قلب کی یہ کیفیت ہے ۔ بتدی کو مختلف لوگوں سے ملنا نہیں چاہیئے اسلئے کہ انتشار ہوتا ہے، طبیعت میں یکسوئی نہیں رہتی اور اس طریق میں ضرورت ہے یکسوئی اور جمعیت قلب کی اور جب وہی اس صورت میں نہیں رہتی تو پھر نفع کہاں ؟ انتہٰی

(ملفوظات حصہ پنجم ص ۱۲۱)

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت تھانوئی جو اپنے زمانہ میں طریق کے مسلمہ امام گذرے ہیں اپنے عمل اور تجربہ سے اسکو مضر فرما رہے ہیں ۔ اور ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہ تو فرمایا کرتے تھے کہ بھائی اس طریق کی نزاکت اور آداب کا تو کچھ ایسا معاملہ ہے کہ پیر تو بس ایک ہی ہونا چاہیئے ۔ اور یہ فرماتے تھے کہ جس طرح سے خدا ایک خدا کا رسول ایک، باپ ایک، عورت کا خاوند ایک، پیر بھی بس ایک ہی ہونا چاہیے معلوم ہوا کہ طریق میں سلوک و تسلیک کے لئے کسی ایک ہی کو انتخاب کرنا ہوگا اور قلب کو تشتت سے بچانے کے لئے اور اسکی یکسوئی اور جمعیت کو باقی رکھنے کے لئے کسی ایک ہی شیخ اور ایک ہی مشرب کو اختیار کرنا ہوگا ۔ شاید بزرگوں کے اس ارشاد کا کہ ۔ یک درگیر و محکم گیر ۔ یہی محل ہو ۔ اس کا صحیح نام تقلید شخصی تو ہو سکتا ہے شخصیت پرستی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ غلط العوام یا غلط العام کی راہ سے آج یہ زبان زد خاص بھی ہو گیا ہے)

حال، گو ہر بزرگ کا مرجع ایک ہی ذات (ذات حق) ہے لیکن وہاں تک پہنچانے کے لیے چونکہ سب کے طریقے مختلف ہیں لہٰذا مرید کو سب کے طرق پر چلنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جائیگا ٹھیک اسی طرح سے جیسے کہ ائمہ اربعہ کہ سب حق پر ہیں اور سب کا مرجع بھی ایک ہی ہے لیکن ہر ایک کے طریقہ میں بون بعید کا فرق ہے سو اگر کوئی چاہے کہ بیک وقت وہ حنفی بھی اور شافعی بھی ہو تو یہ ناممکن ہے بلکہ ایسا شخص اہل سنت والجماعۃ

کے طریقہ سے خارج ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ کسی ایک امام کی اتباع کرے اور اسی کے بتائے ہوئے مسائل پر عمل کرے اور جس طرح سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں کوئی دوسرا شریک نہیں رسول کی رسالت میں شرکت نہیں مسلک حنفیت اور شافعیت میں شرکت نہیں اسی طرح ایک شیخ کی شیخت میں بھی کوئی دوسرا ہرگز ہرگز شریک نہیں ہو سکتا۔ پس ایک مرید کے لئے ضروری ہو گیا کہ اپنا شیخ واحد تسلیم کرے اور اسکے ہر ایک ارشاد کو اپنے لئے فلاح دارین کا سبب جانے اور اسکے کردار و گفتار کو سمجھنے کے لئے ضرورت ہے اس بات کی کہ شیخ کی صحبت اور معیت اختیار کرے۔

تحقیق : بیشک، بیشک۔

حال : حضرت یہ نعمت غیر مترقبہ (یعنی آپ کی صحبت کا حصول) جب اپنے پاس تھی تو کچھ قدر نہ تھی اور اب جبکہ دور ہو گئی (یعنی آپ وطن سے چلے گئے) تو کچھ سمجھ میں آیا لیکن صحبت دور ہو چکی تھی)۔

تحقیق : غنیمت ہے کہ آیا (قدر نعمت بعد زوال تو مشہور مقولہ ہی ہے)۔

حال : لیکن حضرت بڑی چیز عظمت (و محبت شیخ ہے اگر یہ دل میں ہے تو حضرت بھی دل سے قریب ہیں ورنہ جسد کے اعتبار سے قرب کوئی قرب نہیں ہے، حضرت کے عتاب سے کچھ سمجھ میں آیا۔ تحقیق : بیشک

ملاحظہ فرمایا آپ نے طریق میں یکسوئی کی ضرورت آج ہمارے درمیان سے یہی رخصت ہو چکی ہے اسی لئے فیض بھی ناپید ہو گیا ہے۔ چنانچہ جس طالب میں اسکا اہتمام دیکھتے تھے اس سے حضرت مصلح الامۃ اپنی بڑی خوشی کا اظہار فرماتے اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ راستہ پر لگا ہوا ہے۔ ایک طالب مخلص کا عریضہ ملاحظہ فرمائیے:۔

حال : حضرت گذشتہ دو ہفتوں میں ہمارے شہر میں دو بزرگ یکے بعد دیگرے تشریف لائے تھے . . . ان میں سے ایک صاحب کی مجلس بھی بھائی صاحب کی کوشش سے مدرسہ میں ہوئی اور دونوں حضرات کے وعظ بھی ہوئے جن میں ناکارہ بھی شریک رہا لیکن حضرت کیا بتاؤں کہ دل دوسری ہی طرف لگا ہوا تھا۔ قلب میں

برابر یہ بات موجزن رہتی تھی کہ ہمارے حضرت کی مجلس کے سامنے یہ مجلس کچھ بھی نہیں حضرت! یہ کچھ بُرا تو نہیں؟ حالانکہ اب تک یہ ناکارہ (حضرت والا کی مجلس میں) شرکت کے شرف سے محروم ہے تاہم تصور میں ایک نقشہ ذہن میں بنا رہا تھا، حالت یہ تھی ؏
"ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے" حضرت! اب حاضری کا اشتیاق بہت زیادہ ہوگیا ہے کسی لمحہ چین نہیں ہے۔ حضرت والا کی یاد بہت ستا رہی ہے دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ جلد از جلد خدمت میں پہنچا دیں۔

تحقیق: سلامٌ علیکم چوں در خاطری گر از چشم دوری بدل حاضری

آپ نے دو بزرگوں کا ذکر کرکے اپنا حال تحریر فرمایا اور یہ استفسار فرمایا کہ یہ برا تو نہیں؟ سبحان اللہ برا کیسے ہو سکتا ہے آپ نے تو آخیر میں اسکا عشقی جواب بھی عنایت فرمایا ہے میں اسی کی قدرے تفصیل لکھتا ہوں ؎

گفت معشوقے بعاشق اے فتیٰ تو بغربت دیدۂ بس شہرہا

(ایک معشوق نے عاشق سے پوچھا کہ ارے میاں تم نے تو مسافرت میں بہت سے شہروں کی سیر کی ہے)

پس کدامی شہر زآں خوشتر است گفت آں شہرے کہ در وے دلبر است

(یہ تو بتاؤ کہ انمیں سب سے بہتر کون سا شہر تمہیں معلوم ہوا اس نے کہا مجھے تو وہی شہر سب سے عمدہ نظر آیا جس میں میرا محبوب تھا)

اور سنیئے:۔

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیال ماہے چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے

(گو تمام شہر حسینوں سے پر ہے لیکن میں ہوں اور اپنے ماہرو کا خیال ہے کیا کروں میری بدخو آنکھ کسی دوسرے کو نظر اٹھا کر دیکھنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتی)

یہ کیفیت مسمی بعشق ہے اسی کے کمال کو فنا کہا جاتا ہے۔ آخر خط میں آپ نے اسکے اثرات کا ذکر فرمایا ہے۔ مبارک ہو عاشق کو اسکا عشق۔ ملاقات کی بےچینی بھی اسی عشق سے مسبب ہے اسکے لئے بھی دعا کرتا ہوں۔

اسی سلسلہ کا ایک اور عریضہ ملاحظہ فرمایئے:۔

حال: حضرت والا! یہاں مدرسہ کے مولوی صاحبان جب حضرت والا کی خدمت میں خط لکھتے ہیں تو اول مجھے دکھاتے ہیں پھر اس میں ترمیم کرنا ہوتا ہے تو کر دیتا ہوں

کوئی غیر ضروری بات ہوتی ہے تو اسکو کاٹ دیتا ہوں یہ مناسب ہے یا نہیں
تحقیق : خوب مناسب ہے ۔ لکھنے کا ڈھنگ (اور طریقہ) سکھاتے ہیں (اس سے بڑھکر کیا بات ہے) ۔
حال : یہاں حضرت مولانا . . . . صاحب تشریف لائے تھے اسکے دو ہفتہ قبل حضرت مہتمم صاحب (دیوبند) بھی تشریف لائے تھے ۔ حضرت مہتمم صاحب سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت حکیم الامۃؒ کے خلفاء میں سے کون بزرگ حضرت اقدسؒ کے طریقہ پر زیادہ ہیں تو فرمایا کہ پاکستان میں حضرت مولانا محمد حسن صاحب (امرتسریؒ) حضرت اقدسؒ کے طرز پر کام کر رہے ہیں لیکن ہو بہو تمام باتوں میں حضرت اقدسؒ ہی کے طرز پر بس ایک مولانا وصی اللہ صاحب ہی ہیں ۔
تحقیق : میرے لئے اس سے بڑھکر کیا ہو سکتا ہے مگر کہاں میں اس قابل ہوں ۔ آپ دعاء کیجئے ۔
حال : حضرت مہتمم صاحب کا یہ قول ایسے ہی ضمناً میں نے عرض کر دیا کیونکہ میرے لئے اس میں راحت کا سامان تھا ۔ تحقیق : بیشک
حال : میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کل ایک مولوی صاحب نے حضرت کے نام خط لکھکر مجھے دکھایا تھا اس میں بعض حضرات (علماء) کی یہاں تشریف آوری وغیرہ کا ذکر تھا تو میں نے ان سے کہا کہ ویسے تو یہاں اکثر علماء آتے ہی رہتے ہیں تم کس کس کا ذکر کرتے رہوگے اسکی کیا ضرورت ہے ۔ میری حالت یہ ہے کہ چونکہ یہاں بعض حضرات نے سلوک میں گڑبڑ پیدا کر دیا ہے، طریق سے بیگانگی ہو گئی ہے جنکی وجہ سے اہل اللہ سے لوگوں کو بدظنی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے لہٰذا اگر ہمارے یہں سے کوئی ایسا آجاتا ہے جن سے غلط فہمی کے ازالہ کی توقع ہوتی ہے تو میں محض اس نیت سے ان کے وعظوں میں شرکت کر لیتا ہوں کہ میری کنارہ کشی کا اثر عام لوگوں پر پڑتا ہے
تحقیق : بڑی مصلحت ہے ۔
حال : ورنہ میرا دل تو بجز حضرت والا کے کسی اور کی طرف آنکھ نہیں اٹھاتا ۔

تحقیق: مبارک ہو

حال: دلآرامے کہ داری دل درو بند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(جو ذات کہ قلب کو راحت پہنچانے والی ہے اس محبوب کے ساتھ دل کو لگاؤ اور دوسری سب چیزوں سے آنکھ بند کرلو)

تجھ میں وہ کون سی ادا اے مرے باخدا نہیں

(اور میں نے ان سے کہا کہ) یاد رکھو کہ جبکو اپنے شیخ سے مخلصانہ اور قوی نسبت حاصل ہو جائے اس نے بڑی نعمت حاصل کرلی اسی کا نام وحدت مطلب ہے اور پیرو مرشد سے صحیح استفادہ کے لئے یہ شرط ہے۔ تحقیق: بیشک بیشک۔

حال: یہ نہو تو بس اسکا حال یہی ہو جاتا ہے کہ ہر جائی ملانہ وصال صنم نہ ادہر کے ہوئے نہ ادہر کے ہوئے پس کوئی عالم آجائے تو وقتی طور پر مصالح کے پیش نظر انکے وعظ و مجلس میں شرکت کرلیجائے باقی حال یہ ہے کہ ؎

جس نے بچشم نکتہ بیں دیکھ لیا وہ مہ جبیں اسکی نظر میں پھر کہیں کوئی حسیں جچا نہیں

حضرت والا! اس میں دوسرے بزرگوں کی نعوذ باللہ توہین (اہانت) تو نہیں۔ واللہ مقصود اسکا بالکل نہیں ہوتا۔

تحقیق: نہیں ہرگز نہیں۔ یہ غیرت ہے جو لوازم عشق سے ہے (یعنی طریق میں ایک ضروری شے ہے)

ملاحظہ فرمایا آپ نے سالک کیلئے اپنی تسلیک کے سلسلہ میں جو شے سب سے ضروری تھی یعنی ایک شیخ سے مخلصانہ تعلق جس کا دوسرا نام وحدتِ مطلب ہے اسکی اہمیت مذکورہ بالا مکاتبت میں کس قدر نمایاں ہے۔

اسی طرح سے سالک کیلئے ایک اور چیز کی بھی حاجت ہے اسکا نام طلب ہے۔ اس کا بھی مطالبہ کتنی شدت سے فرمایا گیا ہے اور طلب کسے کہتے ہیں اسکو خود حضرت مصلح الامۃؒ نے بارہا حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلویؒ کے کلام سے نکال نکالکر سنایا ہے۔

خواجہ ابو یزید بسطامی کہ سلطان عالم
معرفت بود وقتی شنید یکی قرآن
میخواند چوں بریں آیت رسید
منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرة
ابو یزید بگریست ومی گفت نزا من
اللہ شکایۃ علی عبیدہ کانہ یقول منکم
من رضی عنی بالدنیا ومنکم من
رضی عنی بالعقبیٰ فاین من رضی
عنی لی۔ عزیز من! مرد کامل
کسی است کہ او از خدا ہم
بخدائی گریزد واز وہم بدو راضی
گردد کسی کہ از خدائی ہم بخدائی
راضی شد نہ او وقتی از کسی رنجد
ونہ وقتی او کسی را رنجاند ودر عالم
ہیچ کاری ازاں شنیع تر نیست کہ
کسی باطن کسی تفرقہ کند۔ ای برادر
اگر میخواہی باطن تو ہموارہ جمع باشد
باطن کسی تفرقہ مکن۔ بشنو بشنو!
وقتی شخصی درمی چند در زیر درختی
فروبردہ بود آنرا کسی ببرد ہرچند
آں شخص بطلبید نیافت بخدمت
امام اعظم رفت رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ
وقصہ باز نمود امام اعظم فرمود تو امروز

خواجہ ابو یزید بسطامیؒ نے جو کہ عالم معرفت کے واقعی بادشاہ
ہی تھے ایک دن ایک شخص کو قرآن شریف پڑھتے ہوئے سنا
جب وہ شخص اس آیت پر پہنچا کہ تم میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو
دنیا کا ارادہ کرتے ہیں اور بعضے ایسے ہیں جنکی نیت آخرت کی
ہوتی ہے تو ابو یزیدؒ بہت روئے کہ یہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی
شکایت فرما رہے ہیں یعنی یہ فرما رہے ہیں کہ بعض تم میں سے ایسے
ہیں جو مجھ سے دنیا پاکر راضی ہوتے ہیں اور بعضے ایسے ہیں جو عقبیٰ
کے ثواب حاصل ہو جانے پر خوش ہو جاتے ہیں تو ایسے لوگ
کہاں ہیں جو مجھے پاکر راضی ہوں۔ عزیز من! مرد کامل تو
وہی ہے جو خدا سے بس خدا ہی کو طلب کرے۔ اور جو شخص
خدا کے ملنے پر راضی ہوگیا تو پھر نہ وہ کسی سے رنج اٹھاتا ہے
اور نہ خود کسی کو رنج پہنچاتا ہے اس دنیا میں اس سے بڑھکر
نازیبا کوئی کام نہیں کہ کوئی شخص کسی کا دل دکھائے اور
اسکو باطنی انتشار میں مبتلا کرے۔ اے بھائی اگر تو چاہتا ہے
کہ تیرا باطن بالکلیہ درست رہے تو کسی کے باطن میں انتشار
نہ پیدا کرنا۔ سنو سنو! ایک مرتبہ ایک شخص نے کچھ روپئے
ایک درخت کے نیچے گاڑ رکھے تھے کوئی شخص اسکو نکالکر
لے گیا اس شخص نے بہت تلاش کیا نہ پایا امام اعظم ابو حنیفہؒ
کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا سارا قصہ بیان کیا
امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اچھا بھائی تم آج تو واپس جاؤ
میں تمھارے روپیوں کے ملنے کی کچھ تدبیر کرتا ہوں
اس کے بعد امام اعظم اس شہر کے طبیب کے
پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اس درخت

بازگرد کہ من تدبیر درم تو بکنم امام اعظم بر طبیب آں شہر رفت و گفت بیخ آں فلاں درخت کدام زحمت را کار آید گفت فلاں زحمت را گفت دریں چند روز بیماری بر تو آمدہ است کہ تو او را بداں بیخ اشارت کردہ گفت آری چند روز شد آں فلاں را گفتہ ام کہ بیخ آں درخت بخور امام اعظم براں بیمار رفت و گفت چگونہ گفت بغایت زحمت دارم گفت اگر میخواہی ایں زحمت از تو بکلی دفع شود تو خصم آں درم را زحمتی مرساں درمی کہ از زیر آں فلاں درخت بردہ بخصم باز دہ

قطعہ سہ

نخشبی چند ذکرِ زحمتِ خود
خلق را ہیچ زحمتے مرساں
گر بخواہی کہ کہ زحمتت نرسد
ہیچ کس را تو زحمتے مرساں

سلک صد و بیست و ششم

بباید دانست کہ زہد سہ حرف است

کی جڑ کس مرض کی دوا ہے اس نے کہا کہ فلاں مرض میں مفید ہے فرمایا کہ اچھا ان دنوں کوئی مریض تو ایسا نہیں آیا کہ آپ نے اسی درخت کی جڑ لانے کے لئے اس سے کہا ہو۔ اس نے کہا کہ ہاں چند دن ہوئے فلاں شخص آیا تھا میں نے اسی کے استعمال کرنے کو اس سے کہا تھا پھر امام اعظمؒ اس بیمار کے گھر گئے اور خیریت مزاج دریافت فرمائی اس نے کہا کہ حضرت بڑی تکلیف میں مبتلا ہوں، امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر تو چاہتا ہے کہ یہ مرض اور تکلیف تجھ سے بالکلیہ دفع ہو جائے تو اپنے اس روپئے والے خصم کے دل کو رنجیدہ نہ کر اور جو روپیہ کہ تم فلاں درخت کی جڑ سے نکال کر لائے ہو جاؤ فوراً اس کو واپس کرو۔

"اے نخشبی خود اپنی تکلیف کا کیا ذکر اسکو چھوڑ دو اور یہ سمجھ لو کہ کسی مخلوق کو کبھی کچھ تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تم تکلیف سے محفوظ رہو تو (اسکا طریقہ یہ ہے کہ) تم خود کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔

سلک ۱۲۶ (حسن خلق کا مقام)

جاننا چاہیئے کہ لفظ زہد کے اندر تین حرف ہیں

زے وہے و دال۔ ز سے اشارت است بترک زلت۔ وہے اشارت بترک ہوا۔ و دال اشارت بترک دنیا۔ سعادت مردی کہ او دنیا را کہ ہمہ صفت زناں دارد مطلقہ ثلاثہ گردانیدہ است۔ محمد اسود گوید شبی از ہاتفی شنیدم کہ عبداللہ مبارک را بگو از عمر تو یکسال بیش نماندہ است چوں آں حکایت بعبداللہ گفت عبداللہ می گریست و می گفت مرا ہنوز یک سال در دنیا خواہند داشت آری مرد چوں بدرجۂ کمال رسد خواہد در و دیوار تن را برہم شکند و مرغ روح را از قفس دنیا در عالم علوی برد کہ در ہمہ عمر دعوی ریاضت کردن ہم چیزے نیست و لہذا خواجہ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ العزیز را پرسیدند ریاضت چیست؟ گفت آنکہ کودکاں را گویند کہ بینی پاک کنند عزیز من! اگر

زا۔ ہا اور دال چنانچہ زا سے اشارہ ہے ترک زلت یعنی ترک معصیت کی جانب ہا سے اشارہ ہے ترک ہوا یعنی ترک خواہشات کی جانب اور دال سے اشارہ ہے ترک دنیا کی طرف پس سعید وہ شخص ہے جو دنیا کو کہ اپنی تمام صفات میں عورت ہی کی مانند ہے (عورت کی طرح) تین طلاق دیدے۔ محمد اسودؒ فرماتے ہیں کہ ایک شب ایک ہاتف کو میں نے کہتے ہوئے سنا کہ عبداللہ بن مبارک سے کہدو کہ تمھاری عمر سے بس اب ایک ہی سال باقی رہ گیا ہے۔ جب اس بات کو عبداللہ بن مبارک سے کہا تو وہ بہت روئے اور کہا افوہ ابھی مجھے ایک سال تک اور دنیا میں رکھیں گے۔ ہاں بھائی! انسان جب باطنی کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اسکی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنے تن بدن کی دیوار کو توڑ تاڑ کر رکھدے اور طائر روح کو دنیا کے اس قفس سے رہا کرکے عالم بالا میں پہونچا دے کہ ساری عمر ریاضت ہی کا دم بھرے جانا کوئی چیز نہیں ہے اسی لئے تو جب خواجہ ابوسعید ابوالخیرؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت ریاضت کسے کہتے ہیں تو فرمایا کہ یہی کہ جسطرح سے بچوں سے کہا جاتا ہے کہ جاؤ ناک صاف کرو (مطلب یہ کہ اسی طرح سے اپنے باطن کے نجاسات اور گندگیوں کے دور کرنے کا نام ریاضت ہے)۔

سر عقبیٰ در سر داری سر بدنیا فرو میار
و سخن ایں سرگشتہ سرسری مدان
کہ در عقبیٰ کسی سر تواند شد کہ اگر چہ
در دنیا سر دادنی است بدہد و سر
بدنیا فرو نیارد منصور حلاج را کہ
سر ایں درد سر جز او نبود بعد از
موت در خواب دیدند گوئی سر او
بریدہ اند و جامی در دست او
گفتند ایں چہ حال است؟ گفت
دوست ہمہ جام بسر بریدگان میدہد
ای درویش اگر سر آں داری کہ
بایں سراں سرو سینہ توانی زد سر سرّی
کہ داری از سر دور کن و سر خود را
پی سپر خلق اختیار کن و سرموئے
رعونت را در سر جای مدہ و سراسر
دریں معاملہ چناں باش کہ آں سر
عارفاں بود بشنو بشنو سلطان العارفین قدس سرہ
یعنی ابو یزید بسطامی کہ بحر معرفت او
بسطام بود بیگاہ تری از گورستان
در خانہ می آمد یکی از پسران بسطام
کہ بہ بزرگ زادگی آں مقام منسوب بود
پیش در خود نشستہ رباب می زد
چوں آواز رباب در گوش خواجہ افتاد

عزیز من! اگر تم آخرت کا سودا اپنے سر میں رکھتے ہو تو دنیا کی آزمائشوں سے سر نہ اٹھانا یعنی ہمت نہ ہارنا اور اس سرگشتہ (سر پھرے دیوانے) کی اس بات کو سرسری نہ سمجھنا کہ یہ صحیح ہے کہ سفر عقبیٰ کا اسی وقت طے کیا جا سکتا ہے جب ایسی حالت ہو جائے کہ اگر دنیا میں اسکے لئے سر دھڑ کی بازی بھی لگانی پڑے تو عذر نہ ہو اور دنیوی امتحان سے سر اور منہ نہ موڑے دیکھو منصور حلاج کو کہ واقعی اس درد کے لائق بس اسی کا سر تھا' مرنے کے بعد کسی نے انکو خواب میں دیکھا یوں سمجھو کہ گویا سر کٹا ہوا ہے اور ایک ہاتھ میں جام لئے ہوئے ہیں لوگوں نے ان سے پوچھا کہ حضرت یہ آپ کا کیا حال ہے (کہ جام تو موجود ہے پھر جمجمہ (کھوپڑی ۱۲) کیوں کٹا ہے) فرمایا کہ میرے دوست نے یہ طے کر لیا ہے کہ وہ اپنی محبت کا جام بے سروں (یعنی سرفروشوں ہی) کو دیگا۔ پس اے درویش اگر تجھکو بھی اس راہ کی طلب ہے اور چاہتا ہے کہ اس اپنے سر کے ساتھ اس سرو سینہ کا مقابلہ کرے تو کم از کم یہ کر کہ جو بھی خیال (غیر از یار) رکھتا ہو اسکو اپنے سر سے نکالدے اور اپنے سر کو مخلوق خدا کی خدمت اور حفاظت کے لئے پیش کر دے اور بال برابر بھی رعونت اور انانیت کو اپنے دل میں جگہ نہ دینا اور اس معاملہ یعنی راہ خدا میں ہو بہو ویسے ہونا جیسا کہ عارفین کا طریقہ رہا ہے۔ سنو سنو! سلطان العارفین یعنی ابو یزید بسطامی کہ جن کا بحر معرفت

گفت لاحول ولاقوۃ الا باللہ بزرگ زادہ را این سخن بغایت گراں نمود برخاست کاسۂ سر رباب بر کاسۂ سر خواجہ چناں زد کہ ہر دو کاسہ بشکست خواجہ سر پس نکرد و سر خود گرفت و ہمہ شب در تعہد سر خود بود چوں بامداد صوفی گرم رو آفتاب مصلای نور در ہوا افگند خواجہ خادم خانقاہ را گفت در شہر رباب بچند درم می فروشند گفت بچندیں درم گفت بدو چندیں درم بیار و در فلاں محلت بر فلاں بزرگ زادہ برو وازمن معذرت کن و وش از سبب سر من رباب تو بشکستہ است ایں بہار آں رباب است بدیں درم ربابی دیگر بستاں و خود را خوش دار۔

قطعہ

نخشبی خلق خوش کجا یابند
چند باشی چناں سر افگندہ
تا توانی زعوئے خوب گزیں
خلق خوش خلق را کند بندہ

بسطام (ایران کا ایک شہر) تھا سب سے الگ تھلگ ہو کر ایک مرتبہ قبرستان سے گھر واپس آ رہے تھے بسطام کے بزرگ خاندان کے ایک فرزند اپنے آگے چنگ و رباب رکھے محو نشاط تھے، جب آواز دروازہ سے نکل کر خواجہ بسطامیؒ کے کانوں تک پہنچی تو انھوں نے زور سے فرمایا کہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ اس بزرگ زادہ کو یہ بات ناگوار گذری غصے میں اٹھا اور سارنگی کے موٹے والے حصہ سے شیخ کے سر پہ اس زور سے مارا کہ سارنگی بھی ٹوٹی اور شیخ کا سر بھی پھوٹا خواجہ نے سر بھی پھیر کر (یعنی مڑ کر بھی) نہیں دیکھا بلکہ اپنا سر پکڑے ہوئے اپنے گھر چلے آئے اور رات بھر اسی کے مرہم پٹی میں گزاری۔ جب صبح کا صوفی تیز رفتار یعنی آفتاب نے اپنے نورانی مصلے کو ہوا میں بچھایا (یعنی جب صبح ہوئی) تو شیخ نے خانقاہ کے خادم سے فرمایا کہ یہاں شہر میں سارنگی کس قیمت پر ملا کرتی ہے اس نے کہا کہ اتنے میں ملتی ہے۔ اس سے فرمایا کہ تھیلی سے اتنے روپئے لاؤ اور فلاں محلہ میں چلے جاؤ وہاں جو بزرگ زادے رہتے ہیں اُن سے میری جانب سے معذرت کرنا اور کہنا کہ حقیر کل میرے سر سے ٹکرا کر آپ کا رباب ٹوٹ گیا تھا یہ اسکی قیمت حاضر ہے ان روپیوں سے دوسرا نیا رباب خرید لیجئے اور اب مجھ سے راضی ہو جائیے

ترجمہ قطعہ

اے نخشبی لوگ بھلا حسن خلق کو آسانی کے ساتھ کہاں پا سکتے ہیں۔ تم اس کے لئے کب تک فکر مند رہوگے؟
پس جہاں تک تم سے ہو سکے حسن خلق اختیار کرو اور یہ سمجھ لو کہ خوش اخلاقی ایسی شے ہے کہ مخلوق کو غلام بنا دیتی ہے

سلک صد و بیست و ہفتم

بباید دانست اگرچہ درویشاں گویند خیر درویش دراں باشد کہ از برائے دیں ترک دنیا گیرد و اما سلطان چہار بابش فقر میگوید لیس خیرکم من ترک الدنیا للآخرۃ والآخرۃ للدنیا ولکن خیرکم من اخذ من ہذہ وہذہ ای نورستہ باغ زہادت زہد نہ آنست کہ ہرچہ خورند حلال خورند روزی درویشی را دیدند طعامی لذیذ می خورد گفتند ایں چہ طعام لائق زہد است درویش گفت ای خواجہ ما در دنیا مہمانیم و مہمان ہرچہ بدہند باید خورد۔ چنیں گویند حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہ از سرتاپای ہمہ حسن بود فرزدق را پرسید شنیدہ ام کہ اطعمۂ چرب و شیریں نمی خوری گفت آری عمداً نمیخورم گفت چرا نمیخوری گفت ازاں کہ بشکر آں نتوانم رسید حسن گفت تو وقتی آب سرد نمیخوری گفت می خورم گفت بشکر آں میرسی گفت نی گفت پس چرا طعام لذیذ

سلک ۱۲۷ (درویش کسے کہتے ہیں)

جاننا چاہیئے کہ اگرچہ درویشوں نے فرمایا ہے کہ درویش کی خوبی اس شخص کے اندر موجود سمجھو جو کہ دین کی خاطر دنیا ترک کر دے لیکن فقر کے چہار باب کے بادشاہ کا یہ ارشاد ہے کہ وہ شخص تم میں سے بہتر نہیں ہے جو کہ دنیا کو آخرت کیلئے ترک کر دے یا آخرت کو دنیا کی خاطر چھوڑ دے بلکہ بہتر وہ شخص ہے جو اس میں سے بھی حصہ لے اور اس میں سے بھی حصہ لے (یعنی دین اور دنیا دونوں میں سے حصہ لے) اے باغ زہد کے سنئے پھل سن! زہد اسکا نام نہیں ہے کہ وہ صرف حلال ہی روزی کھائے اسلئے کہ دیکھو ایک دن ایک درویش کو لوگوں نے دیکھا کہ لذیذ کھانے کھا رہا ہے لوگوں نے اعتراض کیا کہ زہد کا دعویٰ اور ایسا عمدہ کھانا زہد میں اور اس میں کیا جوڑ درویش نے کہا بھائی جان ہم لوگ تو اس دنیا میں خدا تعالیٰ کے مہمان ہیں جو بھی ادھر سے عطا ہو کھا لینا چاہیئے۔ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری جو سراپا حسن ہی تھے انھوں نے فرزدق سے پوچھا کہ اجی میں نے تمہارے متعلق سنا ہے کہ تم مرغن اور شیریں کھانا نہیں کھایا کرتے؟ اسنے کہا کہ آپنے صحیح سنا ہے میں نے قصداً انھیں ترک کیا ہے دریافت فرمایا کہ کیوں؟ فرزدق نے کہا اسلئے کہ اسکا شکریہ ادا کرنے سے قاصر رہتا ہوں۔ حسن بصری نے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ تم نے کبھی ٹھنڈا پانی بھی پیا ہے کہا جی ہاں

نمیخوری بروآں ہم بخور ای درویش
اگر وقتی بر مائدۂ توانگر حاضر شوی
از اطعمۂ لذیذ او اجتناب منمای
واگر در کلبۂ درویشی مہمان شوی
از نانِ بے نمکِ او ہم ننگ مکن
و او را بتازیانۂ بے نوائی مرنجان
بشنو بشنو! وقتی درویشی توانگری
را مہمان خواند توانگر چوں در کلبۂ
بینوائی او نظر کرد روز دوم نقدی
برو فرستاد درویش آں را
باز برو فرستاد و می گفت سزای او
ازیں کہ ترا بر درویشیٔ خود محروم کند۔

قطعہ ؎

نخشبی سرِ فقر مخفی بہ
نوشِ خود را ستم تو نیش مکن
گرچہ سر دادنی تو خلق را
محرم سرِ فقرِ خویش مکن

بہت پیا ہے فرمایا اسکا شکر ادا کرنے پر قادر ہو گئے تھے ؟ کہا کہ نہیں نہیں تو اسکا بھی نہیں ادا کر سکا فرمایا کہ بس تو پھر طعام لذیذ نہ کھانے کی وجہ تو صحیح نہ رہی جاؤ میاں اسے بھی کھایا کرو اے درویش سن! اگر تو کبھی کسی امیر کبیر کے دسترخوان پر نعم پر پہنچ جائے تو اسکے اطعمۂ لذیذہ سے بھی اجتناب نکر (بلکہ شکر کے ساتھ کھالے) اور اگر کبھی کسی غریب کی جھونپڑی میں مہمان ہونا پڑ جائے تو اسکی بے نمک کی روٹی کے کھانے سے بھی عار و انکار نکر اور اسکو غربت اور مفلسی کا طعنہ دیکر تکلیف نہ پہنچاؤ ــــ سنو سنو! ایک دفعہ ایک درویش نے ایک رئیس کی دعوت کی اور امیر جب اس غریب کے غریب خانہ میں داخل ہوا تو اسکی بوسیدگی اور شکستگی کو دیکھا دوسرے دن کچھ رقم بھیجی اس نے وہ رقم تو واپس کر دی اور یہ کہا کہ میرے لئے اس سے بڑھکر اور کیا سزا ہوگی کہ میں نے تجھ جیسے امیر کو اپنی درویشی اور غربت پر مطلع کر دیا ؎

"اے نخشبی فقر و فاقہ کے بھید کا پوشیدہ ہی رکھنا بہتر ہے اور
یہ سمجھ لو کہ یہ تمہارے لئے تریاق ہے آب حیات ہے پھر بڑا ستم ہے کہ تم
اسکو دوسروں پر ظاہر کر کے اپنے حق میں اسکو بجائے تریاق نیش (زہر) بنالو
مخلوق کو اگر سر بھی دینا پڑ جائے تو دیدو مگر اسکو اپنے رازِ فقر کا راز دار نہ بناؤ"

سلک صد و بیست و ہشتم

شیرانِ بیشۂ بقاعت
گویند رسمی است کہ چوں سگِ شکاری
را دنبال صید رہا کنند از دور کنند

سلک ۱۲۸ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

خزانۂ معرفت کے جنگل کے جو لوگ شیر ہیں وہ کہتے ہیں کہ دستور ہے کہ جب شکاری کتے کو شکار کے پیچھے دوڑاتے ہیں تو دور ہی سے چھوڑتے ہیں چنانچہ کتے کو شکار کے پیچھے بہت دوڑنا پڑتا ہے بخلاف چیتے کے

و سگ دنبال صید شکاری بسیار دود بخلاف یوز که یوز را در کمین گاه صید دارند یوز قصد شکاری یک بار و یا دو بار بیش نکند و دنبال شکاری بسیار ندود مردم را نیز باید که چون سگ دنبال رزق بسیار ندوند اگر چیزے از پیش برسد چون یوز آن را قبض کنند دیگر آنکه چون یوز در شکار کاہلی کند سگ را بیارند و پیش او بزنند تا یوز بترسد مردم را هم می باید که انتباه از حال دیگری گیرد السعید من وعظ بغیره اے درویش انتباه اصحاب کهف اول از گربه بود آخر از سگ و تو از آدمی هم متنبه نمی شوی کے راست آید اگر مرد زیرکی از درد دیگری دردمند شوو و از حال دیگرے انتباه گیر۔

کہ اس کو شکار کے کمین گاہ میں کر دیتے ہیں (جہاں بیٹھ کر وہ شکار کی تاک میں رہتا ہے) چنانچہ چیتا شکار کا ارادہ اور اس پر حملہ ایک دفعہ یا دو دفعہ سے زیادہ نہیں کرتا اور کسی شکار کے پیچھے زیادہ بھاگتا دوڑتا بھی نہیں پس اسی طرح سے انسان کو بھی چاہیئے کہ روزی کے پیچھے کتے کی طرح نہ بھاگے اگر کوئی چیز سامنے آ جائے تو چیتے کی طرح بس اسکو جھپٹ لے۔ اسی طرح سے شکاریوں کا ایک دوسرا اصول یہ ہے کہ چیتا جب شکار کرنے میں کاہلی کرتا ہے تو کتے کو اسکے سامنے خوب مارتے ہیں تاکہ چیتا ڈر جائے اسی طرح سے لوگوں کو بھی چاہیئے کہ دوسروں کے حال سے سبق حاصل کریں نیک بخت وہی ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے۔ اے درویش دیکھ اصحاب کہف نے پہلے سبق ایک بلی سے لیا تھا پھر کتے سے لیا اور تو ہے کہ انسان سے بھی سبق حاصل نہیں کرتا یہ بھلا کب تیرے لئے مناسب ہے۔ اگر کوئی سمجھدار انسان دوسرے کے درد سے دردمند ہونا چاہتا ہے تو وہ دوسرے کے حال سے عبرت حاصل کرتا ہے۔

(باقی آئندہ)

حکایت : ایک ملاح سے ایک شخص نے پوچھا کہ تمھارے باپ کہاں مرے اس نے کہا دریا میں ڈوب کر۔ کہنے لگا اور دادا کہا کہ دریا میں کہنے لگا کہ پھر بھی تم دریا میں رہتے ہو ڈرتے نہیں ملاح نے کہا تمھارے باپ کہاں مرے کہنے لگا کہ گھر میں پوچھا کہ دادا کہنے لگا کہ گھر میں۔ ملاح نے کہا کہ پھر بھی تم گھر میں رہتے ہو ڈرتے نہیں۔ تو خدا کی قدرت تو ہر جگہ موجود ہے اس کے قہر سے تو کسی جگہ اور کسی وقت مامون نہیں ہو سکتے۔

(۱۰۲) خدا تعالیٰ کے قہر سے نہ ڈرنا ہر حالت میں خلاف عقل ہے

تو جو شخص کہ خدا تعالیٰ سے ایک وقت میں ڈرے اور دوسرے وقت نہ ڈرے وہ کسقدر نادان ہے دوسرے اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ خاص اس مصیبت ہی کیوقت میں زیادہ خطرہ ہے تو یہ بھی تو ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ اس مصیبت میں دوبارہ مبتلا کر دیں اور اس طرح مسلط فرمائیں کہ وہ ہلاک ہی کر دے۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَکُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی (کیا تم اس سے مطمئن ہو کہ دوبارہ تم کو اسمیں لوٹا دے) صاحبو! اپنے کو کسی وقت خدا تعالیٰ کے قبضہ سے نکلا ہوا مت سمجھو اور سب گناہوں کو ترک کر دو۔ دیکھو گناہ میں مصیبت اسلئے آتی ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور یہ بات سارے گناہوں کو عام ہے اگرچہ وہ کسی قسم کے گناہ ہوں تو جب خدا تعالیٰ ناراض ہوئے اور ہر قصہ ان کے قبضہ میں ہوا تو ممکن ہے کہ پھر کسی قصہ میں مبتلا کر دیں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا تو نمرود کو ایک مچھر سے پریشان کر دیا۔

حکایت : اہل سیر نے لکھا ہے کہ نمرود کی یہ حالت تھی کہ جب سر پر چوٹ لگتی تھی تو چین آتا تھا دیکھو کہاں نمرود اور کہاں مچھر مگر خدا تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ ہمارا ایک معمولی سپاہی بھی کافی ہے اور بچانیوالا سوائے خدا کے اور کون ہے؟ اور اگر وہ نہ بچاوے تو ادنیٰ ذرہ ہی پریشان کرنیکو کافی ہے۔

حکایت : ایک بادشاہ کا قصہ ہے کہ اسکی ناک پر بار بار ایک مکھی آکر بیٹھتی تھی اس نے تنگ آکر کہا کہ معلوم نہیں مکھی کو کیوں پیدا کیا۔ وزیر نے کہا کہ اس واسطے پیدا کیا ہے کہ متکبرین

کا تجربہ ٹوٹتے۔ حاصل یہ ہے کہ ذرا سنبھل کر خدا تعالیٰ کی مخالفت کیا کرو تم میں تو ایک مکھی کی مقاومت کی تاب بھی نہیں بس اگر بچنے کی کوئی صورت ہے تو یہی کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ افلاطون کی ایک حکایت لکھی ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ سے پوچھا کہ اگر آسمان قوس ہو اور حوادث تیر ہوں اور خدا تعالیٰ تیر انداز ہوں تو بچکر کہاں جاسکے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیر انداز سے قریب ہو جائے کہ تیر دور والے پر چلاتے ہیں افلاطون نے کہا کہ بیشک آپ نبی ہیں کیونکہ یہ جواب سوائے نبی کے اور کوئی نہیں دیسکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر خدا کے ان لشکروں سے بچنا چاہو تو خدا کا قرب حاصل کرو اور فوراً توبہ کرو اور اس توبہ پر قائم رہو کہ اس سے خدا تعالیٰ راضی ہوں گے اور سب مصائب کو زائل فرمادیں گے۔

(۱۰۳) ظاہری انتظام باطنی انتظام کے تابع ہے

کیونکہ یہ کارخانہ ظاہری وابستہ ہے کارخانہ باطن کے ساتھ اول حکم وہاں سرزد ہوتا ہے پھر اسی کے موافق یہاں ہوتا ہے۔

حکایت: شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے زمانہ کی حکایت ہے کہ ایک مرتبہ شہر کا انتظام بہت سُست تھا ایک شخص نے شاہ صاحبؒ سے وجہ پوچھی فرمایا کہ آجکل یہاں صاحب خدمت سُست ہیں پوچھا کہ کون ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک کنجڑہ بازار میں خربوزہ فروخت کر رہا ہے وہ آجکل صاحب خدمت ہے یہ اس کے امتحان کے لئے گئے اور امتحان اس طرح کیا کہ خربوزہ کاٹ کاٹ اور چکھ چکھ سب ناپسند کر کے ٹوکرے میں رکھدیئے وہ کچھ نہیں بولے چند روز کے بعد دیکھا کہ انتظام بالکل درست ہو گیا اسی شخص نے پھر پوچھا کہ کہ آجکل کون ہیں؟ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک سقہ ہے چاندنی چوک میں پانی پلاتا ہے مگر ایک پیاس کی ایک چھدام لیتا ہے یہ ایک چھدام لے گئے اور ان سے پانی مانگا انھوں نے پانی دیا اس شخص نے پانی گرادیا کہ اس میں تنکا ہے اور دوسرا کٹورہ مانگا انھوں نے پوچھا کہ اور چھدام ہے اس نے کہا کہ نہیں انھوں نے ایک دھول رسید کیا اور کہا کہ خربوزہ والا

سمجھا ہوگا۔ اس شخص نے آکر بیان کیا کہ یہ واقعہ ہوا شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ دیکھ لو آجکل یہ ہیں کہ سب کو بچا رکھا ہے تو سمجھ لو کہ ظاہری انتظام باطنی انتظام کے تابع ہے۔ پھر اس باطن کا ایک باطن ہے کہ وہ حکم حق ہے جس کے صدور میں طاعت و معصیت کو بھی دخلِ عظیم ہے۔ یعنی جب خدا کو ناراض کروگے تو اول محکمہ باطن میں حکم نازل ہوگا پھر اس کے تابع میں ظاہر ہوگا اور مصائب نازل ہوں گے لہٰذا انکی اصل تدبیر یہ ہے کہ خدا کو راضی کرلو پھر کوئی مصیبت نہ آوے گی۔

(۱۰۴) اصحاب خدمت فقراء کو ڈھونڈنا بیکار ہے

اس اوپر کی حکایت کو سنکر کوئی شخص اس غلطی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ ایسے فقیروں کو ڈھونڈنے لگے کہ انکا ڈھونڈھنا محض بیکار ہے اسلئے کہ وہ خدا کے قبضہ میں ہیں ان کے منہ وہی نکلتا ہے جو ہونیوالا ہوتا ہے۔ اگرچہ انکی خدمت بھی نکرو بلکہ جو ان کے منہ سے نکلوانا ہے اسکو راضی کرو، لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو ڈھونڈھتے ہیں۔ اسیطرح بزرگوں کی فاتحہ اس نیت سے دلانا کہ ان سے ہمارا کوئی کام نکلیگا یہ بھی سخت غلطی ہے دیکھئے آخر فرشتے بھی تو بڑے مقبول ہیں مگر انکی فاتحہ کوئی نہیں دلاتا کیونکہ جانتے ہیں کہ وہ بالکل مجبور اور حکم خدا کے تابع ہیں۔ پس اسی طرح یہ حضرات بھی ہیں اور اگر کہا جاوے کہ فرشتے تو زندہ ہیں انکی فاتحہ نہیں دلاتے تو میں کہونگا کہ زندہ لوگوں کو بھی تو ثواب پہونچانا جائز ہے پس جب انکی فاتحہ اسلئے نہیں کرتے کہ وہ بالکل حکم خدا کے تابع ہیں تو سمجھو کہ یہ حضرات بھی بالکل حکم خدا کے تابع ہیں اور سارے اہل خدمت اور اقطاب حکم حق کے سامنے بالکل مجبور ہوتے ہیں جیسا حکم ہو ویسا کرتے ہیں۔ بس ان سے محبت تو رکھنی چاہئے مگر ان سے دنیا کا کوئی کام نکلنے کی کوئی امید رکھنا سخت غلطی ہے۔

(۱۰۵) دعاء کے برکات

ہاں بزرگوں سے دعاء کراؤ اور وہ بھی صرف ان بزرگوں سے جو انبیاء علیہم السلام

کے مشابہ ہوں کہ وہ دعا بھی کرینگے اور تعلیم و اصلاح بھی کریں گے کیونکہ وہ طبیب ہیں اور دعا کرانے کے ساتھ اپنے اعمال کی بھی درستی کرو گناہوں سے توبہ کرو کیونکہ بدون درستی اعمال کے محض انکی دعا سے معتدبہ نفع نہ ہوگا اور نہ انکی سفارش کچھ کام دیگی اسوقت لوگوں نے عمل کو بالکل ہی چھوڑ رکھا ہے اگر کرتے ہیں تو یہ کہ بہت سے وظیفے پڑھ لیے حالانکہ دنیا کی غرض سے وظائف پڑھنے میں قلب میں ایک دعوی مضمر ہوتا ہے چنانچہ انکو تیر بہدف سمجھا جاتا ہے بخلاف دعا کے کہ اسمیں عجز و انکسار ہوتا ہے۔

(۱۰۶) اصلاح اعمال کی ضرورت

غرض یہ کہ اعمال کی درستی کرے اور ہمیشہ اس سبق کو یاد رکھے۔ اور پھر خدا کو ناراض نہ کرے اور ناراض کرنا خاص یہی نہیں کہ اس خاص گناہ کا مرتکب ہو بلکہ سارے گناہوں کا ارتکاب موجب ناراضگی ہے لہذا سارے گناہ چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ تو محض اسی کا خیال ہے کہ فلاں گناہ سے مصیبت آئی ممکن ہے کسی دوسرے گناہ سے آئی ہو پھر اگر گذشتہ مصیبت کسی خاص ہی گناہ سے آئی ہو تو یہ کیا ضرور ہے کہ مستقبل میں دوسرے سے نہ آئیگی۔ دیکھو اگر انگارے سے چھپر جل جائے تو کیا چنگاری کو چھپر میں رکھ دیں گے؟ غرض گناہ چھوٹا ہو یا بڑا سب چھوڑ دو۔

(۱۰۷) دنیا میں کھپ جانا جملہ معاصی کی جڑ ہے

معاصی کی مختصر سی فہرست تو ہر شخص کے ذہن میں ہے یعنی زنا، چوری، جھوٹ بولنا وغیرہ کہ انکو سب لوگ گناہ جانتے ہیں لیکن بعض معاصی ایسے ہیں کہ وہ ان سب کی جڑ ہیں اور اسی لیے سب سے اول فہرست معاصی میں انکا نام ہونا ضروری ہے مگر ہمکو انکی طرف التفات بھی نہیں نہ ہماری فہرست معاصی میں انکا شمار ہے اور یہ بہت بڑی غفلت ہے۔ اب انکے نام سے معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے اسکو اپنی فہرست میں بیشک شمار نہیں کیا اللہ

وہ دنیا میں منہمک ہوتا ہے۔ اب جس سے چاہے دریافت کر لیجئے کسی نے بھی اسکو معصیت نہیں سمجھا۔ نماز نہ پڑھنے کو، دوسرے کا مال دبالینے کو، زنا کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں مگر دنیا میں کھپ جانے کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا حالانکہ یہ ایک ایسا مرض عام ہے کہ جس میں قریب قریب سب مبتلا ہیں اور ایسا قوی ہے کہ سب معاصی اسی کی فروع ہیں مثلاً کوئی شخص نماز میں کوتاہی کرتا ہے تو اسکا سبب یہی ہے کہ وہ دنیا میں غرق ہے اور دین سے بیفکر ہے علیٰ ہذا روزہ، حج، زکوٰۃ جس چیز میں بھی کوتاہی ہو اسکا سبب یہی ہے۔ اگر کوئی شخص بدکاری میں مشغول ہے تو اسکی وجہ یہی دین سے بیفکری اور دنیا میں انہماک ہے۔ غرض اس میں تطویل تقریر کی ضرورت نہیں اگر ذرا غور کیا ہوگا تو معلوم ہوا ہوگا کہ وجہ سب معاصی کی یہی انہماک فی الدنیا ہے مگر پھر بھی یہ سب ہی کا شعار ہو رہا ہے حتیٰ کہ دیندار بھی باستثناء عارفین و اہل تقویٰ و اہل فکر کے سب اسمیں مبتلا ہیں۔ دینداروں کی دینداری بھی اتنی ہی ہے کہ نماز پڑھ لیں اگرچہ بے فکری ہی سے ہو اور داڑھی نیچی کر لیں اگرچہ لوگوں کا مال دبا رکھا ہو، معاملات میں میں ضرر پہنچاتے ہوں۔ غرض دینداری بھی آجکل اسکا نام ہے کہ صورت دینداروں کی سی ہو اور سیرت میں صرف وہ باتیں ہوں جو رسوائی سے بچائیں مثلاً پانچ وقت کی نماز پڑھنا روزہ رکھ لینا اگرچہ عالت یہ ہو کہ ؎

از بروں چوں گورِ کافر پر حلل ۔۔۔ و اندروں قہرِ خدائے عز و جل

(باہر سے دیکھو تو کافر کی قبر کی طرح آراستہ اور مزین ہو اور اسکے اندر خدائے عز و جل کا قہر نازل ہو رہا ہے)

از بروں طعنہ زنی بر بایزید ۔۔۔ وز درونت ننگ می دارد یزید

(تم اپنی ظاہری حالت و وضع سے تو بایزید پر بھی طعنہ زنی کرتے ہو مگر تمہارے باطن کے آگے یزید بھی شرمندہ ہے)

تو حالت یہ ہے لیکن وہ خود بھی اپنے کو اور دوسرے بھی اسکو دیندار سمجھیں گے اور انکی اس حالت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ خود تو بگڑے ہی تھے دوسروں کے لئے بھی ایک برا نمونہ بن گئے، اور ایسے ہی لوگ ہیں جو مرض کو ہنر اور ہنر کو مرض سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ زیادہ تقویٰ کرنے سے دنیا کا نقصان ہوتا ہے تو جب انکی یہ حالت ہے تو دنیا داروں کی کیا شکایت کی جائے غرض مرض انہماک فی الدنیا اسلئے اشد ہو گیا ہے کہ لوگ اس سے غافل ہیں اور انہوں نے اسکو صحت سمجھ رکھا ہے۔

(۱۰۸) حُبِّ دنیا کی مذمت اور حُبِّ دنیا مذموم کی حقیقت

حق تعالیٰ آیت كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْاٰخِرَةَ (یہ بات نہیں بلکہ
عاجلہ یعنی دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو تم نے چھوڑ رکھا ہے) میں ایک شکایت کو ظاہر فرما رہے ہیں
جس کا حاصل یہ ہے کہ تم لوگ دنیا سے محبت کرتے ہو اور آخرت کو چھوڑتے ہو، یہاں
تحبون العاجلہ کے بعد تذرون الآخرۃ بڑھانے سے حُب دنیا کی تفسیر بھی ہو گئی یعنی حُبِ دنیا
اسکو کہیں گے جس میں آخرت کا ترک ہو جائے اور اسی سے حب الدنیا راس کل خطیئۃ کے
معنی بھی سمجھ میں آ گئے ہوں گے یعنی حب دنیا وہ ہے کہ جس کی بدولت آخرت چھوٹ جائے
ورنہ اگر آخرت نہ چھوٹے تو وہ حب دنیا نہ سمجھی جائیگی اور وہ راس کل خطیئۃ میں داخل نہ ہوگی
گو اسکی طرف طبعی میلان اور بقدر ضرورت اسکا اکتساب بھی ہو اسکے معلوم ہو جانے سے
بہت سے اشکالات رفع ہو جائیں گے۔

(۱۰۹) اہل دنیا کے اس اعتراض کا جواب کہ مولوی دنیا کو ترک کراتے ہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ علماء ہمکو دنیا کے لینے سے بالکل روکتے ہیں اور چاہتے
ہیں کہ ہم مسجد کے ملا ہو کر بیٹھ جائیں چنانچہ ان لوگوں نے اس قسم کی ایک حکایت بھی گھڑ رکھی ہے
کہتے ہیں کہ :-

حکایت : کسی بادشاہ کے یہاں بہت سے مولوی جمع ہو گئے تھے سب نے اتفاق کر کے
بادشاہ سے کہا کہ فوج پر جو یہ روپیہ فضول خرچ ہو رہا ہے اسکو موقوف کر دو اس نے کہا کہ فوج
اس ضرورت سے رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی غنیم آئے تو یہ اسکو دفع کرے مولویوں نے کہا کہ اگر
ایسا ہو گا تو اس کام کو ہم انجام دیں گے۔ غرض فوج موقوف کر دی گئی یہ خبر مشہور ہوئی تو غنیم
آ چڑھا۔ بادشاہ نے مولویوں کو خبر کی یہ لوگ کتابیں لیکر پہونچے اور وعظ و نصیحت سنایا وہ کیوں
سنتا آخر ناکام واپس آئے اور بادشاہ سے کہا کہ صاحب وہ بڑا نالائق ہے مانتا ہی نہیں
خیر پھر آپ ہی ملک چھوڑ دیجئے۔ آپ کا ملک گیا اسکا ایمان گیا۔

اس حکایت کو پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ اگر مولویوں کے کہنے پر چلیں تو گھر بار سب چھوڑ دیں صاحبو! اس افواہی حکایت کی تو کوئی اصل ہی نہیں ہے جسکا جواب دیا جائے لیکن اصل اعتراض کی نسبت کہتا ہوں کہ آپ کسی عالم کے پاس رہے ہی نہیں اس لئے آپ کو اسقدر وحشت و اجنبیت ہے چند روز تک اگر کسی عالم کے پاس رہئے تو انشاء اللہ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کو مولوی کیا تعلیم دیتے ہیں۔

(۱۱۰) امراض روحانی کے علاج کیلئے چند روز کا نکالنا کافی ہے

اور اگر آپ کہیں کہ ہم اتنا وقت کہاں سے لائیں تو میں کہونگا کہ آپ امراض جسمانی کی ضرورت سے رخصت لیتے ہیں یا نہیں اور اس رخصت میں تین تین یا چار چار ماہ گنوا دیتے ہیں یا نہیں۔ تو امراض جسمانی کے لئے ایک انگریزی سول سرجن کے کہنے سے چار مہینے فضول گنوا دیتے ہیں تو امراض روحانی کے علاج کے لئے ایک عربی سول سرجن کے کہنے سے بجائے چار مہینے کے چالیس ہی دن اسکے پاس فارغ ہو کر رہ تو لو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ معتقدانہ رہو بلکہ ممتحانہ رہنے کی اجازت ہے ہاں معاندانہ طور پر نہ رہو۔ اب اس سے زیادہ اور کیا آسانی ہوگی کہ عمر بھر میں صرف چالیس دن مانگے جاتے ہیں واللہ اگر آپ ایسا کریں تو قریب قریب تمام سوالات کے جوابات خود بخود بدون مناظرہ کے آپ کی سمجھ میں آجائیں اور جب آپ چلنے لگیں گے تو اسوقت آپ سے پوچھا جائیگا کہ آیا یہ کہنا صحیح تھا یا نہیں کہ ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال　　مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

(اے وہ ذات کہ آپکی ملاقات ہی ہر سوال کا جواب ہے اور آپکی بدولت بدون قیل و قال کے ساری دشواریاں حل ہو جاتی ہیں)

اور اسوقت کہا جائے گا کہ دیکھ لو ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب　　گر دلیلت باید ازوے رو متاب

(آفتاب کے نکلے ہوئے ہونے کی دلیل خود ہی آفتاب ہے اگر تمکو اسکی دلیل منظور ہو تو اس سے منہ موڑو بلکہ اسکو دیکھ لو تو تمکو معلوم ہو جائیگا کہ آفتاب نکلا ہے)

اور چالیس دن کی تخصیص میں اپنی رائے سے نہیں کرتا بلکہ خود حدیث سے ہمکو اطمینان دلایا گیا ہے کہ اگر ہم چالیس دن تک کسی کام کو نباہ کر لیں تو پھر ہماری مدد ہوتی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا اَجْرَی اللّٰہُ عَلٰی قَلْبِہٖ یَنَابِیْعَ الْحِکْمَۃِ اوکما قال حضور مقبولؐ کے قربان جائیے کہ ہر ہر ضرورت میں ہماری دستگیری فرمائی اور ایک معیار ہمکو بتلا دیا کہ اسکے موافق ہم کام کرسکیں اور وہ معیار یہ ہے کہ اس میں اخلاص ہو ایسا چلہ نہ ہو کہ جیسے ایک گنوار نے کیا تھا۔

حکایت: ایک گنوار کو ایک مولوی صاحب نے نماز پڑھنے کے لئے کہا اور چلہ بھر پڑھنے پر ایک بھینس کا وعدہ کیا جب چلہ پورا ہوگیا تو یہ شخص مولوی صاحب کے پاس گیا اور کہا کہ چالیس دن پورے ہوگئے لہذا بھینس دیجئے مولوی صاحب نے کہا بھائی میں نے تو اس لئے کہدیا تھا کہ اگر تو نے چلہ بھر جم کر نماز پڑھ لی تو عادت پڑ جائے گی اور پھر نہ چھوٹ سکے گی کہنے لگا بہتر ہے نہ دیجئے یاروں نے بھی بے وضو ہی ٹرخائی ہے۔ تو جیسے اس کو بے وضو پڑھنے کی وجہ سے اثر نہ ہوا اسی طرح اگر تم بھی مثلاً اس نیت سے رہو کہ مولوی صاحب کے پاس رہکر خوب دعوتیں کھانے کو ملیں گی تو خاک بھی اثر نہ ہوگا بلکہ میں یہ بتلائے دیتا ہوں کہ اگر کسی کے پاس جاکر رہنے کا قصد ہو تو اپنے پاس ہی سے کھانا بھی ہوگا تاکہ خرچ کرکے تعلیمات کی قدر تو ہو۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز مفت آتی ہے اسکی کچھ قدر نہیں ہوا کرتی

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد ۔۔۔ گوہرے طفلے بقرص ناں دہد

(جو شخص کسی سستا خریدتا ہے وہ سستا ہی فروخت کرتا ہے دیکھو نا بچہ ایک گوہر ایک ٹکڑے روٹی کے عوض دیدیتا ہے (اسی لئے کہ وہ گوہر اسکو مفت ملا ہوتا ہے)

لہذا اس تعلیم کا معاوضہ یہ ہے کہ چالیس دن تک اپنا خرچ کرکے رہو۔

حکایت: مجھے حضرت حاجی نور اللہ مرقدہ نے ایک کتاب چھپوانے کے لئے فرمایا میں نے اس کے مفت تقسیم کرنے کا خیال ظاہر کیا فرمایا کہ بھائی مفت تقسیم نہ کرنا کیونکہ لوگ دیکھیں گے بھی نہیں۔

غرض علماء اور اطباء روحانی سے وحشت یا ان پر اعتراضات یا مسائل اسلام میں شکوک اسی وقت تک ہیں کہ جب تک آپ ان کے پاس جاکر نہیں رہتے مگر نہایت افسوس ہے کہ اظہار طلب اور شکوک ہونے کے باوجود بھی یہ نہیں ہوتا کہ چالیس دن کسی کے پاس جاکر رہ لیں۔

برادر! اکثر مجلس میں فرماتے نہیں مانو گے تو اٹھوں گا اور جوتہ پہنوں گا اور چل دوں گا۔ پھر تم لوگ مجھ کو پاؤ گے نہیں۔ بھائی ویسا ہی ہوا۔ اس طرح اس دنیا سے آناً فاناً گئے ہیں کہ گویا چپکے سے اٹھے ہوں اور کہیں چلدیئے ہوں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور ان کا فضل ہے کہ ہم سب لوگوں سے خوش خوش گئے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ حضرت والا کی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ حضرت کی روح بھی خوش رہے۔ آمین

اب اس کے بعد کیا ہوا اسکو سنو! بمبئی سے ۶ بجے شام کو تار کا جواب آیا کہ آپ لوگ حضرت والاؒ کی لاش کو جدہ تک پہنچانیکی کوشش کریں۔ ہم مغل لائن کے منیجر سے کوشش کر رہے ہیں کہ وہ جہاز کے کپتان کو تار دیں کہ وہ جدہ تک لے جائیں اور جدہ سے دوسرے دن قدوائی صاحب کا تار آیا کہ ۲۶ نومبر ۶۷ء کو آپ لوگ حضرت والا کے جسد مبارک کو جدہ لائیں، میں سعودی حکومت سے کوشش کر رہا ہوں کہ وہ مدینہ منورہ میں تدفین کی اجازت دیدے۔ دو دن گذرنے کے بعد ۲۸ نومبر ۶۷ء کو زکی بھائی نے دوبارہ تار دیا کہ سعودی حکومت نے اجازت دی یا نہیں؟ اس کا جواب دیں۔ ۲۹ نومبر ۶۷ء کو کپتان نے بھی اسی مضمون کا تار قدوائی صاحب سفیر ہند کو دیا۔ لیکن مشیت الٰہی کچھ ایسی تھی کہ ۲۹ نومبر ۶۷ء کو دس بجے رات تک کوئی اطلاع جدہ سے نہیں آئی۔ تو اس نے ہم لوگوں کو بلایا اور کہا کہ ابتک کوئی اطلاع نہیں آئی اور بغیر اجازت کے لاش کو گودی کے اندر لیجانا قانوناً جرم ہے۔ وہاں کی حکومت تمام مسافرین کا قرنطینہ کر سکتی ہے اور جہاز کے اوپر جرمانہ کر سکتی ہے۔ اب کیا کریں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رحم ڈالدیا اور اس نے کہا کہ ایک موقع اور ہے وہ یہ کہ صبح ۶ بجے کے قریب جہاز جدہ پہنچ جائیگا اس وقت وہاں کا پائیلٹ آئے گا ممکن ہے کہ اسکی معرفت کوئی اطلاع آئے۔ لہذا وہاں تک لے چلتے ہیں لیکن آپ لوگ بالکل تیار رہیں اگر اسکی معرفت کوئی اطلاع نہیں آئی تو ہم جہاز کو واپس سمندر میں گہرائی کی جگہ لائیں گے اور آدھ گھنٹہ کا موقع مل سکتا ہے۔ اس درمیان میں آپ لوگ تجہیز و تکفین کرلیں۔ ہم لوگ اس پر مجبوراً راضی ہوگئے اور شب ہی میں کفن وغیرہ سب تیار کرلیا گیا کہ دیکھئے صبح کیا ہوتا ہے۔ آخر صبح ہوئی اور پائیلٹ صاحب بھی تشریف لائے ان سے دریافت

کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ صرف اتنی خبر ہے کہ جہاز پر ایک لاش ہے اب اسکے متعلق حکومت نے اجازت دی یا نہیں اسکے متعلق کوئی اطلاع نہیں۔

کپتان نے پھر ہم لوگوں کو بلوایا۔ اور اس لاعلمی کے متعلق اطلاع دی اور کہا کہ ایک موقع اور ہم دیتے ہیں وہ یہ کہ جہاز کو کنارے تک لیجاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہاں اطلاع آگئی ہو تو پھر لاش کو کنارے پر اتار دیا جائیگا اور اگر نہ آئی ہوگی تو پھر آپ سب لوگ اتر جائیں گے، اور لاش کا تمام کام تجہیز و تکفین کا جہاز کے عملہ کے مسلمان انجام دینگے۔ پھر آپ لوگوں سے مطلب نہیں۔ اسکو سوچ لیجئے۔ اگر اس پر ان کے اعزا اور آپ لوگ راضی ہوں تو پھر جہاز لے چلوں۔

پھر ہم لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ خود اپنے ہاتھوں غسل اور تجہیز و تکفین کر دیں اور نماز جنازہ پڑھ لیں اسکے بعد پھر مجبوراً چھوڑ دینگے اس پر وہ راضی نہیں ہوا۔ پھر ہم سب لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ اگر لوگ بندرگاہ پر ہونگے تو خیر اور اگر خدا نخواستہ نہ ہوں تو پھر ہم لوگ حضرت کو جہاز کے عملہ کے حوالے کیسے کر دینگے۔ بھائی اس پر کسی طرح طبیعت راضی ہی نہ ہوئی بھائی بھلا کیسے اور کس دل سے حضرت والا کو جہاز کے عملہ کے حوالہ کر دیتے۔ لہذا مجبوراً حضرت والا کو خلوت سے جلوت میں لایا گیا اور غسل و کفن سے حضرت آراستہ کئے گئے اور کافور و عطر ملنے کے بعد وہاں سے نیچے اُتار کر کشادہ جگہ لائے گئے۔ جہاز کے مسافر ایک پر ایک گرے جاتے تھے۔ اس درمیان میں جہاز بھی کچھ گہرائی میں واپس آیا۔ خیر میں نے نماز پڑھائی۔

برادرم! حضرت والا نے اس نالائق کو شرف امامت سے نوازا تھا۔ یہ جلیل القدر ہستی مجھ کو آگے بڑھاتی اور خود پیچھے ہو لیتی۔ اللہ اللہ کیا تواضع و مسکنت تھی ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

مگر یہ آخری نماز ایسی تھی کہ حضرت والا آگے لیٹے تھے اور میں سینۂ مبارک کے سامنے کھڑا رہا۔ اور چار تکبیریں کہیں۔ بعد نماز لوگ اس طرح لے گئے کہ پتہ نہ چلا کہ کہاں لیگئے نفسی نفسی کا عالم تھا کوئی کہیں کوئی کہیں۔ پھر ہر شخص ایک دوسرے سے بے خبر اپنی اپنی فکر میں اور اپنے اپنے رنج و غم میں۔ پھر معلوم ہوا کہ جنازہ نیچے گیا اور وہاں بدن کے تین حصہ پر

منٹ کی خوب وزنی تین پٹیہ باندھی گئی اور ایک لکڑی کے بکس میں جسد مبارک کو رکھا گیا اور
میں ادھر اُدھر دوڑتا رہا کہ کونسی جگہ جاؤں کہ تدفین کو دیکھ سکوں۔ خیر ایک شخص نے بتایا کہ وہاں
جاؤ وہاں سے دیکھ سکو گے۔ لہٰذا برخورداران احمد متین اور احمد مکین کو ساتھ لیا اور بمشکل تمام ایک
جگہ کھڑا ہو سکا پھر دیکھتا کیا ہوں کہ ایک لکڑی کا بکس آہستہ آہستہ لٹکایا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ
پانی کی سطح تک پہونچ گیا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ اس بکس کو ہلایا جا رہا ہے چند منٹ کے بعد حضرت
اجسد مبارک زبان حال سے یہ کہتا ہوا ؎

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزا
سر افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

پانی پر آگیا اور سمندر نے فوراً ہی اپنی گود میں لے لیا۔ اور کچھ دور تک چمکتا ہوا جاتا نظر آتا رہا۔
عزیزم! بہت تیزی سے معلوم نہیں حضرت کہاں جا رہے تھے اور چلے گئے پھر نظر نہ آئے
ہ بھی تسلی کا ایک ذریعہ ختم ہو گیا ؎

مسیحا بن کے بیماروں کو کس پر چھوڑے جاتے ہو
فقط اک دل کا ساغر تھا اسے بھی توڑے جاتے ہو

ور سب لوگ اپنی اپنی زبان حال سے کہہ رہے تھے ؎

سرو سیمینا بصحرا می روی سخت بے مہری کہ بے ما می روی
اے تماشا گاہ عالم روئے تو تو کجا بہر تماشا می روی

عزیزم! مفتی نظام الدین صاحب نے اپنے تعزیت نامہ میں لکھا ہے کہ قیام فتحپور کے ابتدائی
رمیں حضرت والا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

بھائی! حضرت والا کی یہ آرزو اور تمنا آج پوری ہو گئی۔ وہی ہوا جو وہ چاہتے تھے پھر اس
رمیں اکثر و بیشتر اپنی مجلسوں میں یہ شعر پڑھتے تھے ؎

آنے والی کس سے ٹالی جائیگی جان ٹھیری جانیوالی جائیگی

آہ آہ یا حسرتا، یا ویلاہ اس کے بعد یہ بھی پڑھتے تھے اور معلوم نہیں کس دل سے پڑھتے تھے ؎

پھول کیا ڈالو گے تربت پر مری   خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

بھائی یہ جو کچھ حضرت والا فرماتے تھے منجانب اللہ فرماتے تھے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ پھول کیا ایک مٹھی خاک بھی ڈالنے سے محروم رہے۔ اتنی تمنا تھی کہ کہیں مزار ہوتا تو کبھی اس کے سامنے کھڑے ہو کر یہ کچھ تسلی حاصل کر لیتے۔ افسوس کہ یہ اپنی ساری تمنا پانی میں مل گئی۔ بھائی حضرت والا نے اپنے آپ کو فنا کر دیا تھا اور شروع ہی سے حضرت والا کو فنائیت محبوب تھی اسلئے اللہ تعالےٰ نے دو گز کے نشان کو بھی باقی رکھنا پسند نہیں کیا۔ بھائی حضرت والا ہمیشہ کھلی فضا کو پسند فرماتے تھے۔ اس لئے ان کی تدفین دو گز زمین میں کیسے ہوتی۔ لہٰذا سمندر کے ایک وسیع گہوارے میں حضرت والا سُلائے گئے۔

برادر حضرت والا جماعت صوفیا کرام کے ایک انمول موتی تھے۔ چنانچہ حضرت کیلئے سمندر ہی صدف بن گیا اور بحر محبت میں غرق ہو گئے۔ عزیزمن! حضرت والا اکثر یہ شعر بھی پڑھتے تھے اور ادھر دو برس سے تو حال ہی ہو گیا تھا کہ کہیں طبیعت حضرت کی لگتی نہیں تھی۔ کہیں چین و سکون جیسے ان کو ملتا ہی نہیں تھا۔ آخر کار ایک مرتبہ مجبور ہو کر بمبئی میں یا الہ آباد میں حضرت والا نے لوگوں سے فرمایا کہ بھائی کیا کروں میرا تو یہ حال ہے ؎

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لیجا کے بٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی آواز کو سن لیا اور آرزو کو پورا فرما دیا اور ایک بسری جگہ ان کے لئے منتخب فرما دی۔ حضرت والا کی پوری زندگی ہی مخلوق خدا کی خدمت کیلئے وقف تھی قدرت نے اسی لئے بنایا ہی تھا۔ امت محمدیہ کی بھلائی کے لئے دن ورات ایک کئے رہتے تھے۔ اور ساری زندگی اس روئے زمین پر بسنے والی مخلوق مستفید ہوتی رہی۔ اس کے بعد اس کا یہ فیض عام بند کیوں ہوتا۔ ان کے تبلیغ و لطف اور کرم عام کا دستر خوان لپیٹ کیوں دیا جاتا۔ اور پانی میں رہنے والی مخلوق خدا کیوں نہ مستفید ہوتی۔ چنانچہ سمندر کی دعوت کو بھی شرف قبولیت سے

نوازا گیا۔ یا حسرتا ؤ یا ویلاہ ۔

بھائی یہ مربی و محسن چلتے چلاتے اپنے اس حال سے ہم سب کو ایک سبق دے گئے کہ اگر واصل الی اللہ ہونا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو کسی شیخ کے حوالہ اس طرح کرو جیسے مردہ غاسل کے حو ہوتا ہے اور مخلوق سے الگ تھلگ ایسے رہو جیسے کہ میں رہا۔ اور اخلاق رذیلہ سے اس طرح نکل جیسے میں نے اپنے بدن سے کپڑوں کو الگ کر دیا۔ اور پھر اخلاص و طلب کی چادر میں اس طرح لپٹ جس طرح میں کفن میں لپیٹا گیا اور پھر اسکے بعد دریائے محبت میں اس طرح ڈوب جاؤ کہ نہ تو ساحل پہونچنے کی تمنا ہو اور نہ کسی کنارے لگنے کی آرزو ۔

عبث ہے آرزو بحر محبت کے کناروں کی
بس اس میں ڈوب مرنا ہی ہے اے دل پار ہو جانا

اور اپنے آپ کو ایسا فنا کر دو کہ نہ تو کوئی نشان ہی باقی رہ جائے اور نہ کوئی علامت ہی ۔

برادر! جب تدفین سے فراغت ہوگئی تو جہاز پھر آگے چلا اور کچھ دور آگے چل کر حسب دستو رک گیا۔ اس انتظار میں کہ جدہ گودی سے کوئی اسٹیمر آئے اور اسے کھینچ کر ساحل پر لگائے اسی اثنا میں دیکھا گیا کہ ایک کشتی بہت تیزی سے آرہی ہے اور اس پر کچھ لوگ بیٹھے ہیں دیکھتے دیکھتے وہ کشتی جہاز سے لگ گئی۔ اس پر قدوائی صاحب اور ان کے ایک اور رفیق۔ اور کچھ مزدور قسم کے لوگ تھے ا نوجوان شیروانی پوش رفیق نے کھڑے ہو کر زور زور سے آواز دیا کہ نعش لاؤ۔ نعش کہاں ہے نعش کہا ہے۔ جہاز پر سے لوگوں نے جواب دیا کہ اسے تو دفن کر دیا گیا۔ یہ سنتے ہی وہ بیچارے بہت برہم ہوئے اور اپنا سر پیٹنے لگے کہ یہ کیا غضب ہوا۔ اس کے بعد زینہ جہاز سے لٹکایا گیا اور قدوائی صاحب ا ان کے رفیق زینہ سے جہاز پر سوار ہوئے اور کپتان سے ملاقات کی اور اس سے کچھ تیز تیز گفتگو بھی ہوئی۔ کپتان نے سارے قصے سنائے اور اپنا عذر بیان کیا۔ اب سوا صبر کے کر ہی کیا سکتے تھے۔ بس بار بار قدوائی صاحب اور ان کے ساتھی اپنا اپنا سر پیٹتے تھے اور افسوس کرتے تھے کہ بنا بنایا کام کیسے بگڑ گیا۔ ہم نے دو دو تار اجازت کے متعلق دیا ہے۔ پھر قدوائی صاحب نے کپتان سے پوچھا کہ اچھا بتائیے غوطہ خوروں کے ذریعہ یا بذریعہ جال لاش برآمد ہو سکتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں اب نہیں مل سکتی۔

پھر انھوں نے امیر الحج حاجی سلیمان صاحب کو بلایا اور ان سے حضرت والا کے متعلق در کرنے لگے اور پھر بعد میں ہملوگوں کو بھی بلایا اور افسوس کرنے لگے کہ خدا کو جو منظور ہوتا ہے وہ ہ ہوتا ہے اسی سے صبر ہوتا ہے اور صبر کرنا پڑتا ہے اور ان سے معلوم ہوا کہ کنارے پر کافی احباب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے آئے ہوئے ہیں اور حضرت والا کے تدفین کا انتظام مکہ شریف ہ ہو چکا ہے۔ ایمبولنس اور لاش لیجانے کیلئے صندوق اور متعدد گاڑیاں موجود ہیں۔

بہرحال ہملوگ کنارے پہونچ گئے۔ مولوی امجد اللہ صاحب پر نظر پڑی جو کہ زور زور سے چلا رہے تھے کہ احرام باندھ لو، باندھ لو، فوراً مکہ مکرمہ چلنا ہے۔ ہملوگوں نے جواب دیا کہ اب جلد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب اطمینان سے چلیں گے کیونکہ جسکی وجہ سے جلدی تھی وہ ہستی ہی نہیں رہی اسکو ہملوگ سمندر کے حوالے کر چکے ہیں۔ یہ خبر جب ان لوگوں کو معلوم ہوئی ت کافی احباب افسوس کرتے ہوئے سر جھکائے واپس ہوگئے۔ بعض احباب نے حضرت والا کو دیکھ تک نہیں تھا۔ لہذا ان لوگوں کی تمنا تھی کہ زندگی میں نہیں دیکھا تھا تو بعد مرنے کے ہی سہی اس مقدس ذات کے دیدار سے مشرف ہو جائیں۔ لیکن ان بیچاروں کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ قد صاحب اور مولوی امجد اللہ صاحب سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے ہمارے دونوں تار کا جو دیا تھا جو کہ کسی وجہ سے ہملوگوں کو نہیں مل سکا۔ اس کی وجہ ایک یہ سمجھ میں آئی ہے کہ وہی د عدن کی آزادی کا تھا اور وہاں پر لوگ اپنے آزادی کی مسرت میں بشکل خوشی ہمارے غ میں شریک تھے اس میں ان لوگوں سے لاپرواہی ہوئی اور تار کے جواب کو جہاز تک نہ پہنچ سکے۔

خیر یوں تو ارادہ تھا کہ جدہ سے مکہ اور مدینہ تک کے سفر کو بھی تفصیل سے لکھوں گا مگر اب چونکہ حضرت والا کے متعلق باتیں ختم ہوگئیں اسلئے اب جی نہیں چاہتا کہ اپنے خط کو طول دوں۔ مگر خیال ہوتا ہے کہ کم از کم ہملوگوں کی حاضری حرمین شریفین میں بخیر و عافیت آپ لوگوں کے مطالعہ میں آجائے تو بہتر ہے۔ اسلئے بہت مختصر لکھتا ہوں کہ جدہ میں فدوی صاحب کے مکان پر ہملوگوں کا ایک شب قیام رہا۔ اور چونکہ حضرت والا نے فرمایا تھا کہ ہملوگ جدہ میں احرام باندھیں گے اسلئے جمعہ کی صبح کو نہا دھو کر احرام باندھ کر مکہ شریف چلد

مکہ شریف پہونچنے کے بعد معلم عبد القادر حنبلی کے مکان پر سامان وغیرہ رکھتے رکھتے جمعہ کی اذان ہوئی معلم کے ساتھ حرم شریف میں داخل ہوئے اور بعد نماز جمعہ معلم کے ذریعہ طواف قدوم اور سعی اور حلق کے بعد احرام کھل گیا۔ خانہ کعبہ کی زیارت کے بعد سارا غم جاتا رہا۔ بہت ہی سکون نصیب ہوا۔ حرم شریف سے باہر ہوتے تو حضرت والا کی جدائی ستاتی اور جب حرم شریف میں داخل ہوتے تو بہت ہی سکون ہوتا۔ برادر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا ہم لوگوں پر انعام واکرام ہے۔ یوں تو ہونے والی بات ہوتی ہی مگر دیکھئے ہم لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کس طرح معاملہ کیا کہ ادھر آپ لوگوں کو دو برس سے حضرت والا سے جدا رہنے کا کس بہانہ سے عادی بنایا کہ اکثر بمبئی ہی حضرت والا رہنے لگے۔ مگر ہم لوگ ساتھ ساتھ رہتے تو ہم لوگوں کی دلجوئی کے لئے کیسے اسباب فراہم فرمائے کہ سفر حج میں حضرت والا کو اپنے یہاں بلانا تھا۔ بلا لیا۔ اور ہم لوگوں کو خانہ کعبہ اور گنبد خضرا کے سایۂ رحمت میں رکھ کر تسلی وتشفی دل کو دی۔ مکہ شریف کے دوران قیام میں معلوم ہوا کہ بمبئی کے ایک رئیس زین العلی رضا جن کے تعلقات امیر فیصل سے خود ہیں ان کا تار آیا تھا کہ حضرت والا کے تدفین کا انتظام مکہ مکرمہ میں ہو۔ اس پر امیر فیصل والی سعودی حکومت نے ریاض سے مکہ مکرمہ تار بھیجا کہ ایک شیخ ہندی کا جہاز پر انتقال ہوگیا ہے۔ ان کے تدفین کا انتظام جنت المعلیٰ میں کیا جائے۔ اس اطلاع پر جنت المعلیٰ میں حضرت حاجی صاحب مہاجر مکیؒ کی قبر کھولی گئی تھی۔ اور جب اپنے احباب متعلقہ حکام کے پاس جاتے تھے تو وہ تعجب سے دریافت کرتے تھے کہ یہ شیخ ہندی مولانا وصی اللہ صاحب کون ہیں جن کے متعلق امیر فیصل کا تار آیا ہے۔ کیونکہ سعودی حکومت کی تاریخ میں پہلا واقعہ ہے کہ خود والی حکومت کی طرف سے اس قسم کا تار آیا ہو، اور وہ بھی جنت المعلیٰ کے لئے جس میں کہ دفن کرنا لوگوں کا بند کردیا گیا ہے۔

خیر مکہ شریف سے مدینہ شریف ۱۶ ر رمضان کو ہم لوگ روانہ ہوکر بوقت عشار پہونچے تراویح ہو رہی تھی۔ نہا دھو کر حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ گویا قافلہ منزل مقصود کو پہونچ گیا۔ دو رکعت نماز پڑھی گئی اسکے بعد مواجہ شریف میں حاضری ہوئی۔ نیچی نظر اور ربنا ظلمنا انفسنا استغفر لنا ذنوبنا انا کنا خطئین کی کیفیت تھی۔ کیا پوچھنا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقتوں نے ان غمزدہ وشکستہ دل مسافروں کو ڈھانپ لیا اور ہم لوگوں کو سکون قلب اور کافی تقویت نصیب

ہوئی اور ہے۔ مگر پھر بھی کیسے کہوں کہ حضرت والا کا غم دل سے بالکل دُھل گیا۔ ان کے جدائی کہ غم آثار ہتا ہے اور دھلتا رہتا ہے جس نعمت عظمیٰ کو کھو دیا اس کی کمی تو اپنی جگہ پر باقی ہی رہیگی۔ ابد آلآباد تک کے لئے ان سے جدائی کے غم کی آگ دھکتی رہے گی۔ حضرت خوب شعر پڑھتے تھے ؎

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

بھائی! حضرت والا جب ہمارے ساتھ تھے تو اپنا سارا زمانہ ہی تھا۔ جنگل میں بھی منگل رہتا تھا۔ ہمارے ساتھ ایک آدمی بھی رہتا تو معلوم ہوتا کہ ہمارے ساتھ ایک مجمع ہے۔ غیر بھی اپنے عزیز معلوم ہوتے تھے اب وہ بات نہیں بہت سے احباب ورفقاء سفر جمع ہیں مگر دل محسوس کرتا ہے کہ ہم تنہا ہی ہیں۔ ہمارا کوئی نہیں۔ اس ایک ذات کے نہ ہونے کی وجہ سے سب سناٹا ہے۔ نظر وہی شکل ڈھونڈھتی ہے اور دل اسی دلربا کو چاہتا ہے۔ مگر اب وہ کہاں ملتا ہے۔ برادرم! حرمین شریفین میں لاکھوں لاکھ کے مجمع میں بھی اپنے کو تنہا ہی محسوس کرتا ہوں بھائی دونوں جگہ مکہ شریف اور مدینہ شریف کے حرم میں بھی اپنے کو تنہا مقدس گلیوں اور صحراؤں میں بھی دیکھا مگر ہائے ؏

یوسف گم گشتہ کا میرے پتہ چلتا نہیں

اب اپنا حال یہ ہے کہ ؎

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جاکے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

بھائی حضرت والا کے جدائی کے دو مہینہ ہو گئے اور انھیں کی جدائی کی بات بھی کر رہا ہوں پھر بھی جیسے یقین نہیں ہوتا کہ ایسا سانحہ ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؕ برادر! اس مقدس در پر بڑی ڈھارس اور تسلی ہے۔ اب ایک دن آنے والا ہے کہ یہ در چھوٹ جائیگا۔ اس پر نور و پرسکون فضا سے نکل کر ملک بت کدہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے انشاء اللہ بخیر و عافیت ہم سب کو منزل تک پہونچائے اور جب الٰہ آباد میں اس پر رونق مقدس چہرہ کو

اپنے قبلہ وکعبہ کو نہیں دیکھیں گے تو ہم سب کا کیا حال ہوگا اور دل پر کیا گذرے گی۔ کس چیز سے تسلی ہوگی۔ کون سی چیز ہمارے زخمی دل کے لئے باعث مرہم بنے گی۔ حقیقت میں وہی دن ہمارے ماتم کا ہوگا۔ خیر جس خدا نے ابتک ہمیں تقویت پہونچائی اور صبر کی توفیق عطا فرمائی۔ وہی خدا وہاں بھی ہملوگوں کو سنبھالے گا اور دل کو قوت عطا فرمائیگا۔ برادرم ہم سب پر یہ سخت وقت ہے مگر گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تم لوگ گھبراؤ نہیں۔ ہمارا اللہ حافظ و مددگار ہے۔ اور ہمارے محسن و مقبول بندے کی دعائیں ہمارے شامل حال ہیں اور رہیں گی حضرت والا اللہ تعالےٰ کے مقبول و مخلص بندے تھے۔ اور اللہ تعالےٰ کے بندوں کی دین و دنیا دونوں سے خوب خوب خدمت کی اور اپنے اخلاق کریمانہ سے خوب نوازا اس کا اجر اللہ تعالےٰ حضرت والا کو تو دینگے ہی ان کی اولاد کو بھی ملے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ کیا وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے تو ان کی اولاد ماری ماری پھرے گی ہرگز نہیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ؕ

انشاء اللہ تعالیٰ ہملوگ ویسے ہی پھلیں گے پھولیں گے۔ لہذا صبر و استقلال کو نہ چھوڑیئے اور دیگر احباب اور حضرت کے متعلقین و متوسلین سے بھی یہ گذارش ہے یوں تو دنیا میں موت ہوا ہی کرتی ہیں مگر ہر ایک کے تأثرات جدا جدا ہو کرتے ہیں۔ اکثر و بیشتر اموات کا رنج و غم بس ایک محدود جگہ میں ان کے اعزا و اقربا و پڑوس ہی میں رہ جاتا ہے مگر حضرت والا کا یہ سانحہ عظیمہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اور بھلا دینے والا سانحہ نہیں ہے بلکہ ایک شیخ وقت عالم ربانی کا سانحہ ہے اور سارے عالم کو صرف متاثر ہی کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ سارے عالم ہی کی موت ہے موت العالم موت العالم۔ پھر بھی عرض ہے کہ اب زیادہ رنج و غم کرنے سے ہوتا کیا ہے۔ بہرحال میں صبر و استقلال ہی مفید ہے۔ حضرت والا نے بہت کام کیا اور الحمد للہ کام بھی حضرت والا کی ذات سے بہت ہوا۔ مگر یہ چیز سب کے ساتھ پیش آنے والی ہے۔ انبیاء و اولیاء کے ساتھ پیش آئی۔ حضرت والا کے ساتھ بھی پیش آئی۔

محترم حضرت والا کا سن بھی ۷۰ یا اس سے زیادہ کا ہوگیا تھا۔ ہمارے محترم سید حسین صاحب شنر نے اپنے تعزیت نامے میں بڑی تسلی بخش بات تحریر فرمائی کہ حضرت کا سن شریف ۵، ہو چکا تھا۔ نقاہت اور معذوری روز افزوں تھی۔ اللہ تعالیٰ کو پسند نہ تھا کہ اس کا محبوب بندہ معذوری

کے ساتھ اس عالم فانی میں رہے۔ بہت کام ہوا اور بہت خدمت دین کی۔ اس سے آپ لوگوں کو بھی تسلی حاصل کرنی چاہیئے اور اپنے رنج وغم کو غلط کرنا چاہیئے اور وہ کام کرنا چاہیئے جس سے ان کی روح خوش ہو اور ان کے طریق تعلیم و تربیت کی خوب اشاعت ہو۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب حکیم خواجہ شمس الدین صاحب لکھنوی کے تعزیت نامہ کا ایک جزو نقل کر دوں جو کہ بہت ہی عمدہ اور کام کی بات ہے۔ لکھتے ہیں کہ جسد اطہر کے نذر سمندر ہونے سے اور نشان ظاہری کے باقی نہ رہنے سے تقرب الی اللہ اور مہبط رحمت خاصہ ہونے کے مدارج عالیہ حاصل ہوئے جو ہمارے فکر و خیال سے بالاتر ہیں۔ دنیا میں ہزاروں انبیاء اور ہزاروں اولیاء و اصفیا گذرے جنکے مزاروں کا کہیں پتہ ہے نہ نشان ہے لیکن آخرین میں ان کی لسان صدق باقی ہے اور ملاء اعلیٰ میں ان کو مقام کریم حاصل ہے اب ضرورت ہے کہ حضرت کا جو سرمایہ عمر تھا یعنی تبلیغ و اشاعت دین و اصلاح و ایقاظ قلب مسلمین و ترغیب اتباع نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اسکو پوری مستعدی سے جاری رکھا جائے اور ان کے مشن کو ترقی دی جائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ان کے روحانی برکات و فیوض اور تعلیمات سے ہمکو اور جملہ مسلمانوں کو نفع پہونچتا رہے۔

بہت عمدہ بات لکھی، جزاہ اللہ۔ محترم! اب یہ کام کرنیکا ہے اور کرنا چاہیئے۔ ؎

دل از ہجرت کباب تا کے　　جاں ز طلبت خراب تا کے
در مصحف روئے او نظر کن　　خسرو غزل و کتاب تا کے

محترم! ہم سب لوگوں کو چاہیئے کہ کام پر لگ جائیں اور کام کریں تاکہ ان کی روح کو اس کا ثواب ملتا رہے۔ اور پھر روزآنہ کم از کم تین بار سورۂ اخلاص ہی پڑھ کر ایصال ثواب اپنا وظیفہ بنالیں اور دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمکو اور آپ لوگوں کو ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے دین اور ایمان کو سلامت رکھے۔ روز افزوں اس میں ترقی عطا فرمائے۔ اور ہم سب لوگوں کو صبر جمیل عطا ہو۔ آمین بالنبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔ فقط

والسلام طالب دعا خادم محمد مبین عفی عنہ

از مدینہ منورہ شریف

چند تعزیت نامے

(بنام جناب مخدومی محترمی الامجد قاری محمد مبین صاحب خلیفۂ ارشد حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ برکاتہم)

(از طرف حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب تھانہ بھون)

برادرم عزیزم مولوی قاری محمد مبین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج ۱۰ ذیقعدہ کو سرفراز نامہ نے دیا جبکہ عین انتظار میں پہونچکر نور و سرور بخشا جزاکم اللہ تعالیٰ۔ کوائف معلوم ہوئے امتحانی منزل آئی آپ باشاء اللہ ثابت قدم رہے ھنیئاً لکم اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی راحتیں نصیب فرمائے میری جانب سے ہر دو صاحبزادیوں اور حافظ ارشاد احمد صاحب سے سلام مسنون کہئے دعائیہ اور دعاؤں کی مزید درخواست پیش ہے بالخصوص بچوں کی صلاح اور علم وعمل کیلئے اور اپنے حسن خاتمہ اور حسن عمل کیلئے ان دعاؤں کی صاحبزادیوں سے بھی استدعا کردیجئے۔ آپ نے اس ناکارہ ناپاک کا سلام اس دربار میں پہنچا اور دعائیں کیں اس احسان کا بدلہ کیا دے سکتا ہوں جزاکم اللہ فی الدارین اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس ناکارہ کیطرف سے اسکا بدلہ عطا فرمائیں آپکو، آپکے اہل وعیال کو صلاح وفلاح صبر واستقلال ثابت قدمی حضرت قدس اللہ سرہٗ کے فیوض علوم سے سرفراز فرمائیں اور انکی اشاعت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آنعزیز کے ذریعہ انکے تینوں مسکن اور خانقاہوں کو آباد فرمائیں بمبئی الہ آباد فتحپور سے آپ حضرات کے ذریعہ فیوض کے چشمے روز افزوں جاری رہیں۔ اور قوی امید ہے کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

آپ حضرات نے شیخ کی خدمت کی ہے اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ لوگوں کو اپنی نظر شفقت سے تربیت دی ہے وہ انشاء اللہ ضائع نہ جائیگی ضرور رنگ لائیگی اپنی کوتاہیوں پر نظر نہ کیجئے شیخ کی شفقتوں اور انکی تربیت کی خوبیوں پر نظر کیجئے اللہ تعالیٰ اپنے منظور نظر کو ضرور پروان چڑھائیں گے بس ثابت قدمی سے انکے اخلاق کے اصول مضبوط پکڑے رہیئے انکے خدام کو انکی عیال سمجھکر شفقت سے پیش آئیں انشاء اللہ دروازے کھلتے جائینگے۔ توکل سے بڑی کوئی جائداد نہیں اگر آپنے اسکو مضبوطی سے سنبھالے رکھا ابتدائی امتحانات میں پاس ہوگئے تو سمجھئے کہ آپ شیخ کے صحیح وارث قرار پاگئے ہم سبکو اپنا خادم سمجھئے اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں آپسے ہمیں بہت توقعات ہیں آپکا اس نہایت اہم اور سخت موقع پر ثابت قدم رہنا جیسا کہ احباب کے مشاہدات اور خطوط سے معلوم ہوا آپکے قبول کیلئے بشارت ہے۔ آپ شیخ کی امانت کے حامل ہیں شیخ کو آپ سے محبت تھی خالی نہیں چھوڑا کچھ دیکے ہیں پھر گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔

والسلام

(نقل مکتوب گرامی حکیم خواجہ شمس الدین احمد صاحب لکھنوی مدظلہ العالی)

عزیز مکرم جناب قاری محمد مبین صاحب سلمکم اللہ و ابقاکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرت قدس سرہٗ خود تو بحر رحمت الٰہی و انوار لامتناہی میں مستغرق ہو کر ملیکِ مقتدر کے قرب و جوار میں مقعدِ صدق پر پہنچ گئے مگر اخلاف کو غریق دریائے مصائب الم و رنج و غم بنا کر چھوڑ گئے فانا للہ وانا الیہ راجعون

حضرتؒ کی رحلت کا واقعۂ ہائلہ و حادثہ فاجعہ مولمہ قیامت صغریٰ برپا کر گیا جس پر صبر و قرار دشوار اور جس کو دل سے فراموش کرنا خارج از اختیار ہے وہ میرے سب سے بڑے مربی اور سب سے بڑے سرپرست اور قدر شناس تھے کیا عرض کروں کہ انکی وفات نے کتنی بڑی نعمت اور برکت سے مجھے محروم کر دیا انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ واسئلہ صبرًا جمیلا واجرا جزیلا

آپکا پتہ معلوم نہ تھا ورنہ تعزیت نامہ پہلے ہی لکھتا آج مجھی اسحٰق سلمہٗ سے معلوم ہوا تو یہ خط لکھ رہا ہوں جب سے واقعہ کا معمول ہو گیا ہے کہ انکو ایصال ثواب کرنیکے بعد آپ سب حضرات کیلئے استقامت و صبر و سلامتی و عافیت کی روزانہ دعا کرتا ہوں۔ بہر حال امور قضا و قدر پر کسکو اختیار ہے ہر بندہ بے بس و ناچار ہے اللہ کی حکمتوں و مصلحتوں کو کون سمجھ سکتا ہے وہ جب کوئی مصیبت اتارتا ہے تو اسکو آسان بھی کر دیتا ہے جتنی بڑی مصیبت ہوگی اس پر صبر کرنے کا اتنا ہی بڑا اجر بھی ملیگا۔ مخلوق سے عشق و محبت ناپائدار ہے بقول شاعر ؎

عشق با مردہ نباشد پائدار   عشق را با حیّ و با قیوم دار

اللہ اپنی محبت پر ہمارے اور آپ کے دلوں کو استوار کرے اور ہماری بیکسی و بے بسی پر رحم فرمائے۔

جسد اطہر کے نذر سمندر ہونے سے اور نشان ظاہری کے باقی نہ رہنے سے تقرب الی اللہ اور ہبط رحمت خاصہ ہونے کے وہ مدارج عالیہ حاصل ہوئے جو ہمارے فکر و خیال سے بالاتر ہیں۔ دنیا میں ہزاروں انبیاء اور ہزاروں اولیاء و اصفیا گذر چکے مزاروں کا نہ کہیں پتہ ہے نہ نشان ہے لیکن آخرین میں انکی لسان صدق باقی ہے اور ملاء اعلیٰ میں انکو مقام کریم حاصل ہے۔ اب ضرورت ہے کہ حضرتؒ کا جو سرمایۂ عمر تھا یعنی تبلیغ و اشاعت دین و اصلاح و ایقاظ قلب مسلمین و ترغیب اتباع نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اسکو پوری مستعدی سے جاری رکھا جائے اور انکے مشن کو ترقی دیجائے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ انکے روحانی برکات و فیوض تعلیمات سے ہمکو اور مسلمانوں کو نفع پہنچائے۔ اپنے گھر میں اور مولانا حاجی صاحب اور ڈاکٹر صاحب اور دیگر رفقاء کو میرا سلام عرض کریں اور سب سے میری طرف سے تعزیت کریں اور آپ سے میری عاجزانہ درخواست ہے کہ جب مدینہ شریف میں حاضری ہو تو میری طرف سے صلوٰۃ و سلام عرض کریں اور

اوقات اجابت و مقامات استجابت میں میرے لئے دعائے خیر کریں اور یہ دعا کریں کہ اللہ میری دعاؤں کو قبول فرمائے وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

نقل مکتوب گرامی جناب حکیم مسعود صاحب اجمیری مدظلہ العالی

بھائی قمر الزمان صاحب! السلام علیکم شنبہ کی صبح کو ٹیلیفون کے ذریعہ وائرلیس سے آمدہ یہ اطلاع مجھے ملی کہ حضرت اقدس جہاز میں رحلت فرما گئے۔ حواس درست ہو جانے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ یہ ساری تیاریاں اسی کے لئے تھیں ـــــ اچھا میاں تم رہو شاد تم رہو آباد۔ ہم کو ہونا تھا ہو گئے برباد۔ لیکن منظر اب میرے سامنے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف بری کا ہے۔ دورِ ابتدائی حاسدین کی کثرت، مخالفین موقع کی تاک میں بس ماندگان کا حال ابتر، بے زر، بے بس، بے کس۔ سانحہ تشریف بری کا دن کو رات بنا دینے والا تھا۔ خطرات کا ہجوم۔ خدام حواس باختہ ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجرۂ عالیہ کے سامنے تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے کہ کوئی شخص کہے گا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے تو گردن اڑا دونگا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ اعظم کہیں باہر سے واپس آئے حالات کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد اس صدیق نے جس کی عمر پروانگی میں گزری ہے جس نے تن، من، دھن قربان و نثار ہونے کا مظاہرہ زندگی بھر کیا نہ صرف یہ کہ اپنے حواس کو باقی رکھا بلکہ خود کو حالاً قولاً اور عملاً نظیر دنمونہ بنا دیا۔ حجرۂ عالیہ سے باہر نکلے۔ آنسو صاف کئے۔ اعتماد و استقلال کے لہجہ میں ارشاد فرمایا۔

من کان یعبد محمداً فانہ قد مات ومن کان یعبد اللہ فانہ حی لا یموت۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ان کلماتِ عالیہ قدسیہ کا اُن حق شناس لوگوں پر مکمل اثر ہوا گومگو اور ہاں و نا کا تذبذب رفع ہوا۔ بھڑکتی ہوئی آگ میں نرمی پیدا ہوئی انابت و رجوع الی الحق کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ کی طرف سے صبر و سکینت کا القا ہوا۔ حال کو چھوڑ کر ان حضرات نے مستقبل کو بھی دیکھنا شروع کیا۔ حضور کی رسالت قدسیہ اور اللہ عز و جل کے پیغام کا استحضار ہوا۔ حضور کا مطمح نظر اور اللہ کی رضا سامنے آ گئی اور ان صابرین خاشعین قانتین ذاکرین حضرات نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے سپرد کر کے ان کے منصوبہ اور راہِ عمل کو اپنایا۔ یہ انہیں کی جوتیوں کا طفیل ہے کہ میں اور آپ اس دہلیز پاک سے وابستہ ہیں۔ بھائی قمر! راہ عمل یہ ہے۔ اس پر غور کرو وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

۱؎ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو ان کی تو وفات ہو گئی۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو سن لے کہ اللہ زندہ

كِتَابًا مُّؤَجَّلًا ؕ یہ صرف تلاوت کے واسطے نہیں ہے۔ حال بنانے کے واسطے ہے۔ وَالصّٰبِرِيْنَ[۳] فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ اس حقیقت عظیمہ اور مرتبہ جلیلہ پر دل جمانے کا یہی موقع ہے۔ مسلمان کی آنکھ مخالف امور کے پیش آمد پر آنسو بہانے کے لئے پیدا نہیں کی گئی۔ وَاِذَا[۴] سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ۔ مسلمان کا شیوہ ہے يَقُوْلُوْنَ[۵] رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ مسلمان کا شعار ہے وَمَا لَنَا[۶] لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ مسلمان کا فریضہ ہے اَلَمْ يَاْنِ[۷] لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ۔ مسلمان کے لئے قرآن کی پکار ہے۔ اس پر لبیک کہے اور لبیک کہلائے۔

صبر آجانا یہ فطرت ہے۔ اور صبر کرنا یہ عزیمت ہے۔ اِصْبِرُوْا[۸] وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا خود سنبھلو دوسروں کو سنبھالو۔ تکلف سے صبر اور صبر کے مقتضی پر عمل کرو۔ انشاء اللہ یہ مرحلہ سر سے گذر جائے گا اور صبر حال بن جائیگا

جہاز نہ لوٹ سکتا تھا نہ عدن رک سکتا تھا نہ کوئی آبادی جدہ سے پہلے ہے نہ جمعرات سے پہلے یہاں سے جدہ کسی کا پہونچ جانا ممکن ہے۔ کوشش صرف یہ کی جاسکتی تھی کہ قاری مبین صاحب اور زکی اللہ صاحب کی رائے ہو تو حضرت اقدس کو جدہ لیجانے دیا جائے اور جہاز کی رفتار میں ممکن تیزی کی جائے۔ چنانچہ اس کی ہدایات جہاز پر پہونچا دی گئیں اور جہاز کل منگل کو جدہ پہونچ جائیگا۔

حضرت اقدس نے پچاس برس جس چمن کی آبیاری کی ہے۔ اسکی نگہداشت کرنا بہترین مشغلہ ہے اور بہترین ایصال ثواب ہے۔ انشاء اللہ ہمارا اور اُن کا سامنا ہوگا۔ خدا کرے ہم سُرخ رُو حاضر ہوں۔ زرد رُو حاضر نہ ہوں۔

میرا ارادہ تھا کہ جدہ جاؤں تاکہ بچوں کی دلدہی ہو اور یہ بھی دل چاہتا تھا کہ الہ آباد آؤں گا لیکن آنکھ کی حالت ایسی نہیں ہے ڈاکٹر نے سفر کرنے سے روکا ہے۔ اور میری یہ آنکھ وہی بنو گئے ورنہ میرا ارادہ تو نہیں تھا۔

مر ہے اسکو موت نہیں آدیگی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں جس پر موت یا قتل ممتنع ہو) آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں (اسی طرح آپ بھی آخر ایک روز گذر ہی جاویں گے) سو اگر آپ کا انتقال ہو جاوے یا آپ شہید ہی ہو جائیں تو کیا تم لوگ (اسلام سے) الٹے پھر جاؤگے۔ ؎۲ اور کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں بدون حکم خدا کے اس طور سے کہ اسکی میعاد معین لکھی ہوئی رہتی ہے۔ ؎۳ اور وہ لوگ جو مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔ ؎۴ اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف بھیجا گیا تو آپ انکی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا۔ ؎۵ یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم مسلمان ہوگئے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے جو تصدیق کرتے ہیں۔ ؎۶ اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہونچا ہے اس پر ایمان لاویں اور اس بات کی امید رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی معیت میں داخل کر دیگا۔ ؎۷ کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے سامنے جھک جاویں۔ ؎۸ خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو۔

قطراتِ اشک

منجانب قاری عبدالسلام صاحب ہنسور ضلع فیض آباد

(۱)

زیست تیری وقف بہر خدمت دین مبیں
موت تیری حج بیت البیت کی شکل حسیں
ایک ساری عمر تو بیتاب تھا بے خواب تھا
سُو، بزیر سایۂ الطاف رب العالمیں

(۲)

تجھ سے تھے ساماں الہ آباد میں بہبود کے
کیا رہا اب شہرِ اکبرؔ میں سوا امرود کے
آہ تھے امراض روحانی کے لیے حاذق طبیب
ٹوٹے رشتے تو نے جوڑے عبد اور معبود کے

(۳)

کیا ہوا مصباح گر پہونچا نہیں مشکوٰۃ تک
مکہ کیا اس کی رسائی تھی خدا کی ذات تک
شیخ کے اس مدفنِ آبی پہ کیوں گریاں ہے تو
یہ حرم ہے، کیا نہیں حدِ حرم میقات تک

(۴)

زندگی بھر تو رواں تھا صورتِ مہرِ منیر
فیض تھا دریا ترا دعوت تری آفاق گیر
کیسے خاک ہند پر جمتے بھلا تیرے قدم
جب حرم کی خاک سے ممزوج تھی تیری خمیر

(۵)

تیرا یہ بارِ امانت قبر سہہ سکتی نہ تھی
وہ زبانِ حال سے کہتی تھی کہہ سکتی نہ تھی
تھی مکینِ عالمِ انوار تیری روح پاک
نعش بھی تیری بقید خاک رہ سکتی نہ تھی

(۶)

تیری دنیا تھی توکل سب سپردِ کردگار
اور تجھ کو موت بھی آئی براہِ کوئے یار
اس فنا فی اللہ کی شانِ فنائیت تو دیکھ
دفن بھی بابِ عرب کے سامنے ہے بے مزار

رثاء الشیخ

منجانب محترم المقام جناب مولانا سراج الحق صاحب مدظلہٗ

نَعَوْا اِلَیَّ وَصِیَّ اللہِ مُرْشِدَنَا   قَلْبِیْ هَوٰی وَجَرٰی سَیْلٌ مِّنْ اَجْفَانِیْ

لوگوں نے مجھے ہمارے مرشد روحانی حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی خبر مرگ سنائی تو میرا دل ڈوبنے لگا اور میری آنکھوں سے ایک سیلاب امنڈ پڑا

مَضٰی وَعَلَّمَنَا معنی حَدِیْثِ عُمَرَؓ   قَوْلاً وَّفِعْلاً بِاِسْرَارٍ وَّاِعْلَانٍ

حضرت تشریف لے گئے اور ہمیں (ہفتہ عشرہ سے) حدیث سیدنا حضرت عمر فاروقؓ انما الاعمال بالنیات کا مطلب سمجھا گئے۔ اپنے قول سے تو اس کا مطلب علانیہ اور اپنے فعل سے پوشیدہ طور پر بتایا۔

فھاجر الھند ارض المشرکین مُھَا   جِراً الی اللہ بالصدق واحسانٍ

اس طرح کہ انھوں نے صدق نیت اور حسن اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف اس ہندوستان سے ہجرت کرہی کے دکھادی

اقام ضیفا بقعر البحر مُعتکفاً   مُلبِّیاً دعوۃ الرَّوْح وریحانٍ

اب حضرت نے (بحکم حدیث الحجاج ضیوف اللہ) مہمان بنکر قعر سمندر میں اعتکاف کے ساتھ قیام کرلیا ہے۔ آپ نے (بجائے حج کی لبیک کے) جنت کے روح اور ریحان کی دعوت کو لبیک کہا۔

اقول قولی وقد حار الانام بہ   لا تنسنا یوم ینسی الولدَ ابوانِ

لوگ تو حضرت کی وفات کے معاملہ میں متحیر ہو رہے ہیں اور میں (عالم تصور میں کہے جارہا ہوں کہ) یا حضرت جس دن ماں باپ بھی اپنے اولاد کو بھول جائیں گے اس دن آپ ہمیں نہ بھولئے گا۔

جزاک ربی جزاءً کاملاً حسناً   من عندہ طیباً عنّی واخوانی

میرا رب آپ کو خود میری طرف سے بھی اور میرے اخوان طریق کی طرف سے بھی خاص اپنے پاس سے جزائے کامل احسن اور طیب عطا فرمائے

ت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ



وصیۃ العرفان

شمارہ ۱۲ دسمبر ۱۹۸۰ء جلد ۳

مکتبہ وصیۃ العرفان ۲۲ بخشی بازار

حاملِ مضامینِ تصوف واحسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

چندہ ششماہی
۹/-
نو روپئے

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ سالانہ
۱۸/-
اٹھارہ روپئے

زیرِ سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۱۲	صفر المظفر ۱۴۰۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۰ء	جلد ۳

فہرست مضامین

ترسیلِ زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

گذشتہ شمارہ سن ہجری کے نئے سال بلکہ نئی صدی کا پہلا شمارہ تھا، اور پیش نظر شمارہ سن عیسوی کا آخری شمارہ ہے، چونکہ احباب کا حساب کتاب بھی اسی لحاظ سے رہتا ہے لہٰذا اس شمارہ پر خریداری کا سال تمام ہوا پس جن حضرات نے ایک ہی سال کا چندہ عطا فرمایا تھا تو وہ یہ خیال رکھیں کہ سال کے ختم پر انکا چندہ بھی ختم ہوگیا۔ اپنے ان احباب سے ہماری درخواست ہے کہ سال آئندہ یعنی ۱۹۸۱ء کے لئے اپنا پیشگی چندہ فوراً ارسال فرمائیں اور یہ اعلان بغور ملاحظہ فرمالیں:۔

ضروری اعلان

بڑھتی ہوئی ہوشربا گرانی کی وجہ سے سال رواں میں رسالہ لہٰذا قدرے خسارہ ہی سے چلتا رہا چنانچہ اس گرانی کا سلسلہ روز افزوں دیکھتے ہوئے اب اسکے چندہ میں دو روپیہ کا مزید اضافہ کیا جانا تجویز ہوا ہے اسلئے ۱۹۸۱ء کیلئے آپ حضرات زر تعاون بجائے اٹھارہ روپے کے بیس روپے ارسال فرمائیں آپنے دیکھا کہ ہم نے موجودہ دقتوں کے باوجود رسالہ کی طباعت. کتابت اور کاغذ میں ذرا فرق نہیں آنے دیا یہ سمجھتے ہوئے کہ اسکے مضامین نہایت ہی بیش قیمت ہوتے ہیں اور یہ رسالہ ایک محفوظ رکھنے والی چیز اور عرصہ دراز تک کام آنیوالا سرمایہ ہے ـــــ اسلئے امید ہے کہ آپ بھی اس اضافے میں ہمکو مجبور جانیں گے اور خوشی خوشی اسکو قبول فرمائیں گے اور نہ صرف اپنی ہی خریداری جاری رکھیں گے بلکہ اپنے حلقۂ احباب میں سے کم ازکم ایک خریدار کے اضافہ کے ساتھ جلد از جلد سالِ جدید کا چندہ ارسال فرماکر ادارہ کو ممنون فرمائینگے جزاکم اللہ

نیز جو حضرات سال آئندہ کیلئے پیشگی چندہ اٹھارہ روپیہ ہی بھیج چکے ہیں وہ کسی اور موقع سے اس کمی کو پورا فرمادیں اور جن حضرات نے ابھی تک ۱۹۸۰ء کا بھی چندہ نہیں ارسال فرمایا ہے ان سے سوا اسکے کہ ادارہ اور رسالہ پر ترحم خسروانہ کی درخواست کیجائے اور کیا کہی کیا سکتے ہیں؟ بہت سے احباب مختلف طریقوں سے ادارہ کا تعاون فرماتے رہتے ہیں مثلاً کسی نے پرانے شمارے جو پانچ روپیہ میں ۱۵ عدد دیئے جاتے ہیں خرید کر تقسیم کردیئے، کسی نے اعزازی طور پر یکمشت کوئی رقم رسالہ کے تعاون کے سلسلہ میں علاوہ چندہ کے مزید ارسال کردی، کسی نے دو چار خریدار کو متوجہ کردیا ہم ان

سب حضرات کے دل سے شکر گذار ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ ساتھ عالم اسباب میں اگر اللہ والوں کی دعائیں اور اپنے مخلصین کی اعانت ہمارے شاملِ حال نہ ہوتی تو ان حالات میں ایسے رسالہ کا نکلنا مشکل ہی تھا احباب کا یہ تعاون انشاء اللہ تعالیٰ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی میں شمار ہوگا کیونکہ دین تقویٰ کی کیسی کیسی باتیں اس رسالہ کے ذریعہ کتنے اللہ کے بندوں کو پہونچ رہی ہیں اور ہمارے یہ احباب اسکا ذریعہ بنتے ہیں اللہ تعالیٰ انکی اس سعی کو مشکور فرمادے۔ آمین۔

سال جدید میں مضامین رسالہ کے سلسلے میں اپنا عزم و ارادہ تو یہی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ابتدائی دو فارموں میں یعنی سولہ صفحات میں پیش لفظ اور حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ کے ملفوظات و ارشادات رہا کریں گے۔ تیسرے فارم میں مکتوبات اصلاحی ہوا کریں گے، چوتھے فارم میں حالات مصلح الامۃ ہونگے، پانچویں فارم میں ترغیب الفقراء والملوک یعنی ترجمہ سلک السلوک پیش کئے جائیں گے اور چھٹے فارم میں مواعظ حکیم الامۃؒ کے سلسلے نے کیل یوسفی جو طبع ہو رہی ہے وہ آئندہ بدستور چلتی رہیگی۔ انہیں سے ترجمہ سلک السلوک چار پانچ ماہ میں ختم ہو جائیگا اسکی جگہ حضرت حکیم الامۃؒ کی کوئی مفید اور نایاب کتاب شائع کیجائیگی اللہ تعالیٰ ہمارے اس ارادہ میں ہماری مدد فرمائے

رسالہ اور اسکے مضمون کے ذکر کے وقت محترم مولوی جامی صاحب بھی ضرور یاد آجاتے ہیں انکی نیز ارباب ادارہ کی درخواست ہے کہ آپ حضرات انکی قوت و صحت کیلئے دعا فرمائیں۔ ابھی ماضی قریب میں اللہ تعالیٰ نے مولانا کو ایک سخت حادثہ میں الحمد للہ بالکل محفوظ رکھا حادثہ کی اطلاع نے تو حلقہ، اعزہ و احباب میں بڑی تشویش اور انتہائی صدمے کا سامان پیدا کر دیا تھا لیکن الحمد للہ کہ چند ہی گھنٹوں کے بعد ہم سب کا اضطراب مبدل بسکون ہوگیا تفصیل کی حاجت نہیں، مولانا بحمد اللہ الٰہ آباد میں ہیں اور بخیریت ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ ۳۰ اکتوبر کو "سنگم ایکسپریس" کا جو ایکسیڈنٹ کانپور اور اٹاوہ کے درمیان جھینجھک اسٹیشن کے قریب ہوا تھا اسی گاڑی سے مولانا بھی بعض احباب کے ساتھ کسی ضرورت سے میرٹھ جا رہے تھے اور چوتھے ڈبہ میں تھے جبکہ آگے کے تین ڈبے تصادم کیوجہ سے چکنا چور ہوگئے تھے اللہ تعالیٰ نے اس چوتھے ڈبہ کو بالکل محفوظ ہی رکھا اور مولانا اور ان کے رفقاء کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا جسقدر بھی شکر کریں کم ہے۔ سچ کہا ہے کہ ؎

شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

الٰہ آباد کے سابقہ حالات کی وجہ سے باہر کے طلباء کو اور ان سے زیادہ انکے والدین کو انکو یہاں بھیجنے میں سخت تردد ہوگیا تھا لیکن اب اطمینان کی خبر پاکر آہستہ آہستہ تقریباً سب ہی طلباء آگئے اور اب الحمد للہ ماہ محرم سے باقاعدہ اسباق بھی مدرسہ میں شروع ہوگئے۔ امدادی طلبہ کی تعداد اور تعداد مدرسین حسب سابق ہی ہے درجہ حفظ و قراۃ کیلئے ایک جید قاری کی تلاش تھی اللہ تعالیٰ انتظام فرمادے۔

خانقاہ میں حضرت مولانا قاری محمد مبین صاحب دامت ظلہ العالی کے ابتک موجود نہ ہونے کی وجہ سے جو ایک سناٹا سا

محسوس ہوتا تھا اس کا تو انکار نہیں تاہم نظمِ مجلس برابر جاری رہتا ہے اور حضرت مصلح الامتؒ کی یا حضرت حکیم الامتؒ کی بیان فرمودہ تعلیمات اور مضامین سنائے جاتے ہیں اور حسبِ ضرورت انھیں کی تشریح کر دیجاتی ہے، اہلِ توفیق آتے ہیں اور مستفید ہوتے ہیں۔ فتحپور تال نرجا اعظم گڈھ تو حضرت مصلح الامتؒ کا وطن ہی تھا پھر الٰہ آباد وطنِ ثانی بنا اور بمبئی میں بھی حضرتؒ کا مکان ہے ان وجوہ سے ہر سہ مقام کے لوگوں کی برابر یہ خواہش رہا کرتی ہے کہ حضرت قاری صاحب مدظلہٗ ہمارے یہاں قیام فرمائیں چنانچہ حسبِ استطاعت محترم جناب قاری صاحب مدظلہٗ کوشش بھی فرماتے ہیں کہ تمام ہی احباب کو استفادہ کا موقع ملے تقریباً دو ماہ سے آپکا قیام وطن اور اطرافِ وطن میں تھا کل ۲۴ نومبر کو آپ وطن سے الٰہ آباد تشریف لے آئے ہیں الحمد للہ یوں تو طبیعت ٹھیک ہی رہتی ہے لیکن بعض عوارض کے لاحق ہونیسے کبھی کبھی کچھ تکلیف ہوجایا کرتی ہے آپ انکے لئے بھی صحتِ کاملہ کی دعا فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کے فیضِ روحانی کو حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کے ذریعہ جاری وساری رکھیں۔ آمین۔

آخر میں اہلِ ادارہ کی بھی آپسے درخواست ہے کہ ہم سب کیلئے دل سے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر اخلاص عطا فرمائے اور جو کام ہم سے وہ لے رہا ہے اسکو اپنے فضل وکرم سے قبول بھی فرمائے۔ قارئین کو اس سے منتفع فرمائے اور ان سے پہلے خود اربابِ ادارہ کو ان اعمال اور احوال سے متصف فرمائے جنکی اشاعت کر کے وہ دوسروں تک پہنچا رہے ہیں۔

اسی طرح ہم اپنے عام احباب اور خاص معاونین سب کے شکر گذار ہیں جو تاخیرِ اشاعت وغیرہ کی صورت میں انتظار کی تکلیف برداشت کرتے ہیں اور رسالہ کے اپنے دلی تعلق کا ثبوت دیتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ انکو اسکا نیک بدلہ اور صلہ عطا فرمادے اور اپنی جانب سے کسی بات کا دعویٰ کئے بغیر احباب کو اس امر کی اطلاع ضرور دینا چاہتے ہیں کہ ہم لوگ الحمد للہ رسالہ کیجانب سے غافل نہیں رہتے لیکن حالات ہی بعض مرتبہ ایسے پیش آجاتے ہیں کہ ہم بالکل مجبور ہو جاتے ہیں۔

ایک بار اس بات کی طرف آپ کی توجہ پھر مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ اجراءِ رسالہ کا تمام تر معاملہ مالیات ہی سے متعلق رہتا ہے، اب سال ختم ہوچکا ہے لہٰذا جدید اور پیشگی چندہ آنے ہی پر گاڑی آگے بڑھ سکتی ہے جو آپ پر موقوف ہے۔ جن حضرات کے پاس رسالہ بدل کی شکل میں جاتا ہے وہ بھی سال گذشتہ کا چندہ جلد از جلد ادا فرمانے کی سعی کردیں تو بہت کچھ معاملہ آسان ہوجائے۔ خصوصاً وہ حضرات جلد توجہ فرمائیں جنکے ذمہ سنہ گذشتہ کا بھی چندہ باقی ہے۔ والسلام

(ادارہ)

عمل آسان ہے علم ہی مشکل ہے

ایک مجلس میں میں نے ایک خاص مخاطب سے خطاب خاص سے عرض کیا کہ عالم میں ہمیشہ علم اور جہل کی لڑائی رہی ہے اور بواسطہ علم اور جہل کے عالم اور جاہل میں بھی یہ کارزار ہمیشہ گرم رہا ہے۔ علم کے اصل حاملین حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام رہے ہیں اور جہل کے علمبردار کفار ہوئے ہیں (یہی وجہ ہے کہ جس لڑائی کو آج کفر اور اسلام کی جنگ سے تعبیر کیا جاتا ہے غور فرمائیے گا تو اسکی بھی اصل اسی علم اور جہل کو پائیگا اسلئے کہ اسلام ایک علم اور نور ہے اور کفر سراپا جہل اور ظلمت کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن شریف میں کفار کو جاہل فرمایا گیا ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَاْمُرُوْنِّیْ اَعْبُدُ اَیُّھَا الْجٰھِلُوْنَ یعنی اے جاہلو! کیا تم لوگ مجھے غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیتے ہو) حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی دعوت کے ذریعہ صرف علم پہونچانا چاہتے تھے اور چونکہ انکو یہ خدمت منجانب اللہ سپرد ہوئی تھی اسلئے وہ یہ خدمت انجام دیتے تھے کفار اس میں اپنے نفس کیوجہ سے انکے مزاحم ہوئے۔ انکی جہالت اس امر سے مانع ہوئی کہ لوگ اپنے آبائی جہل، خود پسندی اور سائر رسوم جہالت ترک کریں اس لئے حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھڑ گئے۔ اسی طرح یہ نزاع بعض اوقات خطرناک صورت بھی اختیار کر لیتا تھا۔ آپ اگر غور فرمائیں گے تو بلا کسی پس و پیش کے اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ ہمیشہ سے عالم میں یہی نزاع چلتا رہا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے دور میں تو ان کے ساتھ اور ان کے بعد وہ نہیں رہے تو ان کے نائبین کے ساتھ سہی۔ یہ اسلئے کہ نیابت کے لئے یہ چیز لازم ہے یعنی جو چیز منیب کے ساتھ ہوگی وہ نائب کے ساتھ بھی لازمی ہوگی۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ اب بھی لوگ باوجود اسکے کہ صدیوں سے مسلمان ہیں لیکن علماء جب شرعی چیزوں کو پیش کرتے ہیں تو ان کے ساتھ کس درجہ مزاحمت کرتے ہیں یعنی انکے ساتھ پوری داد جہالت دیجاتی ہے اور بہت کم لوگ اس جنگ میں عہدہ برآ ہو سکتے ہیں (اسلئے کہ جب جہالت آتی ہے تو اپنے تمام لوازمات کے ساتھ آتی ہے۔ چنانچہ

بدخلقی۔ بدزبانی، عداوت۔ نزاع و دشمنی یہ سب چیزیں اسکے لئے لازم ہیں جس طرح سے کہ علم کے لوازم سے تہذیب، شائستگی، حسن خلق، محبت اور شفقت وغیرہ امور ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب جہل کا غلبہ ہوتا ہے تو لوگوں کے اخلاق فاسد ہوجاتے ہیں طبیعتیں کج ہوجاتی ہیں اچھے برے کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ نفسانیت کا دور دورہ ہوجاتا ہے غرضکہ دنیا سے صلاح رخصت ہوجاتی ہے اور عالم فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔)

ان حالات میں ضرورت ہوتی ہے کہ لوگوں کو صحیح علم پہنچایا جائے کیونکہ اسی سے جہالت کا قلع قمع ہوتا ہے اور اسکی تاریکی کافور ہوتی ہے مگر لوگ سمجھتے ہیں کہ علم آسان ہے اور عمل مشکل ہے میں کہتا ہوں کہ علم مشکل ہے اور عمل آسان ہے۔ عمل تو علم صحیح کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اسلئے علم صحیح پر ضرور مرتب ہوتا ہے۔ اور اگر عمل میں کچھ نقصان ہے تو وہ علم ہی کے نقصان کی وجہ سے ہے اسلئے کہ علم پہلے ہوتا ہے اور عمل بعد میں لہٰذا جب عمل میں نقص ہو تو سمجھ لینا چاہیئے اسکی جو اصل ہے اس میں ضرور کوئی نقص موجود ہے کیونکہ عمل علم ہی کی فرع ہے اور ہر حال میں اسکا تابع ہوتا ہے یعنی علم اگر کامل ہوتا ہے تو عمل بھی کامل ہوتا ہے اور اگر علم ناقص ہوگا تو عمل بھی ناقص ہی ہوگا غرضکہ جس درجہ کا علم ہوگا اسی درجہ کا عمل ہوگا اسی کو میں نے کہا ہے کہ عمل تو آسان ہے علم ہی مشکل چیز ہے۔ چنانچہ محسوسات میں اسکی ایک مثال سنیئے! اب اسوقت جتنے حضرات یہاں بیٹھے ہیں اور میرا کلام سن رہے ہیں سب ماشاء اللہ اہل عمل ہیں۔ اشراق پڑھکر آئے ہیں اور بہت سے حضرات تہجد گذار ہوں گے مگر میری اس تقریر کو جو میں آپ حضرات کے سامنے عرض کر رہا ہوں بہت ہی کم لوگ سمجھتے ہوں گے اگر باہر جاکر آپ ان سے دریافت کریں کہ "کیا کہتے تھے" ؟ تو ان میں سے کم ہی ہونگے جو میرا مضمون دہرا سکیں۔ یہ اسلئے کہ علم مشکل چیز ہے بدون مزاولت کثیرہ اور ممارست طویلہ کے اسکے فہم اور ادا پر قدرت ہی نہیں ہوسکتی۔

مدارس میں جو اختلافات اسوقت رونما ہو رہے ہیں یہ سب بھی علم اور جہل ہی کی لڑائی ہے یعنی یہ طلبہ باوجود مدارس میں رہنے کے علم کے اثر سے ذرا متصف نہیں ہیں۔

علم کا احسان مال کے احسان سے ہرگز کم نہیں ہے۔ جس کو مال دیا جاتا ہے وہ ممنون ہوتا ہے اور علم کی منت طالبعلم نہ مانے۔ یہ بات سمجھ میں آنیکی نہیں ہے استادوں کو لوگوں نے پیروں سے کم نہیں مانا ہے یہ اسلئے کہ انھوں نے علم کا فیض ان سے حاصل کیا تھا اور علم سے بڑھکر کوئی دوسری دولت نہیں۔ اس چیز نے انکو انکا زرخرید غلام بنا دیا تھا۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ من علمنی حرفاً فقد صیرنی عبداً جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھا دیا تو اس نے مجھے گویا اپنا غلام ہی بنالیا۔ برخلاف اسکے اب جو اساتذہ کی مخالفت کیجاتی ہے اور انکے ساتھ خودسری اور سرکشی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے تو یہ صاف پتہ دیتا ہے کہ انھوں نے ان سے کچھ حاصل نہیں کیا اور علم کا ذرا اثر انکے قلب پر نہیں ہوا۔ اب یا تو انکو فیض سرے سے ہوا ہی نہیں یا تھا مگر کچھ بے ادبی بھی کر دی جسکی وجہ سے وہ کل کا کل سلب ہوگیا۔

بہرحال سنت اللہ یونہی جاری ہے کہ ہر زمانہ میں علم کا جہل سے مقابلہ ہی رہا ہے اور آخر میں علم جہل پر غالب آکر رہتا ہے اور جب علم صحیح دوسروں کو پہنچایا جاتا ہے تو دوسرے لوگ بھی راہ پر لگ جاتے ہیں۔ پس آج جسقدر بھی ضلالت جہالت اور فساد موجود ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ لوگوں کو صحیح علم ہی نہیں ہے عام طور سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ علم ہے مگر عمل کی کمی ہے اور فساد عالم کا یہی سبب ہے لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ عمل نہونے کی بھی وجہ یہ ہے کہ علم صحیح نہیں ہے۔ ورنہ یہ ہو نہیں سکتا کہ کہیں کوئی عالم حقانی ربانی موجود ہو اور وہ شریعت کا صحیح علم بھی لوگوں تک پہنچائے اور اسکا کچھ بھی اثر نہ ہو، یہ ناممکن ہے دیکھا جاتا ہے کہ عمل اور عبادت کی طرف تو لوگوں کو کچھ میلان ہوتا بھی ہے مگر علم کی طرف نہیں آنا چاہتے اس لئے کہ علم مشکل چیز ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ علم کیوں مشکل ہے اسلئے مشکل ہے کہ عبادت میں تو توجہ صرف ایک چیز کی جانب کرنی پڑتی ہے نماز ہے تو ادھر توجہ کرلی، ذکر ہے تو اسکی جانب دھیان کرلیا۔ اسی طرح سے روزہ ہے زکوٰۃ ہے حج ہے جس کام کو کرنا ہوا اسکی طرف طبیعت کو بآسانی یکسو کیا جا سکتا ہے اور علم میں تو قلب و دماغ کو اسکے ہر گوشہ کیجانب اور ہمہ وقت مشغول رکھنا ہوتا ہے

مثلاً اخلاص ہی پر کلام کرنا ہے تو سوچے گا کہ قرآن شریف کی کن کن آیات میں انکا بیان آیا ہے۔ حدیث شریف میں کہاں ذکر ہے ؟ یہ کیسے حاصل ہوتا ہے ؟ اخلاص کے مقابل کون کون سی چیزیں ہیں ؟ اگر ریاء کی شمولیت ہوگئی تو اخلاص جاتا رہا اسیطرح سے نفاق سے کوئی کام کیا تو یہ بھی اخلاص کے منافی ہے۔ غرضکہ ان تمام امور کا استحضار بیک وقت آپکو کرنا پڑے گا۔ اور یہ بڑا مشکل کام ہے اس میں آدمی کا دماغ پریشان ہوجاتا ہے۔

اور میں جو علم کو مشکل اور عبادت کو آسان کہہ رہا ہوں تو یہ باہمی مقابلہ کے اعتبار سے کہہ رہا ہوں یہ مطلب نہیں کہ عبادت میں مشقت اور تعب ہی کچھ نہیں ہے۔ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ یہ فسق کا زمانہ ہے اس میں کوئی شخص عبادت ہی کرے تو بڑی بات ہے اور یہ بلا شبہ اسکا کمال ہے۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ عبادت میں یکسوئی ہوتی ہے اسلئے وہ آسان ہے اور علم میں نجانے کتنی چیزوں کا احاطہ کرنا پڑتا ہے اس لئے یہ دشوار ہے۔

علم کی اسی دشواری کی وجہ سے آج عمل تو کچھ نظر بھی آرہا ہے مگر علم کا تو خاتمہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اخیر زمانہ میں علم کا ضیاع ہوجائیگا تو یہ وہی وقت ہے۔ لیکن ایک اور روایت میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں علم زیادہ ہوجائیگا تو یہ قول بظاہر پہلے قول کے بالکل معارض اور ضد ہے اسلئے علماء متقدمین نے ان دونوں کو اپنی بصیرت سے یوں جمع فرمایا تھا کہ حقیقت علم تو کم ہی ہوجائیگی مگر اسباب علم زیادہ ہوجائیں گے۔ ان حضرات نے اسوقت تو اپنی خداداد بصیرت سے ایسا فرمایا تھا لیکن آج تو ہم اسکا مشاہدہ بھی کر رہے ہیں کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ شاگرد فجر سے ظہر تک حدیث کی کتابت کرتا تھا پھر ظہر سے لیکر عصر تک استاد اور شاگرد دونوں اسکا مذاکرہ کرتے تھے نہ کھانے کا انتظام تھا نہ جائے قیام کا بندوبست تھا نہ عمارت تھی نہ مدرسہ تھا اور ایک یہ زمانہ ہے کہ مدرسہ میں ہر قسم کی سہولتیں موجود ہیں۔ کتب خانہ۔ مہمان خانہ۔ ہر فن کے اساتذہ ہیں کھانا ہے۔ کپڑا ہے غرضکہ اسباب راحت سب ہی موجود ہیں اور نہیں ہے تو علم۔

جانتے ہیں ایسا کیوں ہے ؟ اسلئے کہ علم مشکل چیز ہے اور اسکے مشکل ہی ہونے کی وجہ سے نصوص میں اسکی بہت بہت فضیلت آئی ہے۔ یہ مسئلہ صرف قیاسی ہی نہیں ہے کہ قیاس اور عقل سے ہم نے سمجھ لیا ہے کہ علم افضل ہے اسکے متعلق صریح نصوص وارد ہیں سنیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم — یعنی عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی کہ مجھکو تم میں کے کسی ادنیٰ پر حاصل ہے۔

اور سنیئے دوسری روایت میں ہے

فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب۔ — یعنی عالم کو عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی کہ چاند کو دیگر ستاروں پر۔

دیکھا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تو فرما رہے ہیں کہ عالم عابد کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ میں تمھارے ادنیٰ کے مقابلہ میں ہوں۔ اور ایک جگہ فرماتے ہیں عالم عابد سے ایسا افضل ہے جیسا کہ چاند افضل ہے دوسرے ستاروں سے۔ قاضی بیضاوی اسکی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

بات یہ ہے کہ عبادت ایک ایسا کمال اور نور ہے جو کہ ذاتِ عابد کے ساتھ لازم رہتا ہے یعنی اس سے متجاوز نہیں ہوتا اسلئے وہ تو مشابہ ہوا نورِ کواکب کے کہ وہ بھی تارے ہی تک محدود رہتا ہے اور علم ایک ایسا کمال ہے جس سے عالم کو ذاتی طور پر بھی شرف حاصل ہوتا ہے اور ایسا نفل ہے جو اس سے دوسروں کی جانب متعدی بھی ہوتا ہے لیکن عالم کے اندر اسکی روشنی تو آتی ہے اور وہ اس کمال کے ساتھ متصف بھی ہوتا ہے مگر یہ عالم کا ذاتی کمال نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسا نور ہوتا ہے جسکو وہ مشکوٰۃ نبوت سے اخذ کرتا ہے اسلئے وہ مشابہ بالقمر ہوا کہ اسکا نور بھی ذاتی نہیں ہوتا بلکہ نورِ شمس سے مستفاد ہوتا ہے۔

(ص ۹۹ نفع قوت المغتذی)

علامہ بیضاوی نے جو بات بیان فرمائی ہے فی نفسہٖ نہایت عمدہ ہے مگر جی چاہتا تھا کہ علم و عبادت کا تقابل ایسے عنوان سے کیا جاتا جو اس سے بھی زیادہ واضح ہوتا چنانچہ اگلیں

بزرگوں کی برکت سے ایک بات میری سمجھ میں بھی آئی ہے، سنیئے! وہ یہ کہ علم کو عبادت پر جو فضیلت ہے تو اسلئے کہ یہ عمل کی جانب متعدی ہوجاتا ہے کیونکہ ہر عمل کے لئے کچھ احکام ہوتے ہیں تو جب تک انکا علم نہ ہو عمل صحیح نہیں ہوسکتا گویا عمل کی صحت بھی علم ہی پر موقوف ہوئی نیز عبادت کے جو کمالات ہیں وہ بھی علم ہی کی وجہ سے ہیں اور عمل کا ضیاع بھی علم ہی کے ضیاع سے ہوتا ہے۔ چنانچہ جب علم صحیح آدمی کے قلب میں آجاتا ہے پھر ناممکن ہے کہ وہ عمل نہ کرے کیونکہ وہ تو مثمر عمل ضرور ہی ہوتا ہے۔ باقی عمل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اسکی وجہ سے آدمی کو علم صحیح بھی حاصل ہوجائے۔ پس ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہوئی کہ علم تو متعدی ہے عمل کی طرف اور عمل علم کیجانب متعدی نہیں اسلئے بھی علم افضل ہوا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ عبادت کرتے ہیں اور دوسری چیزوں کو تو جانے دیجئے خود اس عبادت کے متعلق جو احکام ہوتے ہیں انھیں سے کورے ہوتے ہیں۔ ایک بزرگ مخلوق سے بھاگ کر پہاڑ میں جاکر رہنے لگے وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے ایک لڑکا بھی اپنے گھر سے کسی وجہ سے ناراض ہوکر انھیں کے پاس پہنچ گیا اور ان کے ہمراہ رہنے لگا وہ عابد صاحب اپنے ناک کے ایک سوراخ میں بتی لگائے ہوئے تھے دوسرا سوراخ کھلا تھا ایک دن اس لڑکے نے سبب دریافت کیا فرمایا کہ بات یہ ہے کہ یہاں پہاڑ پر پھول وغیرہ کی خوشبو آتی ہے تو اس سے میرا نفس پھولتا ہے اسلئے مجاہدہ کے طور پر دوسرے سوراخ میں نجاست کی بتی رکھ لی ہے تاکہ نفس پھولنے نہ پائے اور اعتدال قائم رہے لڑکے نے کہا کہ حضرت میں تو عالم نہیں ہوں مگر سنا ہے کہ بال برابر بھی اگر کوئی جگہ خشک رہ جاتی ہے تو اس سے وضو نہیں ہوتا لہٰذا بتی لگی ہونے کی وجہ سے چہرے کے دھونے میں ضرور خلل پڑتا ہے اور کچھ حصہ اسکا نہیں دھل پاتا اسلئے آپ کا وضو ہی نہیں ہوتا اور جب وضو ہی نہیں ہوتا تو نماز بھی نہیں ہوتی۔ یہ سنکر انھوں نے گذشتہ سارے ایام کی نمازیں دوہرائیں اور اس لڑکے سے کہا کہ تم شہر جاکر علم سیکھو اور مجھے یہاں آکر سکھلاؤ اور میں اپنی باطنی چیز تمکو سکھاؤں گا۔ تو دیکھئے وہ عابد صاحب تھے مگر نماز وطہارت تک کے مسائل سے واقف نہ تھے۔ اسی کو کہہ رہا ہوں کہ عبادت آسان ہے مگر علم مشکل ہے اور علم سے مراد یہاں علم حقیقی

ہے کہ وہ اصل وہی مشکل ہے ورنہ تو علم رسمی چنداں مشکل نہیں ہے اور یہ مراد اسلئے نہیں کہ حقیقۃً اسکو علم کہنا ہی صحیح نہیں ؎ علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است ۔ اسکے متعلق سنئے علماء کیا فرماتے ہیں قطع قوت المغتذی میں ہے :۔

قال التورپشتی حقیقۃ الفقہ فی الدین ما وقع بالقلب فظہر علی لسانہ فافاد علماً اورث خشیۃً وتقوی واما مایتوارسہ الغروریۃ فانہ بمعزل عن المرتبۃ العظمی لان محلہ لسانہ دون قلبہ	علامہ تورپشتی کہتے ہیں کہ فقہ فی الدین کی حقیقت یہ ہے کہ وہ پہلے قلب میں پہونچے اور پھر وہاں سے لسان پر آوے اور علم کا افادہ کرے اور خشیت اور تقویٰ پیدا کرے۔ باقی وہ جو غروری لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں اسکو تو اس رتبۂ عظمیٰ سے دور کا بھی واسطہ نہیں، اسلئے کہ اسکا محل تو لسان ہوتا ہے قلب نہیں اور حقیقی علم اولاً قلب میں آتا ہے۔
(ص۹۹ قوت المغتذی)	

دیکھا آپ نے حقیقی علم کی کیا تعریف فرمارہے ہیں اور یہی وہ علم ہے جس کے متعلق قرآن شریف میں آتا ہے کہ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اللہ تعالےٰ سے اسکے بندوں میں سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں کیونکہ تقویٰ اور خشیت اس علم حقیقی کا ثمرہ ہوتا ہے جسکے علماء حامل ہوتے ہیں۔ نیز اسی کے متعلق فرمایا کہ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ کیا اہل علم اور غیر اہل علم دونوں برابر ہیں ۔ ان دونوں کی برابری کے تو یہ معنی ہوئے کہ دھوپ اور سایہ، نور اور ظلمت دونوں برابر ہوجائیں، حالانکہ ان میں تضاد ہے۔ پس علم و جہل بھی یکساں نہیں ہیں۔

علم اور اسکے واسطہ سے علماء کی فضیلت جو حدیث شریف میں آئی ہے اسکو تو آپ نے ملاحظہ فرمایا اب ایک اور فضیلت سنئے آپ نے سنا ہوگا "موت العالِم موت العالَم" یعنی عالِم کی موت گویا عالَم کی موت ہے، مگر یہ مقولہ عابد کے بارے میں نہ سنا ہوگا کہ "موت العابد موت العالَم" اس سے بھی معلوم ہوا کہ عالم کا درجہ عابد سے بڑھا ہوا ہے اسکا فیض لازم ہے اور عالِم کا تعلق عالَم سے ہے۔ عابد صرف اپنی کملی کو موج سے بچا لیتا ہے اور عالم بہتنے کتنے ڈوبتے ہوؤں کو دریا سے باہر نکال دیتا ہے جیسا کہ شیخ سعدیؒ نے بیان فرمایا ہے ؎

صاحبدلے بمدرسہ آمد ز خانقاہ ۔۔۔ بگذاشت عہد صحبت اہل طریق را
گفتم میان عالم و عابد چہ فرق بود ۔۔۔ تا اختیار کردی ازاں ایں فریق را
گفت او گلیم خویش بدر می برد ز موج ۔۔۔ ویں جہد میکند کہ بگیرد غریق را

یعنی ایک صاحبدل صوفی صاحب خانقاہ سے ہجرت فرما کر مدرسہ میں تشریف لائے اور اہل طریق کی صحبت کا عہد ترک فرما دیا، میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ نے عابد میں اور عالم میں کیا فرق محسوس کیا جو آپ نے مکتب تصوف کو چھوڑ کر مدرسۂ علم میں آکر نام لکھوایا انھوں نے فرمایا کہ بھائی بات یہ ہے کہ صوفی کا فیض تو بس لازم ہی رہتا ہے کہ وہ بس اپنی کملی کو دریا سے بچا لے جائیگا اور ایک عالم دین تو اپنی کوشش سے بہت سے ڈوبتے ہوؤں کو آکر تھام لیتا ہے اور انکو ڈوبنے نہیں دیتا۔

اسی طرح سے آپ نے یہ بھی سنا ہوگا " نوم العالم عبادۃ " عالم کا سونا بھی عبادت ہے مگر " نوم العابد عبادۃ " نہ سنا ہوگا یہ اسلئے کہ عالم اپنے علم کے ذریعہ دنیوی کام کو بھی دین بنا لیتا ہے چنانچہ نوم جیسی غفلت کی چیز بھی اسکے حق میں عبادت بن جاتی ہے وہ علم ہی پر سوتا ہے اور علم ہی پر اٹھتا ہے یعنی اسکو بھی خدا کا حکم اور نفس کا حق سمجھکر کرتا ہے اسلئے وہ سارا وقت بھی عبادت ہی شمار ہوتا ہے۔ اور جس کو علم نہیں عجب نہیں نیت صحیح نہ کرنے کیوجہ سے وہ اپنے بہت کچھ دین کو بھی دنیا کر لیتا ہو۔ غرضکہ یہ دونوں چیزیں عابد کے لئے نہیں فرمائیں اسی لئے تاکہ لوگوں پر علم کا فضل ظاہر ہو جائے اور وہ یہی کہ اعمال کا صحت وسقم اور کمال اسی پر موقوف ہے۔ اور یہ کہ علم ہی اصل ہے اور اعمال اسکی فرع ہے چنانچہ ولایت جیسی قیمتی شئے بھی اسی کی فرع ہے۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ سن لو کہ اللہ تعالےٰ کے جو ولی ہیں انکو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے۔ اسکے بعد فرماتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ ہیں کون لوگ؟ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ ایمان اور تقویٰ پر ولایت کا مدار رکھا ہے اور یہ چیزیں علم ہی کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہیں سہ

بے علم چوں شمع باید گداخت کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

اور جب خدا کی معرفت ہی اسکو نہ حاصل ہوگی تو خدا کا ولی کیسے ہوگا؟ آگے ارشاد ہے
لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ان کے لئے دنیا و آخرت میں بشارت ہے۔
لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ اور اللہ تعالیٰ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔ اس سے
معلوم ہوا کہ ولایت کا یہ معیار کبھی بدلے گا نہیں۔ قرآن میں یہ سب موجود ہے مگر دیکھ لیجئے
کہ اس زمانہ میں مدار ولایت کیا رہ گیا ہے؟ آدمی جبکا ولی ہوتا ہے وہ تو فرماتا ہے کہ اَلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ یعنی ولی وہ لوگ ہیں جو ایمان والے اور تقویٰ والے ہونگے۔
اور اب اسکے لئے نہ تقوی شرط ہے نہ ایمان شرط ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اب اس
زمانہ میں انسانیت بھی شرط نہیں۔ بہکی بہکی باتیں کرتا ہو ناک سے رینٹھ اور منہ سے تھوک
بہتا ہو نالی میں پڑا ہو وہ ولی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ولایت کا ثبوت جبکہ نص سے ہے
اسی طرح اسکا طریق ایمان کامل اور تقویٰ کامل ہے یہ بھی نص سے ثابت ہے پھر اس
میں قیاس ورائے کو دخل کیسے ہو سکتا ہے۔ منصوص کے خلاف قیاس کا کیا حکم چل سکتا ہے
یہ صریح ضلالت ہے شیطان نے ایسی عمدہ واشرف چیز میں ایسا تصرف کیا ہے کہ
عقیدہ ہی باطل کر دیا۔ نصوص پر عقیدہ کرنا فرض ہے اسکا انکار کفر ہے اور عقیدہ ہوتے
ہوئے اس پر عمل نکرنا فسق ہے۔ اللہ اللہ ہم کہاں سے کہاں پہونچ گئے ہیں اس پر
یہ شعر پڑھتا ہوں ؎

چوں ترک قرآں کردۂ آخر مسلمانی کجا خود شمع ایماں کشتۂ پس نور ایمانی کجا

اور اگر کپڑے بھی اتار دے تب تو اسکی ولایت میں کوئی شبہ ہی نہیں لاحول ولا قوۃ۔
علماء کی ولایت اسکے نزدیک شبہ کے درجہ میں بھی نہیں اور ایسے لوگوں کی ولایت کا یقین
کئے ہوئے ہیں یہ سب کیا ہے؟ اسی جہالت کا کرشمہ ہے جسکی مذمت قرآن و حدیث
سے آپنے ملاحظہ فرمائی۔ آج اگر علماء ان چیزوں کو بیان کریں اور لوگوں کے سامنے
علم پیش کریں تو بہت کچھ اصلاح ان امور کی ہو سکتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ کرے کون؟
کوئی اگر ان مضامین کو بیان بھی کرے تو اول تو اسکی زبان لڑکھڑا جائیگی اسلئے اپنے علم میں

خود ان لوگوں کو تردد ہوتا ہے اسلئے قوت کے ساتھ کوئی بات نہ کہہ سکیں گے۔ عوام ہی ان سے مطالبہ کریں گے کہ ہم تو آپ کو بھی اس معیار پر نہیں پاتے کیونکہ اگر آپ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے وصف سے متصف بھی ہیں تو وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ سے تو ہم آپ کو اعلا عاری پاتے ہیں۔ پس چونکہ علماء جو کہ ولایت کو جانتے اور سمجھتے ہیں وہی اس طرف نہیں آتے اور عوام اتنا تو جانتے ہی ہیں کہ ولایت کوئی مرتبہ ہے کچھ لوگ اس منصب کے حامل ہوتے ہیں اور وہ علماء نہیں ہیں تو انھوں نے اسکو دوسری طرف منتقل کر دیا اور نا اہل کو ولی سمجھنے لگے۔ اسی کو کہہ رہا ہوں کہ آج سارا فساد جہل کا ہے۔ عالم جب علم صحیح لوگوں کو پہونچائیگا نہیں تو انکا حال بد سے بدتر ہوتا چلا جائیگا اور علم کا یہ حال ہے کہ جو جگہیں اسکے لئے موضوع تھیں وہیں سے علم رخصت ہوتا جارہا ہے۔

میں تو کہتا ہوں کہ آج مدارس کی جو کچھ بھی صورت باقی ہے وہ عوام کے اخلاص کی وجہ سے ہے یہ لوگ کچھ کم خدمت نہیں کرتے۔ بہت روپیہ قوم کو دیتے ہیں مگر ہم لوگوں کو ہی غیرت نہیں رہی کہ دو چار ہی کو طریقہ سے پڑھا دیتے۔ عمارت، چندہ، تکثیر سواد کی تو فکر ہے مگر یہ سب کچھ جس کے لئے تھا اسکی بالکل فکر نہیں مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلیؒ زبردست عالم گذرے ہیں اور درویش بھی تھے مگر اسکو چھپاتے تھے ان کے پاس باہر دور دور سے طلبہ پڑھنے آتے تھے مولاناؒ انکو پڑھاتے تھے جب وہ فارغ ہو جاتے تو سند فراغت دینے کے لئے علماء کو جمع کر کے فرماتے کہ یہ طلبہ ہیں آپ حضرات میں سے جسکا جس فن میں جی چاہے امتحان لے لے۔ اور یہ حضرات کہتے تھے کہ حضرت اب اسکی ضرورت نہیں ہے آپ کا اطمینان کافی ہے۔ جانتے تھے کہ مولانا عبد الحی صاحب کے پڑھائے ہوئے ہیں اگر ان سے ابجھے تو لپٹ جائیں گے اور رہا سہا بھرم کھل جائیگا اسلئے کوئی انکا امتحان لینے کی ہمت نہیں کرتا تھا اور اب نہ سالک کو سلوک کا علم ہے اور نہ عالم کے پاس علم صحیح ہے۔ حالانکہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ سالک بے علم مرغ بے پر ہے دشمن سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتا اسی طرح سے سالک جب علم سے خالی ہوگا تو نفس و شیطان جو اسکے دشمن ہیں ان سے نہیں بچ سکتا اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد ایک عالم شیطان پر سو عابد سے زیادہ

بھاری ہے۔ شیطان علم ہی کی وجہ سے عالم سے بہت گھبراتا ہے اور بے علم عابد کو تو ایک لقمۂ تر سمجھتا ہے بس موقع کا منتظر رہتا ہے۔ اسلئے عابد بدون علم کے ناقص ہی رہتا ہے۔

علم کے دو درجے ہیں ایک تو یہ کہ عالم اس میں خوب تبحر حاصل کرے اور ہر چیز میں خوب ماہر ہو جائے تاکہ مخالفین علم کی ریشہ دوانیوں کو سمجھ سکے اور سمجھکر اسکا جواب دے سکے یہ درجہ تو فرض کفایہ ہے ہر بستی میں ایک شخص ایسا ہونا ضروری ہے اگر کوئی بھی نہ ہوگا تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ لیکن دوسرا درجہ اسکا فرض عین ہے وہ یہ کہ آدمی جو بھی عمل کرے اسکے متعلق اسکو شرعی معلومات ہونا ضروری ہے نہ جانے گا تو عمل کی تکمیل ہی نہ ہوگی آج ہم لوگ اس سے بھی ناواقف ہیں اور کسی درجہ میں بھی علم کی ضرورت کے قائل نہیں یہی جہالت کی فتح ہے کہ علم کا کوئی درجہ بھی تلب و ذہن میں ضروری نہ رہ جائے۔

عمل جو پیدا ہوتا ہے وہ علم صحیح ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر علم ہے اور پھر اس سے عمل نہیں پیدا ہو رہا ہے تو سمجھئے کہ کچھ نقص ہے، اسکو سمجھئے اور دور کیجئے اور خود نہ سمجھ میں آئے تو مشائخ سے کہئے وہ بتائیں گے اور اسکا ازالہ کر دیں گے۔ مگر یہ سب جب ہی ہوگا کہ پہلے اسکا بھی تو علم ہو کہ ایک علم رسمی ہوتا ہے اور ایک حقیقی اور ہم حقیقی علم سے عاری ہیں اور اس رسم سے نکلکر حقیقت کی طرف جانے کی ضرورت ہے۔ جب یہ سب مقدمات مسلم ہو جائیں گے تو کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ مل ہی جائے گا جو آپ کو رسم سے نکالکر حقیقت پر لگا دیگا اور اسوقت بلاشبہ آپ ان فضائل کے مستحق ہوں گے جو علم و عالم کے لئے نصوص میں وارد ہیں۔

بقیہ۔ صالحین کی ایذا رسانی (قسط دوم)

یہ ضرور ہے کہ ان کے لئے احوال میں سے کشف بھی تھا اور خواب میں صحیح مقامات بھی دیکھ لیتے تھے اور قصد کے مطابق انکا کام بن جاتا تھا اور اجابت دعا بھی شامل حال ہوتی تھی تو جنہیں خواہی خدا خواہد چنیں۔ اگرچہ قصد کے مطابق کام بن جاتا ہے مگر ہمت

جو اپنی جگہ الگ چیز ہے۔ علاوہ اسکے منجملہ عطیات اور کرامات کے بزرگان دین کے یہاں ہزاروں چیزیں ہیں۔

ایک بزرگ تھے کنوئیں میں بالٹی ڈالی وہ اشرفی سے بھری نکلی اسکو پھر پانی میں الٹ دیا کہا ہمکو یہ نہ چاہیے پانی چاہیے وضو کے لئے، بس چین بجیں ہوئے کہ عصر کی نماز میں دیر ہوگئی۔ ہمارا حال تو کچھ اور ہے اور ہم تو نماز تک چھوڑ دیتے ہیں اشرفی لینے اور رکھنے کے چکر میں۔

اسی طرح ایک اور بزرگ پہاڑ پر رہتے تھے انکے لئے غیب سے کھانا آتا تھا اکبر تبہ میں آیا تو باہر نکلے اور باہر گاؤں میں گئے ایک نصرانی کے یہاں سے تین روٹی ملی باہر ایک کتا بیٹھا تھا اس نے پیچھا کیا توڑا نتے گئے اور ایک ایک ٹکڑے دیتے گئے جب بھی اس نے پیچھا کیا تو آخر میں کہا ارے تو بڑا ظالم ہے! اس پر کتا بولا تم ظالم ہو یا میں تمکو ایک روز کھانا نہیں ملا تو مانگنے نکلے ہیں تو برسوں سے اسجگہ نصرانی کے یہاں پڑا ہوں سوکھی روٹی مل جاتی ہے وہ بھی کبھی نہیں ملتی مگر میں اس در کو چھوڑکر اور کہیں نہیں جاتا، یہ سنکر بیہوش ہوگئے یہی خیال کیا ہوگا کہ دیکھو تو اس نے مجھے کیسی تعلیم دی

صفحہ تاریخ پر ایسے کتنے ہی قصے بزرگوں کے ثبت ہیں کوئی انکار نہیں کرسکتا کرامات اولیاء کی بہت بہت کتابوں میں لکھی ہیں مگر اب فرصت کہاں ہے انکے پڑھنے کی۔ اور مصیبت اور پریشانی میں بھی اگرچہ ہم ہیں مگر راستہ پر آنا نہیں چاہتے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اپنے مطلب سے بھی تو کوئی توبہ نہیں ہے۔ پھر حالت مسلمانوں کی کیسے درست ہو اور کیسے نجات ملے۔

ایک طالب علم کا قصہ ہے میرا ساتھی تھا رات بھر جاگتا تھا اس سے سبب میں نے کہا تو بولا تم جانتے بھی ہو میرا حال ہی کچھ اور ہو رہا ہے۔ مجھے ایک عورت سے محبت ہے میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر کوئی انتظام نہیں ہوتا میں نے کہا کہ دیکھو اللہ والے تو رات کو اللہ تعالیٰ سے اللہ ہی کو مانگتے ہیں تم اپنے محبوب ہی کو مانگکر دیکھو ملتا ہے یا نہیں

پھر تھوڑے دنوں بعد خط آیا کہ مل گیا آپ خدا سے جو کچھ بھی مانگیں گے ضرور ملے گا۔ وہ خراب آدمی نہیں تھا بس محبت ہوگئی تھی پھر شادی ہوگئی۔

ایک آدمی مزدوری کے لئے مزدوروں کی صف میں جاکر کھڑے ہوگئے تو آثار نیک چہرے کے دیکھکر کوئی انکو لیتا نہ تھا کہ یہ کیا کام کرسکیں گے۔ بس وہ جاکر مسجد میں نماز پڑھنے لگے اور بی بی سے جاکر کہدیا کہ جسکی میں نے نوکری کی ہے وہ مہینہ پر تنخواہ دیتا ہے۔ جب مہینہ پورا ہوا تو ڈرے کہ بی بی کیا کہے گی کہ دھوکا دیا۔ بس شام کو ایک آدمی نے آکر دستک دی اور کہا کہ یہ لو یہ تمھارے شوہر کی تنخواہ ہے جو مہینہ بھر انھوں نے کام کیا ہے۔ کتنے قصے اس قسم کے ہیں۔

اور سنیئے ایک مرتبہ قحط کا زمانہ تھا ایک شخص لکڑی کا گھوڑا بنائے ہوئے تھا لوگوں نے کہا ارے بیوقوف تو ہنس رہا ہے اور لوگ قحط سے مر رہے ہیں بولا کہ جس کا میں غلام ہوں اسکے دس گاؤں ہیں مجھے کیا غم؟

یہ سب قصے سچ ہیں کتنے لوگ انھیں کو سنکر اللہ والے ہوگئے اور جن لوگوں نے توجہ نہیں کی وہ سنکر بھی ویسے کے ویسے ہی رہ گئے۔ اور سنیئے:۔

ایک بزرگ تھے انھوں نے عہد کیا تھا کہ ہم دنیا کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیں گے، بس رزق انکے پاس پہونچتا تھا ایک مرتبہ ایک باغ میں تھے ایک شاخ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ایسا ہوا کہ باغ میں چوری کے گمان پر انکو پولیس نے پکڑا اور ایک ہاتھ کاٹ ڈالا اور جب دوسرا ہاتھ کاٹنا چاہا تو ایک شخص ایک جانب سے چلایا کہ یہ فلاں ولی ہیں کوتوال یہ سنکر انکے پیر پر گر پڑا اور کہا کہ غلطی ہوئی۔ انھوں نے فرمایا کہ تم نے نہیں کی ہے مجھ ہی سے غلطی ہوئی کہ ہم نے بیوفائی کی ہے محبوب حقیقی کے راستہ میں۔ یہ بزرگ اس پایہ کے تھے کہ کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی یہ پوچھنے کی کہ ہاتھ کیسے کاٹا گیا۔ کسی نے پوچھا تو یہی کہا کہ ایک ہاتھ نے خیانت کی تھی وہ کاٹ ڈالا گیا تنہائی میں رہا کرتے تھے اور کوٹھری میں ڈلیا بنایا کرتے تھے اور کسی کو آنے نہیں دیتے تھے اور بستی میں آکر ڈلیا بیچ جاتے تھے ایک شخص نے سوراخ سے دیکھا کہ دونوں ہاتھ سے ڈلیا بنا رہے ہیں، بس کرامت

کی تمام مشہور ہوگئی، ان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہماری طرف سے وہ آدمی بھیجا گیا تھا اور ہم نے ہی یہ کرامت مشہور کی اسلئے کہ ہم کو گوارا نہ تھا کہ کوئی اور کچھ تم کو کہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور فضل آخرت میں تو ہے ہی مگر یہاں بھی ہے جسکا یہ ادنیٰ نمونہ ہے۔

دعاء فاسق فاجر سب کی قبول ہوتی ہے تو مومن کی دل سے دعاء تو ضرور ہی قبول ہوتی ہے اس لئے لازم ہے کہ دعاء برابر ہر حال میں کیا کرو مثلاً کوئی بیمار ہے تو جیسے دوا سے بیماری میں صحت ہوتی ہے تو اسی طرح دعاء سے بھی صحت حاصل ہوتی ہے اور آسانی ہوجاتی ہے مصیبتوں میں تو خاص کر اللہ سے رجوع ہونیکا حکم ہے ؎

غم چو بینی زود استغفار کن ۔ غم بامر خالق آمد کار کن

جب مصیبت دیکھو فوراً استغفار کرو یہ مصیبت تم سے اسی کام کے کرانے کے لئے خدا کے حکم سے آئی ہے۔

کانپور کا ایک قصہ ہے کہ ایک شخص کے پاس منی آرڈر آیا وہ نہیں لیتے تھے اور کہتے تھے کہ ایسا کوئی شخص بھی نہیں ہے جو ہمکو منی آرڈر بھیجے، میں کیسے لوں؟ ویسے پورا پتہ بھی درج تھا۔ اور اساتذہ مدرسہ میں تھے انھوں نے کہا کہ اگرچہ تمہارا کوئی بھیجنے والا نہیں مگر لو کتابوں میں دیکھا لینا جائز تھا پھر انھوں نے لے لیا۔

اسی طرح یہاں حال ہی کا ایک قصہ ہے ایک شخص نے آکر بیان کیا کہ کوئی بستر پر روپیہ رکھ جاتا ہے جب میں سفر کے لئے تیار ہوتا ہوں وہ شخص آتا ہے اور تکلیف نہیں دیتا اور برابر اسی طرح آیا کرتا ہے۔

پریشانیوں کا علاج علاوہ اسکے اور کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے انابت کی جائے اسی کی طرف رجوع ہوا جائے اور یہ سمجھا جائے ؎

ہم دردی تو دادہ خدایا ! ۔ ہم از تو طلب کنم دوا را

اے اللہ آپ ہی نے یہ درد بھی عطا فرمایا ہے اسلئے ہم آپ ہی سے اسکا مداوا بھی چاہتے ہیں۔ آجکل جو حالت خراب ہے اور ہم لوگ ہلاک ہو رہے ہیں تو اسی وجہ سے کہ اُدھر سے روگرداں ہیں اور خود جب اتنی نادانی پہ تلے ہیں اور متنبہ تک نہیں ہوتے تو

پھر جب لوگ اللہ تعالیٰ کا شکوہ کریں گے تو اہل اللہ کا تو ضرور ہی کریں گے اور اسکی وجہ سے اگر ہلاک ہوں تو کیا تعجب ہے۔ اور جب خدا سے تعلق صحیح نہیں اور نہ بزرگوں سے اعتقاد ہے تو ایسی حالت میں نصرت خداوندی کی کیا توقع ہو سکتی ہے، ظاہر ہے۔ دیکھئے اگر کسی شخص کا دوست کے ساتھ دوستی کا معاملہ اور دشمن اور منافق کیساتھ دشمنی کا معاملہ ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے جس طرح سے کہ آپ دنیا میں دوست کے ساتھ اور برتاؤ کرتے ہیں اور دشمن کے ساتھ اور برتاؤ کرتے ہیں تو اپنے ساتھ کئے جانے والے معاملہ کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے، اس پر تعجب کیوں کرتے ہیں اولیاء اللہ کی مرادیں تو پوری ہوتی ہیں اور انکی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں تو آخر بتلاؤ کہ تمہاری کیوں قبول نہ ہوں گی۔ مگر جب مراد پوری نہ ہو تو خدا سے بدظنی اور شکوہ کا کیا مقام ہے اور بزرگوں سے بھی بدظنی تمہاری ہو جاتی ہے یہی بڑی گمراہی کا سبب ہے۔

اولیاء کو بھی حزن ہوتا ہے مگر اس میں سرور بھی بہت ہوتا ہے۔ خواجہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت مولاناؒ (تھانوی) سفر میں گاڑی پر جب ہوتے تو رات رات بھر جاگ کر خطوط کا جواب لکھتے رہتے۔ تکلیف برداشت کرتے تھے اور یہی کہتے تھے کہ بس خدا سے جب واسطہ رہتا ہے تو سونا کیسا جاگنا بھی راحت کا سبب بنجاتا ہے۔ حزن میں دنیا والوں کا دل ضعیف ہوتا ہے اور انکا قوی رہتا ہے اور ولی کے دل کو اللہ تعالیٰ طرح طرح سے مطمئن کر دیتے ہیں۔

حضرت حافظؒ ایک مسجد میں تھے معمولی سی چادر اوڑھے تھے اور سردی لگ رہی تھی تو ایک شخص نے دیکھکر کہا کہ آپ سردی سے کانپ رہے ہیں حالانکہ آپ کا ایک شعر ہے ؎

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

(اگر وہ شیراز کا رہنے والا محبوب ہماری دلداری کر دے تو اسکے محبوبانہ تل عوض میں سمرقند اور بخارا کو بخش دوں)

یا تو آپ ایک تل کے عوض میں سمرقند و بخارا دے رہے تھے یا اب سردی سے کانپ رہے ہیں کہا بھائی سب دیدیا ہے تبھی تو کانپ رہا ہوں۔ بس خوش رہا کرتے تھے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ والے بس نماز پڑھا کرتے ہیں اور آپ لوگ تو کچہری جا کر بہت بہت کام

رہتے ہیں۔ جی ہاں یہ نماز روزہ کا بھی کارخانہ ہے، یہاں تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور ایسے متعلقین کی قدر اللہ تعالیٰ کو ہے۔ حضرت مولاناؒ کے سارے وعظ اسی تعلق پر مشتمل ہیں یعنی کہ بندہ دنیا میں خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا مکلف ہے اگر اسکو سمجھ کر دیکھو تو بھی پا جاؤ گے انسان کا یقین جب کامل ہو جاتا ہے تو وہ کچھ کا کچھ دیکھنے اور سمجھنے لگتا ہے۔ حضرت خالدؓ نے زہر کا پیالہ پی لیا تھا بسم اللہ کہکر اور کچھ اثر نہ ہوا۔ دیکھو کہ سلف میں بزرگوں کا کیا طریقہ تھا، پیروی انبیاء و رسل کرو اور پھر نتیجہ دیکھو۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے۔

رفیق رسالہ کے ایک رفیق کا خط

وصیۃ العرفان کے عاشق ایسے عاشق جو کہ عرصۂ دراز سے بیمار چلے آ رہے تھے پھر بھی جب وصیۃ العرفان آتا ایک ہی نشست میں ختم کر دیتے تھے حتی کہ ایسی حالت ہو گئی تھی کہ پانی بند کھانا بند اسکے باوجود رسالہ کی تمنا کہ آیا کہ نہیں؟ ایسے عاشق چودھویں صدی کے اختتام پر یعنی ۳۰ ذی الحجہ بروز اتوار کو اس دنیا سے رخصت ہو کر عالم بقا میں آرام فرما ہو گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وسکنہ فی الجنۃ۔ مرحوم کا نام عیسیٰ ولی موسیٰ تھا گجرات کے ضلع بھروچ کے آچھود گاؤں کے باشندے تھے

محترم مدیر صاحب نے غالباً اکتوبر ۱۹۸۰ء کے وصیۃ العرفان کے پیش لفظ میں مرحوم کا دعائیہ ایک خط بھی شایع کیا ہے۔ مرحوم وصیۃ العرفان کی بیحد تعریف فرماتے تھے خاص کر اسکے مضمون ترغیب الفقراء کی

اس خط کا مقصد یہ ہے کہ قارئین وصیۃ العرفان سے اور وصیۃ العرفان سے متعلق بزرگان دین مثلاً حضرت مولانا قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی وغیرہم سے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کی جائے۔ والسلام۔

مرحوم کا ایک رفیق موسیٰ علی عیسیٰ

بہت خوب! رفاقت کا اثر نام سے بھی نمایاں ہے کہ مرحوم کا نام عیسیٰ ولی موسیٰ تھا اور انکے رفیق کا موسیٰ علی عیسیٰ واقعی رفاقت ہو تو ایسی ہو کہ نام سنکر ایک کو دوسرے سے جدا کرنا کچھ آسان نہیں ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔

(ادارہ)

(مکتوب نمبر ۱۹۲)

حال: ایک عریضہ اس سے پہلے خدمت اقدس میں روانہ کیا تھا جس کے جواب سے محرومی رہی شاید ڈاک کی گڑبڑ کی نذر ہوگیا۔ تحقیق: اور کیا

حال: الحمد للہ اپنے معمولات پر قائم ہوں۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: بلکہ رمضان المبارک کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی ہے کمی نہیں ہے۔ البتہ کبر سنی ضعف و اضمحلال کی وجہ سے زیادہ محنت نہیں ہو پاتی۔ تحقیق: خیر

حال: عرصہ سے یہ کھٹک رہتی ہے مگر اپنی کمزوری کیوجہ سے استفسار کی نوبت نہیں آئی

تحقیق: نصوص پیش نظر رکھیئے کھٹک نہیں رہیگی

حال: وہ یہ کہ نماز، وظیفہ، مراقبہ وغیرہ میں یکسوئی اور توجہ التفات الی اللہ ہونا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کی شان لیس کمثلہ شیئ ہے لہٰذا اسکو کسی شکل و صورت و ہیئت پر فرض ہی نہیں کرسکتے اور اولاً انسان جو کہ مادّی ہے محسوس اور مشاہد چیزوں کا تصور کرسکتا ہے اور متوجہ و ملتفت ہوسکتا ہے لہٰذا یکسوئی و توجہ التفات الی اللہ کی کیا صورت ہوگی

تحقیق: فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو کہ تمکو فلاح حاصل ہو جائیگی۔

حال: چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شکل و صورت نہیں انکو مظاہر و مناظر قدرت کے اندر ہی دیکھا جاسکتا ہے لہٰذا اگر نماز و مراقبہ میں ان مظاہر و مناظر قدرت مثلاً چاند سورج ستارے پہاڑ وغیرہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی صنعت و کاریگری میں بالکل کھو جائے تو یہ کیسا ہے؟

تحقیق: اچھا ہے أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ (کیا یہ لوگ اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اسکو کیسا بنایا کہیں بھی اس میں کوئی سوراخ اور پھٹن نہیں ہے)۔

حال: اور اس پر توجہ اور التفات الی اللہ کا اطلاق ہوگا یا نہیں؟ تحقیق: ہاں ہوگا۔

(مکتوب نمبر ۱۹۳)

حال : حضرت والا اپنے اوقات کو تلاوت کلام اللہ اور ذکر اللہ میں گذارتا ہوں اور حضرت والا کا تصور خود ہی ہر وقت رہتا ہے جس کے فوائد محسوس کرتا ہوں ۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : اسوقت حضرت اقدس کا مضمون "الاستغفار والاعتراف" (یعنی کتاب اعتراف ذنوب) مجلس میں پڑھتا ہوں الحمد للہ اس حقیر پیا ثر ہو رہا ہے ۔ ماشاء اللہ خوب ہی مضمون ہے ۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : حضرت والا دعا فرمادیں کہ اللہ تعالی اس حقیر کی مغفرت فرمادیں اور رمضان المبارک اور قرآن کریم کے فیوض و برکات سے نوازیں ۔ تحقیق : دعا کرتا ہوں ۔

حال : حضرت والا اپنی نالائقی اور ناکارگی کا اسوقت بہت استحضار رہتا ہے، اور انا البائس الفقیر المستغیث والی دعا میں خاص لطف ملتا ہے تحقیق : الحمد للہ ۔

حال : اس بیکس اور مصیبت زدہ کے مناسب حال اور کیا دعا ہو سکتی ہے تحقیق : بیشک

(مکتوب نمبر ۱۹۴)

حال : ادھر برابر پریشانیوں میں رہکر اسفار میں رہا ہوں ۔ کوئی عریضہ خدمت میں نہیں ارسال کر سکا، میری عمر کا پیمانہ لبریز ہوتا جارہا ہے ۔ تحقیق : مگر غفلت کا یہ حال ہے ۔

حال : حضرت والا کچھ توجہ و التفات اس خادم پر نہیں ہو رہی ہے ۔ نہایت مستحکم عقیدہ کے ساتھ مبارک قدموں میں حسب بشارت حضرت والا گر اکہ روحانیت کی تکمیل ہو جاتی اور جلد از جلد تصوف کے منازل طے کر کے فائز المرام ہو کر خدمت خلق کر کے کچھ ثواب حاصل کر لیتا، یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ حضرت اقدس قریب رہکر دور ہو گئے ۔

تحقیق : سب کام کرتے رہیں اور شیخ کی طرف توجہ نہ کریں اور تکمیل کا خواب دیکھیں (دیکھا ہے آجکل) اکثر طالبین کا یہی حال ہے ۔ (خدمت خلق کو جو لکھا ہے تو) یہ کیا خدمت ہے میں سمجھ نہیں سکا ۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت والا نے خدمت کا مطلب خوب سمجھا لیکن اتمام حجت کیلئے انھیں سے اقرار کرانا چاہتے تھے اسلئے استفسار فرمایا۔ بات یہ ہے کہ سب سے پہلی چیز طریق میں صدق نیت اور اخلاص ہے یعنی انسان کام صرف خداتعالیٰ کی رضا کے لئے کرے لیکن شیطان نے اسی منزل میں گمراہ کرنے کا بھی بیڑہ اٹھا رکھا ہے اسلئے آج کوئی طالب ہو یا طالب علم ہو اگر اس سے آپ اسکے کام کی غرض دریافت فرمائیں گے تو فائدۂ لازم کے بجائے نفع متعدی ہی کو سامنے رکھے گا یعنی طالبعلم کی نیت کسب علم سے یہ ہوتی ہے کہ اسکو تحریر و تقریر آجائے، اور صوفی یہ کہے گا کہ یہ سب مجاہدات اسلئے کر رہا ہوں کہ خدمت خلق کر سکوں۔ خدا کی رضا اور آخرت کا ثواب کسی کے پیش نظر رہ ہی نہیں گیا ہے اسی لئے حضرت والا نے ان صوفی صاحب سے دریافت فرمایا کہ خدمت خلق سے آپکی کیا مراد ہے میں سمجھا نہیں کسی زمانہ میں سلف کا یہ طریقہ تھا کہ ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار ۔۔۔ دیوانہ باش سلسلہ شد شد، نشد نشد

در آج مرید ہونے سے قبل پیر بننے کی خواہش، مقتدی ہونے سے پہلے مقتدا ہونے کی آرزو۔ انا اللہ) ۔

(مکتوب نمبر ۱۹۵)

ال : بڑے انتظار کے بعد گرامی نامہ نے صادر ہو کر مشرف فرمایا۔ خیریت معلوم ہو کر از حد مسرت ہوئی بار بار خط پڑھنے کو طبیعت چاہتی ہے۔ الحمدللہ اس رمضان مبارک میں حضرت والا کی دعاؤں اور توجہ کی وجہ سے اس ناکارہ اور کاہل نے باوجود عدیم الفرصتی سات یوم میں قرآن مجید ختم کیا جبکہ گذشتہ رمضان میں مشکل ایک دو ختم کر سکا تھا۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ایسی توفیق و ہمت عطا فرمائیں کہ اسی طریقہ سے قرآن مجید ختم کرتا رہوں۔ جب فرصت ہوتی ہے اور یہاں موجود ہوں تو بعد فجر جامع مسجد میں حضرت والا کے رسائل اور کتب سے پڑھکر کچھ سنا دیتا ہوں لوگوں پر بہت اثر ہوتا ہے۔ ایک صاحب نے آج ہی کہا کہ یہ کیا فلاں جماعت کا لٹریچر ہے میں نے کہا نہیں بھائی ایک بزرگ اور شیخ کامل کے ارشادات ہیں انھوں نے رسالہ کے متعلق مجھ سے دریافت کیا و کتب بھی مجھ سے طلب کیں اسی طرح سے ایک صاحب کا خط آیا ہے انھوں نے بھی لکھا ہے کہ کتب کے

مطالعہ سے حضرت والا کی جانب بڑی کشش ہوتی ہے اور ان سے فیضیاب ہونے کو دل چاہتا ہے دنیا کی سب چیزیں نمائش اور فنا ہونے والی ہیں، حضرت کے بیانوں میں بڑی لذت معلوم ہوتی ہے واقعی یہ سب دنیا کے جھگڑے میں انسان سکون جب ہی حاصل کر سکتا ہے جبکہ کسی شیخ سے مناسبت پیدا کرے حضرت والا نے بھی فرمایا ہے کہ انسان کا بیڑا نہیں ہو سکتا جبتک کہ کسی شیخ کامل سے بیعت نہ ہو بیعت ہونے کے بعد سب مشکل دور ہو جاتی ہیں (تعبیر میں فرق ہو گیا ہے حضرت اقدسؒ نے تعلق فرمایا ہوگا بیعت نہیں کیونکہ اصلاح کیلئے تعلق بھی کافی ہے بیعت لازم نہیں ہے۔ جامی ۱۲) اور ہر چیز کو بآسانی ادا کر سکتا ہے اور شریعت کا پابند ہو سکتا ہے حضرت والا کے بیان نے دل کو بیچین کر دیا انشاء اللہ جلد سے جلد بیعت ہونے کی کوشش کرونگا موت کا کوئی بھروسہ نہیں"۔ یہ میرے چھوٹے بھائی کے خط کا مضمون تھا۔ یہ دوسری جگہ قرآن شریف (تراویح) سنانے گئے ہیں والد صاحب کی طرف سے ہدایت ہے کہ قرآن شریف سنانے کے ایام میں کسی کے یہاں کھانا نہ کھائیں کل مصارف الحمدللہ اپنی طرف سے کرتے ہیں دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اسی طریقہ سے پڑھنے کی ہمت عطا فرمائیں۔

میرے ایک دوست کا خط بمبئی سے آیا ہے لکھا ہے کہ خداوند کریم کا شکر و احسان ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں اتوار کو حاضر ہو جاتا ہوں بڑا ہجوم رہتا ہے عجیب شان نظر آتی ہے زیادہ تر علماء ہی نظر آتے ہیں نہایت ہی اچھے اور دلگداز طریقہ سے عالیجناب ہر مضمون کا خلاصہ بیان کرتے ہیں جو کہ دل پر اپنا گہرا اثر ڈالتا ہے حقیقی تبلیغ دین ہے کوئی ریاکاری کسی قسم کا لالچ بالکل نہیں ہے واقعی پیر ہو تو ایسا ہو، خوب چنا ہے، میری سمجھ تو اتنی نہیں کہ کوئی مضمون نقل کر سکوں لیکن پچھلے اتوار کو قرب خداوندی پر تقریر فرمائی تھی اسمیں یہ بتایا تھا کہ جب بندہ کو قرب حاصل ہو جاتا ہے تو اسکے تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے مطابق چلتے ہیں اور پروردگار عالم ان سے ایسی کوئی بات سرزد ہونے نہیں دیتے جو خلاف دین متین ہو" انتہی (بمبئی کے ایک دوست کے خط کی نقل ہے) مجھے یہ خط بہت پسند آیا۔

ذکر کے وقت یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے قریب ہیں اور حضرت والا بہت دور ہیں باعتبار مسافت کے، میں آپکے پاس کیسے پہونچ جاؤں بعض وقت رونا آتا ہے اسی طریقہ سے تلاوت قرآن میں بھی اور نماز میں بھی حضرت والا کا خیال آجاتا ہے۔ اور نماز میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تو مجھے دیکھ ہی رہے ہیں میں تو نہیں دیکھ سکتا، حضرت والا کی دعا سے تو میری حالت انشاء اللہ مزید سدھر جائیگی حضرت والا سے میری خصوصی گذارش ہے کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نیک دیندار اور متبع شریعت بنائے رکھیں اور دین پر ثابت قدم رکھیں اور ایمان پر خاتمہ نصیب ہو۔ **تحقیق**: دعاء کرتا ہوں۔

شیخ فرماتے ہیں کہ :-

طلب برجان طالب چناں غالب آید	طلب کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ طالب کی جان پر
و استیلا یابد کہ ہیچ مقصودے و ہیچ آرزوئے	اسطرح سے غالب آجاتی ہے اور اسطرح سے اسپر اسکا استیلا ہو جاتا
ازاں مانع نہ آید و غلبہ شوق و تعطش بآں سرحد	کہ مطلوب کے حصول میں کوئی اور شوق یا کوئی اور آرزو یا خیال رکاوٹ نہیں
رسد کہ اگر عقلاء عالم حکم کنند کہ وصول بدیں	ڈال سکتا اور شوق کا غلبہ اور حصول مطلوب کی پیاس اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ
مطلوب محال است و حصول ایں متعذر	اگر تمام دنیا کے عقلاء ملکر یہ حکم کریں کہ اے میاں تمہارا یہ مطلوب حاصل ہونا محال
ایں سخن در گوش اصلا راہ نیابد۔	ہے اور بالکل متعذر ہے تو انکی بات کی طرف یہ طالب کان بھی نہ لگائے
(کتاب المکاتیب ص۴۲)	(اور اپنی دھن میں لگا رہے اسکا نام ہے طلب صادق)۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک طالب مخلص کا اپنا حال جو انھوں نے حضرت مصلح الامۃ کے پاس لکھا پیش کر دوں اس سے اندازہ ہو جائیگا کہ اللہ کے دین کے طالب کس طرح سے خود کو شیخ کے حوالہ کیا کرتے ہیں۔

حال : " بندہ مدرسہ عالیہ دیوبند سے ۴۱ء میں حضرت مرشدی و مولائی سید حسین احمد صاحب مدنی سے سند فراغت حاصل کر چکا ہے اور آنحضرت سے رسمی طور پر بیعت بھی کی تھی لیکن فیض صحبت سے محروم رہا اب بوساطت جناب مولانا ۔ ۔ ۔ ۔ کے آپ کے حضور کا تعارف نصیب ہوا۔ حضرت والا کی تصنیفات کا بھی مطالعہ کر چکا ہوں بعدۂ خود بھی منگوالی ہیں بعد مطالعہ حضور والا شان سے حد درجہ عقیدت بندہ کو ہو گئی ہے اور محبت بھرے جذبات سے بذریعہ عریضہ لہذا حاضر خدمت ہو کر معروض ہوں کہ اگر کرم نوازی فرمائی جائے تو بندہ کو اصلاح حال میں رہنمائی فرمائی جائے۔

بندۂ پر تقصیر اپنے عیوب کو کسی طرح بھی شمار نہیں کر سکتا لیکن خاص خاص عیوب پیش خدمت کرتا ہے۔ اول یہ کہ بندہ میں انانیت حد درجہ پائی جاتی ہے، میں اپنے آپکو بہت بڑا عالم سمجھتا ہوں حضرت مدنیؒ کی شاگردی کیوجہ سے دل میں بڑا فخر رہتا ہے۔ دوسرے لوگوں کو خواہ وہ عالم ہی کیوں نہ ہوں جاہل تصور کرتا ہوں، بعض علمی مقابلوں میں کامیابی کیوجہ سے یہ چیز پیدا ہو گئی ہے دل چاہتا ہے کہ کسی اللہ کے مقرب بندے سے ملاقات ہو تو

ان عیوب کو پیش کرکے اصلاح کراؤں ۔ اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہوا تو آپکی طرف رہنمائی فرمائی گئی ۔

صرف علمی ہی معاملہ میں نہیں بلکہ ہر معاملہ میں مجھ میں انانیت پائی جاتی ہے ۔ مثلاً جوان ہونے میں اور دیگر دنیوی امور میں اپنے آپ کو صائب الرائے تصور کرتا ہوں ۔

دوم بدمعاملگی (یعنی دین کی بے اعتدالی) چنانچہ بعض دوستوں سے قرض لیکر واپس ادا نہیں کیا ۔ کچھ تو اپنی بعض کمزوریوں کیوجہ سے اتنی رقوم مہیا نہ ہوسکیں اور کچھ مہیا بھی اگر ہوئیں تو کوئی خاص پرواہ نہ کی ۔

سوم بندہ کی دو بیویاں بلا اولاد ہیں جنمیں اکثر تنازع رہتا ہے رفع تنازع میں مجھ سے اکثر زیادتی ہی ہوتی رہی ۔

چہارم بداخلاقی (یعنی) عملی نفاق کا درجہ بھی کم نہیں ۔ نیز بعد فراغت قرآن مجید بھی حفظ کیا لیکن وہ ضبط نہ رہ سکا اپنی سستی اور کمزوری سے اسکو بھلا دیا وغیرہ وغیرہ (اسکے علاوہ بھی اور اتنے عیوب سے پُر ہوں کہ قلم میں لکھنے کی تاب نہیں ۔ رب قدوس کے فرشتے ہی اسکو شمار کرسکتے ہیں ۔ یہاں صاحب فضیلت جناب مولانا . . . . صاحب موصوف ہیں ماشاء اللہ انکے فیض صحبت سے کافی فائدہ ہوا لیکن انکی صحت کی خرابی سخت مانع رہی ۔ نیز وہ بھی فرماتے تھے کہ میں مجاز نہیں ہوں (یعنی آپ سے مجاز بیعت نہیں ہوں) اسلئے بندہ (جناب ہی سے) بیعت کی بھی درخواست پیش کرتا ہے باقاعدہ سلوک سکھایا جائے اور ابتدائی تعلیمات تحریر فرمائی جائیں خط وکتابت کیلئے مولانا جامی صاحب کی معرفت ایک روپیہ ارسال خدمت کردیا گیا ہے ۔ اگر حضور، مولانا . . . کے حق میں دعائے صحت فرمادیں تو بڑے کام کی چیز ہو ۔ بصورت صحت امید کیجا سکتی ہے کہ ان سے مخلوق فائدہ حاصل کرسکے ۔ بعض دوستوں کی یہ بھی رائے ہے کہ انھیں حضرت والا کی خدمت میں پہنچانے کی کوئی سبیل بنائی جائے تاکہ وہ فیض صحبت سے بہرہ ور ہوکر ہم تشنگان کے لئے مشعل راہ بن سکیں وما توفیقی الا باللہ ۔

(حضرت مصلح الامۃؒ کا جواب)

آپ کا محبت نامہ ملا۔ آپکی خوش فہمی اور حسن عقیدت سے جی بہت خوش ہوا اللہ تعالیٰ اس میں یوماً فیوماً ترقی عطا فرمائے۔ میں کیا اور میری تالیفات کیا۔ آپ ماشاءاللہ خود بھی عالم ہیں اور پھر بڑی درسگاہ سے آپ کا تعلق، بایںہمہ آپکی نظروں میں اسکی تحسین میری ہمت افزائی کا سبب بنی، اللہ تعالیٰ انکو نافع خلائق بنائے اور مجھے زیادہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مولانا ۔ ۔ ۔ صاحب سے آپکا تعلق معلوم کرکے خود کو بھی آپ سے ایک خاص تعلق ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ اسکو جانبین کے لئے مفید اور کارآمد بناتے اور دارین میں اسکے ثمرات سے سب کو بہرور فرمائے۔ آمین۔

اصلاحی تعلق کا خیال ظاہر فرمایا گیا ہے۔ توکلاً علی اللہ بخوشی منظور ہے اللہ تعالیٰ اسکو جانبین کے لئے مثمر بنائیں۔ آپ نے اپنے حالات بھی کچھ تحریر فرمائے ہیں اس سے اسکا اندازہ تو ہو ہی گیا کہ الحمدللہ آپکو فکر ہو چکی ہے اور احساس پیدا ہوگیا ہے اسی کو طلب کہتے ہیں)

مولانا! طریق میں اصل یہی ہے کہ فکر و احساس پیدا ہو جائے۔ اگر صحیح معنوں میں یہی چیز انسان میں پیدا ہو جائے تو پھر مجال نہیں کہ انسان رذائل سے متصف باقی رہ سکے اپنے امراض قلب کے ازالہ کی فکر اور اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا ہونے کا غم جو کہ صورۃً دو ہے مگر حقیقۃً ایک ہی چیز ہے۔ یہی چیز جب آدمی میں پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ کامیاب ہی ہو جاتا ہے۔ طریق میں یہ غم محمود بلکہ مطلوب ہے ؎

غم، چہ ایستادہ تو بردر ما؟ اندر آ یار ما برادر ما!

باقی یہ ہو سکتا ہے کہ اسکو پیدا ہوتے ہوتے کچھ عرصہ لگ جائے اور آپ نے جس مرض کے متعلق پہلے لکھا ہے مشائخ اسکے متعلق فرماتے ہیں کہ علماء کا مخصوص مرض یہی ہے اور یہ سب سے آخری چیز ہے جو کہ صدیقین کے قلب سے نکلتی ہے۔ سنیئے ابن ماجہ شریف کی ایک حدیث ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ ان حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتعلموا — علیہ وسلم نے فرمایا علم کو اسلئے مت سیکھو کہ اسکے ذریعہ
علم لتباھوا بہ العلماء ولا تماروا — علماء پر مفاخرت کرو اور نہ اسلئے کہ جہلا پر رعب جماؤ اور
السفھاء ولا تخیزوا المجالس فمن — محافل و مجالس میں صدر نشینی نہ تلاش کرو، جس نے
ـسل ذلک فالنار النار — یہ سب کیا تو جہنم سے ڈرے۔

"لاتخیزوا" کے تحت حاشیہ میں مولانا شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی یہ فرماتے ہیں:-

التخیز التمکن والتقرر المراد منہ — تخیز کے معنی ہیں تمکن اور تقرر کے مراد یہ کہ لوگوں کے قلوب
مکنوا فی قلوب الناس لتکونوا صدراً — میں ایسے نہ ہو کہ وہ تمکو مجالس کا صدر بنا دیں کیونکہ یہ اغراض دنیویہ
جالس فانہ من اشد اغراض الدنیا — میں بدترین شے ہے کیونکہ صدیقین کے قلوب میں جو رذیلہ کہ سب سے
ی آخر ما یخرج من قلوب الصدیقین — آخر میں نکلتا ہے وہ یہی حب جاہ ہے اور ایک دشوار گزار
ب الجاہ وھذہ عقبۃ کؤدۃ للعلماء — گھاٹی ہے علماء کے لئے، جس سے کہ مخلصین ہی
نجو منہ الا المخلصون — نجات پا سکتے ہیں۔

دیکھئے ابن ماجہ کی یہ حدیث اور اسکی جو شرح محشی نے نقل فرمائی ہے کسقدر ترہیب ہے علماء کے لئے۔ اگر آج اس قسم کی احادیث ہمارے پیش نظر ہو جائیں خلاص پیدا کرنے کے لئے یہی کافی ہے۔ چنانچہ اہل علم کے مجمع میں یہ گفتگو ہوئی کہ علماء آج جو یہ غفلت ہے اسکا سبب کیا ہے؟ کسی نے کہا کہ تعلیم و تعلم کا شغل ہی ان کو ر (یعنی اپنے قلب کی اصلاح کی جانب) متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ اس پر کسی دوسرے کہا کہ بھائی (تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں) احادیث میں آخر کتاب الرقاق اور کتاب الزہد تو ہے جس میں ایسی ایسی روایات بھی ہیں جو ابھی بیان ہوئی۔ پس غفلت کا سبب ـ و تدریس نہیں ہے بلکہ ان ابواب کا پیش نظر نہ ہونا ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ آج ان ابواب کو بالخصوص اس قسم کی روایات کو برابر پیش نظر رکھیں، اسی سے یہ غفلت ہو گی۔ میرا خیال بھی یہی ہے کہ یہ صحیح علاج ہے۔

تصوف کوئی بدعت تو ہے نہیں مشائخ محققین نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تحقیق

تصوف وہی ہے جو قرآن و حدیث سے ماخوذ ہو۔ میں بھی احباب کو بالخصوص اہل علم کو اس جانب متوجہ کرتا رہتا ہوں کہ آپ کے پاس قرآن کا علم موجود احادیث موجود پھر اسکے بعد آخر کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ دل سے انکی تصدیق کیجیے، انکو پڑھئے اور ان پر عمل کیجیے، پھر دیکھئے کہ قلب ٹھیک ہو جاتا ہے یا نہیں۔ یہاں ہندوستان کے ایک مشہور عالم نے مجھ سے کچھ دریافت کیا تھا میں نے انکو مفصل خط لکھا اسی قسم کے مضمون پر مشتمل تھا۔ غالباً وہ "الفرقان" میں اس ماہ شائع بھی ہوگا مل جائے تو دیکھئے گا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ مراد اس خط سے شاید مولانا مناظر احسن گیلانی کا خط ہو جو ابتدار حالات میں مکاتیب ثلاثہ کے نام سے شائع ہو چکا ہے یا حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کا خط ہو جس کے جواب میں حضرت والا نے رسالہ التذکیر بالقرآن تصنیف فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔)

نیز آپ نے مکتوب بالا میں ملاحظہ فرمایا کہ حضرت مصلح امت نے عوام ہی کا نہیں بلکہ علماء تک کا مرض اس زمانہ میں غفلت تجویز فرمایا اور پھر اسکے ازالہ کی تدبیر بھی بتلائی اس سے معلوم ہوا کہ بطور قدر مشترک کے آج سب ہی لوگ کیا عوام اور کیا خواص غفلت کا شکار ہیں جسکی اصلاح بچپنے میں اگر والدین نہیں کر سکے تھے تو کم از کم مدارس میں اساتذہ ہی کر دیا کرتے لیکن افسوس کہ آج اس کام کو بھی خانقاہوں میں حضرات مشائخ اور مصلحین امت کو انجام دینا پڑتا ہے۔ چنانچہ طالبین سے زیادہ غافلین سے ان حضرات کو سابقہ پڑتا ہے۔ ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ کا زمانہ جس نے پایا ہے اور حضرتؒ کے کام کو جس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کم از کم وہ تو اسکی تصدیق ہی کرے گا کہ حضرتؒ کے یہاں مسلسل آنے جانے والوں کی نکال بیٹھال جاری رہتی تھی۔ کبھی یہ سوال ہوتا کہ آپ لوگ یہاں کیوں تشریف لاتے ہیں؟ کبھی دریافت کیا جاتا میرا آپ کے یہاں اتنے عرصہ سے قیام ہے آپ حضرات نے اپنی عملی حالت میں کیا تبدیلی فرمائی؟ کبھی پوچھتے کہ میں نے آج مجلس میں کیا مضمون بیان کیا اور اس سے آپ نے کیا اثر لیا؟ غرض

فرداً فرداً ہر مولوی صاحب پیش کریں۔ کبھی کبھی تنبیہ فرماتے کہ تم میں طلب نہیں ہے یا اعتقاد نہیں یا شیخ کی عظمت نہیں یا انکار موجود ہے یا طریق سے عقیدت نہیں ہے یا دین کا صحیح علم نہیں ہے یا اخلاص نہیں ہے اسکی جگہ نفاق۔ پالیسی۔ چالبازی۔ سخن سازی ریاکاری، دنیاداری وغیرہ موجود ہے۔ لہٰذا تمہاری اصلاح مشکل ہے تم کہیں اور چلے جاؤ ہماری جگہ کو کیوں فاسد کرتے ہو، یا تم میں محبت کی کمی ہے یا اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے شریعت کی قدر و منزلت سے دل خالی ہے یا تمہارے اندر معمولات کا اہتمام نہیں ہے۔ طبیعت بیفکر واقع ہوئی ہے۔ لاپروائی مزاج میں ہے۔ غفلت ہے۔ لہٰذا تم اپنے گھر ہی رہو اور اپنی ان تمام چیزوں کا فیض اور انکا نور وہیں برساؤ یہاں کیوں آئے وغیرہ وغیرہ غرض یہ تمام باتیں دلیل تھیں اسکی کہ حضرتؒ کا سابقہ مخلصین سے زیادہ غیر مخلصین سے اور طالبین سے زیادہ غافلین سے پڑا کرتا تھا۔ چنانچہ طالبین کے لئے تو شاہراہ کھلی ہی رہتی تھی اور غافلین یعنی غیر طالبین کو اول طالب بنانے کی سعی کیجاتی تھی۔ یہ ایک ایسا کھلا ہوا معمول تھا کہ اسمیں دو رائے نہیں تھی۔ لیکن ایک متعلق خانقاہ کے متعلق یہ بات سنکر میری تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انھوں نے "خانقاہ کے کام" اور "دیگر دینی کوششوں" کا فرق ظاہر کرتے ہوئے یہ کہا کہ ہم لوگ بھی جو کام کر رہے ہیں وہ بھی دینی کام ہے فرق صرف دونوں میں یہ ہے کہ وہاں یعنی خانقاہ میں طالبین کی اصلاح کیجاتی ہے اور ہم لوگوں کا کام جو ہے وہ غافلین کو دین پر لگانا ہوتا ہے۔

شاید ان صاحب کے پیش نظر یہ رہا ہوگا کہ خانقاہ والوں کا معاملہ ایسے لوگوں سے متعلق ہوتا ہے جو وہاں خود جاتے ہیں، بس اسی کا نام انھوں نے طلب رکھدیا تھا اور ہم دوسرے لوگوں کے پاس گھر گھر پہونچکر انکو دین کیطرف بلاتے ہیں اس لئے یہ انکے نزدیک غفلت کا مصداق بنا۔ حالانکہ گذشتہ سطور کے مطالعہ سے بات خوب واضح ہوگئی ہوگی کہ صرف اپنے قدموں سے خانقاہ تک آجانے ہی کا نام طلب نہیں ہے طلب کا مفہوم ہی کچھ اور ہے اور اگر اسی کا نام طلب ہے تو اس معنی کر یہ غفلت کے ساتھ بھی جمع ہوسکتی ہے اسکے بالمقابل کوئی شئے نہیں ہے اور ایسا شخص طالب غافل

کہلائے گا۔ جس طرح سے کہ حضرت مولانا حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کا مقولہ نقل فرماتے تھے کہ وہ بعض اہل علم کو بھی عالم جاہل کے عنوان سے یاد فرماتے تھے انکی کسی صریح اور فاش غلطی کے پیش نظر فرماتے تھے کہ یہ صاحب عالم جاہل ہیں اس پر طلبہ ہنس دیتے کہ حضرت علم وجہل میں تو منافات ہے پھر یہ دونوں کا اجتماع کیسا؟

بہرحال حاصل مدعا یہ ہے کہ کسی خانقاہ میں آمد و شد رکھنے والے بھی سب کے سب مخلص اور طالب صادق نہیں ہوا کرتے بلکہ وہاں بھی ایک سے ایک بڑھکر منافق، غیر مخلص، دنیا دار، خود غرض، منکر آجاتے ہیں جنکو سمجھکر شیخ انکے ساتھ معاملہ کیا کرتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ ایسا بھی ہوتا ہے اور بہت ہوتا ہے کہ ایک انسان ابتدا میں غیر طالب اور غیر مخلص ہوتا ہے لیکن خدا کے فضل شیخ کی توجہ اور صالحین کی صحبت کی برکت سے آگے چلکر وہ بدل بھی جاتا ہے اور اسکے اندر طلب اور اخلاص آجاتا ہے۔ پس یہ تو ایسا شفاخانہ ہے کہ یہاں ہر قسم کے مریض کا علاج ہوتا ہے غیر طالب کو طلب کا سبق دیا جاتا ہے اور طالب مخلص کو آگے بڑھایا جاتا ہے تا آنکہ حق تعالیٰ کی محبت اسکے قلب میں راسخ ہوکر اسکو صاحب نسبت بنا دے اور یہی صحیح نسبت والا ہو جانا اس مکتب عشق کی آخری ڈگری ہے۔

آج جو لوگوں کو خوانق پر اعتراض ہے اور مشائخ اور بزرگوں بلکہ طریق ہی کا انکار ہے تو اسکی وجہ انکو علم صحیح نہونے کے علاوہ رسمی خوانق کی بدعملی بھی ہے۔ حضرت والا کے یہاں الحمدللہ رسومات پر سخت نکیر تھی اور خانقاہ کا موضوع کتاب وسنت کی روشنی میں اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح اور اتباع سنت و شریعت کا رسوخ پیدا کرنا تھا۔ اسی لئے فرمایا کرتے تھے کہ میری یہ مجالس کوئی مجالس وعظ نہیں یا تقریر کا جلسہ نہیں ہے کہ ہم بیان کریں اور آپ سنیں یا سوئیں اس سے کوئی سروکار نہ ہو ایسا نہیں ہے بلکہ ہمارے اس اجتماع کی مثال مدارس کے درس کی سی کہی جا سکتی ہے لہٰذا جو بیان ہوگا آپکو اسے صرف سمجھنا ہی نہیں بلکہ مجھ سے بیان کرنا ہوگا کہ آپ کیا سمجھے اور اس سے اپنے لئے کیا سبق حاصل کیا، اسی لئے کہتا ہوں کہ جو لوگ اسکے لئے خود کو تیار پاتے ہوں

وہی تو ہماری مجلس میں شریک ہوں اور جو لوگ ابھی اپنے اندر اسکی ہمت نہ پاتے ہوں (یعنی دوسرے لفظوں میں اسکو یوں کہہ لیجئے کہ طلب طریق پورے طور پر موجود نہ ہو) تو وہ اس میں شریک ہو کر دوسروں کی راہ نہ ماریں، دوسرے اوقات میں مجھ سے ملیں میں انکو وقت بھی دونگا، ملوں گا بھی اور ان سے بات بھی کرونگا۔ پھر جب آتے جاتے طلب پیدا ہو جائے تو پہلی مجلس میں بھی شریک ہو سکتے ہیں۔

حضرت اقدسؒ نے اس چھانٹ اور پھانٹ کی بہتیری کوشش فرمائی لیکن خود فرماتے تھے کہ میں اس میں کامیاب نہ ہو سکا یعنی اپنی مجلس کو غیر طالبین سے پاک نہ کر سکا یہ لوگ اسی میں گھستے تھے سمجھتے تھے کہ مجلس خاص میں کچھ خاص چیز بٹتی ہوگی اس سے ہم محروم کیوں رہیں؟ اور اس خاص چیز کے حاصل کرنے کا جو ظرف تھا یعنی اخلاص طلب اسکے حاصل کرنے کی اصلا فکر نہ ہوتی تھی جسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ انکو تو کچھ نفع نہ ہوتا ہاں دوسروں کا نقصان البتہ ہو جاتا تھا۔

اس موقع پر اکثر یہ فرماتے تھے کہ ایک چھوٹا سا کام (یعنی چھوٹے پیمانہ پر کام) کر رہا ہوں اور تھوڑے سے لوگ میرے اردگرد جمع ہیں لیکن اپنے کو اسکے اپنے کام کو منافقین کی آمیزش سے بچانے پر قادر نہ ہو سکا' خدا معلوم بڑے پیمانہ پر یہ قومی کام کرنیوالے کیسے کام کر لیتے ہیں اور کام کیا کرتے ہیں یہی سنتا ہوں کہ بعض نادانوں کی بدفہمی کے سبب کام کرنے والوں کا بھی ناطقہ بند ہی ہے اور عام لوگوں کا تو کہنا کیا اسی جماعت نے آج حکومتوں تک کو فیل کر رکھا ہے اور اہل سلطنت بھی ان سے پریشان ہیں۔

بہرحال فرماتے تھے کہ جس طرح سے مدارس میں اوقات تعلیم کے وقت (خواہ وہ عربی مدارس ہوں یا انگریزی کالج اور یونیورسٹیاں ہوں) کوئی غیر شخص درس میں شریک نہیں ہو سکتا یہی حال ہماری مجالس کا سمجھو کہ جو اس میں داخلہ کرالے وہی شریک ہو ہر کس و ناکس کیوں اس میں آکر بیٹھ جائے۔ ملاقات سے منع نہیں کرتا لوگوں کو آنے سے نہیں روکتا لیکن اپنی مجالس کی عظمت کو بھی ختم نہیں کرنا چاہتا۔ یہ کیا کہ تمام چیزوں کے ستا ایس دین اور طریق کو سمجھ لیا جائے گویا یہ وہ جارہے کہ جسکا نہیں اٹھا پیدا

بشنو بشنو! وقتی گرگی و روباهی
بخدمت شیری بودند و فضله که از شیر
باقی ماندی ایشاں روزگار بداں
گذرانیدندے وقتی شیر صید کرد
گرگ را گفت که این صید میان سه
کس تقسیم کن گرگ آنرا سه پرکاله کرد
یکی پیش شیر نهاد دیکی پیش خود دیکی
پیش روباه شیر چوں آں حال بدید
خندید و پنجه بزد و سر گرگ را بپرانید
روباه را گفت ایں صید میان من
و تو قسمت کن روباه همه بگرفت و
پیش شیر نهاد شیر گفت ای روباه
ایں ادب از که آموختی؟ گفت
از سر بریدن گرگ۔ قطعه

نخشبی اعتبار عبرت تست
معتبر همچو تو جہاں گیرد
صاحب اعتبار اوست که او
عبرت از حال دیگراں گیرد

سنو سنو! ایک بھیڑیا اور ایک لومڑی شیر کے ساتھ رہا کرتے تھے شیر کے کھانے کے بعد شکار سے جو کچھ بچ جاتا اسی پر یہ دونوں بھی گذر بسر کرتے تھے ایک دفعہ شیر نے شکار کیا اور بھیڑیئے سے کہا کہ اس شکار میں تین حصے لگاؤ۔ اس نے اسکے تین ٹکڑے کرکے ایک حصہ شیر کے سامنے رکھدیا اور ایک لومڑی کو دیدیا اور ایک اپنے لئے رکھا شیر نے اپنے ساتھ جب یہ مساوات دیکھی تو غصہ کی ہنسی ہنسا اور ایسا تھپڑ رسید کیا کہ بھیڑیئے کا سر ہی اڑ گیا اور لومڑی سے کہا کہ اب اس میں میرا اور تیرا حصہ ہے اب تو تقسیم کر۔ لومڑی نے یہ کیا کہ سب کا سب اٹھا کر شیر کے سامنے پیش کر دیا کہ حضور نوش فرمائیں۔ شیر نے کہا کہ اے لومڑی یہ ادب تو نے کس سے سیکھا؟ اس نے کہا کہ بھیڑیئے کے سر اڑا دیئے جانے سے۔

ترجمہ قطعہ

"اے نخشبی لوگوں کو تیرے ہی بیان عبرت کا اعتبار ہوتا ہے تجھ جیسے کا بیان اعتبار کسی واقعہ سے سارا جہاں پسند کرتا ہے اور صاحب اعتبار وہ ہے جو دوسروں کے حال سے عبرت اور نصیحت حاصل کرے"

سلک صد و بیست و نہم

کلمات صومعۂ محبت و زائران کعبۂ
محبت چنیں گویند که یکی از علامات معرفت

سلک ۱۲۹ (محبت کے معنی)

جو لوگ کہ محبت کی مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے ہیں
اور مودت کے کعبہ کی زیارت کرنے والے ہیں وہ یوں

محبت است لان من عرفه احبه ومن
احبه الزم بابه وقیل المحبة میل القلب
الی الله والی ما الیه سمنون را پرسیدند
محبت چیست؟ گفت ما خلق الله تعالیٰ
شیئاً الا والمحبة الطف منه فکیف اعبّر
عنها اعبارة لا؛ دردمندان درد عشق گویند
المحبة علة فیها راحة لا یباع بکل شفاء
عزیز من! طرفه دردی باشد که
درو همه دارو نا مندرج و درد از و
نگردد مگر در محبت صاحب آں درد
ازیں درد نخوشد و نقد درد خود ابهزار
دارو نفروشد وچشم از دیدن غیر دوست
چناں بندد که کوردلاں چناں تصور
کنند که او کور است قیل ان عمر بن
عبدالعزیز کان اذا خرج الی طریق
غمض عینه مخافة ان یری ما ینکر اندر
آنچه شبلی محجوب شد کحالی بروی رفت
وگفت اگر بگوی من چشم ترا معالجتی
بکنم شبلی که بینای عالم طریقت بود
بانگ بروی زد وگفت اے بطال
من بصد حیله بچار چشم از دیدن غیر محبوب
فرو بسته ام تو میخواهی آنرا باز کشائی
بیا تا میل محبت دیده ترا کور کنم تا تو هم

فرماتے ہیں کہ معرفت کی علامتوں میں سے ایک علامت محبت ہے اسلئے کہ جس نے اسکو پہچان لیا وہ اسکا عاشق ہوگیا اور جو شخص عارف ہوگیا وہ ان کے در کا لازم ہوگیا۔ کہا گیا ہے کہ محبت اللہ تعالیٰ کی جانب اور جو چیزیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب پہنچانے والی ہوں انکی جانب قلبی میلان ہونیکا نام ہے حضرت سمنون سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت محبت کسے کہتے ہیں؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی اشیاء پیدا فرمائی ہیں ان سب سے زیادہ لطیف تر چیز محبت ہے۔ پس جو چیز کہ الفاظ کے ذریعہ تعبیر کئے جانے سے بالاتر ہو اسکو میں لفظوں میں کس طرح بیان کردوں۔ جو لوگ کہ درد عشق کے دردمند ہیں وہ یوں فرماتے ہیں کہ محبت ایک بیماری ہے جس میں ایسا لطف اور مزا ہے کہ شفاء کلی کے عوض بھی اسکو بیچا نہیں جا سکتا۔ عزیز من! اس درد کا کیا پوچھنا جسکے اندر تمامی دوا موجود ہو۔ محبت والے کو بھی تکلیف ہوتی ہے مگر محبت اس درد والے کو اسکا شکوہ نہیں کرنے دیتی چنانچہ شخص اپنے نقد درد کو ہزاروں دوا کے عوض بھی بدلنے پر کبھی راضی نہیں ہوگا اور یہ لوگ غیر دوست کی جانب سے اپنی آنکھ اسطرح سے بند کرلیتے ہیں کہ جو لوگ کہ کور باطن ہوتے ہیں وہ انکو اندھا سمجھتے ہیں کہا گیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب راستہ پر چلتے تھے تو اپنی آنکھیں بند کرلیتے تھے محض اس اندیشہ سے کہ کہیں کسی منکر پر نظر نہ پڑجائے۔ اسی طرح سے جب حضرت شبلیؒ نابینا ہوئے تو ایک معالج چشم آپکے پاس گذرا اس نے کہا کہ اگر حکم ہو تو میں آپکی آنکھ کا علاج کردوں حضرت نے جو کہ نابینا ہونے کے باوجود عالم طریقت کے بینا تھے اسے ڈانٹا اور کہا کہ اے بطال

بعد ازیں بطریق من ہیچکس را دبینی مگر خدائے تعالیٰ وتقدس را عزیز من! محبت خدا محبت طاعت خدا باشد واگرنہ ایں خاکی را باآنجناں پاکی چہ محبت، بندہ چہ کند کہ خداوند خود را دوست ندارد امادراں بباید کوشید کہ خداوند بندہ را دوست دارد بشنو بشنو! وقتی مردی بہ مہتری یوسف رفت صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ وگفت من ترا دوست میدارم مہتر یوسف گفت من نمیخواہم کہ مرا جز خدائے تعالیٰ کسی دوست دارد فان ابی احبنی فطرحتنی اخوتی فی الجب ان امراۃ العزیز احبتنی فالقتنی خدامہا فی السجن۔ قطعہ

نخشبی دوستی حق را باش
کہ درو نیست جز ہمہ نعمت
خلق را بہرچہ داری دوست
نیست ایں دوستی مگر زحمت

یعنی صدہا جگر کے اب جاکر کہیں غیر محبوب کے دیکھنے سے امن پایا ہے یعنی آنکھ بند کی ہے اور تو یہ چاہتا ہے کہ اسکو پھر کھول دے یہاں میرے پاس آتا کہ محبت کی سلائی سے تیری آنکھ کو پھوڑ دوں تاکہ اسکے بعد تو بھی میری طرح سے کسی شخص کو نہ دیکھ سکے بجز حق تعالےٰ وتقدس کے۔ عزیز من! خدا تعالیٰ کی محبت سے مراد خدا تعالیٰ کی طاعت کی محبت ہے ورنہ اس خاکی سے اللہ تعالیٰ کی اس پاکی کے ساتھ جو اسے حاصل ہے اللہ تعالےٰ کی کیا محبت ہوسکتی ہے، اور بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت نہ کریگا تو کیا کریگا (وہ تو ناگزیر ہے) ہاں اسکو کوشش ایسا کی کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اسکو دوست بنالے۔ سنو سنو ایکدفعہ ایک شخص حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گیا اور انسے کہا کہ میں آپسے محبت کرتا ہوں حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ بھائی معاف کرو میں نہیں چاہتا کہ مجھے سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی دوسرا دوست رکھے اسلئے کہ میرے والد محترم نے مجھ سے محبت کی نتیجہ ہوا کہ بھائیوں نے مجھے کنوئیں میں ڈالا اسیطرح سے عزیز کی بیوی نے مجھ سے محبت کی تو اسکے خدام نے مجھے جیل میں ڈلوایا۔

"اے نخشبی بس حق تعالیٰ کے دوست اور محب بنو کہ اسکے اندر بس نفع ہی نفع ہے۔ مخلوق سے خوامخواہ کیلئے کیوں دل لگاتے ہو ان کی دوستی تمھارے حق میں سراسر زحمت ہی ثابت ہوگی۔

سلک صدوسی ام

قیل لا یحنق دور الفلک

سلک نمبر ۱۳۰ (غم عشق ہر ایک کو نہیں ملا کرتا)

کہا گیا ہے کہ نہ اس دور فلکی میں اور نہ طبائع کی ترکیب

ولا فی ترکیب الطبائع ولا فی القیاس ولا فی الوہم ولا فی الممکن ولا فی الواجب ان یکون محب ولیس لمحبوب الیہ سبیل، ای عاشق محبت از چوب بباید آموخت کہ اگر ارہ بر سرش رانند چوں زکریا سر نخارد واگر در آتش اندازندش چوں ابراہیم دم نزند چنیں گویند کہ پیش ازاں کہ در مسجد رسول علیہ السلام منبر بر آرند حضرت رسالت چوں خطبہ کردی متصل ستون شدی آں روز کہ منبر بر آوردند پیغامبر صلی اللہ علیہ بالا ر منبر رفت از شوقِ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم آں ستون چناں در نالہ شد کہ ہمہ حاضران از نالہ او در نالہ شدند انس می گوید من دراں جمع حاضر بودم تا آنکہ پیغامبرؐ خطبہ میکرد آں ستون می نالید چوں پیغمبر علیہ السلام از منبر فرود آمد آں ستون را درکنار گرفت انگاہ از نالیدن بایستاد بشنو بشنو خاک حبشہ را فرو بیختند ذرہ درد بر آمد وخاک روم را فرو بیختند ذرہ عشق بر آمد وخاک فارس را فرو بیختند ذرہ سوز بر آمد ازاں ذرہ درد بلال را آفریدند و

ہیں، نہ قیاس و عقل میں نہ گمان و وہم میں نہ ممکنات میں نہ واجب میں کسی رو سے یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی محب صادق ہو اور محبوب کا اسکی جانب میلان نہ ہو (عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد) اے مدعی عشق تو عشق کا سبق لکڑی سے لے۔ دیکھ اسکے سر پر آرہ بھی رکھتے ہیں جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے ساتھ معاملہ پیش آیا تو اس سے سر نہیں ہٹاتی اسی طرح سے اگر اسکو آگ میں ڈالتے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ساتھ واقعہ پیش آیا تو دم نہیں مارتی۔ بیان کرتے ہیں کہ مسجد نبوی میں منبر بننے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت خطبہ ایک کھجور کے ستون سے سہارا لگا لیا کرتے تھے، جس دن کہ لوگ منبر بنا کر لائے اور اسکو مسجد میں رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے منبر پر تشریف لے گئے تو وہ ستون اپنی غایت محبت اور شوق کی وجہ سے (آپؐ سے فراق کو نہ برداشت کر کے) اس زور سے رویا کہ تمام حاضرین اس کی وجہ سے رونے لگے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں اس مجمع میں موجود تھا دیکھا کہ جبتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرماتے رہے وہ ستون روتا ہی رہا جب آپ منبر سے نیچے اترے تو اس ستون کو اپنے سینہ سے لگایا اسکے بعد اسکا رونا آہستہ آہستہ ختم ہوا۔ سنو سنو! حبشہ کی خاک چھانی اس سے درد کا ذرہ پیدا ہوا اور روم کی خاک ڈالی اس سے عشق کا ذرہ پیدا ہوا اور فارس کی خاک پھیلائی اس سے سوز کا ذرہ پیدا ہوا انہیں ذرات سے بلال حبشیؓ کا درد صہیبؓ رومی کا عشق اور سلمان فارسیؓ کے سوز کو پیدا کیا اور پھر چار سو عالم میں یہ اعلان کرادیا کہ بلالؓ سید حبشہ ہیں، صہیبؓ

ازاں ذرۂ عشق صہیب را و ازاں
ذرہ سوز سلمان را و ایں نداد جہانِ عالم
درداد بلال سید الحبشہ صہیب
سید الروم و سلمان سید الفارس
نمی دانم سحرہ فرعون از کدام درد تنگ شدند
تا ما ہمدراں درد در آئیم بلال و بلال
چہ کردند تا ما ہم ہماں کنیم اما آنچہ
ایشاں کردند مگر ہم ایشاں توانند کرد
خلوت یحییٰؑ آں روز بود کہ او را
در آتش انداختند و خلوت زکریاؑ
آں روز بود کہ او در کشاکش ارّہ
بود و آں ارّہ بر فرق آں ثابت قدم
نہادند کسی از و پرسید ایں ساعت
چہ میخواہی گفت میخواہم کہ نیمی
از من در مشرق آویزند و نیمی در
در مغرب تا جہانیاں بدانند راہی
کہ ما قدم نہادہ ایم چنیں خونخوار راہی ست
کہ با وجود خود قدم نتواں نہاد قطعہ
نخشبی را وجودکی بودہ است
اندُہ دلبراں بلاکش کرد
عشق در من نشانِ من نگذاشت
بس وجودی کہ وجد خاکش کرد

سید روم ہیں اور سلمان سید فارس ہیں (ہائے افسوس ابھی تک نہ جان سکا کہ فرعون کے جادوگروں کو کس درد سے پیدا فرمایا تھا (کہ سولی پر چڑھا دینے کی دھمکی سنی پھر بھی محبت حق پر ثابت قدم رہے) تاکہ ہم بھی وہی درد اپنے اندر پیدا کریں) اور (صد حیف کہ) ہم یہ بھی نہ جان سکے کہ بلالؓ اور بلالؓ نے کونسا عمل کیا تھا (جو اس درد سے نوازے گئے) تاکہ ہم بھی وہی عمل کرتے مگر انھوں نے جو عمل کیا تھا شاید کہ وہی حضرات اسکے اہل تھے (ان حضرات کے خلوص کا کیا کہنا بس یہ سمجھو کہ) حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خلوت اور معیت بحق تعالیٰ کا وہی دن تھا کہ جبدن ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا اسی طرح سے حضرت زکریا علیہ السلام کی خلوت اور وصال محبوب کی وہی گھڑی تھی جسمیں کہ انکے سر پر آرہ چلایا گیا تھا اور وہ بالکل ثابت قدم رہے چنانچہ کسی نے ان سے اسی حال میں پوچھا کہ اسوقت آپ کیا چاہتے ہیں کچھ خواہش ہو تو فرمائیے فرمایا کہ بس یہ چاہتا ہوں کہ میرے دو ٹکڑے کرکے ایک آدھا مشرق میں اور دوسرا آدھا مغرب میں لٹکا دیا جائے تاکہ دنیا والے یہ جان لیں کہ ہم نے جس راہ میں قدم رکھا ہے وہ ایسی جان لیوا ہے کہ اپنے وجود کو صحیح و سالم رکھکر اس راہ میں قدم نہیں رکھا جا سکتا (یہ تاج جان جاناں ہے جو کہ اسطرح سے جاں دیکر ہی ملتی ہے) اللہ اکبر ۔ ایک تو نخشبی کا وجود ہی حقیر اور نحیف سا تھا پھر دلبروں کے غم عشق اور رنج نے اسکو مصائب جھیلنے کا عادی بنا دیا ہے عشق نے میرے اندر کچھ نشان تک باقی نہ رکھا رہا سہا ایک وجود تھا عشق نے اسکو بھی خاک میں ملا کر رکھدیا۔"

سلک صد و سی و یکم

اطبار حاذق یعنی فقرار صادق کہ علت فسق را مداواۃ ایشاں توانند کرد چنیں گویند کہ العالم طبیب الدین والدراہم داؤہ فاذا کان الطبیب یجر الدراہم الی نفسہ فکیف یداوی غیرہ ای برادر اول دیناری کہ در جہاں مہر بزند ابلیس آں را بوسید و بر چشم نہاد و می گفت ای دینار تا از سبب دوستی تو چند کس دوست من خواہند

عزیز من! چوں فقرار در امور دین ہمہ وقت اقتدا بعلمار می کنند در ترک دنیا علمار را بباید کہ اقتدار بفقرار کنند فقیہ ابو اللیث میگوید چوں علمار بجمع کردن مال حلال مشغول گردند عوام خلق در شبہ افتند یعنی شبہ خوار شوند و چوں علمار شبہ خوار گردند عوام خلق حرام خوار گردند و چوں علمار حرام خوار گردند عوام خلق کافر شوند نعوذ باللہ من ذلک عزیز من عالم می باید کہ درویش باشد و درویش می باید کہ عالم بود و عالم کہ درو چاشنی

سلک ۱۳۱ (علم ظاہر تحصیل باطن پر مقدم ہے)

وہ حضرات جو کہ طبیب حاذق ہیں یعنی جنھیں فقرار صادق کہا جاتا ہے اور فسق اور امراض باطن کا علاج دراصل وہی لوگ کر بھی سکتے ہیں انکا یہ کہنا ہے کہ عالم دینی طبیب ہے اور روپیہ پیسہ یعنی مال دین کے حق میں بیماری ہے تو اگر طبیب ہی مال سمیٹنا شروع کر دیگا (یعنی مریض ہو جائیگا) تو دوسروں کا علاج کیا کریگا۔ ارے بھائی سنو! سب سے پہلے دینار یعنی اشرفی پر جب مہر شاہی چھاپ کر اسکو سکہ بنایا گیا تو ابلیس نے اسکو بوسہ دیا اور اپنی آنکھوں سے لگایا اور کہا کہ اے دینار تجھ سے محبت کر کے نجانے کتنے لوگ میرے دوست ہو جائیں گے۔

عزیز من! جبکہ فقرار یعنی اہل باطن تمام دینی امور میں علمار کی اقتدا کرتے ہیں تو علمار کو بھی چاہئے کہ ترک دنیا کے باب میں فقرار کا اتباع کریں فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ جب علمار حلال مال کے جمع کرنے میں مشغول ہو جائیں گے تو عام مخلوق مشتبہات میں مبتلا ہو جائیگی یعنی مشتبہ مال بے تکلف کھانے لگے گی اور جب علمار مشتبہ مال کھانے لگیں گے تو عوام الناس حرام کے کھانے والے ہو جائیں گے اور جب علمار حرام سے پرہیز نہ کریں گے تو عوام معاذ اللہ کافر ہی ہو جائیں گے (یعنی حرام کو حلال سمجھنے لگیں گے اور یہ کفر ہے) عزیز من! عالم کو چاہیئے کہ وہ صوفی اور درویش بھی ہو (یعنی اہل باطن) اسی طرح درویش کو چاہئے کہ وہ ظاہری علم شریعت سے بھی واقف ہو یعنی عالم ہو، چنانچہ جس عالم میں فقر و تصوف کی چاشنی نہیں ہے اسکو ایک

فقر نیست سببی است فقاری و
درویش که در وحلاوت علم نیست
عامی است در بیکاری چنیں گویند
وقتی بزرجمہر کہ کوکب فلک دقائق
بود درویشی را دید کہ او بغایت
جاہل بود گفتن گرفت مسکین ایں
شخص نہ از سبب فقر دنیا رخود را
اصلاح میتواندداد نہ از سبب جہل
عقبیٰ خود را سروپا میتواند کرد یعنی
فسادِ دنیا، او از سبب فقر اوست
وفسادِ آخرت او از سبب جہل او
بشنو بشنو! چنیں گویند وقتی
دو برادر بودند یکی را ہوس علم و
دوم را ہوس زہد بود آں متعلم ہربار
او را گفتی اول چیزی بخواں بعد
ازاں بدیں کار مشغول شو کہ زاہد
بیعلم بغایت شنیع و قبیح باشد او
ایں سخن نشنید تا کار بجائی رسید
کہ ترک عمرانات گرفت و برقلۂ کوہی
ساکن شد و آنجا عبادت کردن گرفت
چوں ایں متعلم عالم شد و بانواع علوم
حاوی گشت گفت اکنوں بروم آں برادر
را ببینم کہ کار خود را تا کجا رسانید

خونخوار درندہ جانو، اور جس درویش میں علم کی حلاوت نہ
اسکو ایک جہل عامی سمجھو۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بزرجمہر
جو کہ آسمان دقائق کا ایک درخشندہ ستارہ تھا ایک درویش
دیکھا جو کہ فقیر ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کا جاہل بھی تھ
اس حال میں اسکو دیکھکر اس نے کہا کہ یہ مسکین شخص نہ تو فقیر
غریب ہونے کی وجہ سے اپنی دنیا ہی درست کر سکتا ہے
نہ اپنی جہالت کی وجہ سے اپنی آخرت ہی کا معاملہ درست
کر سکتا ہے مطلب یہ کہ اسکی دنیا جو فاسد ہوئی وہ فقر کی وجہ
اور عقبیٰ جو برباد ہوئی وہ اسکے جہل کی بدولت۔ سنو سنو
کرتے ہیں کہ ایک جگہ دو بھائی تھے ایک کو تحصیل علم کی خواہش
دوسرے کو زہد کا خیال پیدا ہوا۔ علم حاصل کرنے والا برابر
دوسرے بھائی سے کہتا تھا کہ بھائی پہلے کچھ علم حاصل کرلو
اسکے بعد اس کام میں لگنا کیونکہ صوفی جو علم نہ رکھتا ہو وہ بہت
ہی برا ہے اور ایسا تصوف بالکل بدمزہ ہے۔ لیکن اس نے
نصیحت کی جانب کان بھی نہیں لگایا یہانتک کہ انجام کار
کہ اس نے بستی کو چھوڑ کر پہاڑ کی چوٹی پر قیام اختیار کیا اور و
رہ کر عبادت کرنا شروع کیا۔ ادھر یہ بھائی پڑھکر دین کا عالم
مختلف علوم وفنون پر حاوی ہوگیا۔ خیال کیا کہ جاؤں اپنے
بھائی کو دیکھوں کہ اس کا معاملہ کہاں تک پہنچا ہے جب
پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا تو اسکو دیکھا کہ بالکل لاغر و نحیف ہو
ہے اور نماز پڑھ رہا ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو
آگے بڑھکر اس سے سلام اور مصافحہ کیا۔ غایت قربت کی
سے اس عالم کے دماغ میں بہت ہی کریہہ بدبو پہنچی اس

چوں بر سر آں قلہ رسید جائی دید در غایت نزاہت او بہ نماز مشغول گشتہ چوں از نماز فارغ شد و شرط مصافحہ بجا آورد بوی زشت در دماغ آں متعلم رسید گفت درچنیں جائے ایں بوئے زشت از کجا می آید او گفت از من می آید گفت بر تو اینچنیں بوئے چکند گفت چند روز شد کہ بوئے در غایت خوش بمشام من رسید گفتم چوں من بقصر تن در ریاضت نفس مشغولم ایں چنیں بوئے در دماغ من چکند از نجاست دو پلیتہ کردم و در دو بینی نہادم متعلم گفت ای برادر من نیگفتم کہ چیزے بخواں باہم سیر نجاست نماز گزاردن کے روا باشد۔

قطعہ

نخشبی فقر با علوم نکو
شہد بمنفعت ہمہ زہر است
آنچہ در آدمی بکار آید
فقر با علم و علم با فقر است

پوچھا کہ اس جیسی جگہ میں ایسی بدبو کہاں سے آرہی ہے؟ اس نے کہا میرے ہی اندر سے آتی ہوگی، عالم نے کہا اے بھائی! آپ کے اندر بو کا کیا کام؟ کہا کہ چند دنوں سے نہایت عمدہ خوشبو (پہاڑ کے پھولوں کی) میری ناک میں آرہی ہے تو میں نے سوچا کہ میں تو بدنی مجاہدہ میں ہوں اور یہاں یہ حال ہے کہ ایسی نفیس خوشبو میرے دماغ میں آرہی ہے اسلئے نجاست کی دو بتیاں بناکر ناک میں رکھ لی ہیں۔ عالم نے کہا کہ بھائی جان میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ پہلے کچھ علم دین حاصل کر لیجئے پھر اس کام میں لگئے بھلا بتلائیے کہ اس آدھ سیر نجاست کے ساتھ ساتھ نماز ہی کب صحیح ہوتی ہے۔ (بس آپ کی یہ ساری عبادت بیکار رہی) ؎

۱۰ اے نخشبی فقیری اور تصوف بھی علوم کے ساتھ ساتھ عمدہ چیز ہے دیکھو شہد میں اگر کچھ نفع نہ ہو تو زہر کے برابر ہے انسان کے لئے جو کار آمد چیز ہے وہ یہ کہ تصوف کے ساتھ ساتھ ظاہر شریعت کا بھی علم ہو اور ظاہری علم اگر کسی کو حاصل ہو تو باطنی اخلاق بھی اسکے درست ہوں (جو کہ حاصل تصوف ہے مطلب یہ کہ انسان کو ظاہر و باطن کا جامع ہونا چاہیئے ورنہ تو بقول امام مالکؒ یا تو وہ فاسق ہو جائیگا یا پھیکا پھیکا ملا رہے گا محقق نہ ہوگا)۔

...یت۔ ایک تحصیلدار صاحب نے ایک شخص کو پیش کیا اور کہا کہ انکو بعض مسائل اسلام میں شکوک ہیں میں نے کہا کہ ان شکوک کا علاج یہ نہیں کہ اس مختصر جلسہ میں یہ انکو پیش کریں اور میں جواب دیدوں اور یہ سنکر چلے جائیں بلکہ انکا علاج یہ ہے کہ ...روز کے لئے میرے پاس آکر رہیں اور میں جو کہا کروں اس میں یہ غور کیا کریں۔ ان صاحب نے نہایت زور کے ساتھ آکر رہنے کا وعدہ کیا تھا لیکن مدت گذر گئی اور انکا وعدہ وفا نہیں ...اصل بات یہ ہے کہ لوگ اپنی اس حالت کو مرض نہیں سمجھتے حالانکہ یہ اتنا بڑا مرض ہے کہ ...ئی مرض بھی اسکے برابر نہیں، نیز مرض بھی پرانا ہے لہٰذا ایک دو جلسے میں اسکا ازالہ ممکن نہیں ...کم ایک چلہ تو حکیم کے پاس رہنا چاہیئے جیسا حدیث میں مذکور ہوا اسی حدیث کا گویا حافظ شیرازیؒ ...ترجمہ کیا ہے ؎

شنیدم رہروے در سرزمینے ہمی گفت ایں معما با قرینے

...نے ایک سفر میں ایک شخص کو بطور اشارہ وکنایہ کے اپنے کسی ساتھی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ)

کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف کہ در شیشہ بماند اربعینے

(اے صوفی! دیکھو شراب بھی اسوقت زور دار اور کامل نشہ والی ہو جاتی ہو جبکہ ایک چلہ کسی میں بھر کر رکھدی جائے) شیشہ سے مراد قلب ہے اور شراب سے مراد محبت الٰہی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک چلہ ...ج کرنے سے انشاء اللہ اصل مرض جاتا رہیگا اور پھر انشاء اللہ عمر بھر مقویات پہونچتی رہنگی گویا مسہل تو طبیب کے پاس رہکر ہو جائیگا اور ازالہ مرض کے بعد تقویت پہونچانے والی دوا دور رہکر بھی پہونچتی رہیں گی۔ خدا کے لئے صاحبو! اس علاج کو آزما کر تو دیکھو۔ اور چونکہ میں نے اصل علاج بتا دیا ہے لہٰذا مجھے کوئی ضرورت نہیں کہ میں جزئی شکوک وشبہات کا جواب دوں

(۱۱۱) حُبِّ دنیا اور کسب دنیا میں فرق

حب دنیا وہی ہے جس میں ترک آخرت ہو نہ کہ کسب دنیا۔ پس کسب دنیا جائز اور حب دنیا ناجائز۔ کسب اور حب میں وہی فرق ہے جو کہ غلیظ کے صاف کرنے اور کھانے میں کہ اول برا نہیں اور دوسرا برا اور معیوب ہے اور یہی وجہ ہے کہ تصوف

العاجلۃ فرمایا تکبون العاجلۃ نہیں فرمایا اب اپنے اوپر منطبق کریجئے اور دیکھئے کہ آپ تحبون کے مصداق ہیں یا تکبون کے۔

(۱۱۲) اپنی حالت پر آیات کی تطبیق کرنے میں بعض کی غلطی

اس انطباق میں عوام سے تو کچھ خوف اور اندیشہ نہیں اسلئے نہیں کہ انکو کچھ خبر ہی نہیں ان بیچاروں سے جو بات کہدی گئی انھوں نے سن لی اور عمل کرلیا اور علماء سے اسلئے خوف نہیں کہ ان حضرات کی نظریں اصل حقیقت تک پہونچی ہوئی ہیں البتہ ان نیم خواندہ خود رائے لوگوں سے (جو بوجہ نیم ہونے کے تلخ بھی ہیں) ڈر لگتا ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ دیکھکر یہ کہدیں کہ ہمکو یہ آیت سنکر اپنی حالت پر منطبق کرنے کی اسلئے ضرورت نہیں کہ ہم اسکے مخاطب ہی نہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے لہذا کفار اسکے مخاطب ہونگے ہم مسلمان اس کے مخاطب ہی نہیں ہوسکتے ہم سے اس آیت کو کیا تعلق۔ لہذا اب میں اسکے متعلق عرض کرتا ہوں۔

اکثر لوگ آیات کے متعلق یہ سنکر کہ کفار کو خطاب کیا گیا تھا بیفکر ہوجاتے ہیں حالانکہ اس سے بیفکر نہونا چاہیئے بلکہ اور زیادہ فکر میں پڑجانا چاہیئے اور زیادہ اثر لینا چاہیئے کیونکہ جب کوئی آیت عتابیہ کفار کی شان میں نازل ہوتی ہے تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس آیت کے مضمون کا خطاب کفار کو انکی ذات کی وجہ سے ہوا ہے یا کسی صفت کی وجہ سے اور ظاہر ہے کہ ذات کی وجہ سے یہ خطاب نہیں ہوا ورنہ ہر انسان کو گو وہ متقی ہی ہو اسکا خطاب ہوتا کیونکہ ذاتا سب متحد ہیں اور لازم باطل ہے فالملزوم مثلہ۔ پس معلوم ہوا کہ کسی صفت کی وجہ سے یہ خطاب ہوا ہے اور کوئی حالت خاصہ اس مضمون کے ترتب کی علت ہے تو اگر وہ علت کفار کے علاوہ کسی دوسری جگہ بھی پائی جائیگی تو اس جگہ بھی یہ مضمون مرتب ہوگا۔ مثلاً اسی آیت میں وعید کا مدار حب عاجلہ ہے۔ لہذا حب عاجلہ اگر تمہارے اندر پائی جائیگی تو تم بھی وعید کے تحت میں داخل ہوگے۔ پس اب غور کرو اور اگر حب عاجلہ اپنے اندر دیکھو تو بہت جلد اس کا علاج کرو اور اپنی حالت پر افسوس کرو کہ جو امور اس زمانہ میں کفار میں ہوتے تھے آج وہ مسلمانوں

کے اندر موجود ہے ۔

(۱۱۳) آیت میں تحبون وتذرون کی ایک تاویل فاسد کا جواب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تحبون و تذرون سے مطلق محبت اور ترک مراد نہیں ہے بلکہ یہ دونوں لفظ خاص ہیں یعنی وہ ترک مراد ہے جو اعتقاداً ہو اسی طرح سے محبت سے وہ محبت مراد ہے جو اعتقاداً بقائے دوام کے ساتھ ہو اور ہم میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں کیونکہ ہم بحمداللہ قیامت کے قائل ہیں دنیا کو فانی جانتے ہیں۔ اسکا جواب ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں کوئی قید نہیں ہے اور تمھارے پاس اس قید کی کوئی دلیل نہیں اور بلا دلیل کوئی دعویٰ مسموع نہیں ہوتا پس اس قسم کی قید لگانا قرآن شریف کے مقصود کو بالکل باطل کرنا ہے اور اس تاویل کی ایسی مثال ہے کہ

حکایت : ایک شخص نے کسی مقام پر پہونچکر ایک مجمع میں بیٹھکر کہنا شروع کیا کہ میں جب یہاں آیا تو ایک عورت سے میری آشنائی ہوئی اور میں اسکے گھر جایا کرتا تھا اور اس کا گھر ایسا ایسا تھا اور اسکا شوہر ایک بار آگیا تھا اور اس نے مجھکو اس اس طرح چھپا دیا تھا اور اس مجمع میں اس عورت کا شوہر بھی تھا اور اسکے پکڑنے کی فکر میں تھا اب یہ اقراری مجرم مجمع عام کے سامنے ہوگیا۔ جرم ثابت ہونے میں کوئی حجت باقی نہ رہی اس عورت کو خبر ہوئی اور کچھ اشارہ کر دیا جسکو یہ سمجھ گیا اور تمام قصہ ختم کر کے آخر میں کہدیا کہ بس اتنے میں آنکھ کھل گئی تو کچھ بھی نہ تھا لوگوں نے کہا کیا یہ سب خواب تھا کہنے لگا کہ اور نہیں تو کیا بھلا میں غریب پردیسی مجھکو کون پوچھتا ہے تو ایسی تاویل آپ حضرات ہی کو مبارک ہو غرض یہ کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنی غرض کے مطابق جہاں چاہو اور جس طرح چاہو کرلو۔ مگر افسوس ہے کہ ہمکو اسکی ذرا پروا نہیں وہ حالت ہورہی ہے کہ ؎

بہ ہوی تاویل قرآں می کنی پست وکژ شد از تو معنیٔ سنی

(تم اپنی خواہش نفسانی کے تقاضہ پر قرآن کے معنی بیان کرتے ہو اسکی وجہ سے تمہارے اعلیٰ معنی بالکل ہی کج اور پست ہوگئے ہیں)

چوں ندارد جان تو قندیلہا بہر بینش می کنی تاویلہا

(جب تمہارے باطن میں فہم و فراست کا نور نہیں ہے تو قرآن کو سمجھنے کے لئے دوبارہ تاویلیں کرتے پھرتے ہو)

کردۂ تاویل لفظ بکر را خویش را تبدیل کن نے ذکر را

(تم اسکے خوبصورت لفظ کو باکرہ کے مانند نازک اور لطیف ہے اپنی نفسانی تاویل کے ذریعہ خراب کر رہے ہو انمیں کیوں تاویل کرتے ہو خود اپنے آپکو تبدیل کرو)

(۱۱۴) اہل درد ہر مضمون سے اپنے مقصد کیطرف ہوتے ہیں

اور میں علی السبیل التنزل کہتا ہوں کہ اگر یہ معنی مطلق نہ بھی ہوں اور متذرون مقید ہی ہوا عتقادی ترک کے ستھ تو تب بھی آپ کو بے فکر ہونا چاہیئے کیونکہ جس دل میں درد ہوتا ہے اسکو تھوڑے التفات سے بھی تنبہ ہوجاتا ہے گو وہاں دوسری ہی کسی حالت کا بیان ہو مشہور ہے کہ ؎

با سایہ ترا نمی پسندم عشق است و ہزار بدگمانی

(میں تجھے سایہ کیساتھ بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا (جانتا ہوں کہ وہ بے روح ہونیکی وجہ سے مزر ہو) مگر عشق میں ہزار بدگمانیاں بھی تو ہوتی ہیں)

حکایت : حضرت شبلیؒ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سبزی فروش صدا لگاتا ہوا آیا کہ الخیار العشرۃ بدانق جس کے معنی یہ ہیں کہ دس ککڑیاں ایک دانق کے عوض لیکن حضرت شبلیؒ نے سنکر ایک چیخ ماری اور رونے لگے اور فرمایا کہ جب دس پسندیدہ آدمیوں کی یہ قیمت ہے تو ہم گنہگار کس شمار میں ہیں انکا ذہن منتقل ہوا خیار کے دوسرے معنی کی طرف یعنی نیک لوگ ان لوگوں کے دل میں ہر وقت وہی بات رچی رہتی ہے حضرت جامیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

بسکہ در جانِ فگار و چشم بیدارم توئی ۔ ہر کہ پیدا میشود از دور پندارم توئی

(اے محبوب تجھ میری زخمی جان اور چشم بیدار میں اسطرح سے سمایا ہے کہ جب کسی کو بھی دور سے آتا ہوا دیکھتا ہوں سمجھتا ہوں کہ تو ہی ہے)

اور یہ صرف شعراء کے کلام ہی سے استدلال نہیں بلکہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں خطبہ فرما رہے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کچھ کھڑے تھے اور کچھ بیٹھے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اجلسوا یعنی بیٹھ جاؤ اس ارشاد کو سنکر جو جس جگہ تھا اسی جگہ بیٹھ گیا حتیٰ کہ ایک صحابی اسی وقت مسجد میں داخل ہو رہے تھے ارشاد نبویؐ کو سنکر فوراً جوتوں کے پاس ہی بیٹھ گئے حالانکہ جانتے تھے کہ مخاطب وہ لوگ ہیں جو جگہ پر پہنچکر بھی نہیں بیٹھے لیکن محض اس وجہ سے کہ حضورؐ کا ارشاد

سے ان کا تماشا کے کانوں میں پڑا ہے اگرچہ تم بظاہر مخاطب نہیں لیکن خطاب محبوب کا سننے والے تو ہو لہذا اینٹھو ہی جانا چاہیے۔ تو آپ لوگ جامیؒ اور شبلیؒ کو بھی جانے دیجئے خود حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ درد دل کا اور محبت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ احتمال پر بلکہ مشابہت احتمال پر بھی اپنے کو مخاطب سمجھے اگرچہ اپنے مخاطب ہونے کا یقین نہ ہو بلکہ مخاطب نہ ہونے کا بھی یقین ہو۔ غرض جس طرح آپ چاہیں ثابت سمجھیں، حدیث سے یا شعراء کے اقوال سے ہمارا مقصود ہر طرح حاصل ہے

(۱۱۵) اصلی نفع دینی ہے باوجود ضروری ہونے دنیوی نفع کے

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (اے میرے پروردگار انہیں اپنی جانب ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو کہ انھیں کی جنس سے ہو اور تیری آیتیں تلاوت کرے انکو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انکا تزکیہ باطن کرے بلا شبہ آپ غالب ہیں نفع اور دیں حکمت والے ہیں اپنے کاموں میں) اس مقام پر یہ مضمون حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے منقول ہے کہ بنائے کعبہ کے وقت جو دعائیں ان دونوں صاحبوں نے کیں ان میں ایک دعا یہ بھی ہے کہ جسکا نفع انکی اولاد کو پہنچا ان حضرات نے اول اپنے لئے دعا کی اسکے بعد اپنی اولاد کے لئے دعا کی منجملہ دعا للاولاد کے یہ بھی تھا حاصل اس دعا کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے اپنی اولاد کو ایک دینی نفع پہنچایا اس دعا کے طرز سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امر اصلی قابل التفات، نفع دینی ہے۔ اور نفع دنیوی اسکے تابع ہے اور اسکے ساتھ ملحق ہے۔ ہمکو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سبق لینا چاہیئے کہ انھوں نے جہاں اپنی اولاد کے لئے نفع دنیاوی کی دعا کی وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (اور پھلوں کی روزی عطا فرما یہاں کے باشندوں میں سے انکو کہ جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں) وہاں اس دینی نفع کی بھی دعا کی کہ ربنا وابعث الخ تو نفع دنیاوی کے لئے دعا کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ضروری ہے اور ظاہر بھی ہے کہ اگر دنیا کا نفع نہ ہو تو دنیا میں بہت کم طبیعتیں ایسی ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ

کی طرف متوجہ ہوں پس اپنے رزق کی وسعت کے لئے اپنی صحت کے لئے بھی خدا تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے۔

حکایت: اور یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک صحابی کو دیکھا کہ بہت لاغر ہو رہے ہیں تو حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تم نے کچھ دعا تو نہیں کر لی کہنے لگے کہ ہاں دعا تو کی تھی، آپؐ نے فرمایا کہ کیا دعا کی تھی کہنے لگے کہ یہ دعا کی تھی کہ جو کچھ عذاب ہونا ہو دنیا ہی میں ہو جاوے، آپؐ نے انکو متنبہ فرمایا کہ یہ غلطی کی بات ہے کیونکہ انسان ضعیف ہے اور احتیاج اسکی خمیر میں ہے۔

حکایت: ایک شخص میرے پاس آئے اور کہا کہ میرے لئے دس روپیہ کا انتظام کر دیجئے کیونکہ مجھے سخت ضرورت ہے۔ اسکے بعد اِدھر اُدھر کا تذکرہ کرنے لگے، فقیری کا دم بھرنے لگے کہنے لگے کہ جنت کی کیا پروا ہے اور دوزخ کا کیا ڈر ہے۔ میں نے کہا میاں بیٹھو تم سے دس روپیہ سے تو صبر ہو نہیں سکا جنت سے کیا صبر کر سکو گے اگر ایسے مستغنی تھے تو دس روپئے ہی سے صبر کیا ہوتا۔ تو واقعی انسان ایسا محتاج ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں کی اسکو ضرورت ہے۔ اور آخرت کا دنیا سے زیادہ محتاج ہے۔ اسلئے ابراہیم علیہ السلام نے جیسے دنیا کے لئے دعا کی ایسے ہی آخرت کیلئے بھی دعا کی تو گویا ہمکو سبق سکھلاتے ہیں، اور اولاد عام ہے خواہ اولادِ حقیقی ہو یا مذہبی بلکہ اولادِ حقیقی بھی جب ہی اولاد ہوتی ہے کہ اتباع کرے چنانچہ ارشاد ہے مَنْ سَلَكَ طَرِيْقَتِيْ فَهُوَ آلِيْ (جو میرے طریقے پر چلے وہ میری اولاد ہے) گو بعض لوگوں نے مَن سَلَكَ طَرِيْقَتِيْ کو عام لیا ہے کہ جو شخص بھی متبع ہو وہ آل میں داخل ہے خواہ نسباً آل ہو یا نہ ہو، مگر میرے خیال میں اتنا عام نہیں ہے بلکہ صرف آل کو عام ہے پس مطلب یہ ہے کہ اولادِ نسبی میں معتدبہ آل وہ ہے کہ اتباع کرے۔ یعنی شرف تو صرف اولاد ہونے سے بھی ہوگا لیکن پورا شرف اسی وقت ہوگا جب اتباع ہو تو من سلک آل ہی کیلئے ہے مگر آل ہی میں ایک قید معتبر ہے کہ معتدبہ درجہ میں شرف اسی وقت ہوگا۔ بہرحال انبیاء کی اولاد بھی وہی مقبول ہے کہ جو متابعت رکھتی ہو ورنہ ایسا ہے کہ جیسا غلط لکھا ہوا قرآن کہ اسکا نہ ادب ہے نہ بے ادبی۔ ادب تو اسلئے نہیں کہ وہ صحیح قرآن نہیں ہے اور بے ادبی اسلئے

نہیں کیجائیگی کہ کچھ تو قرآن کے اجزا ہیں۔ تو انبیاء کی زیادہ تر نظر اس پر رہے کہ دین کا نفع ہو اور آل ہو تو ایسی ہو کہ وہ انکے قدم بقدم ہو تو ابراہیم علیہ السلام نے صرف اپنی ذریت کے لئے یہ دعا کی اور اس سے گویا ہمکو یہ سبق سکھلایا کہ اپنی اولاد کے لئے دنیا سے زیادہ اہتمام دین کا کرنا چاہیئے۔

(۱۱۶) ہمکو اولاد کیلئے دینی نفع کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے

اب ہمکو سبق لینا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ ہم کہانتک اپنی اولاد کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ لوگ اپنی اولاد کے حقوق ادا نہیں کرتے لیکن یہ ضرور ہے کہ زیادہ توجہ محض دنیا پر ہے اسکی زیادہ کوشش ہوتی ہے کہ اولاد چار پیسے کمانے کے قابل ہو جاوے اور جب اس قابل بنا دیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم انکے حقوق واجبہ ادا کر چکے آگے اپنی اصلاح یہ خود کر لیں گے اور وجہ اسکی زیادہ تر یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے دین کی وقعت بالکل نکل گئی ہے اسلئے ہمہ تن دنیا پر جھک پڑے ہیں۔

(۱۱۷) انبیاء اور انکے متبعین کو معاش و معاد دونوں کی عقل کامل عطا ہوتی ہے

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا کی ضرورتوں کی خبر نہ تھی اسلئے انکو دنیا کی طرف توجہ نہیں ہوئی تو عقل اور نقل دونوں اس شبہ کی تکذیب کر رہی ہیں نقل تو یہی سابق دعاء جو اپنی اولاد کے لئے انھوں نے فرمائی وَارْزُقْ اَھْلَہٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ اور عقل اسلئے کہ حضرت ابراہیم حق سبحانہٗ تعالیٰ کے نائب ہیں اور جیسے حق سبحانہ وتعالیٰ معاش اور معاد دونوں کی تربیت فرماتے ہیں حق سبحانہ تعالیٰ کے نائب بھی دونوں کی تربیت فرماتے ہیں کیونکہ ان حضرات کو اصلاح کے لئے بھیجا جاتا ہے اور اصلاح جب تک ممکن نہیں جب تک کہ معاش اور معاد دونوں کی اصلاح نہ کیجائے۔ نیز تاریخ اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کو عقلِ معاش بھی کامل ہوتی ہے جو لوگ اس کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔

(۱۱۸) انبیاء و اولیاء کو عقلِ معاش ہونے کے معنی

عقلِ معاش ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ نوکریوں اور صنعتوں کے طریقے بتلا دیں لوگ یہ سمجھ کر بزرگوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا سے بے خبر ہیں باوجودیکہ دنیا کی ضرورت یقینی ہے مگر یہ ادھر متوجہ نہیں ہوتے۔ صاحبو! یہ تسلیم ہے کہ دنیا کی ضرورت ہے لیکن اول تو یہ غور کیجیے کہ ضرورت کسکو کہتے ہیں، دوسرے معاش کے طریقے بتلانا اور اس پر ترغیب دینا یہ علماء کا کام نہیں ہے۔ دیکھو حکیم عبدالعزیز خاں حکیم عبدالمجید خاں اپنے فن کے ماہر تھے اور انکا کام یہ تھا کہ وہ امراض کی تشخیص کریں، اب فرض کرو کہ ایک مریض ان کے پاس آیا حکیم صاحب نے نبض دیکھکر تپ دق تجویز کی وہ نسخہ لیکر چلا تو رستہ میں ایک موچی ملا اور اس مریض کی کیفیت دریافت کی اس نے کہا حکیم صاحب نے تپ کہنہ تجویز کیا ہے کہنے لگا کہ حکیم صاحب نے جوتے کے متعلق کچھ کہا؟ اس نے کہا کہ جوتے کے متعلق تو کچھ نہیں کہا۔ کہنے لگا کہ وہ حکیم نہیں ہیں انکو اتنی ضرورت کی تو اطلاع ہی نہیں یہ نہ دیکھا کہ ایک شخص جوتے لیے بیٹھا ہے اور ننگے پیر ہے آخر اسکو جوتا پہننا چاہیئے یا نہیں؟ اب میں پوچھتا ہوں کہ اس موچی کی نسبت آپ کیا فتویٰ دیں گے؟ کیا اسکو عقلاء میں شمار کیا جاوے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ پاگل کہا جاویگا اور کہا جاویگا کہ اس نے طبابت کی حقیقت کو نہیں سمجھا اور اسکے فرائض منصبی پر اسکو اطلاع نہیں۔ البتہ حکیم پر اسوقت الزام تھا کہ وہ نسخہ کے اندر بلا وجہ یہ کہہ دیتے کہ جوتا نہ پہننا اور جبکہ وہ اس سے سکوت کرتے ہیں تو ان پر کوئی الزام نہیں وہ اپنے فرض منصبی کو ادا کر چکے۔ تو علماء پر دنیا کی ترغیب نہ دینے کا الزام اسوقت ہو سکتا تھا کہ جب انکا فرض منصبی ترغیب دنیا ہوتا یا وہ دنیا حاصل کرنے اور ادھر متوجہ ہونے سے روکتے۔ اگر کہیے کہ علماء تو روکتے ہیں تو میں کہونگا کہ یہ روکنا بلا وجہ نہیں اس روکنے کی ایسی مثال ہے کہ جیسے حکیم عبدالمجید خاں کسی کو دیکھیں کہ اسنے اس طرح جوتی سلوائی ہے کہ ٹلنے کھال کے اندر سے نکالے گئے ہیں تو وہ اس طرح سے جوتا سلوانے کو ضرور روکیں گے کہ زخم کی بیت تمام بدن میں دوڑ جانے کا احتمال ہے۔